الصدّیق

جسمیں امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی

سوانح عُمری

اور اُن کے عہد خلافت کے مفصّل حالات معہ فتوحات

مُؤلّفہ

جناب مولٰنا مولوی محمد محمود خاں صاحب مرحوم لودھی دہلوی مدرس اوّل ایچیسن کالج لاہور

جسے بعد لینے حق تصنیف کے

منشی فضل الدین صاحب ککے زئی تاجر کتب قومی مالک اخبار اشاعت بازار کشمیری

لاہور نے

نول کشور گیس پرنٹنگ ورکس لاہور میں چھپوایا

سنہ ۱۹۰۲ عیسوی

قیمت ... ... غیر مجلد ۸/

دنیاے اسلام
روس
افرنجہ
ہنگریہ
بحر اسود
بحر الروم
ترکستان
خراسان
کرمان
فارس
بحیرۂ عرب
بحر ہند
لنکا
بنگالہ
عمان
فرہنگ الوان
(۱) فتوحات عہد نبوت (صلی اللہ علیہ وسلم) ......
(۲) فتوحات صدیقی (رضی اللہ عنہ) ......
(۳) فتوحات فاروقی (رضی اللہ عنہ) ......
(۴) رقبۂ حکومت فاروقی (رضی اللہ عنہ) ......
(۵) فتوحات عثمانی (رضی اللہ عنہ) ......
(۶) رقبۂ حکومت بنی اُمیہ ......
(۷) عام رقبۂ حکومت اسلامیہ ......
(۸) جہاں سے جہاں تک اسلام پہنچا ......

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلّی

عرض مؤلّف

میرے دوستِ یک رنگ منشی فضل الدین صاحب ککے زئی تاجر کتب قومی نے جو نہ صرف اپنا دھن دولت بلکہ اپنا عزیز وقت اور اپنی بیش بہا جان تک قومی کتب کی اشاعت میں وقف کر چکے ہیں۔ ایک اثنائے گفتگو میں ارشاد فرمایا کہ گو آج کل تعلیم عام ہو رہی ہے۔ اور علم و فضل کے دریا پنجاب کے دریاؤں سے زیادہ جوش و خروش کے ساتھ بہ رہے ہیں۔ مگر مسلمان عوام اور خصوصاً طلبہ اپنے بزرگوں کے حالات سے بالکل ناواقف ہیں۔ یہاں تک کہ اکثر تابعین و تبع تابعین تو کیا اصحابہ ؓ اربعہ کے کارناموں سے بھی واقف نہیں ہیں۔ اور رہوں کیونکر جو کتابیں ان بزرگوں کے حالات زندگی ظاہر کرتی ہیں وہ ایسی زبانوں میں لکھی گئی ہیں کہ جن سے عوام بالکل فائدہ نہیں اُٹھا سکتے۔ گو بعض اردو میں موجود ہیں لیکن وہ بھی اس دقت سے خالی نہیں۔ اُن کی اردو بھی ایسی ہے۔ جیسے کوئی عرب اردو لکھ رہا ہے۔ بالکل بے ربط اور غیر مسلسل۔ علاوہ اس کے قیمت اس قدر گراں

کہ کم استطاعت آدمی خرید بھی نہیں سکتا۔ انہوں نے کہا کہ اس دقت کو رفع کرنے کے لئے اپنی محنت و روپیہ سے حاضر ہوں۔ اگر تم میری امداد کرو۔ مجھ کو اپنے کار منصبی و تفکرات خانگی سے اس قدر فرصت کہاں۔ لیکن اپنے مشفق مہربان کی عرصہ دراز کی دوستی نے۔ اور زیادہ تر اُن کے قومی جوش نے مجھ کو مجبور کیا کہ اس پہاڑ کو اپنے سر پر اُٹھاؤں۔ چنانچہ آج یہ عاجزانہ تحفہ (الصدیق) اپنے شفیق کی نذر کرتا ہوں۔ یہ میری طرف سے اُن کی چودہ سالہ دوستی کا ہدیہ ہے۔ ع

گر قبول افتد زہے عز و شرف

اگر زندگی مستعار باقی ہے تو انشاء اللہ تعالیٰ تمام سلسلہ موجودہ خلافت تک بطور اپنی یادگار کے اپنے جوانمرد اور باہمت دوست کی نذر کرونگا +

راقم

خاکسار **محمود خاں** لودھی

مورخہ ۱۶۔ جون سنہ ۱۹۰۰ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

کا

حسب نسب اور اُن کے مناقب جمیلہ واوصاف حمیدہ

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ۵۷۳ء میں مکہ شریف میں پیدا ہوئے تھے۔رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کے دو برس اور چند ماہ بعد۔آپ بڑے دولتمند تھے۔اور آپ کی فیاضی وسخاوت کی دھوم تمام ملک میں مچی ہوئی تھی +

حسب نسب آپ کا اسم مبارک عبداللہ ابوبکر اور باپ کا نام ابوقحافہ تھا۔آپ کا شجرۂ نسب چند پشت بعد آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جا ملتا ہے +

کنیت لقب آپ کی کنیت ابوبکر اور آپ کا لقب عتیق تھا۔کیونکہ آپ نہایت خوبصورت اور حسن وجمال والے تھے۔اور آپ کے نسب میں کوئی عیب نہ تھا۔ اور چونکہ آپ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر بلاکسی شک وشبہ کے فوراً ایمان لائے

تھے۔ اور اُن کے معراج آسمانی کی دل و جان سے سب سے اوّل تصدیق کی تھی۔ اسواسطے آپ کو صدّیق کہتے تھے +

مناقب و اخلاق

آپ اپنے عزیزوں اور کُنبہ داروں کے ساتھ سلوک کرنا اور دکھ درد میں اُن کو مدد پہنچانا۔ اپنا فرض عین سمجھتے تھے۔ مسافروں کے ہمراہ مروت سے پیش آتے۔ مہمانوں کی خاطر تواضع کرنے میں آپ کو بڑی خوشی حاصل ہوتی تھی +

قبول اسلام سے پیشتر بھی آپ کی پاک دامنی اور نیک چلنی کا شہرہ ملک میں پھیلا ہُوا تھا۔ آپ بچپن سے شراب کو حرام سمجھتے تھے۔ مشرف باسلام ہونے سے پہلے ایک شخص نے آپ سے دریافت کیا۔ کہ آپ شراب کو کیوں ناپسند کرتے ہیں آپ نے فرمایا۔ کہ جو لوگ شراب کا استعمال کرتے ہیں۔ وہ اپنی عزت اور حرمت کو برباد کرتے ہیں۔ مروت اور مردانگی کو کھو بیٹھتے ہیں۔ شرم و حیا کو ہاتھ سے دیدیتے ہیں۔ اور مجھے منظور رہے کہ اپنی حرمت و مروت کی حفاظت کروں +

حضرت صدیق کا رنگ گورا۔ قد کشیدہ۔ پیشانی بلند۔ آنکھیں اندر کی طرف دھسی ہوئی تھیں۔ آپ کی ڈاڑھی گھنی اور سفید تھی جس کو مہندی سے رنگ لیا کرتے تھے +

آپ مکر و فریب سے کوسوں پرے بھاگتے تھے۔ اور ہمیشہ دیانت داری اور راستی اُن کا شعار تھی۔ دنیا کا مال و دولت عیش و آرام اُن کی نظر میں ہیچ تھا۔ وہ نہایت سادگی سے زندگی بسر کرتے تھے۔ اکثر تجارت کی غرض سے باہر بھی جایا کرتے تھے +

آپ کی تدبیر اور رائے امورات ملکی میں نہایت سنجیدہ اور صائب ہوتی تھی

آپ اپنے واسطے بیت المال سے بہت تھوڑا لیتے تھے۔ اور جو بچتا تھا۔ جمعہ کے روز تمام مال غنیمت کے ساتھ غربا کو تقسیم فرما دیا کرتے۔ اور حقدار اور غریبوں کو بہت کچھ دیتے تھے۔ اور افلاس زدہ اور مصیبت خوردہ لوگوں کی اپنی آمدنی سے بہت کچھ امداد فرماتے تھے۔ آپ کی سواری میں صرف ایک اونٹ اور ایک حبشی غلام رہا کرتا تھا۔

حضرت صدیق رضؓ مشرف باسلام ہونے کے وقت سے تا وفات رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم ہمیشہ آنحضرت کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ اور کبھی اُن سے جُدا نہ ہوتے تھے۔ ہر ایک جنگ میں رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ رہے۔ غار میں اُن کے رفیق تھے۔ اور ہجرت کے وقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گھر بار اور بال بچوں کو چھوڑ کر ہجرت فرما گئے تھے۔ غزوۂ بدر میں ہمراہ تھے۔ جنگ اُحد اور جنگ حنین میں بڑی بہادری اور ثابت قدمی سے لڑے تھے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ نے آپ کی بابت یوں ارشاد کیا ہے۔ ثانی اثنین اذ ھما فی الغار اذ یقول لصاحبہ لا تحزن ان اللہ معنا فانزل اللہ سکینتہ علیہ۔ علماء کا قول ہے کہ اس آیت شریف میں صاحب کا اشارہ حضرت صدیق رضؓ کی طرف ہے۔

حضرت بلالؓ ایک حبشی غلام تھے۔ اُنھوں نے دین اسلام قبول فرما لیا تھا۔ اس سبب سے اُن کا مالک جو کافر تھا۔ اُن پر طرح طرح کی سختیاں کرتا تھا۔ حضرت ابوبکر رضؓ نے بلال رضؓ کو خرید فرما کر آزاد کر دیا تھا۔ بڑھیا عورتیں جو دین اسلام قبول کرتی تھیں۔ حضرت صدیق اکبر رضؓ ان کو آزاد فرما دیا کرتے تھے۔ ایک دن اُن کے والد نے کہا کہ بیٹا تم ضعیفوں کو آزاد کرتے ہو۔ اگر جوان اور چست و چالاک آدمیوں کو

آزاد کرو۔ تو ہرگز دینِ اسلام قبول نہ کریں۔ آپ نے جواب دیا۔ کہ حکم خدا کا تابعدار ہوں۔ اور اُس کی مرضی کو پورا کرتا ہوں۔ اِس پر اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرمائی

فامامن اعطی واتقی الخ ✦

شجاعت میں حضرت علی رضہ۔ اسد اللہ شیرِ خدا کہلاتے ہیں۔ اُن کی بہادری و شجاعت کے بہت سے افسانے ہیں۔ ایک دن کسی شخص نے اُن سے پوچھا۔ کہ ایسا بھی کوئی شخص ہے جو آپ سے شجاعت میں بڑھ کر ہو۔ ارشاد فرمایا۔ ہاں۔ وہ حضرت ابوبکر رضہ ہیں۔ جنہوں نے بڑی شجاعت اور دلیری سے کفار کے مقابلہ کئے اور لڑائی سے نہیں گھبرائے حالانکہ اُس وقت اور لوگوں کے ہوش و حواس جاتے رہے تھے ✦

حضرت صدیق اکبر رضہ سخاوت اور فیاضی میں بے نظیر تھے۔ رسول مقبول صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم پر اپنا جان و مال قربان کرتے تھے۔ چنانچہ رسول مقبول صلعم نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا۔ کہ ابوبکر رضہ کے مال سے جیسا مجھ کو فائدہ پہنچا۔ ایسا کسی اور کے مال سے نہیں پہنچا۔ حضرت ابوبکر رضہ نے رو کر عرض کیا کہ رسول خدا میری جان اور میرا مال سب آپ ہی کا ہے۔ اور سچ بھی یوں کہ آپ کے مال کو رسول پاک اپنا ہی مال سمجھتے تھے ✦

جب رسول مقبول صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ تو حضرت صدیق اعظم رضی اللہ عنہ نے پانچ ہزار درہم راہ اسلام میں خرچ کر دئے۔ ایک مرتبہ چادر اوڑھے ہوئے حضور کی خدمت میں حاضر تھے اور چادر سے سینہ کو ڈھانک رکھا تھا۔ کہ جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے جبرائیل جو کچھ اس کے پاس تھا اُس نے میری خاطر خرچ کر دیا جبرائیل

نے کہا کہ خداوند تعالےٰ اُن کو سلام کہتا ہے۔ اور پوچھتا ہے کہ اِس مُفلسی میں تم مجھ سے خوش ہو یا ناراض۔ ابوبکر صدیق رضؓ نے کہا کہ مَیں اور اپنے رب سے ناراض ہوؤں ہرگز ممکن نہیں۔ مَیں اپنے پروردگار سے راضی ہوں۔ راضی ہوں۔ راضی ہوں +

حضرت صدیق اکبرؓ مشکل کے وقت ہر ایک کام میں قرآن پاک سے مشورہ لیتے تھے اور اُس کے احکام پر چلتے تھے۔ اگر قرآن پاک میں یہ حکم نہ ملتا تھا۔ تو رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جو باتیں یاد تھیں اُس پر عمل کرتے تھے۔ ورنہ مسلمانوں سے دریافت فرماتے تھے۔ کہ فلاں مہم درپیش ہے۔ تم کو معلوم ہے کہ ایسے معاملوں میں رسُول مقبول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا حکم ہے۔ اگر لوگ کہتے کہ اس کام میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ حکم تھا۔ تو حضرت صدیق اعظمؓ شکریہ کے ساتھ اُس کو قبول فرماتے تھے۔ اگر یہ بھی نہ ہوتا۔ تو بڑے بڑے نیکوکار جمع کر کے اُن سے مشورہ لیتے تھے۔ اور جو بات سب کے مشورہ سے قرار پاتی اُس پر عمل کرتے تھے +

حضرت صدیق رضؓ اپنے قول وقسم کے بڑے پابند تھے۔ حضرت عایشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ آیت کفارۃ الیمین کے نازل ہونے سے پیشتر کبھی آپ نے کبھی اپنی قسم کو نہیں توڑا تھا +

آپ کی شان میں بہت سی آیتیں نازل ہوئی ہیں۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ وشاورھم فی الامر۔ اس میں ہم کی ضمیر حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کی جانب راجع ہے۔ خدا تعالےٰ نے صالح المومنین حضرت صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کے حق میں نازل فرمایا ہے۔ اللہ تعالےٰ اُن کی فضیلت میں فرماتا ہے۔ لا یستوی من انفق من قبل الفتح الخ اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے اُن کو سب سے بڑا درجہ دیا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے اُن کو افضل المجاہدین فرمایا ہے۔ کیونکہ اُن کا جہاد

ابتدائے اسلام میں تھا جب کہ اسلام بالکل ضعیف تھا۔ کہتے ہیں جب یہ آیت رسول مقبول پر نازل ہوئی ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی تو حضرت صدیقؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ۔ کوئی ایسی نیکی نہیں ہے۔ جس میں ہم شامل نہ ہوئے ہوں پس کیا سبب ہے کہ اللہ تعالےٰ نے ہم کو بھول گیا۔ اس وقت نازل ہوا۔ ھوالذی یصلی علیکم وملائکتہ +

حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں ہی فتوے دیا کرتے تھے۔ اور اپنی عدم موجودگی میں رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکرؓ ہی کو نماز پڑھانے کے واسطے ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپ نے حضرت عمرؓ کو روک دیا۔ کہ حضرت ابوبکرؓ کو نماز پڑھانے دو۔ حضرت حفصہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کیا۔ کہ اپنی بیماری میں آپ حضرت ابوبکر ہی کو امام بناتے ہیں حضور نے ارشاد کیا۔ کہ اللہ تعالےٰ نے ہی اُن کو امام بنایا ہے +

ذکر ہے کہ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مرتبہ مسجد میں تشریف لیگئے اس طرح کہ دائیں طرف حضرت ابوبکرؓ بائیں طرف حضرت عمرؓ تھے۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں کے ہاتھ پکڑ رکھے تھے۔ اس وقت آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن ہم اس طرح اُٹھینگے +

رسول مقبول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ ہر ایک پیغمبرؑ کے دو وزیر آسمانی اور دو وزیر دنیاوی ہوتے ہیں۔ جبرائیلؑ اور میکائیل میرے آسمانی وزیر ہیں اور ابوبکرؓ اور عمرؓ دنیاوی +

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات

اور

خلافت کا تنازع

جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے انتقال فرمایا۔ فوراً خلافت کے لئے جھگڑا اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور اس بات کا بھی لحاظ نہ کیا گیا۔ کہ پہلے رسول مقبول کے تجہیز وتکفین سے فراغت حاصل کرلیجائے۔ بظاہر یہ بات بڑے تعجب کی معلوم ہوتی ہے کہ رسول خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام انتقال فرمادیں۔ اور جن لوگوں کو اُن کے ساتھ عشق ومحبت کا دعوےٰ ہو۔ وہ اُن کو بے گور وکفن چھوڑ کر چلے جاویں۔ اور سند حکومت کے بندوبست میں لگ جاویں۔ اور سب سے زیادہ عجیب یہ کہ یہ فعل ان لوگوں سے سرزد ہو۔ جو آسمان اسلام کے شمس وقمر گنے جاتے ہیں۔ یعنی حضرت ابوبکرؓ وحضرت عمرؓ اور یہ کام اور بھی زیادہ ناگوار معلوم ہوتا ہے۔ جب یہ دیکھا جاتا ہے۔ کہ جن لوگوں کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے فطرتی تعلق تھا یعنی حضرت علیؓ وخاندان بنی ہاشم وہ اپنے فطرتی تعلق کے سبب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے درد وغم اور تجہیز وتکفین میں مصروف رہے۔ اور اس بندوبست میں اُن کو شریک ہونے کا موقع نہ دیا گیا۔ یہ درست ہے کہ حضرت عمرؓ وابوبکرؓ وغیرہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تجہیز وتکفین کو چھوڑ کر **سقیفہ بنی ساعدہ** میں چلے گئے۔ اور وہاں پہنچکر خلافت کے بارے میں انصار سے معرکہ آرائی کرنے لگے۔ اور ایسی سرگرمی سے مصروف رہے گویا کہ اُنہیں کوئی حادثہ ہی پیش نہیں آیا ہے۔ اور یہ بھی ٹھیک ہے کہ انہوں نے اپنی

خلافت کو نہ صرف انصار بلکہ بنی ہاشم سے بزور منوانا چاہا۔ گو بنی ہاشم نے اُن کی خلافت کو آسانی سے تسلیم نہیں کیا +

مگر حقیقت یہ ہے کہ نہ حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ وغیرہ نے خلافت کی بحث کو چھیڑا۔ نہ وہ اپنی خوشی سے سقیفہ بنی ساعدہ میں گئے۔ بلکہ اس وقت جماعت اسلامی تین جماعتوں میں تقسیم تھی :-

اول **بنو ہاشم** جس میں حضرت علیؓ شامل تھے۔ آپ آنحضرت صلعم کے چچیرے بھائی اور حضرت فاطمۃ الزہراؓ کے شوہر تھے۔ قرابت کے رو سے اور اپنے اوصاف حمیدہ اور اپنے اخلاق پسندیدہ کے باعث اور قومی خدمات کے سبب اپنے تئیں خلافت کا زیادہ حق دار سمجھتے تھے۔ چنانچہ روایت ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے دن جب کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حالت سنبھل گئی تھی۔ حضرت عباسؓ نے حضرت علیؓ کو کہا۔ کہ میں خوب جانتا ہوں۔ کہ آنحضرت اس مرض میں وفات پائینگے۔ آؤ چلو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھیں کہ آپ کے بعد منصب خلافت کس کو حاصل ہوگا۔ اگر ہم مستحق ہونگے۔ تو رسول اللہ ہمارے لئے وصیت فرمائینگے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا میں نہ پوچھونگا کیونکہ اگر دریافت کرنے پر حضرت نے انکار کر دیا۔ تو آیندہ کوئی امید نہ رہیگی +

دوسری جماعت مہاجرین کی تھی۔ جن کے رئیس و سردار حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ تھے۔ حضرت ابو بکرؓ حضرت عایشہؓ کے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پیاری بیوی تھیں والد بزرگوار تھے۔ سب سے پہلے مشرف باسلام ہوئے تھے۔ ہجرت کے وقت حضرت کے ہمراہ تھے۔ غار میں اُن کے رفیق تھے۔ جملہ امور میں اُن کے مشیر کار اور قومی خدمات میں سرگرم۔ اپنی جگہ اُن کو امام بنایا تھا۔ حضرت عایشہؓ

اس بات پر بڑا زور دیتی تھیں کہ اُن کے والد بزرگوار کو خلیفہ بنایا جاوے +

تیسرا گروہ انصار کا تھا۔ جن کے شیخ۔ عبادہ تھے۔ انصار کہتے تھے کہ ہمارا حق فائق ہے۔ ہم نے مدینہ میں آنحضرت اور مہاجرین کو پناہ دی۔ اور انہوں نے ہمارے ہاں سکونت اختیار فرمائی۔ اور ہماری ہی مدد سے انہوں نے دشمنوں کو مغلوب کیا +

سب سے پہلے انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں اکٹھے ہوئے۔ اور اپنے میں سے کسی شخص کو خلیفہ بنانے کی تجویز کرنے لگے۔ مہاجرین کو جب معلوم ہوا۔ تو اُن میں سے ایک شخص دوڑا ہوا آیا۔ اور حضرت عمرؓ و حضرت ابو بکرؓ کو کہ بیت الرسول میں آنحضرتؐ کے بندوبست میں مصروف تھے آن کر اطلاع دی کہ جلد چلو۔ ورنہ انصار ضرور کوئی نہ کوئی بات ایسی کر بیٹھینگے۔ جس سے لڑائی چھڑ جاویگی +

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جس وقت وفات پائی۔ مدینہ منورہ منافقوں سے بھرا پڑا ہوا تھا۔ جو مدت سے اس بات کے منتظر تھے۔ کہ رسول اللہ کا سایہ اُٹھ جاوے تو اسلام کو پامال کردیں۔ نہ صرف مدینہ بلکہ تمام ملک کی ایک خطرناک حالت ہو رہی تھی۔ اور انصار نے خلافت کی بحث چھیڑ کر حالت کو اور بھی نازک کر دیا تھا اور اس وقت یہ ضرور تھا کہ جزع فزع گریہ و بکا چھوڑ کر فوراً خلافت کا بندوبست کر لیا جائے +

انصار کہتے تھے کہ اُن کے رئیس عبادہ کو خلیفہ بنایا جاوے۔ مہاجرین کی رائے تھی کہ حضرت ابو بکرؓ کو پیشوا تسلیم کیا جائے۔ قریش انصار کو حقیر سمجھتے تھے۔ نہ صرف قریش بلکہ تمام عرب انصار کی متابعت پسند نہ کرتا تھا۔ خود اُن میں باہم اتفاق نہ تھا۔ اُن کے دو گروہ تھے۔ ہر ایک گروہ اپنا اپنا خلیفہ بنانا چاہتا تھا۔ بڑے بڑے طول طویل مباحثے ہو رہے تھے۔ اہل مدینہ نے تجویز کی کہ انصار و مہاجرین اپنے اپنے

خلیفہ الگ الگ انتخاب کرلیں۔ لیکن حضرت عمرؓ نے اس بات کو ناپسند فرمایا۔ کہ ایک میان میں دو چھریاں درست نہیں۔ اسی قیل وقال میں قریب تھا کہ تلواریں میان سے نکل پڑیں۔ حضرت عمرؓ نے فوراً حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ میں ہاتھ دیدیا۔ اور کہا۔ سب سے پہلے میں بیعت کرتا ہوں۔ اُن کے ساتھ ہی حضرت عثمانؓ ابوعبیدہؓ وغیرہ نے ہاتھ بڑھائے۔ پھر تو یہ عالم ہوا کہ خلقت ٹوٹ پڑی اور اس طرح پر ایک اُٹھتا ہوا طوفان رک گیا۔ اور لوگ اطمینان کے ساتھ اپنے اپنے کاروبار میں مصروف ہو گئے حضرت علیؓ اس مباحثہ میں شریک نہ ہوئے تھے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ سقیفہ میں مہاجرین وانصار میں سے کوئی بھی اُن کے دعوے کی تائید نہ کریگا۔ بلکہ وہ بھی آنحضرتؐ کو چھوڑ کر چلے آئے تھے۔ اور حضرت فاطمہ کے گھر میں بنو ہاشم کا مجمع تھا۔ جو حضرت علیؑ کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے۔ لیکن جمہور کی رائے سب پر غالب آئی۔ اور بنی ہاشم کو چندروز بعد طوعاً کرہاً حضرت ابوبکر کی خلافت ماننی ہی پڑی +

اہل عرب کی بغاوت اور جھوٹا پیغمبر

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مسند خلافت پر متمکن ہوکر عوام سے کہا کہ میں کسی کی طرفداری نہ کرونگا۔ نہ کسی کے ساتھ تعصب برتونگا۔ خدا اور اُس کے رسول کے احکام پر چلونگا۔ اگر میرا کوئی حکم خلاف احکام خدا و رسول ہو۔ تو تم اُس کی متابعت نہ کرو۔ مجھ کو مجرم گردانو۔ مَیں اپنے تئیں بادشاہ کہوانا پسند نہیں کرتا۔ مجھ کو خلیفہ کہا کرو +

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت مُلک منافقوں سے بھرا پڑا تھا جو بظاہر اپنے تئیں مسلمان کہتے تھے۔ لیکن دلوں میں منافقت رکھتے تھے۔ یہ لوگ خلیفہ کی اطاعت سے پھر گئے۔ زکوٰۃ دینے سے منکر بن بیٹھے۔ اور بغاوت پر کمر

باندھ لی۔ اور یہاں تک زور پکڑا کہ سوائے مکہ و مدینہ و طائف کے سارا عرب سرکش ہو گیا۔ ان باغیوں نے یہاں تک جرأت کی کہ فوج لیکر مدینہ پر چڑھ آئے۔ ان کا سردار ایک شخص مالک ابن نویرہ تھا۔ جو ایک خاندانی بہادر سوار تھا۔ فن شاعری میں کمال رکھتا تھا۔ اور زیادہ شہرت اُس کو اپنی بیوی کے سبب ہوئی تھی۔ جو تمام عرب میں خوبصورتی میں اپنا نظیر نہ رکھتی تھی ✦

حضرت ابوبکرؓ کو جب معلوم ہؤا۔ کہ یہ بہادر سرکش اپنی سپاہ لیکر چڑھ آیا ہے۔ تو اُنہوں نے بڈھے۔ بچوں۔ اور عورتوں کو پہاڑوں کی طرف بھیجدیا تاکہ غاروں اور چٹانوں میں پناہ لیں۔ چونکہ اُن کو خوب معلوم تھا کہ جنگجو شاعر سپاہ گری کی اعلےٰ قابلیت رکھتا ہے۔ اس واسطے اُنہوں نے خالد بن ولید کو جو ایک بہادر اور دلیر مرد تھے۔ ساڑھے چار ہزار فوج دیکر دشمن کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا۔ اور اُن کو ہدایت کردی کہ اگر مالک کو تم گرفتار کرلو۔ تو اُس کا ادب کرنا۔ مغلوبوں پر رحم کرنا۔ اور بڑی نرمی سے زکوٰۃ طلب کرنا ✦

خالد آتش مزاج اور اکھڑ سپاہی تھے۔ نرمی و حلیمی کچھ نہ جانتے تھے۔ اُنہوں نے باغیوں کو مغلوب کر کے اُن کے مُلک کو تباہ کر دیا۔ اُن کی بھیڑ۔ بکریوں کو پکڑ لیا۔ اور بچوں کو غلام بنالیا۔ اسیرانِ جنگ میں مالک اور اُس کی نازک فریب بیوی بھی سامنے آئیں۔ عورت کی خوبصورتی دیکھ کر یہ سنگدل سپاہی ششدر رہگیا۔ اور اُس کے خاوند سے پوچھا تم زکوٰۃ کیوں نہیں دیتے۔ اس نے کہا کہ میں نماز بغیر زکوٰۃ کے پڑھ سکتا ہوں۔ خالد نے کہا کہ بغیر زکوٰۃ دیئے نماز کا کچھ فائدہ نہیں۔ مالک نخوت کے ساتھ بولا اچھا تمہارا مالک یوں کہتا ہے۔ خالد نے غضبناک ہو کر کہا جو میرا مالک ہے کیا وہ تیرا مالک نہیں ہے۔ قسم خدا کی تیرا سر اُڑا دونگا۔ پھر مالک

نے حقارت سے کہا۔ کیا تمہارے مالک کا یہی حکم ہے۔ خالد طیش میں آگیا۔ اور کہا مرتد تو نے تو دین پاک کو چھوڑ دیا ہے۔ مالک بولا میں مرتد نہیں میرا دین سچا ہے سردی ہو رہی تھی۔ خالد نے کہا کہ اس کو کپڑا اُڑھا دو[ف] اِس پر ضرار بن ازور نے اُس کا سر بھٹا سا اُڑا دیا۔ اور خالد نے اُسی وقت اس عورت سے نکاح کر لیا اس قتل پر بڑا شور و فساد مچا۔ لوگوں نے کہا کہ عورت پر عاشق ہو کر خالد نے مالک کو قتل کروایا ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ احکام قرآن کے موجب **خالد** کو سنگسار کرنا چاہئیے۔ کہ اُس نے زنا کے لئے ایک مسلمان کا خون کیا ہے۔ لیکن حضرت صدیقؓ نے فرمایا کہ ضرار کی غلطی سے یہ فعل سرزد ہوا ہے۔ کافروں کے مقابلہ میں **سیف اللہ** کو (خالد کا خطاب) غلاف میں نہیں لپیٹ سکتا +

جھوٹا پیغمبر ایک شخص مسیلمہ۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں آنحضرت کی اجازت سے دینِ اسلام کی اشاعت کیا کرتا تھا۔ اس سبب بہت سے لوگ اُس کے مرید ہو گئے تھے۔ اِس وقت وہ صوبہ یمامہ کا خلیفہ اور حاکم بن بیٹھا۔ فرقہ تمیم میں ایک شخص **ابوکھدلا** کی بیوی **سجہ** نام بڑی حسین اور قبول صورت تھی۔ اور فن شاعری میں بھی اعلےٰ درجہ کی قابلیت رکھتی تھی۔ تمام عرب میں اُس کا شہرہ تھا۔ مسیلمہ کی خبر پا کر وہ فوراً اس کے پاس آئی۔ ایک ہی ملاقات میں دونوں میں عشق پیدا ہو گیا۔ سجہ اپنے عاشق کی مرید بن گئی۔ اس بات سے مسیلمہ اپنے تئیں پیغمبر سمجھنے لگا یہ عورت اکثر اُس کے پاس بیٹھی رہتی تھی۔ اور مسیلمہ اُس سے فن شاعری سیکھا کرتا تھا۔ جب اس جھوٹے پیغمبر کی خبر معلوم ہوئی۔ تو خالد بے شمار فوج لیکر اُس پر چڑھ آیا۔ اس وقت یہ پیغمبر کاذب شاعری اور پیغمبری سب کچھ بھول گیا۔ اور خالد سے زیادہ فوج لیکر مقابلہ کے لئے

[ف] کپڑا اُڑھا دو کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ قتل کر دو +

نکلا۔ مقام اکربیہ پر ایک بڑی بھاری جنگ ہوئی جس میں اول باغیوں کو فتح ہوئی۔ اور ہزار سے زیادہ مسلمان میدان جنگ میں مارے گئے۔ لیکن خالد نے ہمت نہ ہاری۔ اور ایسی بہادری سے حملہ کیا۔ کہ دشمن مغلوب ہو گیا۔ اور اُس کے دس ہزار آدمی تہ تیغ ہوئے۔ اس جنگ میں مسیلمہ بڑی بہادری سے لڑا۔ لیکن زخموں سے چور ہو کر گر پڑا۔ اور وکسا حبشی نے اس کا کام تمام کر دیا۔ یہ وہی حبشی ہے۔ جس کے ہاتھ سے جنگ احد میں آنحضرت ؐ کے چچا حضرت امیر حمزہ رضؓ شہید ہوئے تھے۔ اور اُس کی برچھی بھی وہی ہے جو جنگ احد میں اُس کے پاس تھی۔ یہ وکسا مسلمان ہو گیا تھا۔ اس واسطے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اُس کا قصور معاف کر دیا تھا۔ جب سے وہ ایک پکا مسلمان تھا۔ مسیلمہ کے مارے جانے کے بعد اُس کے تمام مریدوں نے دین اسلام قبول کر لیا۔ اس فتح سے خالد کی بڑی نیک نامی ہوئی۔ اور مالک کے قتل کرنے میں جو اُس سے قصور سرزد ہوا تھا۔ وہ معاف کر دیا گیا۔ لیکن اس وقت بھی خالد نے میدانِ جنگ میں ایک اسیر شدہ سردار کی بیٹی سے نکاح کیا۔ خالد نے تمام بغاوتوں کو مٹایا۔ اور اُنکی سرگرمی اور جوش اسلامی نے سال کے اندر اندر تمام مُلک میں سلطنت اسلامی کی جڑ کو مستحکم کر دیا۔ اور ہر طرف امن و امان ہو گیا +

قرآن مجید کی جمع و ترتیب

جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک تک قرآن شریف متفرقہ ہوا تھا۔ متفرق اجزا متعدد صحابہ کے پاس موجود تھے۔ کچھ ہڈیوں پر کچھ کھجور کے پتوں پر کچھ پتھر کی تختیوں پر لکھے ہوئے تھے۔ پورا قرآن مجید بہت کم لوگوں کو یاد تھا کسی کو کوئی سورت یاد تھی کسی کو کوئی۔ جب مسیلمہ کذاب سے لڑائی ہوئی تو سینکڑوں صحابہؓ شہید

ہوئے۔ جن میں اکثر حافظ قرآن تھے۔ لڑائی کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا۔ کہ اگر اسی طرح حفاظِ قرآن دنیا سے کوچ کرتے رہے۔ تو ایک دن قرآن بالکل جاتا رہیگا۔ اِس لئے اُس کی جمع و ترتیب کی فکر کرنی چاہئیے۔ حضرت ابوبکرؓ متامل تھے۔ کہ جو کام رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔ میں کیوں کروں۔ لیکن حضرت عمرؓ کی بار بار مصلحت اور ضرورت بیان کرنے پر اُن کی رائے سے متفق ہوگئے۔ صحابہ میں سے وحی لکھنے کا کام سب سے زیادہ زید بن ثابت نے کیا تھا اس خدمت پر وہ امور کئے گئے۔ اُنھوں نے جہاں جہاں سے قرآن مجید کی سُورتیں یا آیتیں ہاتھ آئیں یک جا کیں۔ حضرت عمرؓ نے مجمع عام میں اعلان کیا۔ کہ جس شخص نے قرآن کا کوئی حصہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سیکھا ہو۔ وہ پیش کرے۔ جو شخص کوئی آیت پیش کرتا تھا۔ دو آدمی اُس کی تصدیق کرتے تھے۔ کہ ہم نے اُس کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد میں قلمبند دیکھا تھا۔ غرض اس طرح جب تمام سورتیں جمع ہوگئیں۔ تو چند آدمی مامور ہوئے کہ اُن کی نگرانی میں پورا قرآن مجید ایک مجموعہ میں لکھا جاوے۔ سعید بن العاص بتاتے جاتے تھے اور زید بن ثابت لکھتے جاتے تھے۔ حکم تھا جس کسی لفظ کے تلفظ و لہجہ میں فرق ہو قبیلہ مضر کے لہجہ کے مطابق لکھا جاوے۔ کیونکہ قرآن مجید بھی اسی قبیلہ کی خاص زبان میں اُترا تھا۔ یہ اہم کام حضرت عمرؓ کے زمانہ میں تمام ہوا ؁

عراق و شام پر اسلامی حملہ کے سبب

حضرت ابوبکرؓ نے مسند خلافت پر متمکن ہوکر اول مرتدین عرب اور مدعیان نبوت سے ملک کو پاک صاف کیا۔ دوسرے برس یعنی ۱۲؁ ہجری میں عراق پر اور ۱۳؁ ہجری

میں شام پر فوج بھیجی لیکن ان واقعات کی تفصیل لکھنے سے پہلے یہ ضرور ہے کہ آغاز اسلام سے پیشتر عرب کو فارس و شام سے جو تعلقات تھے اُن کو مختصر طور پر بیان کیا جاوے ٭

عرب کا تعلق عراق و فارس کے ساتھ

جو عرب یمن کے زبان رواتھے ۔ ایک زمانہ میں اُنھوں نے اس قدر زور پکڑا کہ عراق پر قابض ہو گئے ۔ اور فارس کی سلطنت کے ساتھ ہمسری کا دعوے کرنے لگے رفتہ رفتہ عرب خود بخود حکومت فارس کے علاقہ میں جا کر آباد ہونے لگے اور بخت نصر نے جب عرب پر حملہ کیا تو بہت سے قبیلے اُس کے مطیع ہو گئے اور اس تعلق سے عراق میں جا کر آباد ہو گئے ۔ اور اس طرح کچھ عرصہ کے بعد معد بن عدنان کی بہت سی نسلیں اس ملک میں پھیل گئیں یہاں تک کہ اُنھوں اپنی ریاست قایم کرلی ۔ اور چونکہ اُس زمانہ میں فارس کے اندر طوایف الملوکی پھیلی ہوئی تھی عربوں نے اپنی سلطنت کو مستقل اور مستحکم کرلیا اس سلطنت کے ایک بادشاہ نے جس کا نام عمرو بن عدی تھا حیرۃ کو دارالحکومت بنایا اور بادشاہ عراق کہلانے لگا ۔ اس کے زمانہ میں اس سلطنت کو بڑی ترقی ہوئی ۔ اور بہت سی عمدہ عمدہ کتابیں تصنیف ہوئیں ۔ لیکن اُسی زمانہ میں اردشیر بابکان نے فارس کی طوائف الملوکی کو دُور کیا ۔ اور عمرو بن عدی کو اپنا باجگذار بنا لیا ٭

اردشیر کے بیٹے شاپور کے عہد میں ۔ حجاز و یمن دونوں فارس کے باجگذار ہو گئے ۔ اور امراء القیس کندی ان صوبوں کا گورنر مقرر ہوا ۔ لیکن تابعدار بنکر رہنا عرب کی عادت کے خلاف تھا ۔ جب موقعہ دیکھتے تھے بغاوت کر بیٹھتے تھے ۔ شاپور کے زمانہ صغر سنی میں تمام عرب میں بغاوت پھیل گئی ۔

یہاں تک کہ قبیلہ عبد القیس نے فارس پر چڑھائی کی اور ایاد صوبہ عراق دبا بیٹھا ٭

شاپور جوان ہوکر بڑے عزم و استقلال کا بادشاہ ہوا اور اُس نے عربوں سے اُن کی بغاوت کا بدلہ لینا چاہا۔ ہجر میں پہنچکر بہت کشت و خون کیا۔ اور قبیلہ عبد القیس کا ستیاناس کرتا ہوا مدینہ منورہ تک پہنچ گیا۔ اور رؤسائے عرب کو پکڑ پکڑ کے اُن کے شانہ اُکھڑوا ڈالے۔ اسی سبب سے عرب میں اُس کو سابور ذوالاکتاف کہتے ہیں ٭

جو عرب کا خاندان حیرۃ میں فرمانروا تھا۔ اُن کا ایک بادشاہ نعمان بن منذر نے کسرٰے پرویز کے عہد میں مذہب عیسوی قبول کر لیا اس سبب سے پرویز نے اُسے قید کر دیا۔ اور وہ قید میں مر گیا۔ نعمان نے قبیلہ بکر کے سردار ھانی کے پاس اپنے ہتھیار وغیرہ امانت رکھے تھے۔ پرویز نے اُس سے طلب کئے اور انکار کرنے پر ھرمزان کو دو ہزار فوج دیکر بھیجا کہ زبردستی چھین لائے۔ لیکن بکر کے تمام قبیلے مقام ذی قار پر جمع ہوئے اور سخت معرکہ ہوا۔ فارسیوں نے شکست کھائی اس لڑائی میں جناب رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم بھی تشریف رکھتے تھے اور آپنے ارشاد فرمایا تھا ھذا اول یوم انتصفت العرب من العجم۔ یہ پہلا دن ہے کہ عرب نے عجم سے بدلا لیا۔ اس فتح کی تمام عرب میں خوشی منائی گئی ٭

سنہ ۶ ہجری میں رسول پاک صلے اللہ علیہ وسلم نے تمام بادشاہوں کو دعوت اسلام کے خط لکھے۔ پرویز خط پڑھ کر بہت ناراض ہوا اور بولا میرا غلام ہوکر مجھ کو یوں لکھتا ہے۔ گو اس خط میں جنگ وجدل کا کوئی اشارہ نہ تھا۔ لیکن اُس نے باذان عامل یمن کو لکھ بھیجا کہ محمدؐ کو گرفتار کرکے دربار میں بھیجدو لیکن اتفاق سے اُسی عرصہ

میں پرویز کو اُس کے بیٹے نے ہلاک کر دیا اور معاملہ رفت گذشت ہو گیا ✦

عرب کا تعلق شام اور رومی سلطنت کے ساتھ

عرب کے چند قبیلے شام کے سرحدی اضلاع پر جا کر آباد ہو گئے تھے۔ ان لوگوں نے رفتہ رفتہ اندرونی اضلاع پر بھی قبضہ کر لیا تھا اور قوت پکڑ کر کے شام کے بادشاہ کہلانے لگے تھے ✦

دراصل وہ رومی سلطنت کے صوبہ دار تھے اور انہوں نے اسلام سے بہت پہلے عیسوی مذہب اختیار کر لیا تھا اس سبب سے اُن کو رومیوں کے ساتھ ایک قسم کی یگانگت تھی۔ یہ لوگ بھی کافرین عرب کی طرح اسلام کے دشمن تھے ✦

سنہ ۶ ہجری میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جب قیصر روم کو دعوت اسلام کا خط لکھا اور دحیہ کلبی خط لیکر گئے واپسی کے وقت انہی شامی عربوں نے دحیہ پر حملہ کیا اور اُن کا مال و اسباب لوٹ لیا۔ اس طرح جب حارث بن عمیر خط لیکر حاکم بصرہ کے پاس پہنچے تو عمر بن شرجیل نے اُن کو قتل کر دیا۔ اس واسطے رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے سنہ ۸ ہجری میں لشکرکشی کی اور غزوہ الموت کا معرکہ پیش آیا۔ اس جہاد میں کئی اعلےٰ رتبہ کے اصحاب شہید ہوئے اور نتیجہ جنگ حسب خاطر نہ ہوا ✦

سنہ ۹ ہجری میں رومیوں نے خاص مدینہ پر حملے کی تیاریاں لیں لیکن جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم خود پیش قدمی فرما کر مقام تبوک پر تشریف لے گئے تو اُن کو آگے بڑھنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اور اس وقت گو لڑائی عارضی طور پر ختم ہو گئی لیکن رومی اور غسانی (شامی عرب) مسلمانوں کی فکر میں لگے رہے۔ مسلمان بھی ان سے بے خبر نہ تھے اور اُن کو ہر وقت خیال تھا کہ کہیں مدینہ پر چڑھ نہ آئیں ✦

اسی حفظ ماتقدم کے لئے سنہ ۱۱ ہجری میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے

شام پر مہم بھیجی اور اسامہ بن زید کو اس مہم کا سردار بنایا اور حضرت ابو بکرؓ و
حضرت عمرؓ بڑے بڑے نامور صحابہ فوج کے ساتھ جانے پر مامور کئے گئے۔ لیکن
یہ فوج ابھی روانہ نہ ہوئی تھی کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بیمار پڑ کر انتقال فرمایا ❖

ممالک عراق پر حملے

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے وقت عرب ہمسایہ سلطنتوں کا ہدف
بنا ہوا تھا۔ حضرت ابو بکرؓ مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو انہوں نے پہلے اندرونی
بغاوتیں دور کیں۔ اور جب سب اہل عرب نے اُن کی اطاعت قبول کر لی تو انہوں نے
ارادہ ظاہر کیا کہ عراق و شام پر جہاد کیا جاوے اور جملہ اصحاب کو جمع کر کے فرمایا کہ
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ان ملکوں پر جہاد کرنے کا ارادہ تھا جو اللہ تعالےٰ نے اُن کو
بلا لیا۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اپنا ارادہ پورا نہ کر سکے۔ اب میرا ارادہ ہے کہ
ان ملکوں پر لشکر کشی کی جاوے۔ آپ صاحبان کی کیا صلاح ہے۔ سب یک زبان
ہو کر بول اُٹھے ہم سب آپ کے تابع فرمان ہیں۔ جہاں آپ کا حکم ہو جانے کو تیار
ہیں یہ پسند خاطر جواب اصحابہ کی طرف سے پا کر حضرت صدیقؓ بہت خوش ہوئے
اور انہوں نے شاہان یمن۔ امرائے عرب اور اہل مکہ کو ایک ہی مضمون کے خط
لکھ کر روانہ کئے ❖

فتح عراق فارس کی حکومت نے نوشیرواں کے زمانہ میں بڑا عروج حاصل
کیا۔ اُس کے پوتے پرویز کے عہد تک جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں
تھا سلطنت بڑی قوی اور زور آور رہی لیکن اُس کے مرنے پر دفعتاً ابتری پھیل گئی
اُس کا بیٹا کل آٹھ مہینے حکمراں رہا اور اُس کے نابالغ پوتے کو ایک افسر قتل کر کے خود

بادشاہ بن بیٹھا۔ لیکن وہ بھی درباریوں کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ اور جوان شیرو بادشاہ بنایا گیا مگر وہ بھی ایک سال حکومت کر کے قضا کر گیا۔ آخر بوران دخت کو اس شرط پر مسند پر بٹھایا گیا کہ یزدگرد کے بالغ ہونے تک کہ ذکوروں میں سے صرف وہی باقی رہ گیا تھا۔ اُس کو تاج و تخت سے ہاتھ اُٹھانا پڑیگا ؛

ان انقلابات حکومت سے ملک میں جا بجا بے امنی پھیل گئی اور مشہور ہو گیا کہ فارس کا کوئی وارث تاج و تخت باقی نہیں رہا ہے۔ ایک عورت کو برائے نام ایوان شاہی میں بادشاہ بنا کر بٹھا رکھا ہے۔ اس خبر کی شہرت سُن کر قبیلہ وائل کے دو سرداروں مثنیٰ اور سوید نے کچھ جمعیت حاصل کر کے عراق کی سرحد پر غارتگری شروع کر دی۔ اور مثنےٰ نے حضرت صدیق کی خدمت میں حاضر ہو کر عراق پر حملہ کرنے کی اجازت حاصل کی۔ مثنیٰ خود مسلمان ہو چکے تھے۔ لیکن اُن کا تمام قبیلہ عیسائی یا بت پرست تھا۔ اب مثنیٰ کی ترغیب سے تمام قبیلہ مسلمان ہو گیا مثنےٰ ان نومسلموں کا بڑا گروہ لیکر عراق پر حملہ آور ہوا۔ مثنیٰ نے سواد میں کام شروع کر دیا تھا۔ لیکن جو فوجیں اُس کے مقابلہ کے لئے جمع ہوئیں وہ اپنی اکیلی جمعیت کے ساتھ اُن کے لئے کافی نہ تھا۔ اس وقت خالد سیف اللہ۔ یمامہ و دیگر قبائل عرب کی بغاوتوں کو مٹا کر فارغ ہو چکے تھے۔ پس حضرت صدیق اعظم کے حکم سے ۱۲ھ میں خالد و عیاض ابن جندی فوجیں لیکر اُس کی مدد کو عراق کی طرف روانہ ہوئے۔ خالد نے سواد سے مثنیٰ کو لیکر اور ابلہ سے گذر کر حیرۃ میں پہنچنے کا بیڑا اُٹھایا۔ اور عیاض نے دومۃ الجندل ہوتا ہوا حیرۃ میں پہنچنے کا ذمہ لیا۔ کامیابی اور فتحمندی خالد کے قدموں سے لگی تھی۔ اُس کے زورآور اور کبھی نہ تھکنے والے بازوؤں کی مزاحمت کرنا شامت اور بدبختی کی نشانی تھی۔

خالد نے اُبلہ کے سردار کو جو سلطنت فارس کی طرف سے نائب تھا کہلا بھیجا
جزیہ دو یا اسلام قبول کرو یا جنگ کے لئے تیار رہو۔ ہرمز اس خبر سے اگرچہ چونکنا
ہوگیا اور فارس بھی اس خبر کو لکھا۔ مگر مسلمانوں کی اس حقیر فوج کو دیکھ کر مقابلہ کے
لئے نکل کھڑا ہوا اور مسلمانوں کے مقابل فوجوں کو آراستہ کرکے خالد کو اپنے
ساتھ مبازرہ کے واسطے طلب کیا۔ خالد اس پہلوان جوان کو دیکھ کر ذرا طبیعت پر
ملال نہیں لائے اور اُس سے دست بدست لڑنے کے لئے میدان کارزار میں
جا موجود ہوئے۔ ہرمز نے اگرچہ کمین میں تین آدمیوں کو بٹھا رکھا تھا مگر خالد
نے جھٹ اُس کو گرا دیا۔ اور اُس کا سر قلم کرکے عجم کے لشکر کی طرف پھینکدیا۔
اس وقت دونوں لشکروں میں بڑے جوش و خروش کے ساتھ لڑائی ہوئی۔
لیکن عجم شکست کھا کر بھاگ نکلے اور اُن کا مال و اسباب جس میں ہرمز کا مرصع تاج
بھی تھا اور ایک ہاتھی مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ جس کا خمس معہ تاج اور ہاتھی کے
مدینہ بھیجدیا گیا ✦

ملک ایران نے ہرمز کی عوض پا کر ایک لشکر عظیم ایک شہزادے کی سرداری میں
اُس کی امداد کو بھیجا اور جب یہ لشکر بھی ہزیمت پا کر پسپا ہوگیا۔ تو اپنی سلطنت میں سے
عربوں کی ایک فوج بھرتی کرکے ایک مشہور سردار **بہمن** کے زیر حکم مسلمانوں کے
مقابلہ کے واسطے روانہ کی۔ خالد نے اس وقت قسم کھائی کہ فتح حاصل کرکے دشمنوں
کے خون سے دریا بہا دونگا۔ چنانچہ جب اُس نے اس فوج پر فتح پائی۔ تو اپنی قسم پورا
کرنے کے لئے بہت سے قیدیوں کو قتل کر ڈالا۔ اب حیرۃ کا رستہ صاف ہوگیا
یہ شہر نہایت مضبوط اور بڑا عالیشان تھا۔ یہاں کا بادشاہ جو برائے نام ایرانی سلطنت
کا نائب کہلاتا تھا تیسری صدی مسیحی میں آنحضرت صلعم کی ولادت سے کچھ عرصہ پہلے

عیسائی ہوگیا تھا۔ خالد نے حیرۃ کا محاصرہ کر لیا۔ مگر کچھ عرصہ کے بعد اہل حیرۃ نے جزیہ دینا منظور کر لیا۔ اور مسلمان حسب قاعدہ اُن کے محافظ اور ضامن ہو گئے اہل شہر سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا۔ اور اُن کو اپنے مذہبی ارکان برتنے کی کامل اجازت دیگئی۔ حیرۃ کو خالد نے اپنا صدر مقام قرار دیا +

حیرۃ سے فارغ ہوکر انبار اور عین التمر کو خالد نے فتح کیا۔ اور عجم اور عراقی عرب (بنی بکر۔ بنی عجل اور بنی تغلب) کی متفقہ فوج کو بڑی بہادری سے مغلوب کیا۔ عین التمر کی لڑائی میں ایک عرب سردار کو جس کا نام عقبہ تھا خالد نے اپنی بغل میں دبا لیا اور گھوڑے سے گھسیٹ کر اپنی فوج میں لے آیا +

خالد کے کارنامے تو آپ نے سُنے اب عیاض کا حال سنئے! کہ یہ حضرت دومۃ الجندل میں دشمن کا محاصرہ کئے ہوئے ناکام پڑے تھے۔ آخر اُن کو خالد کا دست نگر ہونا پڑا۔ یہ بہادر سردار اپنے ایک دلیر افسر کو جس کا نام قعقاع تھا حیرۃ اور دوسرے مفتوحہ مقام سپرد کر کے ریگستان روندتا ہوا دومۃ الجندل کو روانہ ہوا۔ اکید اور جودی دومۃ الجندل کے سردار تھے۔ اور بنی کالب۔ بنی غسان شاہ بصرہ اجبالا عیسائی کے ماتحت۔ اُن کی امداد کو آئے تھے۔ خالد کی خبر سُنکر سب دنگ رہ گئے۔ اکید تو خوف زدہ ہو اپنے ہتھیار چھوڑ بھاگ نکلا۔ لیکن راہ میں پکڑا گیا۔ اور جودی اور اُس کے مددگاروں کے ساتھ ایک خونریز لڑائی کے بعد خالد نے فتح پائی۔ فوج شکست کھا کر بھاگ گئی اور جبالا بصرہ کی طرف اڑ گیا۔ اب پھر خالد نے تیسری مرتبہ میدان جنگ میں جودی کی بیٹی سے شادی کی۔ مگر ہُرمز کی خبروں نے اُنہیں آرام نہ لینے دیا۔ قبائل عرب اور بنی تغلب خالد کی غیر حاضری کو غنیمت سمجھ کر چھیڑ چھاڑ کرنے لگے۔ مگر خالد برق و باراں کی طرح واپس پہنچ گئے اور ان کے

آنے سے دشمنوں کے حوصلے پست ہو گئے۔ یہ شکستہ اور بدحال فوجیں جمع ہو ہو کر اکثر قلعوں میں اڑ بیٹھا کرتی تھیں مگر خالد قضائے مبرم کی طرح اُن کے پیچھے لگے ہوئے تھے اور شکستیں دے دے کر اُن کو بدحال اور شکستہ بال کر دیا تھا۔ اب بظاہر کوئی دشمن میدان میں نظر نہ آتا تھا اور ذی الحجہ کا مہینہ آن پہنچا تھا۔ خالد بغیر کسی رہنما دبدرقہ کے ریگستان سے تنہا گذرے اور اپنی غیر حاضری کی اطلاع کئے بغیر حج کرنے کے لئے مکہ جا پہنچے ✦

ممالک شام پر حملے

لشکر کا جمع ہونا

حضرت ابو بکرؓ نے سنہ ۱۲ ہجری میں جب شام کو فتح کرنے کا ارادہ کیا اور امرائے عرب۔ سرداران حجاز و یمن کو جو خط روانہ کئے اُس کا مضمون یہ تھا ✦

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

من جانب عبد اللہ عتیق ابن ابو قحافہ

بنام جمیع مسلمانان صادق المذہب و راسخ الایمان !

الحمد للہ والصلوٰۃ والسلام علٰے رسولہ الکریم۔ بعد سلام سنت الاسلام اس خط کے ذریعہ سب مسلمانوں کو اطلاع دیجاتی ہے کہ میرا ارادہ ہے مسلمانوں کا ایک لشکر شام کی طرف روانہ کروں تاکہ وہاں کے لوگوں کو مشرکوں کے ہاتھ سے نجات دلائی جاوے۔ واضح ہو کہ سچے دین کے واسطے لڑنا اللہ تعالے کی عین اطاعت ہے ✦

اس مختصر سی عبارت نے مسلمانوں میں ایک ولولہ ڈال دیا طبیعتیں جوش

میں آگئیں۔ جس عرب کے پاس ایک اونٹ یا ایک گھوڑا یا ایک برچھا تھا وہ اسلامی جھنڈے کے نیچے آن کھڑا ہؤا۔ قصبہ قصبہ اور محلہ محلہ کے شیخ، سردار اپنے یار دوستوں کو لیکر جہاد کی ارادہ سے مدینہ کی جانب چل پڑے اور تھوڑے ہی دنوں میں مدینہ کا میدان عربوں کے خیموں سے پُر ہو گیا۔ یزید بن ابو سفیانؓ اس فوج کے سردار بنائے گئے اور ایک حصہ فوج کی سرداری ربیعہ بن عامر کو دیگئی۔ فوج روانگی کے لئے بیقرار ہونے لگی۔ سرداران لشکر نے حضرت صدیقؓ سے عرض کیا۔ یا خلیفۃ الرسول اللہ اب کس کا انتظار ہے۔ جس کو آنا تھا وہ آ گیا مدینہ کا میدان ہمارے اور ہمارے گھوڑوں کے لئے کافی نہیں ہے۔ یہاں ہمارے لشکر کے واسطے کافی غذا میسّر نہیں آسکتی۔ اب ہم کو روانگی کی اجازت دیجئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے اُن کی درخواست بخوشی منظور کی۔ اور ایک اونچے مقام پر چڑھ کر تمام فوج کو ملاحظہ کیا۔ اور اُن کی تعداد کثیر۔ چمکتے ہوئے ہتھیار اور باقاعدہ صفوں کو دیکھ کر نہایت خوش ہوئے اور دونوں ہاتھ اُٹھا کر اُن کی فتح و نصرت کی اللہ تعالےٰ سے دعا مانگی ✤

اللہ کی شان عرصہ ۱۲ سال کا ہؤا جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے مدینہ ہجرت فرمائی تو صرف چند جان نثار رفیق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ اور اس وقت ایک لشکر عظیم مثل بحر ذخار موجیں مار رہا تھا ✤

روانگی کی پروانگی پاتے ہی فوج نے خیمہ اُکھیڑ اونٹوں پر لاد لئے اور آناً فاناً میں سب سامان لیس کر کے چل پڑے۔ حضرت صدیقؓ خود بھی ایک روز کی راہ تک پا پیادہ لشکر کے ہمراہ تشریف لے گئے۔ ہر چند فوج کے سرداروں نے اپنے گھوڑے حاضر کئے اور عرض کیا۔ کہ ہم سوار ہو کر چلیں اور آپ پیدل یہ بڑی

بے ادبی اور گستاخی ہے۔ لیکن آپ نے منظور نہ فرمایا۔ اور فرمایا کہ تم راہ خدا میں چلتے ہو اور میں تمہارے ساتھ چلنے سے ہر قدم پر جزا پاتا ہوں۔ حضرت صدیق ثنیۃ الوداع تک اسی طرح لشکر کے ساتھ گئے۔ اور جدائی کے وقت یزید بن ابوسفیان امیر لشکر کو یوں نصیحت فرمائی۔ اپنے ماتحت لشکر کے ساتھ مہربانی اور محبت سے پیش آنا۔ تمام معاملات میں انصاف کا رستہ اختیار کرنا۔ ساتھیوں سے مشورہ لینا۔ بہادری سے لڑنا۔ دشمن کو پیٹھ نہ دکھانا۔ فتحیاب ہو تو بڈھوں کو مت ستانا۔ عورتوں اور بچوں کی حفاظت کرنا۔ پھلدار درختوں اور کھیتوں کو برباد نہ کرنا۔ کھلواڑوں کو نہ جلانا۔ جو جانور تمہاری غذا نہ ہو اُسے مت مارنا۔ دشمنوں کے ساتھ جو عہد و پیمان کرو اُسے پورا کرنا۔ صلح کو نہ توڑنا۔ دینداروں اور گوشہ نشینوں کا لحاظ رکھنا۔ ہاں وہ کافر جو سروں کو منڈاتے ہیں اور یہودیوں کے عبادت خانوں سے تعلق رکھتے ہیں وہ اخوان الشیاطین ہیں۔ وہ تم کو ملیں تو بلاشبہ اُن کا سر اڑا دینا۔ اور جب تک اسلام نہ قبول کریں یا جزیہ نہ دیں اُن سے درگذر نہ کرنا۔ کسی کے مکان کو مت ڈھانا۔ اور جہاں تک ہو سکے صبر و تحمل سے کام لینا۔ یہ نصیحتیں کر کے حضرت صدیقؓ نے سرداران لشکر سے معانقہ و مصافحہ کیا اور مدینہ واپس آ گئے ✦

لشکر روم پر مسلمانوں کی پہلی فتح۔

ہرقل شاہ روم کو جب معلوم ہوا کہ مسلمانوں کا لشکر مار مار بتوک و جابیہ کی راہ سے دمشق کی طرف چلا آرہا ہے تو بہت گھبرایا۔ اور سرداران فوج و ارکان سلطنت کو جمع کر کے کہا کہ جب تک تم احکام شریعت کی پابندی کرتے تھے۔ انجیل مقدس کے پاک احکام پر چلتے تھے۔ کسی بادشاہ کو تم پر غلبہ پانے کی جرأت نہ ہوئی۔ جس نے شام

پر چڑھائی کی منہ کی کھائی - کسریٰ بن ہرمز نے شکست کھائی - ترکوں نے نیچا دیکھا - قوم واقعہ دُم دبا کر بھاگی - لیکن اب تمہارے کاہل و بد دین ہونے کا یہ نتیجہ ہے کہ ایک ضعیف سی قوم تم پر چڑھ آئی ہے - مسلمانوں کا یہ لشکر اس واسطے آیا ہے کہ ہم کو ہمارے ملک سے نکال دے ۔

بادشاہ کی یہ بات سُن کر لوگوں میں ایک جوش پیدا ہو گیا - اُنہوں نے یک زبان ہو کر عرض کیا - ہم کو اجازت دیجئے کہ ہم ان کو خاک میں ملا دیں - اُن کی آرزوؤں کو پامال کر دیں - اور اُن کے کعبہ کو زمین کے ساتھ برابر کر دیں ہرقل یہ سنکر خوش ہوا اور اس نے آٹھ ہزار سوار اپنی فوج میں سے انتخاب کیئے - اور باطلیق - جرجیس برادر باطلیق - الوقا بن شمعان اور حلیا کو ان کا سردار مقرر کر کے روانہ کیا ۔

مسلمانوں کا لشکر تین روز تک تبوک میں مقیم رہا - چوتھے دن چلنے کی تیاری کر رہی رہے تھے کہ رومیوں کا لشکر نمودار ہوا - یزیدؓ بن ابو سفیان نے ایک ہزار آدمی ربیعہ بن عامر کی سرداری میں دئیے اور خود ایک ہزار سوار لیکر میدان کارزار میں جا ڈٹا - اور اپنی پُر جوش تقریروں - اور پر مصلحت پند و نصائح سے مسلمانوں میں ایک نئی روح پھونک دی - مسلمانوں کی جمعیت قلیل کو دیکھ کر رومیوں کی ہمت بڑھ گئی اُنہوں نے آگے بڑھ کر لشکر اسلام کو چار طرف سے گھیر لیا - یہ دیکھ کر ربیعہ بن عامر کمینگاہ سے نکلے اور نعرہ اللہ اکبر کے ساتھ اس زور کا حملہ کیا کہ رومیوں کے ہوش پراگندہ ہو گئے اور اُن کو پیچھے ہٹنا پڑا اس حملہ میں باطلیق کا ربیعہ بن عامر سے مقابلہ ہوا اور ربیعہ نے ایک نیزہ اس زور سے مارا کہ باطلیق کے دوسری جانب جا نکلا - اور وہ بیدم ہو کر گھوڑے سے

سے گر پڑا۔ رومی لشکر بھاگ گیا اور فتح اسلام کا ڈنکا بجنے لگا۔ دو ہزار سے زیادہ رومی اور ایک سو سے زیادہ مسلمان اس لڑائی میں کام آئے۔ اور جرجیس کو بڑی شرمندگی حاصل ہوئی۔ اُس نے ارادہ کر لیا کہ یا تو اپنے بھائی کا بدلہ لونگا یا آپ بھی جان دیدونگا۔ اس کے اس جوش کو دیکھ کر رومی پھر لوٹ آئے اور لشکر اسلام کے سامنے خیمے لگا دئیے۔ اور ایک شخص کو لشکر اسلام میں بھیجکر پیغام دیا کہ کوئی آدمی ہمارے پاس بھیجو تاکہ وہ ہم کو یہ بتائے کہ تم لوگ ہم سے کس بات کے طالب ہو ربیعہ بن عامر مسلمانوں کی جانب سے دشمن کے لشکر کی طرف روانہ ہوئے۔ جب بادشاہ کے خیمہ میں پہنچے تو قندان بن وائلہ نے امیر لشکر کی تعظیم کروانی چاہی۔ لیکن اُن کے انکار کرنے پر جرجیس نے کہا کہ جس طرح یہ عربی آتا ہے آنے دو۔ جرجیس نے ربیعہ بن عامر سے پوچھا کہ تم ہم سے کیا چاہتے ہو۔ ربیعہ نے کہا جزیہ دو یا اسلام قبول کرو۔ اور اگر یہ منظور نہیں ہے تو تلوار فیصلہ کرے۔ جرجیس نے لشکر اسلام سے ہر ایک کو کچھ روپیہ دینا چاہا کہ لڑائی سے ہاتھ اُٹھا لیں۔ مگر ربیعہ نے اس شرط کو نہیں مانا۔ پھر دونوں میں کچھ بحث مباحثہ مذہبی شروع ہو گیا۔ جس سے اسلام کی بزرگی جرجیس نے مان لی۔ مگر ایک سپاہی نے اُس کو کہا کہ اسی شخص نے تیرے بھائی باطلیق کو قتل کیا ہے۔ یہ سُنکر جرجیس مارے غصہ کے آگ بگولا ہو گیا۔ اور ربیعہ پر پل پڑا لیکن ربیعہ نے اپنی تلوار سے اُسے مار کر گرا دیا +

یزید بن ابو سفیان رومیوں کی اس بے ایمانی کو دیکھ کر بہت برافروختہ ہوئے اور ان دغا بازوں پر فوراً حملہ کر دیا۔ لڑائی بڑے زور شور سے جاری تھی۔ کہ مسلمانوں کا ایک لشکر بسرداری شرجیل بن حسنہ مدد کو آن پہنچا۔ اور آتے ہی چار طرف سے دشمنوں کو گھیر لیا۔ اب اس زور کا گھمسان پڑا کہ آٹھ ہزار رومیوں

میں سے ایک تن بھی نہیں بچا۔ اور اُن کا بے شمار مال و اسباب مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ جو بعد مشورہ سرداران لشکر حضرت صدیق کی خدمت میں بھیجدیا گیا۔ یہ اول موقع تھا کہ شام سے اس قدر مال غنیمت روانہ ہوا۔ حضرت صدیق رضی نے اس فتح کی خبر مکہ اور دیگر اطراف میں بھیجدی۔ تاکہ اس فتح کی خبر پاکر اور مال غنیمت کو دیکھکر لوگوں کو جہاد کی تحریص و ترغیب ہو۔

مسلمانوں کا لشکر عظیم شام کو جاتا ہے۔

اب ایک اور لشکر تیار کیا گیا۔ اور یہ سرداری سعید بن خالد شام کی طرف روانہ ہوا۔ مگر سعید کی تقرری حضرت عمر رضی نے پسند نہیں کی۔ ابتدا میں سعید کو کسی قدر کامیابی ہوئی۔ مگر دور نکل کر وہ گھبرا اُٹھے اور مدد مانگنی شروع کردی۔ اس وقت مسلمانوں کے لشکر جنوبی عرب کی بغاوت فرو کرکے مدینہ کی طرف واپس آرہے تھے۔ اُن کو سعید کی کمک کے واسطے روانہ کیا۔ سعید نے اس کمک کے بل پر بڑھتی ہی فوج پر بڑی بے احتیاطی سے حملہ کیا۔ اور شکست کھاکر بھاگ نکلے۔ اب حضرت ابوبکر کو اپنی غلطی معلوم ہوئی اور حضرت عایشہ رضی نے اپنے والد سے کہا کہ سعید کو واپس بلالیجئے اور اور عمرو بن العاص کو اُن کی جگہ مقرر فرمادیجئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ ہر مسلمان بجان و دل اسلام کی خدمت اپنا فرض سمجھتا تھا۔ سعید نے بڑی خوشی سے سپہ سالاری عمرو بن العاص کے سپرد کردی۔ اور خود بطور ایک سپاہی کے جہاد کرنا پسند کیا۔

بروقت روانگی حضرت عمر رضی نے عمرو بن العاص کو چند نصیحتیں فرمائیں کہ ہروقت خدا کو حاضر و ناظر سمجھنا۔ لوگوں کے معاملات خانگی میں دخل نہ دینا۔ احکام قرآن مجید پر چلنا۔ اور قرآن پاک کی تلاوت جاری رکھنا کہ جن باتوں کا

جاننا تم کو لازم ہے وہ سب اس میں درج ہیں +

اس وقت ایک لشکر عظیم مسلمانوں کا ممالک شام میں جمع ہو گیا۔ اور بہت سے سردار وہاں جا پہنچے۔ اس لئے حضرت صدیق نے ہر ایک سردار کے واسطے علیحدہ علیحدہ مقام جنگ مقرر فرما دئے۔ عمرو بن العاص کو فلسطین (علاقہ بیت المقدس) سپرد ہوا۔ ابو عبیدہ کو حمص فتح کرنے کا حکم ہوا۔ یزید بن ابو سفیان کے واسطے علاقہ دمشق تجویز ہوا۔ اور شرجیل بن حسنہ کو وہ علاقہ سونپا گیا جو بیت المقدس کے شرق میں ہے +

ابو عبیدہ حکومت شام کے اعلےٰ حاکم مقرر ہوئے۔ تمام سرداران کو حکم دیا گیا کہ ایک دوسرے کے مددگار و معاون رہنا۔ جہاں ضرورت ہو پہنچ جانا۔ اگر الگ الگ ہو تو تم اپنی فوجوں کے سردار ہو۔ یکجا ہو تو ابو عبیدہ کے زیر حکم کام کرنا۔ ابو عبیدہ کی عمر پچاس سال کی تھی۔ امورات اسلامی میں بڑے سرگرم تھے۔ لیکن معاملات جنگی میں کسی قدر سست پرتتے تھے۔ یہ لشکر جس کی مجموعی تعداد تقریباً سات ہزار تھی ۱۳ ہجری روانہ ہوا۔ لیکن ممالک شام فتح کرنے کو یہ تعداد کافی خیال نہیں کی جا سکتی۔ ابو عبیدہ خود بڑے جوانمرد اور دلیر تھے۔ تاہم اُن کا دل رحم دلی خدا پرستی اور صلح و آشتی کی طرف بہت مائل تھا تھوڑی سی ناکامیابی بھی اُن کا حوصلہ پست اور اُن کے دل کو شکست کر دیتی تھی +

ایک اور لشکر روم پر مسلمانوں کی فتح

جس وقت یہ فوج ممالک شام پر چڑھائی کرنے کی تیاری کر رہی تھی۔ شام کے کچھ سوداگر جو اکثر مدینہ منورہ میں گیہوں روغن زیتون۔ انجیر وغیرہ وغیرہ عمدہ اجناس لا کر فروخت کیا کرتے تھے۔ بغرض

تجارت آئے ہوئے تھے۔ اُنھوں نے اس فوج کی چڑھائی اور تبوک میں رومیوں کے شکست کھانے کا حال ہرقل شاہ روم کو جا پہنچایا۔ ہرقل نے ایک فوج بمانختی روبیس روانہ کی اور اُس کو ایک سونے کا صلیب دیکر کہا کہ عربیوں کو فلسطین کے علاقہ سے بالکل نکال دو۔ ادھر عمرو بن العاص اپنی فوج لیکر فلسطین جا دھمکے اور مہاجر و انصار باہم مشورہ کر رہے تھے کہ عامر بن عدی ملک شام سے آپہنچے وہ بہت پریشان اور خوف زدہ تھے۔ عمرو بن العاص نے اُن کی پریشانی کا حال پوچھا تو انھوں نے کہا کہ میرے پیچھے پیچھے رومیوں کا ایک لشکر عظیم آرہا ہے جس کا شمار ایک لاکھ سے کم ہرگز نہ ہوگا۔ اس وقت عمرو ابن العاص نے اپنے ہمراہیوں سے مشورہ کیا کسی نے کچھ رائے پیش کی اور کسی نے کچھ۔ ایک گروہ کی یہ رائے ہوئی کہ جنگل میں جا چھپیں اور دشمن کو غافل پاکر اُس پر حملہ کردیں۔ سہیل بن عامر نے اس رائے کو ناپسند کیا۔ اور عبد اللہ بن عمر رضہ نے کہا۔ خدا کی قسم ہم کفار کی لڑائی سے اپنا مُنہ نہ پھیرینگے۔ جس کا جی چاہے مقابلہ کے لئے آگے بڑھے اور جس کے من میں آوے واپس چلا جاوے مگر یاد رہے کہ جو شخص اللہ کے راہ سے پھریگا۔ اللہ اُس کو دیکھتا ہے۔ یہ سُنکر عمرو ابن العاص بہت خوش ہوئے۔ اور اُنھوں نے عبد اللہ بن عمر رضہ کو ایک ہزار سوار دیکر دشمن کے مقابلہ کے واسطے روانہ کیا۔

دوسرے دن ایک آندھی سی اُٹھتی ہوئی معلوم ہوئی اور غبار میں معلوم ہوا کہ دس ہزار آدمی مسلمانوں کے لشکر کا حال معلوم کرنے کے لئے رومی سردار نے بھیجے ہیں۔ یہ دیکھکر مسلمانوں نے تکبیر کی آواز بلند کی اور مست شیروں کی طرح دشمن کی فوج پر جا پڑے عبد اللہ بن عمر رضہ نے سردار فوج پر حملہ کیا اور

تلوار کی ایک وار سے اُس کو مردوں میں ملا دیا بہت عرصہ نہ ہوا تھا کہ دشمن شکست کھا کر بھاگے اور مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی بہت سے رومی مارے گئے اور بہت سے زندہ اسیر ہوئے۔ مال غنیمت جمع کیا گیا۔ لیکن عبداللہ بن عمرؓ نظر نہ آئے کسی نے کہا شہید ہوئے کسی نے کہا گرفتار ہوئے۔ بعض نے کہا اگر وہ مارے گئے تو اس فتح سے ہم کو کچھ فائدہ نہیں ہوا۔ عبداللہ بن عمرؓ نے ان سب باتوں کو اپنے نشان کے پیچھے سے سنکر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا نعرہ مارا۔ اُن کو زندہ دیکھ کر مسلمان اُن کی جانب دوڑے اور کہا کہ آپ کہاں تشریف لے گئے تھے اُنھوں نے فرمایا مشرکوں سے جنگ کر رہا تھا۔

عمرو بن العاص اس خبر کو سنکر بہت خوش ہوئے۔ اور تین قیدیوں سے جو عربی زبان سے واقف تھے۔ رومیوں کے لشکر کا حال دریافت کیا قیدیوں نے کہا کہ ہرقل شاہ روم نے ایک لاکھ فوج روبیس کے ماتحت روانہ کی ہے۔ اور یہ سردار جو مارا گیا بطور طلیعہ تمہارے لشکر کا حال معلوم کرنے بھیجا گیا تھا اور روبیس کی فوج بھی اب آئی کی آئی سمجھو۔

عمرو بن العاص نے فوجوں کو آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ اور تھوڑی دور جانے نہ پائے تھے کہ دشمن کا لشکر سامنے نظر آیا۔ دونوں لشکر ایکدوسرے کے نزدیک ہوئے۔ روبیس نے اپنے لشکر کو لڑائی کے واسطے ترتیب دیا اور عمرو بن العاص نے میمنہ و میسرہ کو بہادر سرداروں کے حوالہ کیا اور خود معہ مہاجرین و انصار کے قلب میں جگہ لی۔ اور مسلمانوں کو کلام پاک کے پڑھنے کا حکم دیا۔

سب سے اول سعید بن خالد مقابلہ کے واسطے نکلے اور دشمن کی میمنہ اور میسرہ فوجوں پر باری باری جا پڑے دوسرے حملہ میں انہوں نے دشمن کی فوج کو پراگندہ کردیا۔ لیکن رومیوں نے اُن کو چار طرف سے گھیر کر شہید کردیا۔ اس حادثہ ہوش رُبا سے مسلمانوں کو سخت رنج ہوا۔ زوال کے وقت تک لڑائی جاری رہی۔ آخر دشمن نے شکست کھائی اور پیٹھ دیکر بھاگ گیا ؛

اس فتح کا حال لکھ کر عمرو بن العاص نے ابوعبیدہ کے پاس روانہ کیا جس وقت قاصد وہاں پہنچا سعید بن خالد کے والد ابوعبیدہ کے پاس بیٹھے تھے۔ اپنے بیٹے کی شہادت کا حال سنکر خالد بن سعید کے ہوش جاتے رہے بیقرار ہوکر خوب روے۔ اور جب قاصد جواب لیکر واپس گیا تو اُس کے ساتھ عمرو بن العاص کے لشکر میں جا پہنچے۔ مسلمانوں نے اُن کے بیٹے کی عزہ داری کی۔ اور اُس کی بہادری کا حال اُن کو سنایا۔ انہوں نے اُس کی قبر پر فاتحہ پڑھی اور عہد کیا کہ اپنے بیٹے کا بدلہ لئے بغیر نہ چھوڑونگا۔ اب خالد بن سعید تین سو سوار لیکر روانہ ہوئے۔ اور میدان جنگ میں ایک جگہ قیام کا ارادہ کر رہے تھے کہ ایک اونچے مقام پر اُن کو کچھ آدمی دکھائی دئیے۔ خالد بن سعید دس آدمی ہمراہ لیکر وہاں پہنچے۔ معلوم ہوا کہ یہ لوگ شام کے رہنے والے ہیں۔ اُن سے رومیوں کے لشکر کا حال پوچھا۔ اُنہوں نے کہا کہ وہ بمقام اجنادین مقیم ہیں وہاں لشکر جمع ہو رہا ہے اور امیر لشکر کا ارادہ فلسطین جانے کا ہے تاکہ بیت المقدس کو عربوں سے بچائے۔ خالد بن سعید نے پوچھا اُن کا راستہ کونسا ہے۔ اُنہوں نے کہا جہاں تم ہو یہی سب سے بڑا درہ ہے اسی راستے وہ جاوینگے۔

پھر خالد نے اُن کو اسلام قبول کرنے کے واسطے کہا۔ اُنہوں نے کہا کہ ہم تو زمیندار ہیں ہم تو صرف صلیب کو جانتے ہیں اگر تم ہم کو مار ڈالو تب بھی تم کو کچھ فائدہ نہیں۔ خالد بن سعید نے کہا کہ اگر تم ہم کو وہ جگہ بتا دو جہاں رسد جمع ہے تو ہم تم کو چھوڑ دینگے اُنہوں نے یہ بات مان لی۔ اور خالد کے آگے آگے درے میں جا پہنچے۔ یہاں رومی رسد جانوروں پر لاد رہے تھے۔ اور چھ سو سوار رومی وہاں موجود تھے خالد بن سعید نے اُن پر حملہ کر دیا۔ اور اُن کے سردار ذوالکلاع الحمیری کو نیزے سے مار کر زمین پر گرا دیا۔ اس لڑائی میں تین سو سے زیادہ رومی سوار مارے گئے اور باقی جانوران باربرداری اور رسد کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔ خالد بن سعید نے حسب وعدہ زمینداروں کو چھوڑ دیا اور اپنے ہمراہی اور مال غنیمت کو لے کر عمرو بن العاص کے پاس واپس آئے۔ عمرو بن العاص اُن کے صحیح و سالم واپس آنے پر بہت خوش ہوئے۔ اور انہوں نے ایک خط ابو عبیدہ کو اور دوسرا حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو اس لڑائی وغیرہ کا حال لکھ کر روانہ کیا +

خالد کا شام کی طرف روانہ ہونا

عمرو بن العاص کا خط پڑھ کر ابو عبیدہ کو جب معلوم ہوا کہ ایک فوج عظیم اُن کا مقابلہ کرنے کے واسطے چلی آ رہی ہے۔ تو اُن کے دل میں نہایت اضطراب پیدا ہوا اور انہوں نے اپنے اس ہراس و پراگندگی کا خط لکھ کر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیجدیا +

عراق میں خالد کی فتوحات کا حال سنکر حضرت ابو بکر کا دل باغ باغ ہو رہا تھا کہ ابو عبیدہ کا خط پڑھ کر پژمردہ ہو گئے۔ فوراً ایک قاصد خالد کے

پاس روانہ کیا۔ کہ مہمات عراق کسی ہوشیار ماتحت کے حوالہ کرکے فوراً شام کی طرف بطور حاکم اعلےٰ روانہ ہو جاؤ۔ خالد نے یہ خط پڑھتے ہی عراق کی مہمات مثنےٰ بن حارث کے سپرد کیں اور خود پندرہ سو سوار لیکر شام کی طرف روانہ ہوگئے ✦

شہر بصرہ شام کی سرحد پر واقع ہے۔ اور ایک اعلےٰ درجہ کا تجارت گاہ ہے۔ اس جگہ عرب کے قافلے سال کے سال آیا کرتے تھے۔ اور نوجوانی کے دنوں میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے نسطورا راہب سے اس جگہ ملاقات کی تھی۔ اس شہر میں قسم قسم کا مال موجود تھا۔ اس سبب سے مسلمانوں کو بعد فتح بہت مال غنیمت ملنے کی امید تھی۔ یہ شہر جس قدر مالدار تھا۔ ویسا ہی مضبوط تھا۔ اُس کی لوہا لاٹھ فصیل بہت بلند تھی۔ جس پر قابو پانا ایک امر محال معلوم ہوتا تھا۔ اور اسی سبب سے اسے بصرہ یعنی محفوظ برج کہتے تھے ✦

ابو عبیدہ نے دس ہزار فوج دیکر شرجیل بن حسنہ کو بصرہ کے محاصرہ کے واسطے روانہ کیا ہوا تھا۔ یہ وہ وقت تھا۔ جب کہ مسلمانوں کا آفتاب ترقی کے نصف النہار پر چمک رہا تھا۔ جس طرف رُخ کرتے تھے۔ فتح و نصرت قدموں سے لگی جاتی تھی۔ بصرہ کے سردار رومانس پر مسلمانوں کا رعب چھا گیا اور مسلمانوں کی جوانمردی اور ہمت کا حال سنکر اُس کی کمر ہمت شکست ہوگئی۔ اُس کا ارادہ ہوا کہ جزیہ دینا قبول کرلے۔ مگر اس کے قوی دل اور بہادر ماتحتوں نے شہر کی مضبوطی اور فوج کی بہادری جتا کر اُس کو لڑنے پر آمادہ کر ہی دیا ✦

شرجیل نے شہر کے قریب پہنچکر فتح و نصرت کی دعا مانگی۔ اور شہر کے محاذ میں اپنی فوج کے پرے جمانے ہٹے۔ اُن کو دیکھ کر شہر کے دروازے سے

فوج نے نکلنا شروع کیا۔ اور تھوڑی دیر میں رسالہ اور پیدل نے مسلمانوں کو چار طرف سے گھیر کر حملہ کر دیا۔ مسلمانوں کی فوج منتشر ہو گئی۔ اور بہت سا نقصان ہوا۔ ایسی نازک حالت کو دیکھ کر شرجیل واپسی کا حکم دینے کو ہی تھا کہ سامنے سے ایک غبار نمودار ہوا۔ اول اول تو مسلمانوں کی تشویش زیادہ ہوئی۔ مگر جب ان کو دور سے خالد کا عقاب والا پھریرا غبار میں اُڑتا ہوا دکھائی دیا تو اُن کے حوصلے بڑھ گئے اس فوج کے اللہ اکبر کے نعروں نے مسلمانوں کے بجھے ہوئے دلوں پر تیل ڈال دیا۔ اور جب اُن کو معلوم ہو گیا کہ خالد سیف اللہ ہماری امداد کو آن پہنچے ہیں اُن کی ہمتیں دوچند ہو گئیں ٭

شہر بصرہ پر خالد کا حملہ۔ خالد بن ولید حضرت صدیق رضؓ کا حکم پا کر فوج شام کی امداد کو روانہ ہوئے۔ راہ میں اُن کو معلوم ہوا کہ لشکر اسلام بصرہ کی طرف آرہا ہے اس لئے وہ بھی اُسی طرف چلدئے اور ایسے وقت پر پہنچے کہ لشکر عرب کی ڈوبتی ہوئی ناؤ کو بچا لیا۔ وہ اپنے غبار آلود اور سفر کی تکلیفیں اُٹھائے ہوئے لشکر کو لیکر میدان کارزار میں آن جمے۔ اپنا جھنڈا حصار کے دامن میں نصب کیا اور نعرہ اللہ اکبر مارتے ہوئے ایک دم دشمن کی فوج پر جا پڑے۔ کون دنیا میں پیدا ہوا تھا جو سیف اللہ کا مقابلہ کر سکے۔ پہلے ہی حملہ میں دشمن شہر کی طرف بھاگ گئے شام کا وقت ہو گیا تھا اور لڑائی ختم ہو چکی تھی۔ شرجیل اپنے دوست خالد سے بغلگیر ہوئے۔ خالد نے شرجیل سے کہا کہ آپ کو یہ کیا سوجھی تھی کہ ایسے مضبوط شہر پر آپ نے ایسی قلیل فوج سے حملہ کر دیا۔ اُنہوں نے کہا کہ ابو عبیدہ نے مجھ کو حکم دیا تھا۔ خالد بولا۔ ابو عبیدہ بیشک بہت لایق اور دیندار ہیں۔ لیکن جنگی کاروبار

اور فوج کی اونچ نیچ کو بہت کم سمجھتے ہیں *

خالد کی فوج کچھ تو سفر سے تھکی ہوئی تھی۔ کچھ اس حملہ سے ماندہ ہوگئی تھی۔ اس لئے کھانا کھاکر سرشام ہی سے سو گئے۔ لیکن خالد رات بھر نہ سوئے۔ گھوڑے پر سوار ہوکر تمام رات فوج کی نگہبانی کرتے رہے کہ کہیں دشمن چھاپہ نہ مارے علے الصبح خالد نے لشکر کو جگایا۔ اور کسی نے وضو اور کسی نے تیمم کرکے خالد کے پیچھے نماز صبح ادا کی۔ اور بعد فراغت نماز جنگ کے واسطے تیار ہو گئے *

اب بصرہ کے دروازے سے فوجیں نکلنی شروع ہوئیں۔ اور تیز تیز نگاہوں سے خالد کی فوجوں کو گھورنے لگیں۔ خالد نے سمجھا کہ ہم کو تھکا ماندہ سمجھ کر تاڑتے ہیں۔ اپنے لشکر سے کہا۔ بہادرو! دشمن تم کو سفر زدہ اور ماندہ سمجھتا ہے مگر تم اللہ کو یاد کرو کسی قسم کا خوف و ہراس طبیعت پر نہ لاؤ۔ مرے تو شہید ہوئے۔ اور بھاگے تو رسول اور اُس کے خدا کے رستے سے پھرے۔ میرے شیرو! آگے بڑھو۔ آگے بڑھو۔ اللہ کا فضل میرے شامل حال ہے۔ آگے بڑھو اور دشمن کو پامال کر ڈالو *

دونوں لشکر جب بالمقابل ہوئے تو رو ماس گھوڑے پر سوار ہوکر لشکر سے باہر آیا۔ اور ہم جنگ طلب کیا۔ خالد اُس کے مقابلہ کے لئے آگے چلے گئے لیکن روماس نے بجائے حملہ کرنے کے گفتگوے مصالحت شروع کر دی۔ اور کہا کہ میں تہ دل سے مسلمان ہو چکا اور مسلمانوں کو اپنا برادر عزیز بنا چکا ہوں۔ چونکہ جنگ عام میں اس کا اظہار مشکل تھا۔ اس لئے یہ حیلہ کیا گیا اب لڑنا بیکار ہے میں جاتا ہوں اور اپنے آدمیوں کو جزیہ دینے پر آمادہ کرتا ہوں۔ اور اگر آپ وعدہ کریں کہ اہل شہر کے جان و مال کی حفاظت کرینگے اور اُن کی آزادی میں کچھ فرق

نہ آئیگا۔ تو میں اُن کو مطیع اسلام کرنے کی کوشش کرونگا +

خالد نے اُس کی تمام شرطیں منظور کیں ۔ اور کہا تمہارے اس طرح واپس جانے سے لوگوں کو شبہ ہوگا۔ آؤ ہم تم تھوڑی سی جنگ کریں اور تم ہلکے ہلکے زخم اپنے جسم پر لگا لو۔ رَوماس نے اپنے ہاتھ سے کچھ زخم لگانے چاہے ۔ مگر حضرت خالد نے کہا کہ نہیں لوگ ہمیں لڑتا ہوا بھی تو دیکھیں۔ چنانچہ اُنہوں نے ایک دوسرے پر حملہ کیا۔ اور خالد نے اپنے ہاتھ سے ایک زخم رَوماس کے ایسا لگایا کہ اگر دھار کی طرف سے لگایا جاتا۔ تو دو ٹکڑے ہی کر دیتا۔ اس پر رَوماس نے کہا کہ اسی کو جنگ زرگری کہتے ہیں تم تو مجھ کو مار ڈالنا چاہتے ہو۔ خالد نے کہا۔ کہ ہمارے مذہب میں دغا روا نہیں ہے +

یہ زخم کھا کر روماس گرتا پڑتا اپنی فوج میں پہنچا اور خالد کے زور و شجاعت حوصلہ و مردانگی کی بہت کچھ تعریف کرنے لگا۔ اور بہت زور دیا کہ کسی طرح صلح ہو جاوے ۔ مگر اہل شہر نے اُس کی ایک نہ سُنی اور اُس کی بزدلی پر اُس کو لعنت ملامت کی۔ اور سرداری فوج سے معزول کر کے اُس کو گھر میں قید کر دیا اور امدادی فوج کے افسر کو اپنا سردار بنا لیا +

اس نئے سردار نے فوج کو رومی قاعدہ کے موافق کھڑا کیا۔ اور خود لشکر سے آگے بڑھ کر کہا کہ تمہاری فوج میں کوئی ہے ایسا جو میرا مقابلہ کرے ۔ عبدالرحمن بن ابوبکرؓ ایک ہونہار جوان تھے ۔ خالد سے اجازت لے کر مسلح ہوئے ۔ اور دشمن کے مقابلہ میں جا ڈٹے ۔ دیجان (رومی افسر) اس جوان کی چستی چالاکی صورت اور ہتھیاروں کو دیکھ خوف زدہ ہو گیا۔ اول ہی زخم میں اُس کے ہوش و حواس جاتے رہے ۔ اُس نے فوراً باگ موڑی ۔ اور اپنے تیز رفتار گھوڑے کے

سب صحیح وسلامت اپنے لشکر میں جا ملا۔ نیز او فصیل جہاں اُس کا پیچھا چھوڑنے والا نہ تھا۔ دائیں بائیں لوگوں کو کاٹتا چھانٹتا لشکر میں گھس گیا۔ خالد اُس کی بہادری دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ اور یہ سمجھ کر اُس کی حالت بڑی خطرناک ہے یکدم حملہ کرنے کا حکم دیا۔ اور پکار کر کہا۔ لڑو بہادرو۔ خوب لڑو۔ شہر و بہشت تمہارے ہی واسطے ہے۔ اپنے سردار کی آواز سنکر مسلمان بے چین ہو گئے ایکدم سے دشمنوں پر جا پڑے۔ وہ گھمسان کا رن پڑا کہ لاشوں کے انبار لگ گئے اور خون کی ندیاں بہ گئیں۔ اہل شہر فصیل پر سے اس معرکہ کو دیکھ رہے تھے۔ اُن پر خوف طاری ہو گیا۔ تمام شہر میں کھلبلی مچ گئی۔ گرجوں میں گھنٹیاں بجنے لگیں راہب چیخ چیخ کر دعائیں مانگنے لگے۔ بچوں اور عورتوں نے رونا پیٹنا شروع کر دیا۔ مسلمان بھی دست بدعا تھے۔ اور بڑھ بڑھ کر داد شجاعت دے رہے تھے آخر کار بصرے کا لشکر بھاگا۔ اور زخمی و ہزیمت خوردہ سپاہیوں نے شہر پناہ میں گھس کر پھاٹک بند کر لیا۔ برج قلعہ پر صلیب بلند کیا گیا۔ اور ہرقل شاہ روم کے پاس آدمی بھیجا گیا۔ اس لڑائی میں دو سو تیس مسلمان شہید ہوئے۔

شب کی سیاہی نے بہادروں کے درمیان سیاہ پردہ تان دیا۔ لڑائی بند ہو گئی۔ شہر بصرے کے گلی کوچوں میں زخمیوں کا کراہنا۔ عورتوں اور بچوں کی فریادیں سنکر دل کانپ جاتے تھے۔ آنکھوں میں آنسو بھر آتے تھے۔ عرب سپاہی اپنے خیموں کے گرد پہرہ دے رہے تھے۔ دروازہ شہر کے بالمقابل عبدالرحمن خیمہ زن تھے۔ اور اپنی فوج کی حفاظت کے لئے شہر پناہ کے اردگرد چکر لگا رہے تھے اُنہوں نے دیکھا کہ ایک شخص رومی جس کا لباس امیرانہ ہے اُن کی طرف چلا آتا ہے۔ انہوں نے اپنا نیزہ سیدھا کیا اور قریب تھا کہ اُس

کے سینہ سے پار کردیں کہ اُس نے دبی ہوئی زبان سے کہا کہ مَیں رُوماس ہوں مجھے مارو نہیں اور خالد کے پاس لے چلو۔ عبدالرحمٰن نے بحفاظت تمام اُس کو خالد کے پاس پہنچا دیا۔ اُس نے خالد سے اپنا تمام حال احوال بیان کیا کہ جب مَیں نے اہل شہر کو اسلام کی اطاعت کے واسطے کہا۔ تو وہ بہت سخت ناراض ہوئے۔ اور مجھ کو معطل کر کے میرے مکان میں قید کر دیا۔ میرا مکان فصیل شہر سے ملا ہوا ہے۔ مَیں نے اپنے بیٹوں اور نوکروں سے ایک نقب کھدوائی ہے اور مَیں چاہتا ہوں کہ چند مسلمان اس نقب میں سے داخل ہو کر شہر کا دروازہ کھولدیں +

بصرے کی فتح اور خالد کا دخل

خالد نے رُوماس کی اس درخواست کو قبول کیا اور اس خوفناک کارروائی کا اہتمام عبدالرحمن بن ابی بکرؓ کے حوالہ کیا اور وہ سو سورما جوان لیکر اس نقب کے ذریعہ رُوماس کے گھر میں داخل ہوئے یہاں ان سب نے اپنا لباس اُتار دیا اور سپاہیان قلعہ کی سی وردی پہنکر اُن کے ہم شبیہ بن گئے۔ عبدالرحمٰن نے ان سو آدمیوں کے چار گروہ کئے۔ ایک گروہ تو اپنے ساتھ رکھا۔ اور باقی تین گروہوں کو مختلف اطراف میں بھیجدیا اور کہا کہ جب ہماری تکبیر کی آواز تمہارے کانوں میں پُہنچے تم بھی تکبیر کہنا۔ اور اپنی کارروائی شروع کر دینا۔ پھر اُنہوں نے رُوماس سے کہا وہ سردار کہاں رہتا ہے جو اُس دن میرے سامنے بھاگ گیا تھا۔ چلو اُس کے مکان پر چلیں۔ رُوماس اُن کو مع پچیس جوانوں کے ریحان (افسر رومی) کے مکان کی طرف لے گیا۔ پہرے داروں نے یہ سمجھا کہ دوست ہیں۔ بھلا دشمن کا یہاں کیا کام پھاٹک کھول دیا۔ اور یہ بڑے اطمینان سے رومی حاکم کے دروازے تک

جا پہنچے۔ اول رُوماس داخل ہُوا اور پکار کر کہا۔ کہ تمہارا دوست آیا ہے چلو اُس کا استقبال کرو۔ ریحان بولا کونسا دوست ہے۔ تجھے خدا کی مار کس دوست کو لے آیا۔ رُوماس نے خوشی سے جواب دیا۔ تیرا دوست عبدالرحمٰن خلیفہ وقت کا بیٹا آیا ہے تاکہ تیرا کام تمام کردے۔ رومی حاکم سنکر بھاگنے لگا تھا کہ عبدالرحمٰن نے تلوار کا ہاتھ مار کر اُس کے دو ٹکڑے کردئے اور اللہ اکبر کی صدا بلند کی۔ اُن کی آواز سنتے ہی اللہ اکبر کی آوازیں چارطرف گونجنے لگیں۔ شہر کے لوگ سوتے سوتے جاگ پڑے قتل عام شروع ہوگیا۔ شہر پناہ کا پھاٹک کھول دیا گیا۔ خالد و شرجیل معہ لشکر کے شہر میں داخل ہوگئے۔ نامی بہادر بستروں ہی پر قتل کردئے گئے مرد خوف زدہ چلانے لگے بچے اور عورتیں ہیبت کے مارے شور کرنے لگے۔ اور چارطرف سے امان امان کی آوازیں آنی شروع ہوگئیں۔ خالد نے فورًا تلوار میان میں ڈالی اور اسلامی قانون کے موافق اُن کو امان دی۔ اور جب فتنہ فرو ہوگیا۔ تو اہل شہر نے دریافت کیا کہ تم شہر میں کس طرح داخل ہوئے۔ خالد نے روماس کا نام بتانے میں تامل کیا۔ لیکن اُس نے فورًا اُٹھ کر کہا۔ کہ یہ میں ہوں جس نے تم سے بدلا لیا ہے۔ تم نے میرے کہنے کو نہ مانا۔ مجھ کو ذلیل وخوار کیا۔ میرے گھر میں مجھ کو قید کردیا۔ اب میں خوشی سے مسلمان ہوتا ہوں۔ صلیب سے منکر ہوتا ہوں۔ اور اُس کی پرستش کرنے والوں سے پرہیز کرتا ہوں۔ تم کو اس جہان اور عاقبت میں تمہارے اعمال پر چھوڑتا ہوں۔ جو خوبیاں میں نے اسلام میں پائیں کسی دوسرے مذہب میں نہیں دیکھیں۔ پس اللہ تعالےٰ میرا پروردگار ہے۔ کعبہ میرا قبلہ۔ مسلمان میرے بھائی۔ اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم

میرے رسول ہیں اشہد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشہد ان محمد عبدہ ورسولہ +

یہ سُن کر اہل شہر رُوماس سے سخت ناراض ہوئے اور ارادہ کیا کہ موقع لگے تو اُسے ہلاک کر ڈالیں۔ لیکن رُوماس شام کی کل لڑائیوں میں مسلمانوں کے ہمراہ رہکر جنگ و جہاد کرتا رہا۔ خالد نے اس کو محافظ غنیمت مقرر کیا۔ اور حضرت ابو عبیدہ کی سفارش سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں بصرے کا حاکم بنا دیا گیا +

دمشق پر خالد کی چڑھائی

اس وقت بصرے کی فتح نے مسلمانوں کے حوصلے بڑھا دئے تھے اُن کو معلوم ہوگیا تھا کہ لشکر روم کتنے پانی میں ہے۔ اب خالد ابن ولید نے دمشق فتح کرنے کا ارادہ کیا۔ دمشق قدیم زمانہ سے مال واجناس کی فراوانی۔ باغ و عمارات کی خوبصورتی کے لئے مشہور ہے اُس کی زمین سرسبز و شاداب ہے جنگلوں میں پھولوں کی خوشبو دماغ کو معطر کر دیتی ہے اور انجیر و نارنگی کے درخت آنکھوں میں تراوت پیدا کرتے ہیں۔ جس طرف دیکھو چشمے جاری ہیں۔ ندی نلے بہ رہے ہیں۔ قسم قسم کے درخت ہوا میں لہرا رہے ہیں۔ یہ شہر ایک محفوظ جگہ میں کوہ لبنان کے پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے۔ اور کاروبار تجارت کے سبب قدیم سے مشہور ہے۔ یہاں کی تیغ و کٹار کسی زمانہ میں ضرب المثل تھی +

اس وقت خالد کے پاس علاوہ اپنے پندرہ سواروں کے شرجیل کی فوج بھی تھی

لیکن اُس نے اس قلیل فوج کو اس بڑی مہم کے لئے کافی نہیں سمجھا۔ چونکہ وہ اب شام کا فیلڈ مارشل یا سپہ سالار اعظم مقرر ہوچکا تھا۔ اُس نے ابوعبیدہ کو لکھا کہ اپنی سینتیس[۳۷] ہزار کی جمعیت لیکر دمشق کی جانب میرے لشکر سے ملجائے۔ چنانچہ حضرت ابوعبیدہ خط پڑھتے ہی فوراً چل پڑے۔ بیچارے مسلمان ریگستانی صحراؤں کے رہنے والے تھے اور چٹیل بیابانوں کے باشندے۔ دمشق کی سرسبزی اور زرخیزی۔ چشموں کی روانی۔ گل و گلزار کی فراوانی کو دیکھکر سمجھنے لگے کہ بہشت میں آن پہنچے۔ دمشق کے مکانات وقلعجات کو دیکھ کر پھولے نہ سمائے اور استعجاب سے اللہ اکبر اللہ اکبر کی آوازیں بلند کرنے لگے ✣

اس وقت ہرقل شہر انطاکیہ میں جو ملک شام کا پایہ تخت تھا موجود تھا۔ وہ خالد کے لشکر کو خاطر میں نہ لایا۔ اور یہ سمجھا کہ ایک لٹیروں کا گروہ دمشق کی دولت کا حال سنکر چڑھ آیا ہے۔ لوٹ مار کرکے واپس چلا جائیگا۔ دمشق جیسے مضبوط شہر کو کیا نقصان پہنچائیگا۔ اس لئے اُس نے پانچ ہزار آدمی کیلوس کے ماتحت شہر کی حفاظت کے واسطے بھیجدیئے ✣

دمشق پر خالد کی جنگ اور رومی افسروں کا قتل

کیا اوس اپنی فوج لیکر چل پڑا۔ لیکن جہاں جہاں سے اُس کا گذر ہوا اُس نے دیکھا کہ لوگ خوف زدہ ہو ہوکر قلعوں اور برجوں میں پناہ گزیں ہو رہے ہیں۔ اور تمام ملک میں ابتری اور بے چینی پھیلی ہوئی ہے۔ جس وقت وہ بعلبک میں پہنچا۔ تو کچھ عورتیں پریشان صورت بنائے سر کے بال گھسوٹتی اور برہنہ کو نوچتی اس کے پاس آئیں۔ اور دل حزین وجان غمگین کے ساتھ رو رو کر فریاد کرنے لگیں۔ کہ عربوں نے عراق۔ سکندہ

قدمر اور بصرہ کو فتح کر لیا ہے اب دمشق کی طرف چلے آرہے ہیں کوئی اُن کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ پس دمشق کا بھی اللہ حافظ ہے*

کیلوس نے پوچھا مسلمانوں کا کس قدر لشکر ہے۔ ان عورتوں کو صرف خالد کے لشکر کا حال معلوم تھا۔ کہا۔ کہ کوئی پندرہ سو سوار ہونگے۔ کیلوس یہ سنکر بہت خوش ہوا اور کہا تم گھبراؤ نہیں۔ میں جاتا ہوں۔ اور چند روز میں خالد کا سر کاٹ کر واپس آتا ہوں۔ یہ کہکر وہ چل پڑا دو منزلہ سہ منزلہ کرتا ہوا خالد سے پہلے دمشق جا پہنچا۔ یہاں کا حاکم ایک شخص عزرائیل نامی تھا کہ بڑا جری سپاہی اور ہر دلعزیز افسر تھا۔ اس کے ماتحت تیس ہزار سوار و پیدل تھے اور اہل شہر اُس کو ممتاز و ممیز سمجھتے تھے۔ کیلوس نے اپنے زعم سپہ سالاری میں اُس کو معزول کر دیا۔ اور کہا کہ میرے ہوتے تو حاکم نہیں رہ سکتا۔ اور لوگوں کو کہا کہ میں دشمن کو مار ہٹاؤنگا۔ بشرطیکہ تم عزرائیل کو نکال باہر کرو۔ اس بات کو اہل شہر نے پسند نہیں کیا۔ عزرائیل اور کیلوس میں دشمنی پیدا ہوگئی۔ باہمی تکرار بہت بڑھ گئی۔ اور بجائے تیاری مقابلہ کے دمشق میں خانہ جنگی شروع ہوگئی۔ اور قریب تھا کہ باہم کٹ مر جائیں کہ اتنے میں خالد کا چالیس ہزار لشکر دمشق کے میدانوں میں آجما۔ مسلمانوں کے اس کثیر التعداد لشکر کو دیکھکر ان کے ہوش گم ہوگئے۔ باہمی نزاع و فساد۔ بحث و تکرار کو بند کیا۔ باہم صلح کر لی۔ اور دونوں حاکم متفقہ فوجوں کو لے کر قلعہ سے نکلے اور خالد کے مقابلہ میں آن جمے*

جب یہ دونوں فریق صف آرا ہوئے۔ خالد مسلمانوں کی فوج کے آگے تھے۔ اور اُن کے بھائی ضرار بن الازور زرہ بکتر لگائے ہاتھ میں برچھا لئے۔ عربی گھوڑے پر سوار اُن کے پہلو میں کھڑے تھے۔ خالد نے ضرار

سے کہا کہ اے بھائی چند سواروں کو لیجاؤ۔ اور دشمن کی فوجی قوت کا امتحان کرو دیکھو موقعہ مردانگی اور بہادری کا ہے۔ اپنے باپ دادا اور اپنی قوم کا رستہ اختیار کرو۔ دشمن کو نیست و نابود کرنے میں ذرا جی نہ چراؤ۔ اپنی شجاعت سے دشمنوں میں زلزلہ ڈال دو۔ اور اپنے رُعب سے رومیوں کو خوف زدہ کردو۔ جاؤ بھائی جاؤ۔ خدا تمہارا نگہبان و مددگار ہے ✣

یہ حکم پاکر نوجوان اور بہادر ضرار نے اپنا نیزہ سیدھا کیا اور اپنی قلیل جماعت کو لیکر دشمن کی فوج کثیر میں گھس گیا۔ پہلے حملے میں چار سواروں کو مار گرایا اور دوسرے حملے میں چھ پیدلوں کو ملک عدم میں پہنچایا۔ اور بہتوں کو گھوڑے کے قدموں میں روند دیا۔ آن کی آن میں رومیوں کی فوج میں کھلبلی ڈالدی۔ رومیوں نے سمجھ لیا کہ یہ بہادر ایک دو پانچ دس کے مقابلہ کا نہیں۔ رومی قواعد کے موافق ایک بڑی تعداد سے اُس پر حملہ کر دیا۔ ضرار نے دیکھا کہ یہ موقع مقابلہ کا نہیں۔ بڑی ہوشیاری سے واپس ہوا۔ اور بجلی کی طرح کوندتا ہوا اس صفائی سے دشمنوں کے پھندے سے نکل آیا کہ سب اُس کا مُنہ تکتے کے تکتے رہ گئے۔ مسلمان اُس کے واپس آنے پر بہت خوش ہوئے اور بہت کچھ اس کا شکریہ ادا کیا ✣

اس کے بعد عبدالرحمٰن بن ابوبکر کچھ سوار لیکر دشمن پر حملہ آور ہوئے اور اپنی شجاعت و مردانگی کی داد دے رہے تھے کہ پیدل یونانیوں کے ایک لشکر نے جن کے پاس لمبے لمبے بھالے تھے۔ اُن کے سواروں کو گھیر لیا۔ اور برچھی اور پتھروں سے بعض سواروں اور گھوڑوں کو زخمی کر دیا۔ یہ دیکھکر بعد کسی قدر خونریزی کے عبدالرحمٰن مُڑے اور صحیح و سلامت اپنے لشکر میں آن پہنچے ✣

اب خالد کی باری آئی وہ اپنے ذاتی جوہر دکھانے کے لئے میدان جنگ میں جا پہنچے اور پکار کر کہا۔ کہ کوئی ہے ۔ جو مجھ سے مقابلہ کرے ۔لیکن کوئی شخص رومیوں کے لشکر سے باہر نہ نکلا۔کیلوس ۔عزرائیل کو کہتا کہ تم کو بڑا فخر اپنی جوانمردی پر ہے تو جاؤ اس عرب کا مقابلہ کرو ۔عزرائیل کہتا تھا کہ تم حفاظت شہر کے واسطے بھیجے گئے ہو۔اس لئے اس کا مقابلہ کرنا تمہارا فرض ہے۔ کیلوس کا لڑنے کا ارادہ نہ تھا۔لیکن بسبب نخوت وغرور کے انکار نہ کر سکا اور چار و ناچار با دل شکستہ وہمت مردہ خالد کے مقابلہ کے لئے آگے بڑھا چند منٹ اپنی فوج کو لڑانے کے بعد وہ بھاگنا چاہتا تھا کہ خالد نے اُس کا رستہ روک لیا۔ اور اُس کو زخمی کیا۔کیلوس اپنی زرہ سے خون بہتا دیکھ کر مایوس ہوگیا۔ اور خالد کے حملوں کو نا اُمیدی سے روکنے لگا۔ اب خالد نے اسکی حالت تاڑ لی۔ اُس کی فوج کو چیر کر اُس کے پاس جا پہنچے ۔ اپنے بائیں ہاتھ سے اُس کا نیزہ چھین لیا۔ اور دائیں ہاتھ سے پکڑ کر زین سے علیحدہ کر دیا اور قید کر کے لشکر اسلام میں لے آئے ۔ اپنے افسر کی کامیابی پر مسلمانوں نے خوشی کے نعرے بلند کئے ✣

خالد نے اپنا گھوڑا بدلا اور تازہ دم گھوڑے پر سوار ہو کر میدان کارزار میں واپس چلے گئے ۔ ضرار نے بہتیرا کہا کہ ذرا آرام کر لو اور اپنی جگہ مجھے جانے دو لیکن اس بہادر دلیر جوان نے کہا۔ برادر عزیز یہ وقت آرام کا نہیں ہے جو آج محنت کریگا وہ کل بہشت میں بہت کچھ آرام پائیگا ✣

خالد جب جانے لگے تو کیلوس نے کہا۔ کہ براہ مہربانی ذرا میری بات سنتے جاؤ ۔خالد نے کہا کہ بول تو کیا کہتا ہے ۔اُس نے کہا کہ میں ہرقل شاہ روم

کا سردار ہوں۔ مجھ کو پانچ ہزار آدمی دیکر بادشاہ نے تمہاری مدافعت کو بھیجا تھا۔ میرا اور حاکم دمشق عزرائیل کا جھگڑا ہو گیا۔ میں پکڑا گیا۔ وہ ابھی باقی ہے تم کو قسم ہے اپنے دین کی اگر عزرائیل تمہارے مقابلہ کو آئے تو اُسے زندہ نہ چھوڑنا اور جب تم اُسے مار ڈالوگے۔ تو آسانی سے دمشق پر تمہارا قبضہ ہو جاویگا۔ خالد نے کہا انشاء اللہ میں کسی مشرک کو زندہ نہ چھوڑونگا۔ پس حضرت خالد میدان میں آئے اور عزرائیل کو للکار کر کہا۔ کہ آؤ مقابلہ کے واسطے لشکر سے باہر نکلو۔ جب عزرائیل مقابل ہوا۔ خالد نے کہا سچ سچ تو ہی عزرائیل ہے۔ اُس نے کہا بلاشبہ میں ہی عزرائیل ہوں۔ خالد بولا ہوشیار رہو خدا کی قسم تیرا ہمنام تیری روح قبض کرنے آن پہنچا ہے۔ لڑائی شروع ہو گئی۔ عزرائیل نے بھی جوہر مردانگی دکھانے میں کمی نہیں کی۔ لیکن خالد کے مقابلہ کی تاب نہ لا سکا اور گھوڑے کی لگام ڈھیلی کر کے گویا کہ بھاگا چاہتا ہے۔ حریف سے دُور چلا گیا۔ اور خالد کو دھوکا دیکر پھر حملہ کر دیا۔ خالد بھی کچھ ایسی کچی گولیاں کھیلے ہوئے نہ تھے۔ اُس کی چال بازی کو تاڑ گئے۔ اُن کا گھوڑا تھک کر پسینوں میں شورابور ہو رہا تھا۔ اس واسطے وہ گھوڑے سے اُتر پڑے۔ اور قریب آکر عزرائیل کے گھوڑے کے پاؤں پر ایسی ضرب ماری کہ وہ منہ کے بل آ پڑا۔ خالد نے فوراً عزرائیل کو قید کر لیا اور اپنے لشکر میں لے آئے۔ خالد خود بہادر تھے اور بہادروں کی قدر کرتے تھے اس لئے اُنہوں نے عزرائیل کی بہت تعریف کی۔ لیکن اُنکو شرک و کفر سے سخت نفرت تھی۔ کیلوس اور عزرائیل دونوں کو بلا کر کہا کہ تم دونو اسلام قبول کر لو۔ لیکن انہوں نے نہیں مانا۔ اس واسطے خالد نے دونوں کے سر کاٹ دیئے۔ اور اہل شہر کے ڈرانے کو شہر پناہ کی دیوار پر پھینکدیئے ٭

دمشق کا محاصرہ

دمشق کے باشندے اپنے دونوں سرداروں کے مارے جانے سے مایوس اور پریشان تو بہت کچھ ہوئے لیکن اُنہوں نے حزم واحتیاط کو ہاتھ سے نہ دیا۔ بڑی کوشش کے ساتھ شہر کی حفاظت میں مشغول ہوئے روز روز کی لڑائیوں میں بہت سے بہادر مارے جا چکے تھے۔ اس واسطے اہل شہر نے باہر نکلنا چھوڑ دیا۔ اور شہر پناہ کے دروازے بند کر کے محفوظ ہو بیٹھے خالد نے نصف لشکر کے ساتھ مشرق کی طرف سے اور ابو عبیدہ نے باقی نصف کے ساتھ مغرب کی طرف سے شہر کو گھیر لیا۔ اور چھاؤنی چھا کر بیٹھ گئے اہل شہر ان کے محاصرہ سے تنگ ہو گئے اور اُنہوں نے خالد کے پاس پیغام بھیجا کہ اگر تم محاصرہ اُٹھا لو۔ تو ایک ہزار اشرفیاں اور دو سو دمشقی عبائیں آپ کی نذر کی جائینگی۔ بھلا خالد ایسے راگ میں آنے والے کب تھے۔ اُنہوں نے کہلا بھیجا کہ اسلام لاؤ یا جزیہ دو اس کے سوا اور کوئی بات ہم نہیں سُننے +

قیصر کا عظیم الشان لشکر وردان کے ماتحت آتا ہے اور ضرار اُس پر حملہ کرتا ہے

مسلمان دمشق کا محاصرہ کئے پڑے تھے کہ ایک دن شہر کے اندر سے خوشی کی آوازیں سُنائی دیں۔ جب تحقیق کیا گیا تو معلوم ہؤا۔ کہ اہل شہر کی امداد اور رہائی کے واسطے ایک لشکر جرار قیصر روم نے بھیجا ہے اس واسطے خوش ہو رہے ہیں۔ اور تھا بھی یوں ہی۔ کیونکہ جب اہل شہر محاصرہ سے تنگ آ گئے۔ تو اُنہوں نے ایک شخص کو فصیل شہر سے اُتارا۔ اور کہا کہ قیصر روم کے پاس جانا اور کہنا کہ شہر پر ایک آفت عظیم نازل ہو گئی ہے۔ تمام سردار مارے گئے۔ بہت سے آدمی ہلاک ہوئے۔ جو موجود ہیں وہ بھی زندگی سے تنگ ہیں۔ چنانچہ اس شخص نے قیصر کی خدمت میں حاضر ہو کر سب کچھ عرض کیا۔ جب قیصر کو مسلمانوں کے

اس زبردست لشکر کا حال معلوم ہوا تو اُس نے ایک لاکھ جنگ آزمودہ بہادروں کا لشکر حمص کے سردار وردان کی زیر کمان روانہ کیا۔ وردان بڑا بہادر اور من چلا سردار تھا۔ اس لشکر عظیم کو ساتھ لیکر فوراً روانہ ہوگیا۔ خالد کو جب اس لشکر کا حال معلوم ہوا تو اُنہوں نے کہا کہ اتنا بڑا لشکر ضرور تھوڑا تھوڑا کر کے آتا ہوگا اُس کو راستہ ہی میں جا لینا چاہئے۔ ابوعبیدہ بولے اس جگہ کا محاصرہ نہیں اُٹھانا چاہئے۔ ورنہ اہل شہر قوت پکڑ جاوینگے۔ سامان رسد جمع کر لینگے۔ اور پھر ہم کو اُن کا فتح کرنا مشکل ہوگا۔ بہتر ہو کہ محاصرہ جاری رہے۔ اور ایک سردار کچھ فوج لیکر اس بڑھتے ہوئے لشکر کو روکے۔ خالد نے اُن کا مشورہ پسند کیا۔ اور ضرار کو ایک ہزار سوار دیکر لشکر کے مقابلہ کیلئے روانہ کیا۔ ضرار فوراً چل پڑے لیکن خالد نے کہا کہ ہم اسلام کے واسطے لڑتے ہیں۔ ہم کو خواہ نخواہ اپنی جان ہلاکت میں نہیں ڈالنی چاہئے۔ ذرا ٹھیرو اپنے سب ساتھیوں کو ہمراہ لے لو جیسے ضرار خود بڑے دلیر اور شجاع تھے اُن کے سپاہی بھی ویسے ہی بہادر اور من چلے تھے۔ مارا مار دشمن کے مقابلہ میں جا ڈٹے۔ دشمن کی بیشمار فوج پہاڑ کی گھاٹی سے اُتر رہی تھی اور اُن کی زرق برق کی پوشاکیں ایک عجیب نظارہ دکھا رہی تھیں کچھ صحابہ ضرار کے ہمراہ تھے اُنہوں نے کہا کہ واپس پلٹ چلنا چاہئے۔ لیکن ضرار نے کہا خدا کی قسم سخت جنگ کئے بغیر میں ہرگز پیچھے نہ مڑونگا۔ رفیع ابن عمیرہ بولے مسلمانو تم ان گبروں سے ڈرتے ہو۔ ہماری قلیل فوج نے عظیم الشان لشکروں کے مقابلے کئے ہیں۔ اللہ ہماری مدد پر ہے۔ ہم خدا کے دشمنوں سے لڑینگے اور ہرگز نہ ہٹینگے۔ ضرار نے اپنے منتخب بہادروں کو لیکر دشمن کے وسط پر حملہ کیا اور چاہا کہ سب سے پہلے سردار لشکر کو قتل یا گرفتار کرلیں تاکہ سپاہ بیدل ہو جائے۔ ایک جگہ دیکھا

کہ ایک شخص کو بہت سے محافظوں نے گھیر رکھا ہے۔ اُنہوں نے سمجھا کہ یہی ہرقل ہوگا۔ اُس طرف حملہ کیا اور دائیں طرف کے محافظ کو مار گرایا۔ بعد ازاں ضرار کے ہمراہی جھنڈا چھیننے کے واسطے آگے بڑھے۔ یہ نشان ایک صلیب تھا جس میں بہت سے بیش قیمت جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ بڑے بڑے بہادر اُس کے محافظ تھے جو شخص سامنے آتا اُس کو مار گراتے تھے۔ آخر کار بہادر عرب جان پر کھیل گئے اور جھنڈے کو لے ہی لیا۔ اس حملہ میں ضمران پسر وردان نے ضرار کو زخمی کر دیا۔ لیکن اس نے ایک نیزہ ایسا تان کر مارا کہ کلیجہ کے وار پار ہوگیا۔ اور جب کھینچ کر نکالا تو نیزے کا پھل ٹوٹ کر رہ گیا۔ ایسا بہادر ضرار بے ہتھیار ہوگیا۔ تھوڑی دیر تو اس ٹوٹے ہوئے نیزہ ہی سے لڑتا رہا۔ مگر تابکے۔ ہزاروں آدمی اُس دلاور بہادر پر ٹوٹ پڑے۔ اور آخر اس بے سروسامان کو گرفتار کر ہی لیا۔ ضرار کی رہائی کے واسطے مسلمان بہادروں نے اپنی جانیں لڑا دیں۔ مگر کچھ پیش نہ چلی۔ رومی اُس کو گرفتار کر کے فوراً میدان جنگ سے لے بھاگے۔ ضرار کے گرفتار ہو جانے سے مسلمان مایوس اور افسردہ دل ہو گئے اور قریب تھا کہ بھاگ جائیں۔ دلیر رفیع نے پکار کر کہا۔ تمہارا سردار نہیں رہا تو کیا ہُوا۔ خدا تو موجود ہے۔ جو بھاگے گا خدا اور اُس کے رسول کے رستہ سے بھاگے گا۔ اور غضب الٰہی میں مبتلا ہوگا۔ مسلمانوں بہشت مجاہدین ہی کے واسطے ہے۔ حملہ کرو حملہ کرو۔ اور دشمنوں کو مار گراؤ۔ مَیں تمہارے ساتھ ہوں۔ اور تم سے آگے ہوں۔ خدا ہم کو دیکھ رہا ہے۔ دیکھو خدا تم کو بھاگتا ہوا نہ دیکھے ✲

یہ سنتے ہی مسلمانوں میں جوش پیدا ہُوا۔ اور رفیع کے ہمراہ اُنہوں نے رومیوں پر حملہ کر دیا اور بڑی بہادری سے لڑنے لگے۔ ضرار کے گرفتار ہو جانے

کی خبر ایک تیز رفتار سوار نے خالد کو پہنچا دی تھی۔ اس واسطے جب کہ رفیع نہایت استقلال اور بہادری سے جنگ کر رہا تھا خالد اپنی فوج لیکر اُس کی امداد کو آن پہنچے۔ اپنے بھائی کے گرفتار ہونے اور مسلمانوں کے زیر ہو جانے سے وہ آگ بگولا ہو رہے تھے۔ فوراً دشمن کے لشکر میں گھس گئے۔ بہت سے رومیوں کو ہلاک کر دیا۔ دائیں بائیں کاٹتے چھانٹتے اپنے بھائی کی تلاش میں پھر رہے تھے۔ ایک جگہ بہت سے جھنڈے دیکھ کر سمجھے کہ وہاں ہوگا۔ جو سامنے آیا اُس کو مار گرایا۔ اور اس طرح رستہ صاف کرتے ہوئے وہاں پہنچے۔ ضرار کا کہیں پتہ نہیں لگا۔ بہت ملول ہوئے آخر ایک قیدی سے معلوم ہوا کہ اُن کو گرفتار کر کے فوج کے ہمراہ حمص بھیجدیا گیا ہے۔ خالد نے رفیع کو سو سوار دیکر اُن کے تعقب میں روانہ کیا۔ رفیع نے اِن لوگوں کو رستہ میں جا گھیرا۔ اور یک دم حملہ کر دیا۔ بہت سے تہ تیغ ہوئے اور تھوڑے سے اپنی جانیں بچا کر بھاگ گئے اور ضرار کو چھوڑ گئے۔ بہادر ضرار اپنے گھوڑے پر چڑھے ہوئے تھے جس وقت تک رفیع ضرار کو لیکر واپس آیا۔ خالد نے رومیوں کی فوج کو شکست دیکر بھگا دیا تھا۔ ہزاروں قتل ہوئے اور ہزاروں ہی قید۔ بیشمار خزانہ۔ گھوڑے ہتھیار۔ اور اسباب مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ اس فتح عظیم کے بعد خالد محاصرہ دمشق پر واپس آئے۔ اور وردان اس درد و غم کی کہانی قیصر کو سنانے چلا گیا +

قیصر کا دوسرا لشکر بھی ناکامیاب ہوتا ہے

قیصر روم کو جب معلوم ہوا کہ اس کا عظیم الشان لشکر مسلمانوں سے شکست کھا کر بھاگ نکلا۔ اور وردان کا بیٹا اور مشہور مشہور سردار مارے گئے تو اُس کو

یقین ہوگیا کہ اب میری سلطنت کی خیر نہیں ۔ اپنی سلطنت کو بچانے کی تجویز سوچنے لگا ۔ اور ستر ہزار کا لشکر انتخابی بہادروں کا درست کرکے پھر اُسی وردان کے ماتحت اجنادائن کے رستے دمشق کی طرف روانہ کیا ۔ اور بہت سی طفل تسلی کی باتیں کرکے لشکر اور سرداران لشکر کا دل بڑھایا ۔ کہ خوب حوصلہ اور استقلال سے لڑنا ۔ تم ضرور فتح پاؤگے ۔ عرب تو لڑتے لڑتے تھک گئے ہونگے ۔ اور اُن کی تعداد بھی بہت تھوڑی رہ گئی ہوگی ✢

دمشق کا محاصرہ چھوڑ دیا گیا

جب یہ خبر خالد کو معلوم ہوئی تو اُنھوں نے ابوعبیدہ سے مشورہ کیا ۔ اور آخر یہ رائے قرار پائی کہ فی الحال محاصرہ دمشق چھوڑ دیں ۔ اور اس بڑھتے ہوئے لشکر کو اجنادائن ہی میں جا پکڑیں ۔ ایک تو ہمارے آگے بڑھنے سے اُن پر ہمارا رُعب چھا جائیگا ۔ دوسرے دمشق والے اُن کے ساتھ ملکر اُن کی قوت کو نہ بڑھا سکینگے ۔ مگر لشکر کو دیکھا تو ایسی جرار فوج کے مقابلہ کے لئے کافی نہ معلوم ہوا ۔ اس واسطے خالد نے اپنے تمام ماتحت سرداروں کو اس مضمون کے خط لکھ بھیجے ✢

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

از طرف خالد بن ولید بعد سلام کے معلوم ہو کہ رومی اور یونانیوں کا ستر ہزار لشکر ہمارے مقابلہ کے واسطے اجنادائن کی طرف آرہا ہے ۔ اس لئے ہم اُسی طرف روانہ ہوتے ہیں تم بھی معہ اپنے اپنے لشکروں کے ہم سے آکر وہاں ملجاؤ ۔ انشاء اللہ تم ہم کو وہاں ضرور پاؤ گے ۔ اللہ تم پر اور تمہارے ساتھی مسلمانوں پر اپنا فضل رکھے ✢

اب دمشق کا محاصرہ اُٹھا لیا گیا ۔ اور فوج کو کوچ کا حکم دیدیا گیا ۔ خالد نے

ابو عبیدہ کو کہا کہ آپ لشکر کے آگے آگے تشریف لے چلیں اور میں اسباب و مستورات کے ہمراہ پیچھے پیچھے چلونگا لیکن ابو عبیدہ نے اس کو نہ مانا اور خالد لشکر کے آگے آگے اور ابو عبیدہ پیچھے پیچھے اسباب و مستورات کے ہمراہ روانہ ہوئے +

لشکر دمشق کا حملہ اور مسلمان عورتوں کی شجاعت ۔

اہل قلعہ مدت سے مسلمانوں کے خون کے پیاسے ہو رہے تھے ۔ اور اسی فکر میں تھے کہ کسی طرح اُن سے اپنا بدلہ لیں ۔ یہ خداداد موقع اُن کو خوب ہاتھ لگا ۔ جب خالد مع لشکر کے آگے روانہ ہوگئے ۔ اور ابو عبیدہ اسباب و مستورات کے ہمراہ پیچھے رہگئے ۔ یہ قلعہ سے نکل پڑے ۔ اور دو بھائی پیٹر و پال کو اپنا سردار بنایا ۔ پال چھ ہزار سوار لیکر مسلمانوں کے پچھلے لشکر پر جو بے خبر چلا جا رہا تھا آن پڑا ۔ بہت سوں کو تہ تیغ کیا ۔ اور بہت سے گھوڑوں کے سموں میں روندڈالے ۔ پیٹر نے دس ہزار پیدل لیکر اسباب اور مستورات کو گھیر لیا ۔ اسباب لوٹ لیا ۔ اور مستورات کو قید کر کے اور لوٹ مار کا مال سمیٹ کر دمشق کی طرف واپس چلا گیا +

جب خالد کو یہ حال معلوم ہوا ۔ تو انہوں نے ضرار ۔ رفیع ابن عمیرہ اور عبدالرحمن کو دو دو سو سوار دیکر فورًا روانہ کیا ۔ اور خود اپنی خاص فوج لیکر اُن کے پیچھے چلے +

ضرار اور اُس کے ساتھیوں نے آتے ہی دشمنوں میں ہلچل ڈالدی ۔ پال کے رسالہ کو شکست ہوئی ۔ اور اُس کے چھ ہزار سواروں میں شاید ہی سو بچے ہوں ۔ سب اِن پُرجوش مسلمانوں کے ہاتھ سے تہ تیغ ہوئے ۔ پال خود بھی گھوڑے سے گر پڑا اور بھاگنا چاہتا تھا کہ گرفتار ہو گیا +

مسلمانوں کو مستورات کے قید ہو جانیکا سخت صدمہ تھا۔ اور جب ضرار کو معلوم ہوا کہ اُس کی بہن قائلہ بھی انہیں گرفتار عورتوں میں ہے۔ تو اُس کو دنیا اندھیر معلوم ہونے لگی۔ ننگا ایک بے زین گھوڑے پر سوار ہو۔ نیزہ ہلاتا ہوا چل پڑا ٭

پیٹر لوٹ کا مال اور مستورات اسیروں کو لیکر دمشق جارہا تھا۔ رستہ میں ذرا آرام لینے کے لئے ٹھیرا۔ اور مستورات و مال و اسباب کو ملاحظہ کرنے لگا۔ قائلہ کے حُسن اور اُن کی خوبصورتی کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اور کہنے لگا کہ یہ میرے لایق ہے اور میں اس کے۔ غرض یہاں مال غنیمت تقسیم کر لیا گیا۔ اور اسیر عورتیں بھی بانٹ لی گئیں۔ اور لوگ آرام کرنے کے لئے عورتوں کو مال و اسباب کے پاس چھوڑ کر اپنے اپنے خیموں میں چلے گئے ٭

قائلہ بڑی دانشمند اور دلیر عورت تھی۔ اُس نے ایسے وقت میں اپنے اوسان قایم رکھے۔ اور دوسری عورتوں کو اُن کے رونے پیٹنے پر لعنت ملامت کی۔ اے شجاعان عرب کی بیٹیو! ہم بہادران عرب کی اولاد ہیں۔ اور افضل الانبیا حضرت محمد صلے اللہ علیہ کی امت ہیں۔ ہم کو ہمت نہ ہارنی چاہیئے۔ ان مشرک پہاڑیوں کی غلامی سے تو موت ہمارے واسطے اچھی ہے۔ ان اسیروں میں قوم حمیاز و حمضر کی کچھ عورتیں بھی تھیں۔ جو بچپن سے نیزہ لگانا اور گھوڑے پر چڑھنا سیکھتی ہیں۔ اُن کی طرف اشارہ کر کے قائلہ نے کہا۔ بہنو! تمہاری شجاعت اور دانشمندی اس وقت کیا ہوئی۔ کیوں تم ایسی خاموش ہو۔ وہ بولیں اس قید میں ہم کیا کریں۔ نہ ہمارے پاس گھوڑے ہیں۔ نہ نیزے ہیں۔ قائلہ نے کہا اور کچھ نہیں تو خیموں کی چوبیں تو ہیں۔ ہماری حفاظت کو یہی کافی ہیں۔ انہی سے

لڑو۔ دشمنوں کو مار گراؤ ۔ ورنہ بہتر ہے کہ اس شرم و عار سے مر کر چھوٹ جاؤ۔
اللہ ہمارا نگہبان ہے ۔ وہ ہم کو بچائیگا ۔ اور ہمارے ملک اور قوم پر دھبہ نہ
لگنے دیگا۔ یہ سنکر غصرہ بنت عفاد بولیں ۔ خدا کی قسم تم نے بہت عمدہ بات
بتائی ہے ۔ اس سے بہتر تدبیر نہیں ہوسکتی +

اب عورتوں نے خیموں کی چوبیں اُٹھالیں ۔ اور ایک جگہ جتھا باندھکر
کھڑی ہوگئیں ۔ قائلہ سب سے آگے تھی ۔ اس نے سب کو سمجھایا کہ استقلال
سے کھڑی رہنا ۔ چار طرف منتشر نہ ہونا ورنہ موت کے پنجہ میں پھنس جاؤ گی ۔
اپنی حفاظت کرنا اور جو تمہارے پاس آئے اُسے مار گرانا ۔ ایک یونانی سپاہی
ان کے قریب تھا یہ دیکھ کر آگے بڑھا ۔ مگر قائلہ نے **اللہ اکبر** کہکر اس کے
سر پر ایسا بانس مارا ۔ کہ کھوپری پھٹ گئی اور بھیجا نکل پڑا ۔ یہ شور و غوغا سنکر
رومی اپنے خیموں سے باہر نکل آئے ۔ اور چار طرف سے ان عورتوں کو گھیر
لیا ۔ مگر جو اُن کے پاس جاتا تھا ایسا پٹتا تھا کہ نانی یاد آجاتی تھی ۔ اس طرح
ان بہادر عورتوں نے تیس آدمی مار دیئے ۔ رومیوں نے بہتیرا سمجھایا ۔ مگر ان
شجاعوں کی بچیوں نے ایک نہ سُنی +

قائلہ کے حسن و جمال اور شجاعت کو دیکھ کر پیٹر نے حکم دیا کہ ان پر تلوار
سے حملہ کرو ۔ مگر دیکھو ! قائلہ کو ضرر نہ پہنچے ۔ یہ حکم پاتے ہی سپاہی تلواریں
لیکر پل پڑے ۔ اگر ذرا دیر لگ جاتی تو سب قتل ہو جاتیں ۔ لیکن خالد
اور ضرار اسی وقت آن پہنچے ۔ خالد زرہ بکتر اور اسلاح جنگ سے
لدا ہوا تھا ۔ لیکن ضرار ننگا ۔ بے زین گھوڑے پر سوار ۔ نیزہ ہلاتا ہوا بے اوسان
چلا آرہا تھا ۔ ان بہادروں کو دیکھ کر پیٹر بے ہوش و حواس جاتے رہے

اُس نے سپاہیوں کو روکا اور کہا کہ ہماری بھی ماں، بہنیں، بیویاں، بیٹیاں ہیں۔ اے عورتو! مَیں تم پر رحم کرتا ہوں اور صلیب کے صدقہ تم کو چھوڑتا ہوں۔ یہ کہکر اُس نے گھوڑے کی باگ موڑی لیکن قائلہ نے اُس کے گھوڑے کی ٹانگ میں ایسی چوب ماری کہ ٹانگ ٹوٹ گئی اور پیٹر مُنہ کے بل زمین پر گرا۔ سنبھلنے نہ پایا تھا۔ کہ ضرار نے ایک نیزہ مارکر داخل جہنم کردیا۔ اور اُس کا سر کاٹ کر نیزہ پر بلند کیا۔ قتل عام شروع کردیا گیا۔ رومی تاب مقابلہ نہ لاکر بھاگ نکلے۔ اور عربوں نے دمشق تک اُن کا تعاقب کیا۔ اور بہت سا مال غنیمت۔ گھوڑے۔ سامانِ جنگ۔ ہتھیار وغیرہ مسلمانوں کے ہاتھ لگا +

لڑائی جب ختم ہوگئی۔ پال کو خالد کے سامنے لائے اُنھوں نے اُس کے بھائی کا سر دکھا کر کہا کہ یا تو مسلمان ہوجاؤ یا اپنے بھائی کے ساتھ جا ملو۔ اُس نے کہا کہ بھائی کے مرنے کے بعد مجھ کو اب زندگی کا کیا لطف آئیگا۔ زار زار رویا اور کہا کہ اب میرے لئے موت ہی اچھی ہے۔ چنانچہ خالد کے حکم سے اُس کا سر بھی کاٹ دیا گیا۔ اور اب لشکر پھر اجنادین کی طرف روانہ ہُوا +

جنگ اجنادین

وردان کا لشکر اجنادین میں مقیم تھا۔ شاہی خیمہ بڑے شان و شوکت سے لگایا گیا تھا۔ سپاہیوں کو زرق برق کی پوشاکیں دیگئی تھیں اُن کے ہتھیار بہت خوبصورت اور بجلی کی مانند چمکدار تھے۔ یہ ریشمی اور روپہلے سُنہرے سامان اور چمکدار ہتھیار دیکھنے والوں کے دلوں پر رعب جما سکتے

جمار ہے تھے کہ خالد کا لشکر اجنادین پہنچا اور گرد وغبار کو چیرتا ہوا مسلمانوں کا دوسرا لشکر بھی جس کو خط لکھ کر بلایا تھا آن پہنچا۔ مسلمان رومیوں کے اس شاندار لشکر جرار کو دیکھ کر اول اول خوف زدہ ہوئے۔ لیکن خالد نے اُن کو سمجھایا۔ کہ یہ دشمن کی آخری قوت ہے۔ اس لشکر کے شکست کھاتے ہی اُس کا قلع قمع ہو جائیگا۔ اور پھر انشاء اللہ اُس کو کوئی حمایتی نظر نہ آئیگا اور انشاء اللہ تعالےٰ کل شام تک یہ ملک ہمارا ہو گا۔ رات کو دونوں لشکروں نے آرام لیا۔ اور صبح مسلح ہو کر فوجوں کے افسر فوراً اپنے لشکر کے سامنے صف آرا ہو گئے۔ خالد نے لشکر کو مخاطب کر کے کہا کہ کوئی جوان ایسا ہے جو دشمن کے لشکر کی درست خبر لا کر ہم کو بتائے۔ ضرار نے فوراً گھوڑا آگے بڑھایا۔ خالد نے کہا۔ بسم اللہ۔ خدا تمہارا حافظ و مددگار ہے۔ مگر دیکھو احتیاط سے کام لینا۔ اور نفس کے دھوکے میں نہ آ جانا۔ جان بوجھ کر خطرے میں نہ پڑنا۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ کا یہ حکم نہیں ہے۔ دیکھو زیادہ طاقت جرأت نہ کرنا ؛

جب وردان کو معلوم ہوا کہ کوئی شخص اس کے لشکر کی پڑتال کرنے لشکر کی طرف چلا آ رہا ہے۔ تو اس نے تیس آدمی بھیجے کہ ضرار کو گرفتار کر لاؤ ضرار ان کے آگے سے بھاگا۔ لیکن ان سواروں نے بھی تعاقب نہ چھوڑا۔ جس وقت یہ اپنے لشکر سے دور آ گئے ضرار پلٹ پڑا اور اکیلا سب کا مقابلہ کیا۔ سترہ کو خاک پر سلایا اور باقیوں کو ڈراتا دھمکاتا اپنے لشکر میں واپس آ گیا ضرار کی اس ضرورت سے زیادہ جرأت پر خالد نے ملامت کی لیکن اس نے کہا۔ کہ وہ خود مجھ پر آن پڑے۔ اگر میں ان سے پیٹھ پھیرتا۔ تو شاید

ناخوش ہونا +

رومی لشکر سے خالد کا مقابلہ

خالد نے دشمن کی تعداد اور اُن کی جگہ وغیرہ کا حال معلوم کر کے اپنا لشکر ترتیب کیا۔ دائیں طرف نعمان و معاذ کو مقرر کیا۔ اور بائیں طرف سعید و شرجیل کو متعین فرمایا۔ اور خود ضرار قیس۔ رفیع۔ عمرو ابن العاص و عبدالرحمن جیسے بہادروں کو لیکر قلب لشکر میں جا پکڑی۔ چار ہزار سوار یزید ابن ابو سفیان کے ماتحت مال و اسباب اور مستورات کی حفاظت کے واسطے چھوڑے۔ اس لڑائی میں شریک ہونے کے واسطے عورتوں نے بھی خالد سے اجازت طلب کی۔ خالد نے اُن کی بہادری کی بہت کچھ تعریف کی۔ اور اُن کو دو حصّوں پر تقسیم کیا ایک حصّہ پر فائلہ کو سردار بنایا اور دوسرے پر خفیرہ کو۔ اور کہا کہ اپنی تو تم حفاظت کروہی گی لیکن اگر تمہارے مردوں میں سے کوئی بھاگے تو اُسے بھی مار ڈالنا یہ عورتیں ہتھیار بند اور مسلح تھیں +

اب خالد اپنے لشکر کا معائنہ کرنے چلے۔ دیکھتے جاتے تھے اور سپاہیوں کو جرات دلا رہے تھے۔ کہ مسلمانوں تمہاری جان، عزت، اور مذہب، سب کی بازی اس لڑائی پر ہے۔ اگر بھاگو گے تو کہیں ٹھکانا نہیں ہے۔ لڑو لڑو اور آخری وقت تک لڑائی سے مُنہ نہ موڑو خدا تمہارے ساتھ ہے وہ تمہاری مدد کریگا۔ فریقین نے جنگ کے نعرے مارنے شروع کئے۔ رومی حضرت عیسےٰ کا نام لے لے کر پکارتے تھے۔ اور مسلمان کلمہ شہادت کے نعرے بلند کر رہے تھے +

ابھی لڑائی شروع نہیں ہوئی تھی کہ ایک بڈھا آدمی رومیوں کے لشکر

میں سے نکلا۔ اور خالد کے پاس آکر کہا:۔

بڈھا:۔ کیا اس لشکر کے سردار آپ ہی ہیں؟

خالد:۔ ہاں جب تک اطاعت خدا و طریقہ رسول پر قایم ہوں *

بڈھا:۔ کیوں تمہاری شامت آئی ہے۔ کیوں تم ان پردیسیوں کا خون اپنی گردن پر لیتے ہو۔ تم دیکھتے نہیں کہ ہماری فوج مثل ٹڈی دل کے ہے۔ اور سب کے سب قواعد دان۔ ہمارا سامان وافر اور ہمارے سرداران فوج ماہر و کامل ہیں۔ میں تم کو تمہارے بھلے کی صلاح دیتا ہوں۔ واپس چلے جاؤ۔ ورنہ پچھتاؤ گے۔ آج تک کوئی حملہ آور اس جگہ سے بچ کر نہیں گیا۔ بڑے بڑے بہادر فارس و جرمنہ کے یہاں سوے پڑے ہیں۔ دیکھو میں تم کو سمجھاتا ہوں۔ تمہارا لڑنا۔ سراسر تمہاری شکست اور خونریزی کا باعث ہوگا صلح کر لو اور صحیح سلامت واپس چلے جاؤ۔ اگر تم میرا کہنا مانوگے تو میں تمہارے ہر ایک سپاہی کو ایک جوڑا کپڑوں کا ایک عمامہ اور ایک دینار۔ اور تم کو سو جوڑے۔ دس ریشمی عبائیں اور سو دینار۔ اور تمہارے خلیفہ کو ایک ہزار دینار اور ایک سو عبائیں دلوا دونگا *

خالد:۔ واہ بڑے میاں تم بھی بڑے مزے کے آدمی ہو جو چیز ہم لینا چاہتے ہیں تم اُس کا ایک حقیر جزو ہم کو دیتے ہو *

بڈھا (خوش ہوکر):۔ نہیں تمہارے واسطے میں کچھ زیادہ کی سفارش کرونگا *

خالد (غضبناک ہوکر):۔ بڈھے تو جانتا ہے کہ تو کس شخص سے باتیں کر رہا ہے۔ یہ وہ شخص ہے جو عنقریب تمام ملک کا مالک بننے والا ہے۔

بس اپنے بادشاہ سے کہدے۔ کہ یا اسلام قبول کرے یا جزیہ دے یا لڑے +

اس لڑائی میں خالد نے ہوشیاری اور احتیاط حد سے زیادہ برتی۔ دشمن کی فوج کثیر دیکھ کر حملہ کرنے میں تامل کیا۔ اور سپاہیوں کو کہا۔ کہ ذرا صبر و استقلال سے کام لو۔ عصر کے وقت تک لڑائی کو ٹالتے رہو۔ کیونکہ وہ وہ وقت ہے جس میں رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم فتح پایا کرتے تھے۔ دشمن نے ارمنی تیرانداز آگے رکھے۔ جن کے تیروں سے کئی مسلمان زخمی اور شہید ہو گئے۔ پھر بھی خالد نے فوج کو اپنی جگہ سے نہ ہلنے دیا۔ بہادر بے حملہ کرنے کے لئے بپھر رہے تھے۔ لیکن خالد کے سامنے دم نہ مارتے تھے۔ جب تیر و تفنگ کی زیادتی ہوئی۔ تو ضرار نہ رہ سکا۔ اور اجازت مانگ کر مثل بجلی کے دشمن کے لشکر پر جا پڑا۔ ضرار کے اس کڑے حملے سے تیراندازوں کی ستی گم ہو گئی۔ لیکن اُن کی مدد کو فوراً آدمی آن پہنچے۔ اور اس طرف سے ضرار کو بھی مدد پہنچ گئی۔ طرفین کے بہت سے آدمی مارے گئے۔ لیکن کھیت مسلمانوں ہی کے ہاتھ رہا۔ قریب تھا کہ جنگ عام ہو جاوے کہ ایک سوار عیسائی لشکر سے آگے آیا۔ اور پوچھنے لگا کہ مسلمانوں کا سردار کون ہے۔ خالد سمجھے کہ شاید لڑنے آیا ہے۔ اسواسطے اُنہوں نے نیزہ سنبھالا۔ سوار چلایا۔ مجھ کو نہ مارو مجھ کو نہ مارو میں تو ایلچی ہوں +

خالد:۔ کہہ کیا کہتا ہے دیکھ میرے سامنے جھوٹ ہرگز نہ بولیو +

ایلچی (ڈیوڈ):۔ اگر آپ میری اور میرے خاندان کی حفاظت کا وعدہ کریں تو سچ سچ کہدوں +

خالد:۔ میں وعدہ کرتا ہوں +

ڈیوڈ:۔ مجھ کو وردان نے بھیجا ہے کہ لڑائی ملتوی کر دیجاوے ۔ اور

صبح کے وقت آپ وردان سے ملاقات کریں *

خالد:۔ بس یہی پیغام ہے ؟

ڈیوڈ:۔ جی ہاں ! بس یہی ہے *

خالد:۔ پھر اس میں کونسی بات ہے جس کے واسطے تو نے مجھ سے اپنی اور اپنے خاندان کی حفاظت کا وعدہ لیا تھا ۔ یہ تو ایک معمولی بات ہے *

ڈیوڈ:۔ اصل یہ ہے کہ آپ کو جو وردان نے صبح کو بلایا ہے وہ آپ سے دھوکا کریگا ۔ دس مسلح بہادروں کو ملاقات کی جگہ میں چھپائیگا کہ موقعہ پاکر آپ کو مارڈالیں یا گرفتار کرلیں *

خالد نے سب جگہ وغیرہ اُس سے دریافت کرلی ۔ اور کہا کہ اپنے سردار سے کہدو کہ ملاقات ہم کو منظور ہے ۔ اس وقت لڑائی میں مسلمانوں کا پلہ بھاری تھا اور قریب تھا کہ فتح عظیم حاصل ہو ۔ خالد نے اپنی فوج کو واپسی کا حکم دیا ۔ فوج کو سخت استعجاب ہُوا ۔ کہ خالد نے یہ کیا سمجھ کر حکم دیا ۔ ضرار اور ابو عبیدہ نے دریافت کیا تو خالد نے سب احوال کہ سنایا ۔ اور کہا کہ انشاءاللہ میں کل جاؤنگا اور اُن سب کا سر کاٹ کرلے آؤنگا ۔ ابو عبیدہ نے کہا مجھ کو آپ کی یہ راے پسند نہیں ۔ بے سبب اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالنا ہرگز روا نہیں ۔ آپ بھی دس آدمی اپنے ہمراہ لیجائیے *

ضرار بولا ۔ ان بدکرداروں کی سزا کل پر کیوں موقوف رہے آج ہی کیوں نہ اُن کا صفایا کردیا جاوے ۔ دس آدمی میرے ہمراہ کردیجئے اور پھر تماشا دیکھئے کہ کس طرح اُن کے جال میں اُنہیں کو پھانستا ہوں ۔ اب ضرار نے دس مستقل مزاج اور باحوصلہ جوانوں کو ہمراہ لیا ۔ اور بڑی خاموشی اور احتیاط سے کمینگاہ میں جاپہنچا

اپنے ساتھیوں کو ایک جگہ ٹھیرایا۔ اور اپنی زرہ وغیرہ اُتار ننگی تلوار ہاتھ میں لے آگے بڑھا۔ کیا دیکھتا ہے کہ دس آدمی اپنی تلواروں کو سرھانے رکھے پڑے سو رہے ہیں۔ ضرار نے آہستہ سے اپنے ساتھیوں کو بلایا۔ ایک پر ایک آدمی تعین کیا اور ان بہادروں نے ایک دم سب کو شہر خموشاں میں ہمیشہ کے واسطے سلادیا۔ اور جو کچھ اُن کے پاس تھا سب سنگوالیا۔ اور مردوں کو گھسیٹ کر ایک طرف پھینکدیا۔ اور خود اُن کا لباس پہنکر وقت مقررہ کا انتظار کرنے لگے +

وردان کا سر ضرار نے کاٹ دیا آفتاب عالمتاب کی روشنی نے دنیا میں ہل چل ڈالدی۔ دونوں طرف کے سپاہی سامان جنگ سے آراستہ ہو میدان کارزار میں صف آرا ہوگئے۔ اور انتظار کرنے لگے کہ سرداروں کی گفتگو کیا رنگ دکھاتی ہے۔ وردان ایک سفید خچر پر سوار ہوا۔ اور مرصع لباس پہن سونے کی جڑاؤ زنجیروں سے آراستہ ہو مقام گفتگو میں جا پہنچا۔ ادھر سے خالد بھی سبز عمامہ باندھ اور ریشمی عبا پہنکر اُس کے پاس گئے۔ دونوں مقام کمینگاہ میں گھوڑوں سے اُتر کر زمین پر بیٹھ گئے۔ اور باہم باتیں کرنے لگے۔ ایک دوسرے کے ساتھ تلخی اور سختی سے باتیں کرتا تھا۔ کیونکہ ہر ایک یہ سمجھ رہا تھا۔ کہ مَیں نے حریف کو قابو کرلیا ہے +

وردان :۔ مسلمان بھوکے ہیں لٹیرے ہیں۔ ہماری دولت کو دیکھ کر للچا گئے ہیں۔ مال کے واسطے ہمارے زرخیز ملک پر حملہ آور ہوئے ہیں۔ ہم مالدار ہیں اس واسطے صلح چاہتے ہیں۔ بولو کس بات سے تمہارا دامن حرص پر ہوگا +

خالد :۔ او بے ایمان مُنہ سنبھال کر بات کر تو ہم لوگوں کو فقیر سمجھتا ہے اللہ تعالےٰ ہمارا مالک اور رزاق ہے۔ جس چیز کو تو اپنا اپنا کہتا ہے۔ یہ سب

خدا نے ہم کو دیدیا ہے تو ہمارے مال سے ہم کو ایک جز دینا چاہتا ہے۔
ان تین باتوں میں سے ایک قبول کر یا تو مسلمان ہو یا جزیہ دے یا لڑائی کر +

وردان :- نہ ہم مسلمان ہوں اور نہ جزیہ دیں اور ہمارے ساتھ جنگ کرنے کے لئے تمہاری پونجی ہی کیا ہے +

خالد :- پھر او کافر تو نے مجھ کو کیوں بلایا تھا۔ کیا یہ شرطیں تجھ کو کل معلوم نہ ہوگئی تھیں اگر تو مجھ سے تنہا لڑنا چاہتا ہے تو آ میرے تیرے درمیان تلوار فیصلہ کردیگی +

اب دونوں سپہ سالار کھڑے ہو گئے۔ وردان اپنے ساتھیوں کا انتظار کرنے لگا۔ اس لئے تلوار میان سے نہیں نکالی۔ خالد نے اُس کا ٹینٹوا دبایا اور وردان زور زور سے اپنے ساتھیوں کو آوازیں دینے لگا۔ کمینگاہ سے مسلمان یونانی لباس پہنے نکل آئے۔ وردان بہت خوش ہوا کہ اُس کی مدد آن پہنچی مگر جب اُس نے ضرار کو پہچانا۔ تو اُس کا دم فق ہو گیا۔ اور سہم کر کہنے لگا رحم کرو رحم کرو +

خالد :- بے ایمانوں کے واسطے کوئی رحم نہیں ہے۔ او کافر ظاہر مجھ سے صلح کی گفتگو کرنے آیا ہے اور باطن میں میرے قتل کی ٹھان رکھی ہے +

خالد نے اشارہ کیا اور ضرار نے تلوار کی ایک حرکت میں اُس کا سر کھٹا سا اُڑا دیا۔ اور ایک نیزہ پر رکھ کر ان بہادر عربوں نے دشمن کے لشکر میں پھینکدیا۔ اہل لشکر یہ سمجھے کہ یونانیوں نے سر پھینکا ہے خالد کا سر ہوگا۔ خوشی کے نعرے مار کر گزوں اچھلنے لگے۔ مگر جب غور سے دیکھا تو اپنے ہی افسر کا سر پایا۔ تمام لشکر میں کھلبلی پڑ گئی۔ اور انتشار و بدانتظامی پھیل گئی۔ حضرت

خالد نے بھی اُن کو دم لینے کا موقع نہ دیا۔ فوراً حملہ عام کا حکم دیدیا۔ یہ پریشانی کی حالت اور مسلمان بہادروں کا حملہ رومی سمجھے کہ آسمان ٹوٹ پڑا۔ ہر طرف سے قیصر کا لشکر بھاگنے لگا۔ مسلمان بھگوڑوں کا تعقب کرتے تھے۔ اور ہر طرف مقتولوں کے ڈھیر اور کشتوں کے پشتے لگا دیتے تھے۔ جس طرف جس کا مُنہ اُٹھا بھاگ گیا۔ کچھ تو قیصر کی جانب بھاگے۔ کچھ دمشق میں جاکر پناہ گزیں ہوئے اور کچھ اپنی مصیبت اور مصیبتوں کی داستانیں سُنانے انطاکیہ چلے گئے۔ اس فتح سے مسلمان بیشمار مال غنیمت کے مالک ہوئے۔ سونے چاندی کی مرصع صلیبیں۔ سونے کے زیورات قیمتی گلوبند۔ خوبصورت ہتھیار۔ بیشمار عبائیں ہر قسم کے اوزار۔ اور بہت سے جھنڈے۔ خالد نے سب اسباب جمع کرا لیا۔ اور کہا کہ دمشق پر قبضہ ہو جانے کے بعد تقسیم کر دیا جاویگا ۔

اہل یمن کی درخواست لڑائی میں شریک ہونے کے واسطے

خالد نے اس فتح عظیم کا حال حضرت عبدالرحمٰن پسر خلیفۃ الوقت حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیجا۔ حضرت صدیق بہت خوش ہوئے اور سجدہ شکر بجا لائے۔ یہ خبر بہت جلد تمام عرب میں پھیل گئی۔ اور اب جوق جوق سپاہ خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہونے لگی۔ کہ ہم کو بھی لڑائی میں جہاد کرنے کے لئے بھیجا جائے۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ ان کی استدعا کو منظور کر لیتے۔ مگر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ان میں زیادہ "اہل یمن" اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ہم ضعیف اور کمزور تھے۔ تو ہم کو تباہ کرنا چاہتے تھے ۔ اب خدا نے ہم کو ترقی دی اور کامیاب کیا۔ تو ہم سے ملنا چاہتے ہیں۔ اُن کو اسلام کی پروا نہیں ہے بلکہ یہ شام کے زرخیز ملک کو تباہ کرنا چاہتے ہیں۔ یہ ہمارے لشکر میں فتنہ و فساد پھیلا دینگے۔ ہم کو ان کی شرکت کی اب ضرورت نہیں ہے

جن لوگوں نے یہ کام شروع کیا ہے اُنہیں کو ختم کرنے دو ۔ جن بہادروں نے اُس ملک میں خون اور پسینے ایک کئے ہیں وہ مال غنیمت اُنہی کا حصہ ہے ۔ دوسرا اُن کے ساتھ شریک کرنا مناسب نہیں ۔ اِس لئے حضرت صدیق رضؓ نے اُن کی درخواست نامنظور کی ۔

اہل مکہ اور خاصکر قریش اس بات سے بہت ملول ہوئے اور انہوں نے چند آدمی منتخب کر کے ابو سفیان کے ہمراہ خلیفہ کی خدمت میں بھیجے ۔ اور شکایت کی کہ ہم کو ہمارے پاک مذہب کے لئے جہاد کرنے کی اجازت کیوں نہیں ملتی ۔ یہ درست ہے کہ عالم جہالت میں ہم نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ کیا اور صحابہ سے جنگ کی ۔ مگر جب اللہ نے ہم پر اپنا فضل کیا اور ایمان کا نور دکھلایا ہم نے اپنے حرکات ناشائستہ سے توبہ کی ۔ پچھلی عداوتوں کو دلوں سے دھو دیا ۔ خدا اور اُس کے رسول کے مخلص بندے بن گئے ۔ اور سب مسلمانوں کو اپنے ماں جائے بھائی سمجھنے لگے ۔ یہ سنکر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو ترس آگیا ۔ اور حضرت عمرؓ وحضرت علیؓ کے مشورے سے اُن کو لشکر میں شریک ہونے کی اجازت دیدی ۔ چنانچہ حضرت صدیق نے اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کے ہاتھ مبارکباد کا جو خط خالد کو لکھا اُس میں یہ بھی درج تھا کہ ایک لشکر جرار ابو سفیان کے ماتحت تمہاری امداد کو بھیجا جاتا ہے ۔ اس خط پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی مہر ثبت کی گئی تھی ۔

دمشق کا فتح ہونا

بعض آدمی جو اجنادین سے شکست کھا کر بھاگے تھے ۔ دمشق پہنچے ۔ اور اُنھوں نے اپنی شکست فاش کی کہانی اور سرداروں کے مارے جانے کا حال

عوام الناس کو جا سُنایا۔ اس خبر کے سننے سے دمشق کے بازاروں میں سناٹا چھا گیا۔ لوگ باہم ذکر کرنے لگے کہ ایسے عظیم الشان لشکر کو جب عربوں نے تباہ کر دیا۔ تو ہم کس گنتی میں ہیں۔ اب دمشق کا بچنا محال ہے۔ مگر شاباش ہے اہل دمشق کو گو کہ رُعب اور مایوسی سے لرز رہے تھے مگر تدبیر کے میدان میں ایک دم چونکے بڑی دلیری سے جنگ کی تیاری کرنے لگے۔ مفروریوں کے سبب سے ایک طرف گو اہل دمشق پر خوف و ہراس چھا گیا تھا۔ مگر دوسری طرف جمعیت زیادہ ہو جانے سے کچھ ہمت بھی بندھ گئی تھی۔ جھٹ پٹ جھٹ پٹ شہر پناہ کی دیواروں پر اینٹ پتھر چڑھا دئے گئے۔ منجنیقیں لگا دی گئیں۔ اور اہل شہر لڑنے مرنے پر تیار ہو بیٹھے۔ بڑے بڑے ہشیار یہودیوں نے بھی اس لڑائی میں حصہ لیا +

ادھر یہ تیاریاں ہو رہی تھیں کہ مسلمانوں کا لشکر آنا شروع ہوا اور تھوڑی دیر میں ابر و آندھی کی طرح دمشق کے چاروں طرف چھا گیا۔ ان سب سے آگے نو ہزار سوار عمر ابن العاص کے زیر حکم پہنچے پھر دو ہزار قریشی سوار ابوسفیان کے ماتحت آئے۔ اور پھر اسی قدر شرجیل کے ساتھ۔ بعد ازاں عمیہ ابن ربیعہ اپنی فوج لیکر آن پہنچے۔ اور پھر ابوعبیدہ۔ اور سب کے آخر خالد اپنا عقاب والا جھنڈا لیے کر آن موجود ہوئے +

جب لشکر جمع ہو گیا۔ خالد نے تمام سرداروں کو جمع کیا۔ اور اُن کو مختلف موقعوں پر تعینات کر دیا۔ ابوسفیان کو جنوبی دروازہ سونپا۔ شرجیل کو سینٹ ٹامس کے دروازے کے سامنے تعینات کیا۔ قیس بن ہبیرہ کو قاران کے دروازے کے مقابل کھڑا کیا۔ اور ابوعبیدہ کو دروازہ جابیہ سے کچھ فاصلہ پر بھیجا۔ اور خود دمشق کی جانب صدر دروازہ ذمہ لیا۔ ایک دروازہ جانب جنوب تھا جس کو دروازہ

سینٹ مارک کہتے تھے وہاں کا موقعہ ایسا نہیں تھا جہاں لڑائی کا خدشہ ہو۔ اِس لئے اُسے باب السلامت کہنے لگے۔

اب بہادر ضرار طلب ہُوا اور خالد نے دو ہزار سوار دیکر طلیعہ کا کام اُس کو سپرد کیا کہ اپنے سپاہیوں کے ساتھ چاروں طرف چکر لگائیں اور دیکھتا رہے کہ اندر سے اہل قلعہ چھاپہ نہ مارنے پائیں۔ اور باہر سے اُن کے پاس رسد یا امداد نہ پہنچے اور یہ بھی کہا کہ اگر تم پر حملہ ہو تو مجھ کو خبر کرنا میں فوراً امداد کو آموجود ہونگا۔

ضرار بولا تو کیا جب تک آپ تشریف نہ لاویں میں نہ لڑوں۔ خالد نے کہا کہ نہیں۔ لڑنا۔ مگر بچ کر بلکہ زیادہ تر اپنی حفاظت کرنا۔ اور مجھ کو آناً فاناً میں آیا سمجھنا۔

اب مسلمانوں کے پاس بیش قیمت اور کار آمد ہتھیاروں کا گھاٹا نہیں تھا۔ وہ لڑائی کے واسطے ہر طرح موجود تھے۔ گو زرق برق کے خیمے اور چمک دمک کی پوشاکیں بھی اُن کے پاس موجود تھیں لیکن اُنہوں نے اپنی عادتوں کو نہیں بدلا تھا۔ وہی اُن کا قدیم لباس تھا۔ اور وہی پھٹے پرانے چرمی خیمے۔ اور یہی سبب تھا کہ جہاں وہ جاتے تھے۔ فتح اور کامیابی لونڈیوں کی طرح اُن کے قدموں سے لگی ساتھ ساتھ جاتی تھی۔

اب اندر سے محصورین تیاریاں کر رہے تھے۔ اور باہر سے حملہ آور گھات میں لگے تھے۔ اول حملہ اس طرح ہُوا کہ اہل شہر نے باہر نکل حملہ کیا۔ لیکن شکست کھا کر بھاگ گئے۔ اور فصیلوں سے پتھر اور اینٹیں مار کر حملہ آوروں کو بھگا دیا۔ اور پھر جرأت کر کے نکلے لیکن اُس وقت بہت خونریزی ہوئی اور مسلمانوں نے اُن کو ایسا چار طرف سے گھیر لیا کہ اُن کو باہر نکلنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اور اب اہل شہر رئیسوں اور داناؤں سے

مشورہ کرنے لگے۔ کہ بہتر ہے ہم مسلمانوں سے صلح کرلیں۔ اور جو وہ طلب کرتے ہیں اُن کو دیں ✤

قیصر کا داماد ٹامس اور اس کی بہادری

اس شہر میں ایک شریف شخص ٹامس نامی رہتا تھا۔ یہ شخص ایک امیر کبیر تھا۔ اور قیصر روم کی بیٹی اس سے بیاہی ہوئی تھی اگرچہ سلطنت کی طرف سے کوئی عہدہ دار نہ تھا۔ لیکن اہل شہر بہ سبب اُسکی ذاتی لیاقت اور شرافت کے اُس کی بڑی عزت کرتے تھے۔ اُس نے جب لوگوں کو افسردہ خاطر پایا تو کہا:۔

یہ حملہ آور محض مفلس اور لٹیرے ہیں۔ اِن کی لڑائی پائدار نہیں ہے۔ یہ جنگلی آدمی ہیں۔ اُن کی فوج بالکل بےقاعدہ ہے۔ ہمارے مال کے لالچ پر لڑ رہے ہیں۔ ذرا دیر لگ گئی تو خود چلتے پھرتے نظر آوینگے۔ لوگوں پر خواہ مخواہ ان کا خوف و ہراس چھا گیا ہے۔ ورنہ یہ تو کچھ مال ہی نہیں ہیں۔ اگر تم سب ہمت کرو تو میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اور دو چار روز میں اُن کو مار بھگاتا ہوں ✤

سب لوگوں نے اُس کی بات کو منظور کیا۔ اور دوسری صبح کو حملہ کی تیاری کی ✤

رات کی ہل چل سے خالد کے کان کھڑے ہو گئے تھے۔ اور شب کو فصیل و برجوں پر روشنی دیکھ کر وہ سمجھ گئے تھے کہ ضرور کچھ دال میں کالا کالا ہے۔ اُس نے اپنے سرداروں کو بلا کر کہا کہ میں جانتا ہوں آج اہل قلعہ حملہ کی تیاریاں کر رہے ہیں مسلمانوں کو لازم ہے کہ یہ بھی اپنا سب سامان لیس کرلیں۔ اور رات کو بالکل نہ سوئیں۔ بعد از مرگ خوب میٹھی نیند سوئینگے ✤

اہل قلعہ میں ایک راہب بڑا دانشمند اور زاہد کامل تھا جس دروازے سے

لڑائی پر جاتا تھا۔ وہاں صبح کو وہ صلیب اور انجیل لیکر پہنچا۔ اور جب ٹامس گذرنے لگا۔ تو اس نے انجیل مقدس کو ہاتھ میں لیکر کہا :-

اے خداوندا اگر ہمارا مذہب سچا ہے تو تُو ہماری مدد کر۔ ہم کو دشمنوں کے پھندے میں پھنسنے نہ دے۔ خداوندا ہمارا بول بالا ہمارے دشمنوں کا مُنہ کالا کر ؛

عرب حملہ آوروں کی آنکھیں دروازے کی جانب لگی ہوئی تھیں۔ جوں ہی دروازے نکلی شیروں کی طرح جھپٹے۔ مگر عیسائیوں نے منجنیقوں سے ایسے پتھر برسائے کہ یہ تاب مقابلہ نہ لاکر پیچھے ہٹے۔ ٹامس نے دلیر ہوکر بڑے زور سے حملہ کیا۔ اور اپنے تیروں سے بڑے بڑے بہادر عربوں کو چن چن کر شہید کر دیا۔ اس خونریز اور آفت خیز معرکہ میں جملہ دیگر بہادروں کے ابان بن زید بھی شہید ہوئے۔ ایک زہر آلود تیر ان کے لگا۔ بہتیرا انھوں نے زخموں سے اپنے عمامہ کو باندھا۔ مگر زہر اثر کر ہی گیا۔ اور وہ مردوں کی موت مر کر بہشت کو سدھارے۔ انھوں نے حال ہی میں قوم حمیار کی ایک عورت سے شادی کی تھی اور ابھی تک مہندی کی رنگت ہاتھوں سے اور عطر کی خوشبو اُن کے بالوں سے نہ گئی تھی۔ ان کی دُلہن کو جب معلوم ہوا کہ میرا خاوند زخمی ہوگیا۔ بھاگی مگر اُس کے آنے سے پیشتر اُن کی جان پرواز کر گئی تھی۔ اللہ رے استقلال اس نئی دلہن نے اپنے شوہر کو مردہ پاکر نہ کچھ شور و نالہ کیا۔ نہ روئی نہ پیٹی۔ صرف یہ کہا پیارے شوہر تم اللہ کے ہاں سدھارے۔ مَیں تو ابھی تم سے آسودہ بھی نہیں ہوئی تھی۔ اور نہ تم مجھ سے سیر ہوئے تھے۔ اچھا جس خدا نے ہم کو ملایا تھا۔ اُس نے ہم کو جُدا کر دیا۔ پیارے تم خدا کے سایہ میں خوش رہو۔ میں تمہارے خون کا بدلہ لونگی۔ اور بہت جلد تم سے بہشت میں آکر ملونگی۔ یہ کہکر اُس نے اپنے خاوند کا تیر و کمان اُٹھا لیا۔ اور ٹامس کی تلاش

میں میدان کارزار میں چلی گئی جس جگہ ٹامس جنگ کر رہا تھا۔ وہاں پہنچی اور ایک تیر مار کر ٹامس کے نشان بردار کو زخمی کیا۔ تیر کھاتے ہی نشان اُس کے ہاتھ سے گرا اور مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا۔ ٹامس نشان چھڑانے کے لئے لپکا۔ لیکن نشان ہاتھوں ہاتھ شرجیل تک پہنچ گیا تھا۔ ٹامس نے میان سے تلوار نکال شرجیل پر وار کیا۔ شرجیل نے نشان تو اپنے لشکر کو دیدیا اور خود اُس سے لڑنے لگا۔ زوجہ ابان تو اُس کی گھات میں لگی ہی ہوئی تھی۔ ایک تیر ایسا مارا کہ ٹامس کی آنکھ میں جا کر لگا۔ قریب تھا کہ اِس تکلیف کے سبب گھوڑے سے گر پڑے لیکن اُس کے ہمراہیوں نے نشان کا تعاقب چھوڑ دیا۔ اور اُس کو لیکر فوراً شہر میں جا پہنچے۔ مرہم پٹی کرنے کے بعد اس نے پھر میدان جنگ میں آنا چاہا۔ لیکن اُس کے آدمیوں نے روک دیا۔ اور وہ شہر کے دروازہ پر بیٹھ کر لڑائی کی کیفیت دیکھتا رہا۔ اور حکم احکام جاری کرتا رہا۔ لڑائی بڑے زور شور سے سارا دن ہوتی رہی۔ یہودیوں نے دروازوں پر سے ایسے پتھر برسائے کہ مسلمانوں کو فصیل کے نزدیک جانے کا حوصلہ نہ ہوا۔ رات نے دونوں لشکروں کے درمیان امن کا پردہ تان دیا۔ مسلمان اپنے ڈیروں پر واپس آئے اور دن بھر کی لڑائی سے تھکے ہوئے زمین ہی پر پڑ کر سو گئے۔

اس لڑائی سے ٹامس کو حوصلہ ہوا۔ اور وہ سمجھا کہ اہل شہر میں ابھی کچھ نہ کچھ جرأت باقی ہے اس سے فائدہ اُٹھانا چاہیئے۔ اُس نے رات بھر حملہ کی تیاریاں کیں۔ اور حکم دیا کہ صبح ہوتے ہی چار طرف سے حملہ کردو۔ چنانچہ علی الصبح سب دروازے یک دم کھول دئیے گئے۔ اور بہادروں کے پروں کے پرے دروازوں سے نکلکر مسلمانوں کے خیموں پر حملہ آور ہوئے۔ اہل دمشق نے تہیہ کیا

ایسی احتیاط اور پوشیدگی سے کی کہ مسلمانوں کو مطلق خبر نہ ہوئی۔ یہ غافل پڑے
سو رہے تھے۔ ناقوس اور باجوں کی آواز سن کر اُٹھے۔ لیکن ابھی سنبھلنے نہ پائے
تھے کہ بہت سے شہید ہو گئے ✦

یہ دیکھ کر خالد کے آنسو نکل پڑے۔ اُنھوں نے گڑگڑا کر خدا سے دعا مانگی
یا اللہ اپنے مسلمان بندوں کی مدد کر اور مشرکوں کے ہاتھ سے اُن کو ہلاک نہ ہونے
دے۔ بہادر خالد اس وقت اپنے آپے میں نہیں تھا جس طرف مدد کی ضرورت
دیکھتا تھا۔ اپنے چار سو جاں نثاروں کے ساتھ اُسی طرف جا پہنچتا تھا جس دروازے
سے ٹامس نکلا تھا سب سے زیادہ لڑائی اُس جگہ ہو رہی تھی۔ یہاں شرجیل مامور
تھا۔ اور بڑی بہادری سے لڑ رہا تھا ✦

زوجہ ابان بھی اسی جگہ موجود تھی اور کئی رومیوں کو اپنی قادر اندازی سے
پیوند خاک بنا چکی تھی۔ اُس وقت اُس کے پاس صرف ایک تیر باقی رہ گیا تھا۔
کہ ایک یونانی سپاہی نے اُس کو گرفتار کرنا چاہا۔ اُس نے وہ باقیماندہ تیر
ایسا مارا کہ حلق کے پار ہو گیا۔ اب بیچاری کے پاس کوئی ہتھیار نہ رہا۔ اس واسطے
گرفتار ہو گئی۔ ادھر شرجیل اور ٹامس کی ہاتھ بہ ہاتھ جنگ ہو رہی تھی۔
شرجیل کی تلوار ٹامس کی ڈھال پر لگ کر ٹوٹ گئی۔ بہادر شرجیل قریب تھا۔
کہ گرفتار ہو جائے یا قتل کر دیا جاوے۔ کہ اللہ تعالٰے نے خالد و عبدالرحمٰن وغیرہ
بہادروں کو بھیجدیا۔ اُنھوں نے آتے ہی سماں ہی بدلدیا۔ دشمنوں کو مار گرایا۔
اور زوجہ آبان اور شرجیل کو رومیوں کے پنجے سے چھڑا لیا۔ اور ٹامس مجبور
ہو کر شہر کے اندر بھاگ گیا ✦

اس لڑائی میں ابو عبیدہ نے دشمن کا بہت سا نقصان کیا۔ یہ دروازہ جابیہ

کی جانب تعینات تھے۔ اور جب غنیم نے حملہ کیا تو سو رہے تھے۔ جب جاگے تو اول نماز صبح ادا کی اور پھر ایک رسالہ چیدہ بہادروں کا حملہ آوروں کے روکنے کے لئے روانہ کیا۔ اور یہ لڑائی میں مصروف تھے کہ ایک اور فوج روانہ کی۔ جس نے دروازہ شہر کی طرف دشمنوں کا رستہ روک لیا۔ یونانی دونوں طرف مسلمانوں کو دیکھ کر ڈرے اور جان کے خوف سے بھاگنے لگے۔ مگر کہیں جانیکا رستہ نہیں تھا۔ جس قدر دروازے سے نکل آئے تھے وہیں کھیت رہے۔ غرض آج کا دن رومیوں کے حق میں بڑا ہی منحوس تھا۔ ہزار دں مارے گئے۔ اور جو بچے مرتے کھپتے شہر میں جا چھپے۔ مسلمانوں نے دروازے تک تعقب کیا لیکن خوف سے واپس آگئے۔ یہ لڑائی برابر دن رات ہوتی رہی تھی ✦

دمشق پر مسلمانوں کا تسلط

اب اہل شہر مایوس ہو کر محصور ہو بیٹھے۔ اور خالد نے اُن کو ایسا تنگ کیا کہ ستّر دن تک نہ کوئی باہر نکل سکا نہ اندر جا سکا۔ لاچار اور تنگ ہو کر اُنھوں نے خالد سے مہلت طلب کی۔ مگر خالد نے منظور نہیں کیا۔ اُن کی مرضی تھی کہ ہم نے اس قدر محنت اور اس قدر وقت ضائع کیا ہے اور ہمارے بڑے بڑے بہادر اس کے لئے کام آئے ہیں۔ ہم دمشق کو بزور شمشیر فتح کریں اور مال غنیمت سے مستفید ہوں ✦

اہل شہر اب جان سے تنگ آ گئے تھے۔ اور جس طرح ہو صلح کے خواہاں تھے۔ ہر چند تامس اُن کو کہتا تھا۔ کہ ذرا استقلال رکھو۔ میں نے شہنشاہ کو لکھا ہے۔ اور اب ہماری امداد کو فوج آیا چاہتی ہے لیکن اب اُس کی کون سنتا تھا۔ سب صلح کے لئے سرگرداں ہو رہے تھے ✦

جب خالد کی طرف سے مایوسی ہوئی تو اُنھوں نے ابوعبیدہ سے سلسلۂ جنبانی

کیونکہ حضرت ابو عبیدہ بڑے بردبار متحمل مزاج اور صلح پسند تھے۔ اور اہل شہر کو ان کی یہ عادتیں معلوم ہو گئی تھیں۔ چنانچہ ایک شب کو چند آدمی دروازہ جابیہ سے مع اپنے پادریوں کے اُن کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صلح کی درخواست کی۔ حضرت ابو عبیدہ نے اُن کی معروض خوب کان لگا کر سُنے۔ اور کہا کہ ہم کو صلح منظور ہے اگر تم ایمان لے آؤ تو نہ ہم کو غنیمت چاہئے نہ جزیہ *

عہدنامہ لکھا گیا — اب ایک عہدنامہ لکھا گیا۔ جس میں یہ شرطیں رکھی گئیں :-

اول۔ شہر فاتحوں کے حوالہ کر دیا جاوے *

دوم۔ باشندے شہر کو بحفاظت چھوڑ دیں۔ اور چاہیں تو اپنا اسباب بھی اُٹھا لیں *

سوم۔ سات گرجا کہ مغلوبوں کے لئے چھوڑ دئے جاویں *

جب یہ عہدنامہ مرتب ہوا۔ تو ابو عبیدہ نے اُس پر دستخط نہیں کئے۔ کیونکہ وہ اب شام کے حاکم اعلےٰ نہیں تھے۔ لیکن اُن کو یقین دلایا۔ کہ جو کچھ عہد ہو گیا ہے مسلمان اُس سے ہرگز نہ پھرینگے۔ اب جابیہ کا دروازہ کھول دیا گیا۔ اور ابو عبیدہ اپنے سو آدمی لیکر شہر پر قبضہ حاصل کرنے چلے۔ رومیوں کے راہب اور قسیس انجیلیں لئے ان کے ساتھ تھے *

دروازہ جابیہ پر صلح کا پیغام سلام ہو رہا تھا کہ مشرقی دروازے پر ایک اور ہی گل کھلا۔ خالد کو عمرو بن العاص کے بھائی کی موت کا بڑا صدمہ تھا۔ جس کو ایک زہردار تیر سے شہید کیا گیا تھا۔ وہ طیش اور غضب میں کباب ہو رہے تھے کہ اگر بس چلے تو تمام شہر میں خون کی ندیاں بہا دیں کہ اتنے میں ایک قسیس آیا۔

اور کہا۔ اگر مجھ کو اور میرے کنبہ کو امان دو۔ تو مَیں شہر پر تمہارا قبضہ کرا دوں۔ فوراً اُس کی درخواست قبول ہوئی اور ایک سو بہادر عرب اُس قسیس کی رہ نمائی سے فصیل شہر کے اندر داخل ہوئے۔ اُنھوں نے قفل توڑ ڈالے اور زنجیروں کو نکال کر پھینکدیا۔ اور مسلمان نعرہ اللہ اکبر مارتے ہوئے شہر میں داخل ہوئے۔ اب خالد کی تلوار بجلی کی مانند کودنے لگی۔ جو سامنے آیا تہ تیغ ہوا۔ ذرا سی دیر میں گلیاں خون کی ندیاں بن گئیں۔ چار طرف سے لوگ پکارنے لگے۔ رحم۔ رحم رحم

خالد نے کہا۔ مشرکوں کے واسطے کوئی رحم نہیں ہے۔ اس طرح بیدریغ تہ تیغ کرتے ہوئے جب کلیسائے مریم کے پاس پہنچے تو حیران ہو گئے کہ ابو عبیدہ معہ سو آدمیوں کے کھڑے ہوئے ہیں۔ تلوار میان میں ہے۔ اور عورتوں اور بچوں نے انھیں گھیر رکھا ہے +

ابو عبیدہ نے خالد کو غضبناک ہوکر دیکھا اور دوڑے کہ بس تلوار کو میان کرو! اللہ تعالےٰ نے یہ شہر مصالحت سے ہمیں عنایت فرمایا ہے +

خالد۔ ہرگز نہیں مَیں نے یہ شہر تلوار سے فتح کیا ہے اور مَیں اُن کو کوئی پناہ نہ دونگا +

ابو عبیدہ۔ مَیں اہل شہر کو ایک عہد نامہ اپنے ہاتھ سے لکھکر دے چکا ہوں +

خالد۔ میری اطلاع اور میری مرضی بغیر آپ کو عہدنامہ لکھنے کا کیا حق تھا۔ کیا مَیں افسر اعلےٰ نہ تھا۔ مَیں ہرگز نہ مانونگا۔ اور دل کھول کر قتل کئے بغیر نہ رہونگا +

ابو عبیدہ۔ یہ تو آپ کا فرمانا بجا ہے۔ مگر جو کچھ مَیں نے کیا ہے سب مسلمانوں کی بھلائی سمجھ کر کیا ہے اور اِن سب مسلمانوں کی رائے سے کیا ہے +

اب سب مسلمانوں نے خالد سے التجا کی کہ جو قول اہل شہر سے لئے گئے ہیں

اُن سے تجاوز نہ کیا جاوے ۔ خالد بھی سوچنے لگے کہ کیا جواب دیں۔ جب گفتگو میں دیر ہوئی تو خالد کی بے صبر فوج پھر قتل و غارت پر پل پڑی ۔ اس وقت حضرت ابو عبیدہ بیقرار ہو گئے ۔ اور کہا خدا کی قسم میری بات کی کچھ وقعت نہیں کی جاتی میرے قول و قرار کو پاؤں میں روندا جاتا ہے ۔ پھر وہ گھوڑا دوڑا کر فاتحوں کے پاس گئے اور کہا ۔ واسطے رسول اللہ کے جب تک میرا اور خالد کا فیصلہ نہ ہو جاوے قتل سے ہاتھ روکو ٭

رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک سُنکر لوگوں کے دل کانپ گئے فورًا تلواریں میان میں ڈال لیں ٭

یہ دونوں افسر کلیسائے مریم میں داخل ہوئے ۔ یہاں دونوں میں دیر تک بحث و مباحثہ ہوتا رہا ۔ خالد کہتے تھے کہ میں صُلح نہیں مانتا اور جنگ کرونگا ۔ ابو عبیدہ کہتے تھے کہ اب جنگ کرنا خلاف مصلحت ہے ۔ ان کو میں اپنی تحریر دے چکا ہوں ۔ اگر وعدہ کے خلاف ظہور میں آیا تو مسلمانوں کا آیندہ کوئی اعتبار نہ رہیگا ۔ دمشق کی نظیر یاد کر کے لوگ مرتے دم تک لڑتے رہا کرینگے ۔ اور عہد و پیمان کے پاس بھی نہ پھٹکینگے لیکن سیف اللہ طیش و غضب میں بھرے ہوئے تھے ۔ عورتوں پر حملہ کرنا ۔ سوتوں پر جا پڑنا ۔ بہادروں کو زہردار تیروں سے ہلاک کرنا ۔ اُن کا خدا کے سامنے رو کر دعا مانگنا ۔ آنکھوں کے سامنے پھر رہا تھا ۔ کسی بات پر راضی نہ ہوتے تھے ۔ آخر بڑی مشکل سے خدا خدا کر کے اُن کا غصہ فرو ہوا اور اس شرط پر راضی ہوئے کہ اس سب معاملہ کی خبر خلیفۃ الرسول اللہ کو دیجاوے ۔ اب عہدنامہ پڑھا گیا ۔ اُس کی بات بات پر خالد اعتراض کرتے تھے ۔ وہ چاہتے تھے کہ ٹامس و ہربیس کی گردنیں اپنے ہاتھ سے اُڑائیں ۔

مگر ابو عبیدہ کہتے تھے کہ مَیں نے اُن کو پناہ دی ہے۔ خیر تمام شہر میں منادی کی گئی کہ جو لوگ جزیہ دینا پسند کریں وہ شہر میں رہیں۔ اُن سے کسی قسم کا تعرض نہ ہو۔ اور جو جانا چاہیں چلے جائیں۔ بہت سے آدمیوں نے جزیہ دینا پسند کیا۔ اور بعض نے تامس کے ہمراہ انطاکیہ جانا چاہا ✤

تامس نے مسلمانی مقبوضات گذرنے کے واسطے پروانہ راہداری طلب کیا۔ خالد نے کہا۔ کہ صرف تین روز کی مہلت ہے بشرطیکہ اپنے ساتھ سوا کھانے پینے کی چیزوں کے اور کچھ نہ لیجاؤ ✤

ابوعبیدہ نے کہا۔ نہیں مَیں نے اُن سے وعدہ کیا ہے کہ مال اسباب بھی لیجائیں ✤

خالد نے کہا۔ اچھا ہتھیار نہ لیجائیں ✤

ابوعبیدہ نے کہا۔ کہ نہیں اقرار نامہ میں ایسی کوئی شرط نہیں ✤

خالد نے کہا۔ خیر صرف اس قدر ہتھیار لیں جس سے چوروں سے محفوظ رہ سکیں یعنی جس کے پاس ایک ہتھیار ہو وہ دوسرا نہ لے ✤

تامس اور ہربس نے شہر کے باہر میدان میں خیمے نصب کیے۔ یہاں سب جانے والے جمع ہوئے۔ اور اسباب نکال نکال کر جمع کیا گیا۔ اس میں بڑے بڑے بیش قیمت سونے چاندی کے برتن۔ مرصع زیور۔ اور طلائی کام کے کپڑے تھے۔ سب چیزوں میں ہرقل کی ایک عبا بڑی بیش قیمت تھی ✤

جلاوطن یہ سب اسباب۔ مال و متاع لاد کر چل پڑے۔ محلوں کے رہنے والے۔ باغوں میں اترا اترا کر چلنے والے۔ عیش و عشرت میں زندگی بسر کرنیوالے حریر و اطلس کے پہننے والے۔ خدا کے مارے کیا گبرو جوان کیا ضعیف بڈھے۔

کیا بیکس عورتیں۔ کیا مظلوم بچے۔ ویرانوں۔ جنگلوں۔ اور دشوار گذار پہاڑوں میں مارا مارا چلے جارہے تھے۔ مُڑ مُڑ کر ارمان و حسرت سے دمشق کے محلوں اور باغوں کو دیکھتے تھے۔ اور اُس کے عالیشان میناروں و بُرجوں کی طرف نظر کرکے آٹھ آٹھ آنسو روتے تھے۔ اور چھاتی کوٹتے۔ کلیجہ مسوستے چلے جاتے تھے۔ ان جلاوطنوں میں ہرقل کی بیٹی بھی تھی۔ جس کے ساتھ بہت سی لونڈی غلام تھے۔ یہ ایک عجیب حسرتناک نظارہ تھا۔

غرض دمشق کے محاصرہ کا خاتمہ اس طرح ہوا جس میں ایک سال سے زیادہ لگ گیا اور بڑی بڑی قیمتی جانیں تلف ہوئیں۔

جلاوطنوں کا تعقب

جب جلاوطن بیش قیمت اسباب لیکر چلے۔ ضرار بہت افسوس کرتا تھا۔ کہ اس قدر تکلیف و مشقت کے صلہ میں یہ مال غنیمت بھی ہاتھ نہ لگا۔ اور وہ بدکردار جنہوں نے اس قدر تکلیف دی تھی۔ ہماری تلواروں کی زد سے کورے نکل گئے۔ خالد بھی دانت پیس پیس کر رہجاتے تھے۔ آخر اُنھوں نے ٹھان لیا کہ مال غنیمت کو ہرگز نہ چھوڑینگے۔ اس لئے اُنھوں نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ خود بھی آرام کرلو اور اپنے گھوڑوں کو بھی آرام دے لو۔ دو تین روز کے بعد پھر ایک لڑائی کرنی پڑیگی۔

تین دن گذر گئے چوتھا روز اناج کے تصفیہ میں گذر گیا۔ خالد کہتے تھے کہ یہ اناج ہمارا حق ہے۔ ابوعبیدہ کہتے تھے کہ نہیں شہر والوں کا بھی حق ہے۔ اس طرح چار روز گذر گئے تھے۔ اور خالد جلاوطنوں کے تعقب سے مایوس ہو گئے تھے۔

کہ ایک رہبر حاضر ہؤا۔ اور عرض کیا۔ کہ میں اس ملک کے تمام رستوں سے واقف ہوں۔ ایک مختصر رستہ سے جلد لیچلونگا ❊

بولنس رہبر کی داستان

ناظرین کے ملاحظہ کے واسطے اس رہبر کی داستان بیان کی جاتی ہے۔ ایک دن دمشق کا محاصرہ کئے عربی بہادر پڑے ہوئے تھے۔ اور ضرار اپنے دو ہزار سواروں کو لئے فصیل کے چار طرف چکر لگا رہے تھے۔ کہ قاآران نے دمشق کے دروازے سے ایک سوار کو نکلتے دیکھا۔ ضرار نے اُس کو تیزی سے فی الفور گرفتار کر لیا۔ اس کا لباس پاکیزہ اور امیرانہ تھا۔ اور بشرے سے کوئی رئیس معلوم ہوتا تھا۔ اِس کے بعد دروازے سے ایک اور سوار نکلا۔ اور پہلے سوار کو آواز دی۔ اس نے رومی زبان میں کچھ جواب دیا۔ جس سے وہ دوسرا سوار اُلٹے قدموں ہٹ کر شہر میں چلا گیا۔ اور دروازہ بند کر لیا۔ مسلمانوں کو شبہ ہؤا کہ یہ شخص جاسوس ہے اسے قتل کر دینا چاہئے لیکن کچھ مشورے کے بعد اُسے خالد کے سامنے پیش کیا۔ اُس نے اپنا قصہ یوں کہ سُنایا۔ کہ میرا نام یونس ہے۔ محاصرہ سے پیشتر ایک عورت کے ساتھ میری منگنی ہوئی تھی۔ آپس میں ہم میں بہت محبت تھی۔ کچھ عرصہ بعد اُس کے والدین کی نیت پھر گئی۔ میں نے ہرچند کہا کہ شادی کر دو۔ مگر وہ راضی نہ ہوئے اور کہا کہ ہم آج کل عربوں کے دفعیہ میں مشغول ہیں۔ چونکہ ہمارا باہم عشق تھا۔ اکثر مل لیا کرتے تھے۔ ایک دن ہم نے مشورہ کیا۔ کہ یوں فراق کی گھڑیاں کب تک کٹینگی۔ آؤ یہاں سے کسی طرف کو نکل چلیں۔ چنانچہ رات کو ہم دونوں اس نیت سے چل پڑے۔ محافظ دروازہ کو ایک اشرفی دیکر دروازہ کھلوایا۔ اول میں تمہارا حال دریافت کرنے کے لئے باہر نکلا۔ اور نکلتے کے ساتھ ہی پکڑا گیا

میرے بعد میری معشوقہ یوڈیشیا بھی نکلی میں نے اُس کو کہا کہ تم واپس جاؤ۔ میں گرفتار ہو گیا ہوں۔ کیونکہ مجھے خوف ہُوا کہ وہ بھی گرفتار ہو جائیگی +
خالد نے کہا کہ ان عشقیہ داستانوں سے کچھ فائدہ نہیں اب تو یہ بتا کہ کیا منظور ہے مسلمان ہوتا ہے یا نہیں۔ اگر مسلمان ہو جائیگا۔ تو تیرا نکاح اُس عورت سے کرا دیا جاویگا۔ اور اگر انکار کریگا تو ابھی تیرا سر قلم کر دیا جاویگا۔
اُس نے پکار کر کہا لا الہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ و اشہد ان محمداً عبدہٗ و رسولہٗ۔ فوراً مسلمان ہو گیا۔ اور قبضہ دمشق کے واسطے مسلمانوں کے ساتھ ہو کر خوب خوب لڑا۔ جب دمشق فتح ہو گیا اپنی معشوقہ کی تلاش میں اس کے مکان پر پہنچا۔ لوگوں سے دریافت کرنے پر معلوم ہُوا۔ کہ یوڈیشیا یہ سُن کر کہ اس کا عاشق صادق دین اسلام قبول نہ کرنے کے سبب قتل کر دیا گیا ہے دنیا کو ترک کر دیا ہے اور ایک معبد میں رہتی ہے۔ یہ پروانہ اپنی شمع کے ڈھونڈنے کے لئے معبد میں پہنچا۔ مگر اس شمع کو جب معلوم ہُوا کہ اُس کا پروانہ مسلمان ہو گیا ہے تو ٹھنڈی پڑ گئی۔ اور نفرت سے اُس سے مُنہ پھیر لیا۔ ہر چند اُس نے منت و سماجت کی۔ اور اپنے عشق و محبت کا اظہار کیا۔ لیکن اُس نے کہا ہرگز میں تجھ سے مل نہیں سکتی۔ اور پھر تامس کے ہمراہ جلا وطن ہو گئی۔ یونس نے خالد سے عرض کیا کہ حسب وعدہ مجھ کو میری عورت دلوادی جاوے۔ مگر اُنہوں نے کہا کیا کروں معاہدہ کی بڑی پیچ لگی ہوئی ہے ؎

جس کا دل دلبر میں ہو اُس کو کب آتی ہے نیند
کروٹیں لیتے ہی لیتے صاف اُڑ جاتی ہے نیند

بھلا یونس کو صبر کہاں تھا۔ جب اُس کو معلوم ہوا کہ خالد کا ارادہ جلا وطنوں کے

تعقب کا ہے۔ تو اُن کے پاس حاضر ہُوا۔ اور کہا کہ آپ کیا سوچتے ہیں۔ کیوں نہیں اُن ملعونوں کا تعقب کرتے +

خالد نے کہا۔ کہ چار دن گذر گئے خبر نہیں وہ کہاں پُہنچے ہونگے کہاں نہیں۔ یونس نے کہا حضرت میں آپ کو ایسی پہاڑیوں سے لے چلوں کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔ اور بہت جلد اُن کو جا پکڑیں +

حضرت خالد نے اُس کی عرض قبول کی۔ اور چار ہزار مسلمانوں کو یونانی لباس پہنا کر اُن لوگوں کے تعقب میں چلے۔ کوہ لبنان کے پہاڑوں تک تو اُن کا کھوج چلا۔ آگے چلکر نشان گم ہو گیا۔ یونس نے کہا کہ وہ یہاں سے رستہ بھول گئے ہیں۔ آپ چلتے رہیں۔ مَیں اُن کو ڈھونڈ نکالونگا۔ مسلمان برابر چلتے رہے۔ پہاڑوں کی چوٹیوں پر چڑھ گئے۔ اور ایسے دشوار گذار پہاڑوں سے گذرے کہ گھوڑوں کے نعل تک ٹوٹ گئے۔ سموں سے خون نکلنے لگا۔ گھوڑے چلتے چلتے ہانپنے لگے۔ اور سپاہی پھرتے پھرتے تھک گئے بعض گھوڑے لنگڑے ہو گئے اور سوار پیدل چلنے لگے۔ تو اُن کے کپڑے جھاڑیوں میں اٹک اٹک کر پھٹ گئے۔ سب رستہ کی تکلیف بیان کرنے لگے۔ خالد یونس پر ناراض ہوئے۔ اُس نے کہا کہ آپ ذرا ہمت کریں۔ اور مایوس نہ ہوں۔ وہ انہیں پہاڑوں میں پھنسے ہونگے۔ یہاں سے آگے کہاں جا سکتے ہیں۔ خیر یہاں کئی گھنٹے لشکر نے آرام کیا۔ اور پھر چل پڑے۔ یونس دریا کے کنارے ان کا کھوج لگا رہا تھا جو اُسے معلوم ہُوا کہ اُنھوں نے انطاکیہ کا رستہ چھوڑ دیا ہے۔ حیرت زدہ ہُوا۔ اور مقام جبلہ کے قریب پُہنچکر دہقانوں سے پوچھا۔ انھوں نے کہا کہ قیصر نے انطاکیہ آنے سے اُن کو روک دیا ہے۔ کہ اُن کو

دیکھ کر اہل شہر پریشان نہ ہوں۔ اور مسلمانوں کا رُعب اُن کے دل پر نہ بیٹھے۔ اس واسطے اُن کو قسطنطنیہ جانے کا حکم ہوا ہے۔ اور کہا کہ جب ہرقل نے سُنا کہ تامس اور ہربیس نے شہر مسلمانوں کے حوالہ کر دیا ہے تو اُس کو بہت رنج ہوا۔ اور اُس نے ایک فوج عرب حملہ آروں کے مقابلہ کے لئے جمع کی۔ اور اسی واسطے تامس کو انطاکیہ نہیں بُلایا۔ کہ ان بھگوڑوں کو دیکھ کر فوج کی ہمت شکست نہ ہو جاوے +

خالد یہ سُنکر کہ ایک لشکر ہمارے واسطے آرہا ہے بڑا فکرمند ہوا۔ کیونکہ صرف ایک پہاڑ بیچ میں حائل تھا۔ اُس نے کہا ایسا نہ ہو یہ لشکر ہم پر آپڑے یا دمشق پر جا چڑھے +

رات کو خالد نے ایک خواب دیکھا۔ کہ مَیں مسلمانوں کا ایک لشکر لیکر بیابان جنگل میں چلا جا رہا ہوں۔ ناگاہ جنگلی گدھے بدہیئت موٹے موٹے ہمارے گرد جمع ہو گئے ہیں۔ اور ہم کو دلتیاں مارتے ہیں اور تھوتھنیوں سے کاٹتے ہیں۔ ہم نے اُن کو نیزوں اور تلواروں سے مارنا شروع کر دیا ہے۔ مگر وہ خوف ہی نہیں کھاتے۔ یہاں تک کہ ہم اُن کو مارتے مارتے تھک گئے ہیں آخر میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اُن کو چار طرف سے گھیر لو۔ اور فنا کر دو۔ یہ دیکھ کر وہ چار طرف بھاگے۔ اور میں نے مسلمانوں کو کہا کہ اُن کو جانے نہ دینا۔ مسلمان اُن کو مار رہے تھے۔ مَیں نے بھی ایک اونٹ کو جو سب سے آگے تھا۔ ہلاک کر دیا۔ مَیں بڑا خوش تھا۔ اور مسلمان چار طرف سے ان وحشیوں کا شکار کر رہے۔ کہ دفعۃً مَیں گھوڑے سے گر پڑا۔ اور میرا عمامہ سر سے اُڑ گیا۔ مَیں اس کو اُٹھانے لگا تھا کہ میری آنکھ کھُل گئی +

خالد اس خواب کے سبب بہت پریشان خاطر تھے اور مسلمانوں سے اس کی تعبیر پوچھتے تھے۔ عبدالرحمٰن نے کہا عمدہ خواب ہے آپ کیوں پریشان ہوتے ہیں۔ یہ موٹے وحشی گدھے رومی ہیں جن کو ہم چار طرف مارتے پھرتے ہیں۔ اور آپ جو گرے ہیں اُس کا یہ مطلب ہے کہ آپ مقام سے پست مقام پر اُتریگا ہاں یہ جو عمامہ گر پڑا ہے یہ اچھا نہیں شاید آپ کو کچھ رنج پہنچے ✣

تعاقب جاری رہا۔ رات کو ایک آندھی اور مینہ کا طوفان آیا جس نے آدمی اور حیوانوں کے دم بند کر دیئے۔ معلوم ہوا کہ جلاوطن شدہ لوگ نزدیک ہی ہیں اول تو ارادہ کیا کہ رات ہی کو ان کو غارت کر دیں۔ مگر چلتے چلتے صبح ہو گئی ✣

جب مطلع صاف ہوا اور مشرق سے آفتاب عالمتاب کی نورانی جھلک نے عالم میں نور پھیلا دیا۔ تو ایک سبزہ زار پھولوں سے بھرا ہوا دکھائی دیا خوشبو سے میدان معطر ہو رہا تھا۔ اور قدرتی چشمے پہاڑوں میں بہتے ہوئے عجیب بہار دکھا رہے تھے ✣

خالد قافلہ کی تلاش میں اور یونس اپنی معشوقہ کی فکر میں تھا کہ ناگاہ کچھ آدمی سوتے ہوئے اور کچھ اپنا مال و صوف بیں سکھانے کے لئے پھیلاے ہوئے دکھائی دیئے ✣

خالد نے اس قافلہ کو دیکھ کر اپنی فوج کو چار حصوں میں تقسیم کیا۔ تین کا سردار تو ضرار۔ عبدالرحمٰن اور رفیع کو بنایا۔ اور چوتھے کا سردار خود بنا۔ اور کہا کہ باری باری سے حملہ کرنا تاکہ ہماری اصل تعداد دشمن کو معلوم نہ ہو۔ پہلے خالد نے نماز صبح ادا کی۔ اور پھر حملے کا حکم دیا۔ اور کہا کہ جب تک فتح کامل حاصل نہ ہو۔ کوئی غارت

کی طرف ہاتھ نہ بڑھائے +

رومی گہری نیند میں سو رہے تھے۔ گھوڑوں کے سموں کی آواز سے جاگ پڑے۔ پہلے تو اُن کو یونانی سمجھ کر دھوکا کھا گئے۔ لیکن جب حقیقت معلوم ہوئی تو چونکنے ہوئے۔ لیکن ہمت نہ ہاری۔ اور پانچہزار آدمی مسلح کرکے فوراً مقابلہ کے لئے ٹامس تیار ہو گیا۔ اب مسلمانوں کا دوسرا حصہ آ گیا۔ اور تیسرا بھی میدان کارزار گرم ہوا۔ خالد اور ٹامس کی سینہ بسینہ لڑائی ہو رہی تھی۔ کہ ٹامس زخم کھا کر گھوڑے سے گرا۔ اور عبدالرحمن بن ابی بکر نے لپک کر اس کا سر کاٹ دیا۔ اور ایک نیزہ پر بلند کرکے عیسائیوں کو دکھایا +

رفیع بن عمیرہ عورتوں کی طرف گیا۔ لیکن اُنہوں نے بڑی بہادری سے اپنے تئیں بچایا۔ اور پتھر مار مار کر حملہ آوروں کو روکا۔ اُن میں ایک عورت بڑی حسین۔ قبول صورت۔ اور صاحب جمال تھی۔ اُس کا لباس بڑا بیش قیمت تھا۔ اور ایک مرصع تاج اُس کے سر پر رکھا تھا۔ یہ ہرقل کی بیٹی اور ٹامس کی بیوی تھی۔ رفیع اُسے گرفتار کرنے آگے بڑھا۔ لیکن اُس نے ایک پتھر اس زور سے مارا کہ رفیع کے گھوڑے کا سر پھوٹ گیا۔ اور وہ مر گیا۔ رفیع نے غصہ ہو کر تلوار نکال لی۔ اور چاہتا تھا۔ کہ ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔ وہ چلائی کہ رحم کرو رحم کرو۔ اس لئے رفیع نے اُسے گرفتار کرکے ایک معتبر آدمی کے حوالہ کر دیا +

اب اس فرقت کے مارے۔ اور غم ہجراں کے ستائے یونس کا حال سنئیے کہ اُس نے اپنی معشوقہ کو تلاش کرکے جا پکڑا۔ اور اپنے عشق و محبت۔ رنج و مفارقت اور تکلیف فرقت کی رقت آمیز داستانیں اُسے سُنانے لگا۔ بہتیرا سر پٹکا۔ اور بہتیرے سبز باغ دکھلائے۔ لیکن پری شیشے میں نہیں اُتری۔ اُس نے کہا کہ اب تو

کافر ہو گیا ہے - اور میرے اہل وطن پر یہ مصیبت تیرے ہی سبب سے پڑی ہے میں تیرا منہ نہیں دیکھنا چاہتی - یونس نے بہتیری منت سماجت کی - لیکن اُس کا دل ذرا نہ پسیجا - اور کہا کہ میں تو قسطنطنیہ جا کر راہبہ بنونگی - لاچار یونس نے اُسے گرفتار کر لیا - اور وہ خاموش گھاس پر بیٹھ گئی - اور جب موقعہ ملا - تو ایک خنجر سینہ میں مار کر مر گئی +

لڑائی برابر جاری تھی - اور خالد ہربس کی تلاش و فکر میں تھا کہ ایک دفعہ ہربس نے پیچھے سے آ کر خالد کو تلوار ماری جس سے خالد کا خود گر پڑا - اور تلوار ہربس کے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر آ رہی - قبل اس کے کہ خالد اُس کی طرف توجہ کریں اُن کے ساتھیوں نے اُس کے ٹکڑے کر ڈالے - غرض ان بدبختوں کی لڑائی کا اس طرح خاتمہ ہوا - کہ یا تو مارے گئے یا قید کئے گئے - صرف ایک آدمی بچا جس نے یہ غم کی داستان اہل قسطنطنیہ کو جا سُنائی +

یونس اپنی معشوقہ کے مر جانے پر زار و قطار رونے لگا - مسلمانوں نے کہا کہ صبر کرو وہ تمہارے مقدر میں نہ تھی - رفیع نے کہا - کہ یہ خوبصورت شہزادی ہے اُس کو دیدینی چاہئے - خالد نے کہا کہ ہاں اگر قیصر روم نے زر مخلصی دیکر اُسے طلب نہ کیا تو یہ شہزادی تم کو دیدیجاویگی +

خالد کا دمشق کو واپس آنا

جس کام کے لئے خالد جائے قیام لشکر سے ڈیڑھ سو میل آگے نکل آئے تھے وہ خدا کے فضل و کرم سے بآسانی و جوہ ختم ہو گیا تھا - اب یہاں ٹھیرنا بیفائدہ تھا ساتھ ہی یہ بھی تھا کہ دوسرا لشکر جس کو تیاری کی خبر پہنچی تھی اُن پہنچے

اس لئے خالد نے لشکر کو حکم دیا کہ تمام مال غنیمت خچروں اور گھوڑوں پر لاد لو۔ اور دمشق کی طرف ہوا ہو جاؤ۔ چنانچہ تمام لشکر قیدیوں کو حفاظت میں لیکر دمشق کو چل پڑا۔ ایک روز راستے میں آندھی سی اُٹھتی معلوم ہوئی۔ اور اُس میں ایک صلیب کا نشان بھی دکھائی دیا۔ مسلمان سمجھے کہ رومیوں کا لشکر آن پہنچا ہے۔ جھٹ مقابلہ کا سامان کیا۔ لیکن نزدیک آنے پر معلوم ہوا کہ قیصر کی بیٹی گرفتار ہو گئی تھی اُس کو چھڑانے کے لئے ایک بڈھا پادری اس شان و شکوہ کے ساتھ آیا ہے۔ اور ایک رقم کثیر شہزادی کے عوض میں پیش کرتا ہے۔ خالد نے شہزادی بڈھے پادری کے حوالہ کر دی۔ اور کہا کہ اس کے عوض میں خود قیصر کو گرفتار کرونگا۔ ۔ روپیہ بھی لینے سے انکار کیا۔ اور کہا کہ اس کے عوض میں تمہارا ملک اپنے قبضہ میں لاؤنگا۔

بیچارے یونس کی یہ آس بھی ٹوٹ گئی۔ لیکن مسلمانوں نے اُس کو بہت سی اشرفیاں اور مال و زر دیا کہ جس عورت کو پسند کرے خرید لے۔ وہ عشق مجازی سے کوسوں بھاگتا تھا عشق حقیقی کے ساتھ نور ایمان اُسکے دل میں جگمگا رہا تھا۔ دنیاوی معشوقوں کی ناپاک محبت دل سے جاتی رہی تھی اُس کی جگہ عشق الٰہی اپنا جلوہ دکھا رہا تھا۔ اُس نے دنیاوی نعمتوں کے لینے سے انکار کیا۔ کہ بعد مرگ بہشت میں سب کچھ حاصل کر لونگا۔ اور نہایت دیندار و متقی پرہیزگار بن گیا۔ اور اسلامی کاموں میں بڑے زور شور سے حصہ لیتا رہا۔ اور آخرکار یرموک کی لڑائی میں سینہ میں تیر کھا کر شہید ہوا۔

شیخ واقدی قاضی بغداد سے روایت ہے کہ مرنے کے کچھ روز بعد رفیع بن عمیرہ نے یونس کو خواب میں دیکھا۔ کہ نہایت پاکیزہ لباس پہنے باغ

میں ٹہل رہا ہے۔ اور کہتا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اُس ایک عورت کے عوض میں مجھ کو ستر حوریں، چندے آفتاب و ماہتاب خدمت کے واسطے عنایت فرمائی ہیں۔ خالد نے سنکر کہا۔ کہ شہادت اسلامی کا یہی تو فائدہ ہے زہی نصیب جس شخص کو یہ دولت نصیب ہو +

خالد اس کامیابی سے شلوان و فرحاں واپس اپنے عزیزوں اور دوستوں سے آملے +

سب مسلمان اُن کے صحیح وسلامت واپس آنے پر بہت خوش ہوئے کیونکہ ان کو ان کے واپس آنے کی امید خدا ہی سے تھی +

اب مال غنیمت اس طرح تقسیم ہوا کہ چار حصہ تو لشکر و سرداران لشکر کو دیا گیا اور پانچواں حصہ بیت المال میں داخل کرنے کے واسطے حضرت ابو بکر کی خدمت میں روانہ کیا گیا۔ اور ساتھ ہی ایک عریضہ لکھا گیا۔ جس میں دمشق پر قبضہ پانے۔ دربارہ معاہدہ حضرت ابو عبیدہ کے ساتھ اختلاف ہو جانے۔ اور جلا وطنوں کا تعقب کرکے بڑی دشواری سے اُن پر قابو پانے۔ اور مال غنیمت حاصل کرنے کا حال مشرح و مفصل درج تھا +

تقدیر الٰہی نوشتہ ازلی کو کون روک سکتا ہے قسمت کا یہی نوشتہ تھا کہ حضرت صدیق اس کامیابی کو نہ سنیں جس روز دمشق فتح ہوا اُس روز خلیفۃ الرسول اللہ کا انتقال مدینہ منورہ میں ہو گیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون +

حضرت صدیق کی وفات

آپ کی وفات کے بارے میں لوگوں کی مختلف روایتیں ہیں ابوالفدا

کا قول ہے کہ کسی یہودی نے آپ کے کھانے میں زہر ملا دیا تھا۔ مگر آپ کی صاحبزادی حضرت عایشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک دن سردی زیادہ تھی آپ نے غسل فرمایا جس سے بخار ہو گیا۔ اور دن بدن حالت نازک ہوتی گئی یہ روایت اغلباً زیادہ صحیح ہو۔ جب آپ کی حالت زیادہ ردی ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ میرے بعد مذہبی رسومات حضرت عمرؓ انجام دیں۔

حضرت صدیقؓ کا وصیت نامہ

جب حضرت صدیقؓ کو معلوم ہوا کہ اب آخری وقت آن پہنچا ہے تو انہوں نے اپنے کاتب حضرت عثمانؓ کو بلایا۔ اور کئی ایک چیدہ و برگزیدہ مسلمانوں کے سامنے ایک وصیت نامہ یوں لکھوایا:۔

بندہ ابوبکر ابن ابوقحافہ اس وقت لب گور اور قریب المرگ ہے۔ یہ ایسا وقت ہے کہ گنہگار گناہ سے توبہ کرتے ہیں۔ کافر ایمان لاتے ہیں۔ دروغ گو راستی اختیار کرتے ہیں۔ کل مسلمانوں کے روبرو اس امر کا اظہار کرتا ہے کہ بعد میرے میرا جانشین . . . . .

یہ کہکر غش آ گیا۔ حضرت عثمانؓ آپ کے ارادہ سے واقف تھے۔ انہوں نے لکھ دیا کہ "حضرت عمر بن الخطاب ہوں" جب ہوش آیا تو حضرت عثمانؓ سے فرمایا "ہاں تم نے کیا لکھا!" انہوں نے پڑھ سنایا۔ فرمایا تمہاری دور اندیشی پر لاکھ آفرین ہے۔ خدا تم پر رحم کرے۔ اور پھر آپ نے فرمایا کہ سب مسلمان حضرت عمرؓ کا کہنا مانیں۔ دل و جان سے ان کے حکم کی اطاعت کریں۔ کیونکہ جہاں تک مجھ کو معلوم ہے حضرت عمرؓ لئیق۔ فہیم۔ شجاع۔ متدین ہیں اور اس کام کے لئے کوئی ان سے بہتر نہیں ہے۔ وہ خود انصاف و دانائی سے کام کرینگے۔ تو اللہ تعالےٰ عالم الغیب ہے وہ ان کو ان کے اعمال کا بدلا دیگا۔

میں مسلمانوں کی بہبودی و بہتری چاہتا ہوں متفق ہوکر دیانتداری سے کام کرو۔ اللہ تم کو اُس کا اجر دیگا۔ اس وصیت پر مہر خلافت لگاکر تمام سرداروں کے پاس بھیجنے کا حکم دیا +

اس کے بعد آپ نے حضرت عمرؓ کو بلایا۔ اور فرمایا کہ میں نے اپنا جانشین تم کو مقرر کیا ہے +

حضرت عمرؓ کسی عہدے و مرتبہ کے خواہاں نہ تھے۔ اُن کو مال و دولت حکومت و صولت کی چنداں پروا نہ تھی۔ اُنہوں نے کہا اے خلیفہ رسول اللہ میں اس بوجھ کے اُٹھانے کی ہمت اپنے میں نہیں پاتا۔ آپ نے فرمایا۔ لیکن تمہارے بغیر اس اہم کام کو سنبھالنے والا کوئی نظر نہیں آتا۔ خلافت کو تمہاری بڑی ضرورت ہے۔ حضرت عمرؓ ہر چند انکار کرتے تھے۔ مگر حضرت ابوبکرؓ فرماتے تھے کہ اس میں مسلمانوں کی عام بھلائی ہے۔ اور ہے بھی یوں کہ ملک کے انتظام اور سلطنت کے استحکام کے واسطے وہ بہت لایق تھے۔ اور تمام حاضرین حضرت عثمانؓ و حضرت علیؓ اُن کے انتخاب پر رضامند تھے جب حضرت عمرؓ نے خلافت منظور کی۔ تو مرتے مرتے اُن کو بہت سی نصیحتیں کیں۔ اور استحکام سلطنت اور اشاعت اسلام کی دعا مانگی۔ اور اس طرح اُس نیک دل عالیشان خلیفہ نے ماہ جمادی الثانی سنہ ۱۳ ہجری مطابق سنہ ۶۳۵ء میں اپنی بیٹی اور پیغمبر خدا کی چاہیتی بیوی حضرت عایشہؓ کی گود میں انتقال فرمایا۔ اس وقت آپ کی عمر پورے ۶۳ سال کی تھی۔ اور خلافت کا کام انجام دیتے ہوئے دو برس تین مہینے نوروز ہوئے تھے۔ اس وقت آپ کے والد ماجد و والدہ ماجدہ زندہ تھیں۔ آپ کے والد کا سن ۹۷ سال کا تھا +

حضرت ابوبکر کے ازواج واولاد

حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی چار بیویاں تھیں :-

اول - قتیلہ بنت عبد العزیٰ - دوم - رومان بنت عامر - سوم
اسماء بنت عمیش - چہارم - حبیبہ بنت خارجہ ✦

اول کی دو زمانہ جہالت کی تھیں اور دوسری دو زمانہ اسلام کی - ان
سب بیبیوں سے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے تین لڑکے اور تین لڑکیاں پیدا ہوئیں
عبد اللہ و اسماء قتیلہ کے بطن سے ہوئے - اور عبد الرحمٰن و حضرت عایشہ رضی اللہ عنہا
رومان سے اور محمد اسماء بنت عمیش کے شکم سے پیدا ہوئے - اور حبیبہ بنت خارجہ
وقت وفات آنجناب حاملہ تھیں ان کے بطن سے ام کلثوم متولد ہوئیں ✦

حضرت ابوبکر کا انتظام سلطنت

حضرت ابوبکر نے قضا کا منصب حضرت عمر کو مرحمت فرمایا تھا - اور
منصب وزارت پر حضرت عثمان بن عفان - زید بن ثابت اور عبد الرحمن
بن عوف کو متعین کیا تھا - حضرت عمر قاضی القضات اور وزیر اعظم دونوں کا
کام کرتے تھے - بیرونجات میں - اتاب بن اسید حاکم مکہ - عثمان ابن العاص
حاکم طائف - مہاجر ابن ابی امیہ حاکم صنعا - اور زیاد بن لبید حاکم حضرموت
مقرر ہوئے تھے - اور معاذ بن جبل حاکم خولان ، اور جند کا کیا - اور
علاء ابن الحضرمی بحرین کے حاکم مقرر کئے گئے تھے ✦

حضرت ابوبکر کی انگوٹھی پر نعم القادر کندہ تھا - معاملات

کا فیصلہ کثرت رائے پر ہوا کرتا تھا۔ اس مجلس شوریٰ کے پریذیڈنٹ حضرت عمرؓ تھے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے سوائے ایک دو مرتبہ کے کبھی حضرت عمرؓ کی صلاح سے قدم باہر نہ رکھا تھا +

دنیا کی تاریخ میں [illegible] کوئی معلوم نہیں ہو سکا

سیرۃ الفاروق

یعنی

جناب فاروق اعظم امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ ثانی کی

سوانح عمری و حالات خلافت

مع دیباچہ

مؤلفہ

جناب منشی سراج الدین احمد صاحب متوطن سابق ایڈیٹر [illegible] گزٹ

حال مالک اخبار چودھویں صدی

بفرمایش

منشی محمد فضل الدین صاحب ککے زئی تاجر کتب قومی مالک اخبار اشاعت

بازار کشمیری

لاہور

[illegible]

قیمت مجلد ۸/

مشہور و معروف و شہرہ آفاق بزرگوں کی قابل دید

تذکرے اور سوانح عمریاں

سوانح عمری رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

اس کتاب میں نہایت شرح و بسط کے ساتھ جناب سید عالم شافع محشر فخر موجودات شہنشاہ عرب و عجم محبوب رب العالمین شفیع المذنبین حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ و آلہ و اصحابہ وسلم کی پاک زندگی کے حالات صحیح روایات سے درج ہیں ۱؍

تذکرۃ الحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

یعنی جناب ابو عبداللہ سید الشہدا حسین ابن علی علیہ السلام کی سوانح عمری اور واقعات کربلا کے صحیح اور سچے حالات جو نہایت ہی درد سے لکھے گئے ہیں۔ نہایت خوشخط قابل دید . . . . ۲؍

تذکرہ بابر

ظہیر الدین بابر بادشاہ غازی کی سوانح عمری یا اس شاہنشاہ عالی جاہ کا تذکرہ ہے جو ہندوستان میں مغلیہ خاندان کا بانی اور مشرقی تاریخ کے اول درجہ کے شاہنشاہوں میں جس کا شمار ہوتا ہے . . . . ۱۲؍

سوانح عمری ملا دوپیازہ
مع تصویر

محمد جلال الدین اکبر بادشاہ کے دربار کا مشہور معروف ملا دوپیازہ جس کی بات بات پر اکبری دربار قربان ہوتا تھا اس کی زندگی کے تمام حالات نہایت دردانگیز پیرایہ میں لکھے گئے ہیں۔ اور اس کے ساتھ ہی اس کے لطیفے جو اکبر اور بیربل سے ہوا کرتے تھے سب درج ہیں . . . . ۲؍

سرگذشت بو علی سینا

یعنی شیخ الرئیس حکیم بو علی سینا کی زندگی کے تمام حالات مع فہرست ان کی تمام تصنیفات کے درج ہے . . ۲؍

تذکرہ تیمور

یعنی خاندان چغتائیہ کے مورث اعلےٰ شاہنشاہ تیمور کی سوانح عمری با تصویر جو نظر ثانی و تصحیح و ترمیم کے چھپائی ہے مصنفہ جناب مولانا مولوی احمد شفیع صاحب . . . . ۲؍

سوانح عمری ابوالفضل

شاہنشاہ اکبر کے مشہور وزیر اعظم اور ہندوستان کے ایک زبردست انشاپرداز مدبر اور فلاسفر ابوالفضل علامی کی سوانح عمری مع تصویر مصنفہ خواجہ غلام الثقلین صاحب . . . . . . ۱۲؍

دیباچہ و عذرِ مؤلف

شاید اِس امر کی جواب دہی میرے ذمہ ہو کہ مَیں نے خلفاء راشدین میں سے حضرت
عمر (رضی اللہ تعالےٰ عنہ) کو اُنکے حالات لکھنے کے واسطے کیوں منتخب کیا ہے۔ سب سے اوّل
تو یہ کہ جواب وہ خاص واقعات اور حالات دینگے جو مجھکو پیش آئے اور جو مجھکو اپنی استعداد سے
بڑھکر ایک ایسے بزرگ کام کے اختیار کرنے کی ترغیب دینے کا باعث ہوئے ہیں اور جن کے لحاظ
سے میرے اِس کام کو اختیار کرنے کا تام انتخاب نہ رہیگا۔ لیکن ہمارے زمانہ کے اسلامی مؤرخ
نے خلفاء راشدین میں سے اگر حضرت عمرؓ ہی کو ہیرو منتخب کیا ہے تو ہماری اُن اغراض کے
لحاظ سے جو اِس زمانہ میں قوم کے سامنے ناموران اسلام اور اسلام کی گزشتہ ترقیوں اور عروج کے
حالات پیش کرنے کی ہیں یہی انتخاب بجا اور درست ہے۔ سر سید احمد خاں صاحب (مرحوم) کا
یہ مقولہ ہمارے اِس قول کی تشریح کردیگا کہ "حضرت ابوبکر صدیق (رضی اللہ تعالےٰ عنہ) کا زمانہ خلافت
تو شمار کرنا نہیں چاہیئے کیونکہ درحقیقت وہ زمانہ بھی حضرت عمرؓ ہی کی خلافت کا زمانہ تھا اور وہی بالکل دخیل و
منتظم تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا زمانہ کیا بنظر انتظام اور کیا بنظر فتوحات و امن و حکومت و
رُعب وداب جو اتقائے صلاحِ اُمت و اصلاحِ تمدن کے لیئے ضرور تھا ایک بے نظیر زمانہ تھا۔ حضرت

عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے زمانۂ خلافت میں جو کچھ ہوا وہ صرف حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت کا اثر تھا۔ اصلی زمانۂ خلافت حضرت عثمانؓ اُن کی خلافت کا اخیر زمانہ تصور کرنا چاہیئے جس میں تمام اصول سیاست مدن اور وہ اصول سلطنت جمہوری جیپر اِس عالیشان محل کی بنیاد قایم ہوگئی تھی سب کے سب سُست اور درہم برہم ہوگئے تھے اور غدر ہونا اُسکا ایک ضروری نتیجہ تھا۔ جو ہوا۔ حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام تک جب خلافت پہنچی تو ایسی ابتر اور خراب ہوگئی تھی جسکا درست ہونا اگر ناممکن نہ تھا تو قریب قریب ناممکن کے تھا۔ اُسکی اصلاح میں جہان تک ممکن تھا کوشش کیگئی۔ ٹال دیئے گئے۔ دوسری حکومتیں تسلیم کی گئیں مگر اصلاح نہ ہوئی اور روز بروز خرابی بڑھتی گئی۔"[1] سرسید کے اِس قول سے بڑھکر جسکی صحت اور صداقت کے تسلیم کرنے میں کوئی صحیح تاریخی واقعات کو جاننے والا ایک لمحہ بھی تامل نہیں کرسکتا۔ ہم سر ولیم میور کا قول نقل کرسکتے ہیں کہ "پیغمبر (صلے اللہ علیہ وسلم) کے بعد اسلامی سلطنت میں حضرت عمرؓ ہی سب سے بڑا مرتبہ (Greatness) رکھتے ہیں کیونکہ اُنہیں کی دس سالہ خلافت میں یہ تمام کامیابی ہوئی کہ اُن کی دانائی۔ استقلال اور قوت اور جوش سے شام۔ مصر اور ایران کی سلطنتیں فتح ہوئیں جو اُس وقت سے ہمیشہ مسلمانوں کے تسلط میں رہی ہیں۔"[2] ہمارا اپنا تو یہ مقولہ ہے کہ خداوند کریم ہی کی یہ مرضی تھی کہ شارعِ اسلام علیہ التحیات والسلام کی پاک تعلیم کے نتایج کی صورت میں اسلامی سلطنت کا ایک نمونہ جو آیندہ نسلوں کیواسطے ایک نظیر ہو دنیا کو دکھا دیا جائے اور وہ نمونہ حضرت عمرؓ کی خلافت کا دکھلایا گیا۔

اُن کا بزرگ نام اِس قابل ہے کہ ہر ایک مسلمان دینی اور دنیاوی دنیا کے سامنے جتنا چاہے اُسپر فخر کرے۔ مگر افسوس ہے ہزاران ہزار افسوس ہے اپنی تمام بدقسمت قوم کے حال پر جسکو خیر الاُمم کا معزز لقب دیا گیا تھا مگر آخر اُس نے اپنے آپ کو اِس لقب کے لائق نہ رہنے دیا اور اُن تمام برکتوں و انعاموں سے جو خدا نے اُسے بخشے تھے اپنے آپ کو محروم کرلیا۔ بزرگانِ دین کے نام سے فخر کرنا تو درکنار رہا اُن کے ناموں کے ساتھ ایسے الفاظ کا استعمال کرنا اور اُن کو ایسے الفاظ سے یاد کرنا جو نیکی اور حُسن اخلاق کے خلاف ہیں روا رکھے گئے ہیں۔ صرف روا نہیں رکھے گئے بلکہ اُن کو مذہبی جامہ پہنایا گیا ہے اور خود ہمارے لیئے نہایت شرم کی بات ہے کہ کلمات شنیعہ کے بزرگان دین کے حق میں استعمال کرنے کو فرائض مذہبی کا ایک ضروری جزو اور باعث نجات قرار دیا گیا ہے۔ یہ تمام نتیجہ ہماری بدبختی اور بدقسمتی کا ہے ورنہ یہان تک نوبت پہنچنے کے واسطے تو بہت کم اسباب موجود تھے۔ صحیح اور اصلی واقعات پر غلطیوں اور غلط فہمیوں اور جوش مذہبی کے غلط عقاید کا ایک اتنا بڑا انبار جمع کردیا گیا ہے کہ اُسکو اُٹھانے اور صحیح اور اصلی واقعات کے

---

[1] تصانیف احمدیہ جلد اول حصہ اول صفحہ ۴۷۔

[2] انلس اوف ارلی خلافت صفحہ ۲۰۳۔

دکھلانے کی کوشش جسقدر کہ ایک کٹھن کام ہے اُسیقدر حیرت انگیز ہوگی۔ سادہ اور سیدھے قدرتی واقعات کے عجیب وغریب مطالب نکالے گئے ہیں اور اُن سے حیرتناک استدلال کیئے گئے ہیں۔ ہزارہا غلط روایتیں اور بیہودہ کہانیاں جوڑی اور وضع کی گئی ہیں جن کی غلطیوں کو ثابت کرنے بیٹھنا ایک مرنے سے بھی زیادہ مشکل کام ہے ۔

اسلام دنیا میں اس غرض سے آیا تھا کہ دنیا کے تفرقوں اور تمیزوں اور دشمنیوں کو مٹا کر محبت اور برادری کے ایک ہی رنگ میں رنگدے۔ کل مومن اخوۃ کی دلکش صدا اُس کی پاک تعلیم کا دیباچہ تھا۔ مگر افسوس کہ مسلمانوں نے بہت جلد اُس بزرگ تعلیم کی طرف سے اپنی آنکھیں بند کرلیں اور اُس پاک روشنی سے کچھ فائدہ نہ اُٹھایا اور اُسی راستہ میں جسکے صاف اور روشن کرنے کے واسطے وہ چلے تھے خود ہی ٹھوکریں کھاکر گر پڑے ۔ ہمارے ایک بزرگ عالم اسی کیفیت پر تاسف کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ کہ "مذہب کی تاریخ کے ہر ایک فلسفیانہ طالب علم کو اس کیفیت سے اگر رنج نہ ہوگا تو حیرانی ضرور ہوگی۔ اور ہر ایک مسلمان کو جو بانیٔ اسلام کے پاک نام کا محب ہے غم اور شرمندگی ہوگی۔ افسوس کہ تمام نوع انسان کا اور العموم اُخوت کے پھیلانے والا مذہب بھی اندرونی جھگڑوں اور تفرقوں سے نہ بچ سکا اور وہ دین جو پریشان اور متفرق دنیا کو امن اور راحت بخشنے کے واسطے آیا تھا غضبناک نفسانیتوں اور قوت واقتدار کی بُری خواہشوں سے وہ خود ہی چیر پھاڑ کر پارہ پارہ کردیا گیا۔ جن بُرائیوں کی ہم مذہب عیسوی کی نسبت شکایت کرتے ہیں کہ اُس مذہب کے ناکمل ہونے اور انسانی ضروریات کے واسطے ناکافی ہونے سے پیدا ہوئیں وہ اسلام میں دنیوی قوت اور اقتدار کی حرص اور لوگوں کی انقلاب پسند طبائع اور اخلاقی قانون اور انتظام کی عدم پیروی سے پیدا ہوئی ہیں۔"[1]

اگرچہ ہر ایک تفرقہ اور ہر ایک اختلاف اور مخالفت پر افسوس ہے مگر اکثر اُن میں سے فروعی مسائل میں اختلاف اعتقادات سے پیدا ہوئی ہیں اور سوائے جہلاء کے اُن کو کوئی ضرر دینے والا نہیں بنا سکتا مثلاً سنیوں میں حنفی۔ مالکی۔ شافعی۔ حنبلی اور اُن کے بہت سے چھوٹے بڑے فرقہ اور اسیطرح شیعوں کے چند فرقہ زیدیہ۔ اسماعیلیہ۔ اثنا عشریہ یا امامیہ۔ قیسانیہ۔ غالیہ جن میں سے بعض میں مذہبی اختلافات سے بڑھکر تفرقہ ہیں اور اُن کے فرقہ ایک دوسرے کے ساتھ کم وبیش رضامند ہیں اور اپنے اختلافات کو مخالفتوں تک بہت کم کھینچتے ہیں۔ لیکن سُنی اور شیعہ وہ مہیب اور خوفناک فرقے ہیں جن کے درمیان اختلاف نہیں ہے بلکہ دشمنی اور مخالفت ہے مگر تعجب اور افسوس ہے کہ وہ دشمنی اور مخالفت جو کہ درحقیقت امور مُلکی میں اختلاف رائے ہونے سے جن کو مذہب سے کچھ تعلق نہ تھا پیدا ہوئی تھی مذہبی جامہ پہنادی گئی ہے

[1] سپرٹ آف اسلام مؤلفہ مولوی سید امیر علی صاحب۔ صفحہ ۴۲۷ ۔

اور نجات ابدی کا دار و مدار اُسپر کرلیا ہے - اِس مخالفت کو جو صدیوں تک ملکی اختلاف رائے سے بڑھکر
کسی صورت میں کم ظاہر ہوئی تھی یہ مذہبی جامہ اُس وقت پہنایا گیا جبکہ اُس کی ضرورت اور سُود مندی کا وقت گزر چکا
تھا اور اُس اختلاف کے اسباب ہی اُٹھ گئے تھے - مگر شاید واقعات کا یہی نتیجہ ہونا چاہیئے تھا ٭

اِس زمانہ میں ہمکو اپنی اِس بدبختی پر صرف افسوس کرنے پر قانع نہیں ہونا چاہیئے بلکہ علمی روشنی اور
دانشمندی کے وقتوں پر بھروسا کرکے اِس اختلاف اور مخالفت کے اسباب کو اپنی آیندہ نسلوں کے سامنے
پیش کرنے کے واسطے ظاہر کرنا چاہیئے تاکہ وہ اُسکو اُسکی صحیح حالت میں دیکھکر اُسکی اصلی وقعت سے زیادہ
وقعت اُسکو نہ دیں اور اُن تفرقوں اور دُشمنیوں کو مٹا کر جن کی صرف وراثت میں پانے کے سبب سے وہ حفاظت
کرتے ہیں - اِسلام میں پھر اتفاق اور یکجہتی پیدا کریں اور اِسلام کی مبارک نسلیں کہلانے کے مستحق ہوں - یہ کام
ہمارے زمانہ کے علماء اور خیر خواہان قوم کی مستقل تصانیف کا کام ہونا چاہیئے - ہم صرف چند لفظوں میں اُسکی
طرف اشارہ کرینگے ٭

سُنّی اور شیعہ جو آج ہمکو دو مختلف الہیئت کشتیوں میں سوار دکھائی دیتے ہیں اور جن کو کہ زمانہ کی مخالف
ہواؤں نے ایک دوسرے سے اِس قدر دُور پھینک دیا ہے اور اِس دُوری ہی کے پسند کرنے کو اُنکی
عادت اور طبیعت بنا دیا ہے درحقیقت ایک ہی بزرگ جہاز لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کے سوار
تھے - اور ایک ہی ملاح اور ناخدا کے سایہ رحمت اور حفاظت میں دنیا کے اِس پُر طوفان سمندر کو عبور کرکے نجات
پانیوالے تھے - حوادث زمانہ نے اِس جہاز کے درمیان ایک بال کے برابر سوراخ کر دیا جس نے اُس کے
سواروں کو اُسی قدر فاصلہ پر دو حصوں میں ایک دوسرے سے ہٹا دیا - وہ زمانہ دراز تک شگاف کے اندازہ
کے موافق ایک دوسرے سے ہٹتے ہوئے مگر ایک ہی جہاز پر سوار رہے یہاں تک کہ اُس مخالف اور مضر
عنصر کے جہاز میں کثرت سے بھر جانے سے جہاز کے دو ٹکڑے ہو گئے - اگر سچ پوچھو تو جہاز ڈوب گیا
جس کے ساتھ لاکھوں اور کروڑوں اہل سفینہ غرق ہو گئے - دو ٹکڑوں پر جو بچ کے رہ گئے اُن کے نام سُنّی
اور شیعہ ہوئے - دو دشمنوں کی طرح وہ ایک دوسرے سے فاصلہ پر رہتے ہیں - اگر ایک دوسرے کی طرف کبھی
بڑھتے بھی ہیں تو جنگ اور لڑائی کے لیئے - اُن کو یاد ہی نہیں رہا کہ وہ تو درحقیقت ایک ہی جہاز کے سوار ہیں جن کو
زمانہ کے بد حوادث نے جُدا کرکے دشمن بنا دکھایا ہے ٭

کیا درحقیقت سُنّی اور شیعہ کے درمیان کوئی مذہبی اختلاف ہے ؟ کیا ایک سے زیادہ خدا کی کتابیں
کسی کے پاس ہیں ؟ کیا ایک کی کتاب دوسرے کی کتاب سے مختلف ہے ؟ کیا ایک ہی نبی کی وہ اُمّت
نہیں ہیں ؟ کیا ایک ہی ہادی اعظم کے نام سے وہ فخر کرنے والے نہیں ہیں ؟ کیا اسلام کی پاک تسلیم میں
اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ کے سوائے کوئی اور شہادت بھی شارع
اسلام نے تعلیم کی تھی ؟ کیا انہیں دونوں شہادتوں کو وہ اپنی نجات کا باعث نہیں سمجھتے ؟ کیا مسئلہ ثبات صلعم

کی تعلیم سے زیادہ کوئی تعلیم داخلِ اسلام ہو سکتی ہے؟ کیا خاتم النبیینؐ کے بعد کسی اَور کو نبی بنانا اور کسی اَور تعلیم پر ایمان لانا اسلام کہلا سکتا ہے؟ اگر شیعہ اور سُنی ایک ہی خدا پر ایمان رکھنے والے اور ایک ہی فخرِ انبیاؐ کی اُمت اور انہیں کے سکھلائے ہوئے اسلام کے نام لیوا ہیں تو اُن کے درمیان مذہبی اختلاف کوئی نہیں ہے۔ فروعی اختلاف عقائد پہ ہماری نجات کا مدار نہیں ۔

شیعہ اور سُنی کی باہمی مخالفت اور دشمنی کی تاریخ اگرچہ بہت دُور پیچھے رہ رہی ہے مگر اُن کے اختلاف کے آغاز کو زیادہ سے زیادہ ہمکو حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کے زمانۂ خلافت تک لیجانا چاہئے۔ جبکہ اسلامی خلافت کے اتفاق اور یکجہتی میں تزلزل آیا اور شام میں امیر معاویہ نے ایک جُدا سلطنت قائم کرلی اور وہ اہیوائی سینکڑوں برسوں کے جھگڑے اور فساد اور کشت و خون جنگ کی اس طرح پر بنیاد پڑ گئی تھی آخرکار اسلامی خلافت کا نام صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کا باعث ہوئے۔ حضرت علی علیہ السلام کے زمانۂ خلافت کے افسوسناک واقعات زندہ رہے ہونے اور اُن کی تکالیف اور مشکلات پر بہت کچھ نوحہ خوانی ہوتی اگر بنی فاطمہ خلافت کے حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے ہوتے اور یزید اور اُس کے عمال کے بے رحم بے ترس اور ظالم ہاتھوں سے حضرت امام حسین علیہ السلام کی دردناک شہادت کا عالم آشوب واقعہ نہ ہوا ہوتا جو محبانِ اہل بیت اور آلِ رسولؐ کو قیامت تک خون کے آنسو رلائیگا آیندہ تمام زمانہ میں بنی فاطمہ کی مسلسل ناکامیابیوں اور جور برداریوں نے ان پُر درد واقعات کے زندہ رکھنے اور اُن کے راویوں کے دردناک تذکروں کو مؤثر اور جگر خراش بنانے اور اُن کی تاثیروں کو بڑھانے میں مدد دی اور خونی تلوار کے زخموں کا بدلا تیغِ زبان سے لینا شروع کیا گیا جو ایک ہی چارہ تھا ۔

اب ایک شخص جس کا دل اہل بیت کی ہمدردی اور محبت سے لبریز ہے اس پر غور کرتا ہے کہ یہ غم آلود واقعات کس طرح پر ہوئے اور اِن کا الزام کس پر لگایا جائے۔ یزید اور اُس کے عاملوں کو ظلم اور بے رحمی کا مجرم اور ملعون ٹھہرانے میں اُس کو کچھ دقت نہیں پیش آتی۔ اُس کے ظلم اور ستم آشکارا ہیں۔ کربلا کے جانسوز واقعہ کے واسطے وہ کوئی عذر نہیں پیش کر سکتا۔ امیر معاویہ کی بغاوت اور خلافت سے سرکشی کے جُرم کا بھی وہ بہت جلد فیصلہ کرلیتا ہے اور پھر اس بغاوت کے اسباب سوچتا ہے اور حضرت عثمان رضؓ کی خلافت پر کمزوری اور بنی اُمیہ کی رعایت اور امیر معاویہ کو اپنی قوت اور اقتدار بڑھانے کا موقع دینے کا الزام لگاتا ہے۔ لیکن یہاں پہنچکر بھی وہ بس نہیں کرتا اور اُس کا جوش اُس کو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی خلافت کے ناجائز ٹھہرانے اور اُن پر غصب کا الزام لگانے تک پہنچا دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اگر حضرت علیؓ ابتدا ہی میں خلیفہ ہوگئے ہوتے تو واقعات کی یہ صورت جو ایسے اندوہناک نتایج پیدا کرنے والی ہوئی پلٹ گئی ہوتی۔ ہمکو بھی اُس کے ساتھ ہمدردی ہے مگر اُس کی اس غلط منطق پر حیرت اور تعجب بھی ہے۔ کسی ایک واقعہ کے تلاش میں اتنی بلند پروازی کرنا اور اُن بزرگوں پر الزام لگاتے جانا جن کے وقتوں میں اُن واقعات کا کسی کو

خواب و خیال بھی نہ تھا ایک حیرت انگیز بات ہے۔ اور ایسا ہی ہے جیسا کہ ہندوستان کی اسلامی سلطنت کی بربادی کا افسوس کرتے ہوئے ہم بابر اور تیمور پر الزام لگائیں کہ جس سلطنت نے آخر برباد ہونا تھا اُسکی بنا اُنھوں نے کیوں ڈالی۔ وہ کون سی خلافت تھی جس کا کہ حضرت علی رضہ کو مستحق اور حضرت ابوبکر صدیق کو غاصب ٹھہرایا جاتا ہے۔ کیا وہ عرب اور شام اور ایران اور مصر کی سلطنتیں تھیں؟ یا کچھ اور تھا۔ تاریخی واقعات کو آنکھ کھول کر دیکھنا چاہیئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضہ نے خوشی اور رضامندی اور درخواست اور خواہش سے خلافت حاصل کی یا اس نازک موقع پر جبکہ خانہ جنگی شروع ہوجانے کے اسباب پیدا ہو گئے تھے مجبور ہو کر طوعاً و کرھاً اُسکو منظور کیا؟ اور جو خطرہ سامنے تھا اُسکو دفع کر کے اسلام پر احسان کیا۔ اسلامی خلافت میں اُس وقت کچھ عیش و عشرت کے سامان تھے جن کی اُن کو حرص اور طمع تھی یا ایک بہت بڑی ذمہ داری اور جوابدہی کا کام تھا کہ کوئی اُس کے منظور کرنے پر راضی نہیں ہوتا تھا؟ وہ پھولوں کی سیج تھی یا کانٹوں کا بچھونا تھا۔ اب اُسکی وسعت کو دیکھو۔ تمام عرب میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک ارتداد اور بغاوت پھیل گئی تھی ایک مدینہ باقی تھا جس کا باغیوں نے محاصرہ کیا ہوا تھا اور ہر ایک کو اسلام اور اپنی جان کے بچانے کی پڑ رہی تھی حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا چند روزہ زمانہ اُس بغاوت اور فتنہ و فساد کے فرو کرنے میں گزر گیا ✽

اُن کی وفات کے وقت صرف عرب مسلمانوں کا تھا۔ مگر اُن آتشین عنصروں سے جو ہوا کے ایک جھونکے سے ہمیشہ بھڑک اٹھنے کو تیار رہتے خالی نہیں تھا۔ اگر اچھے نتایج اچھے سبب کے ہوتے ہیں تو خلافت کا حضرت عمر رضہ ہی کے ہاتھوں میں پہنچنا اسلام اور مسلمانوں کے واسطے بہتر ہوا۔ اُن کے قوی اور زبردست ہاتھوں نے نہ صرف اعراب کی بے چین اور پُرشر طبائع کو قابو میں رکھا بلکہ شام، مصر اور ایران یعنی قیصر اور کسریٰ کی سلطنتیں فتح ہو گئیں اور وہ عظیم الشان اسلامی خلافت بن گئی جسکے حاصل کرنے کی خواہشوں اور کوششوں نے پاک اور بزرگ جانوں کے ساتھ دشمنی کی۔ پس حضرت ابوبکر رضہ اور حضرت عمر رضہ پر کوئی الزام لگایا جا سکتا ہے تو صرف یہ ہو سکتا ہے کہ اُنھوں نے بغاوت اور مفسدہ کو کیوں فرو کیا اور کیوں وہ اسلامی خلافت اور سلطنت پیدا کر دی جس کے حاصل کرنے کی کوششوں نے ایسے بڑے انقلاب دنیا میں پیدا کیئے۔ غرض اگر اسباب دنیا کے بعض نتایج کی ناراضی کے سبب سے اُن کا الزام اُن کے سبب پر لگانا (معاذ اللہ منہا) درست ہے تو حضرت ابوبکر رضہ اور حضرت عمر رضہ پر بھی الزام لگانا جائز ہے ورنہ نہیں۔ خود شیعوں کے درمیان ان امور میں باہمی اختلاف ہے اور اسی اختلاف پر مختلف فرقوں کی بنا ہے۔ مثلاً فرقۂ زیدیہ اصول انتخاب کو مانتے ہیں اور پہلے خلفائے ثلاثہ کی امامت کو درست جانتے ہیں اور اسی اختلاف کے سبب سے روافض کے نام سے پکارے گئے ہیں اسی طرح بعض فرقۂ صالحیہ اور بتریہ پہلے دو خلفا کی امامت کو درست جانتے ہیں۔ جو زیادہ سرگرم ہیں وہ سوائے

حضرت علیؓ کے کسی کی امامت کو صحیح نہیں سمجھتے۔ اور جو ان سے بھی بڑھے ہوئے ہیں وہ پہلے خلفاء ثلاثہؓ
کو خلافت کا حق غصب کر لینے کے الزام پر برے الفاظ سے یاد کرنا جزو ایمان سمجھتے ہیں۔ کہتے کہ یہ بات
بخوبی ظاہر ہے کہ ان تمام فرقوں کی بنا ملکی امور میں اختلاف ہونے پر ہے اور مذہب سے ان کو کچھ علاقہ
نہیں ہے مثلاً فرقہ زیدیہ اس اختلاف کے سبب جدا فرقہ ہوا ہے کہ وہ حضرت علیؓ اور حضرت امام حسنؓ
و حضرت امام حسینؓ اور حضرت زین العابدینؓ کے بعد امامت کا حق [illegible]
اثنا عشریہ امام محمد باقرؓ کو مانتے ہیں۔ ان بڑے فرقوں [illegible]
[illegible] کے اختلافات کے سبب سے جدا ہوئے ہیں [illegible]
[illegible] اور صالحیہ ہیں جن کو [illegible] زکیہ اور سلیمانیہ [illegible]
کے سبب یہ نام رکھے گئے ہیں [illegible]

اسی طرح دوسرے فرقوں کے آگے چند در چند فرقے ہیں [illegible] امور ملکی پر [illegible]
[illegible] بزرگوں کو حق امامت اور وراثت ارضی سمجھنے سے [illegible]
[illegible] فرقے بنا لیے گئے ہیں حالانکہ مذہب کو جس کا خلاصہ [illegible] لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ
مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰہِ پر ایمان لانا ہے ان زائد اعتقادوں سے کچھ واسطہ نہیں۔

سنیوں کے فرقے شیعوں کے فرقوں سے مختلف [illegible] ایک ملکی اختلاف
کے سبب سے علیحدہ ہوئے اور آئندہ اسی قسم کے اختلافات [illegible] بزرگوں نے
سلطنت حاصل کرنے کی ناکامیاب یا جزوی کامیاب کوششوں میں مصروف ہوتے رہے [illegible] ان کے
بعد جدا فرقے ہوتے گئے۔ اگرچہ مسائل فروعی میں اختلاف اجتہاد کے سبب سے سنیوں میں مختلف
فرقے ہیں۔ مگر زیادہ ممتاز یہی فرقے ہیں جو امور ملکی میں ایک دوسرے سے مختلف الرائے ہیں۔ سنیوں
کے فرقوں کی تفریق مسائل اجتہادی کے اختلاف پر مبنی ہے سلطنت کی [illegible] مختلف علماء
و اماموں کے اجتہاد کا معتقد ہونے کے سبب سے ان کے مختلف فرقے ہو گئے۔

اب ہم ابتدائی خلافت کے استحقاق وغیرہ کی نسبت چند کلمات کہیں گے۔ ایک عقلمند اور دانشمند کو
سب سے پہلے سید احمد خاں صاحب کے اس قول کو جس کو وہ ان الفاظ سے شروع کرتے ہیں کہ "مذہب
اہل سنت و جماعت اور شیعہ اثنا عشریہ میں جو مباحث افضلیت خلافت خلفاء اربعہ کے ہیں اور مذہب خوارج
میں جو عقاید بہ نسبت شیخین و اہل بیت کی نسبت اور مذہب نواصب میں علی مرتضیٰ اور اہل بیت کی نسبت ہیں سب
بیہودہ و لغو مباحث و عقاید کوئی نہیں ہیں" تسلیم کر لینا چاہیئے کہ "استحقاق خلافت آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کا من حیث النبوۃ کسی کو بھی نہ تھا۔ اس لیئے کہ خلافت فی النبوۃ تو محالات سے ہے باقی رہ گئی
خلافت فی ابقاء صلاح امت و اصلاح تمدن۔ اس کا ہر کسی کو استحقاق تھا جس کی چل گئی وہی خلیفہ ہو گیا۔ خلافت

بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کوئی امر منصوص نہ تھا نہ کسی شخص خاص کی خلافت اسلام کا کوئی جزو یا کوئی حکم تھا
اس کے بعد یہ بحث کرنی چاہیئے کہ خلافت کس کا حق تھا۔ مگر جس وقت ہم یہ بحث کرنے لگیں اُس وقت
پہلے ہمکو یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ خلافت کے استحقاق کا فیصلہ کرنے کے واسطے قوانین تمدن میں جو مختلف اصول
اختلافات کے ہیں اُن میں سے کون سے اصول کی بنا پر ہم یہ فیصلہ کر رہے ہیں۔ انتخاب کی بنا پر یا وراثت
کے اصول پر۔ وراثت کا اصول عموماً ہمارے دلوں پر قبضہ کیئے ہوئے ہے اور اُسی کو مدنظر رکھکر ہم فیصلہ
کرنے کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ وراثت کے اصول کے لحاظ سے تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد دنیوی
خلافت کا حق نہ حضرت ابوبکرؓ کو تھا' نہ حضرت عمرؓ کو' نہ حضرت عثمانؓ کو' نہ حضرت علیؓ کو۔ سب سے پہلے حضرت
امام حسنؑ اور اُن کے بعد حضرت امام حسینؑ کا حق تھا۔ اُن کے بعد اُن کی اولاد کا۔ بلاشبہ عرب کے واسطے
یہ سب سے بہتر اصول ہوتا اگر اسکو اختیار کر لیا جاتا۔ مگر عرب میں اُس وقت سیاست مدن کا جو طریقہ تھا وہ
اس سے بالکل مختلف تھا۔ نہ پورا جمہوری تھا' نہ شخصی۔ نہ پورا انتخابی تھا' نہ موروثی۔ اسلام نے تو اسکی
نسبت کوئی حکم نہیں دیا تھا اور کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا۔ قدیم عرب اور خصوصاً حجاز میں جو طریقہ اسلام سے پہلے
ایک مدت سے چلا آتا تھا اسلامی مساوات نے اُس کی تائید کی اور کسی قدر تبدیل صورت کے ساتھ
وُہی دخیل اور مروّج رہا۔ پس اب جو فیصلہ ہمکو استحقاق خلافت کا کرنا چاہیئے وہ اُسی ایک غیر معین سے
اصول کی بنا پر کرنا چاہیئے ؛

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو انتظام امور دنیا کے ساتھ کچھ تعلق نہ تھا۔ اُن کا پاک منصب اس سے
بہت بلند اور برتر تھا۔ عرب کے قدیم دستور کی وجہ سے اگر وہ مسلمانوں کے درمیان امور دنیا میں سردار
ہونے پر مجبور نہ ہوتے اور مسلمان اپنے امور میں اُن کو اپنا مرجع نہ بنا لیتے تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
دُنیوی امور کے انتظام وغیرہ میں کچھ دخل نہ دیتے۔ امور دنیا سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر اسدرجہ
اپنی بے تعلقی ظاہر فرمائی کہ امور دنیا کے انتظام کے واسطے اپنے اصحاب میں سے کسی کو اپنا خلیفہ یا
جانشین موسوم کرنے سے پرہیز فرمایا +

حضرت ابوبکرؓ کے لیئے نماز میں امامت کا حکم فرمایا جو مسلمانوں کے امور کا مذہبی حصہ تھا۔ اور گو اس سے
اُن کے امور دنیا میں خلیفہ ہونے کا پہلو نکلتا تھا مگر آنحضرت صلعم کا کوئی صریح فیصلہ اس امر کی نسبت نہیں تھا
جو درحقیقت دانستہ اُنہوں نے نہ فرمایا ؛

حضرت ابوبکرؓ کے انتخاب کی بنا جس واقعہ سے ہوئی اُس وقت کوئی خاص اصول انتخاب وغیرہ کا
مرعی نہیں رکھا گیا۔ حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کو چند ساعتیں ہی گزری تھیں اور اصحاب
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ابھی حضرت سرور کائنات کی تکفین و تدفین کی فکر کر رہے تھے کہ اُن کے پاس
خبر آئی کہ انصار یعنی اصحاب مدینہ سقیفہ بنی ساعدہ میں اس غرض سے جمع ہوئے ہیں کہ اپنے میں سے ایک شخص کو

امیر اور خلیفہ منتخب کریں - اسلام کا اتفاق اور یکجہتی سخت خطرے میں پڑ گئی تھی - حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ باوجود خطرہ کے سقیفہ بنی ساعدہ کی طرف دوڑے اور حضرت ابو عبیدہ راستہ میں اُن کے ساتھ ہو لیے انصار نے سعد بن عبادہ کو موسوم کر بھی لیا تھا - ابھی اُس کے ہاتھ پر بیعت نہیں ہوئی تھی کہ یہ تینوں اصحاب مجمع انصار میں پہنچ گئے اور بہت دقت کے بعد اُن کو اپنے ارادہ سے باز رکھنے میں کامیاب ہوئے انتخاب خلیفہ کی نسبت حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ حضرت عمرؓ یا حضرت ابو عبیدہ میں سے ایک کو منتخب کر لو - حضرت عمرؓ اور حضرت ابو عبیدہ رضؓ نے کہا کہ نہیں حضرت ابوبکرؓ اس کے لائق ہیں اُن کو منتخب کر لو - اگر حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ وہاں موجود ہوتے تو وہ بھی ایک دوسرے کی نسبت یہی کہتے اور خود اُس بوجھ کے اٹھانے پر راضی نہ ہوتے چہ جائیکہ درخواست اور خواہش کرتے - اُس وقت رفع تفریق اور فساد کے واسطے حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھوں پر بیعت کر لی اور انصار نے اُن کی مثال کی پیروی کی اور آخر عام طور پر اُن کے ہاتھ پر بیعت ہو گئی - حضرت ابوبکرؓ کا زمانہ خلافت بغاوت اور فساد کے دفع کرنے میں گزر گیا جس میں تمام اصحاب رسول اللہ دل و جان سے شریک تھے - اپنے زمانہ خلافت میں حضرت ابوبکرؓ کو حضرت عمرؓ سے سب سے زیادہ مدد ملی - اُن کی قابلیت اور قوت کے سب قائل تھے - حضرت ابوبکرؓ نے اپنی وفات کے وقت اُن کو اپنا جانشین موسوم کیا اور مسلمانوں سے بیعت کرائی - حضرت ابوبکرؓ کے اس انتخاب کی عمدگی حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت کی کامیابیوں سے ظاہر ہے جس میں حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ اور تمام اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم شریک اور مشیر اور صلاح کار اور معاون اور معین تھے - حضرت عمرؓ کو اپنی ناگہانی وفات کے باعث اپنی جانشینی کے متعلق کوئی قطعی اور قابل اطمینان فیصلہ کرنے کا موقع نہیں ملا - انہوں نے اصحاب رسول اللہ میں سے چھ شخصوں حضرت عثمانؓ - حضرت علیؓ - عبدالرحمنؓ - سعدؓ - زبیرؓ اور طلحہؓ کو ایک شخص کو منتخب کرنے کے واسطے اس خیال سے مقرر کیا کہ ان سب کے اتفاق اور تائید سے جو خلیفہ ہوگا اُس کی نسبت پھر کوئی جھگڑا اور اختلاف نہ ہوگا - حضرت علیؓ ایک گونہ شخصی خلافت کے خواہشمند تھے وہ منتخب نہ ہوئے اور حضرت عثمانؓ منتخب ہوئے - حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں اُن کی طبیعت کی نرمی اور انتظام خلافت میں نرمی اور کوتاہی سے کام لینے سے سیاست مدن اور انتظام سلطنت کے تمام اصول درہم برہم ہو گئے - اور آخر حضرت عثمانؓ مسلمانوں کے بے رحم ہاتھوں سے ذبح کیے گئے اور اُن کی خلافت کا خاتمہ ہو گیا حضرت علیؓ اُن کے جانشین ہوئے - حضرت عثمانؓ کے قتل کا اُن کے قاتلوں سے بدلا لینے کے واسطے بغاوت ہوئی اور امیر معاویہ نے حضرت علی کی خلافت کو تسلیم کرنے سے بظاہر اسی وجہ سے انکار کیا کہ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں سے بدلا لیا جائے - حضرت علیؓ اس پر قادر نہیں تھے - اعراب کوفہ کو اپنا مخالف بنا لینا جن میں حضرت عثمانؓ کے قاتل بھی تھے حضرت علیؓ نے اُس وقت تک جب تک کہ اُن کی خلافت کو پورا استحکام حاصل نہ ہو جائے مناسب نہیں سمجھا اور بدلا نہ لیا گیا - امیر معاویہؓ کو شام میں اپنی جدا خلافت قایم کر لینے کا موقع

بگڑ گیا اور وہ جُدا ہو گئے۔ باہم صلح اور صفائی ہونے کی کوششیں بے سُود ثابت ہوئیں اور ہتھیار اُٹھانے تک نوبت پہنچی۔ اگرچہ جمل کی لڑائی میں پہلے مسلمان مُسلمانوں کے خلاف ہتھیار اُٹھا چلے تھے مگر اتنی بڑی خونخوار لڑائی جس میں صفین پر چالیس ہزار مسلمان مُسلمانوں کے ہاتھ سے قتل ہوئے پہلی ہی تھی۔ حضرت علیؓ کو فتح حاصل ہو گئی تھی اگر عمرو بن العاص کی خطرناک حکمت اپنا کام نہ کر گئی ہوتی۔ طرفین سے ایک ایک شخص حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کے درمیان فیصلہ کرنے کے واسطے منصف مقرر کیا گیا ابو موسیٰ حضرت علیؓ کی طرف سے اور عمرو بن العاص امیر معاویہؓ کی طرف سے۔ عمرو بن العاص نے ابو موسیٰ کی سادگی سے فائدہ اُٹھا کر اُس سے کہلا دیا کہ حضرت علیؓ اور امیر معاویہ دونوں خلافت سے معزول کر دیئے جائیں اور خود اُس نے ابو موسیٰ کی توقع کے خلاف امیر معاویہ کو خلیفہ پکار دیا۔ ایسی حکمت اور تدبیر سے حضرت علیؓ اپنے حق سے معزول نہیں کیئے جا سکتے تھے۔ وہ کوفہ میں جسکو اُنہوں نے مدینہ کو چھوڑ کر دارالخلافت بنا لیا تھا خلیفہ رہے۔ شام اگرچہ ایک خود مختار اور جُداگانہ صُوبہ بن گیا تھا مگر حضرت علیؓ شام کو فتح کرنے کے واسطے پھر تلوار سے کام لینا چاہتے تھے لیکن کوفہ کے اعراب نے جنگی بے ضبط اور سرکش طبائع کو حضرت علیؓ کی ابتدائی صلاحت اور نرمی نے جو اُنہوں نے حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلہ نہ لینے بلکہ اُن کے قاتلوں کے سرگروہ اور مالک بن اشتر کو اپنی فوج کا سردار بنا دینے سے ظاہر کی تھی اور بھی گستاخ کر دیا تھا اور اُنہوں نے اُن کا ساتھ دینے میں پس و پیش کی اور حضرت علیؓ اپنے اِس ارادہ کو چھوڑ دینے پر مجبور ہوئے۔ پچھلے دنوں میں اُن کو مصر کی اُن کی خلافت سے علیحدگی کا رنج برداشت کرنا پڑا اور آخر اُن کی پاک زندگی کا ایک خوارج کی زہر آلود خنجر نے خاتمہ کر دیا جس نے اپنی گہری سازش سے امیر معاویہ اور عمرو بن العاص امیر مصر کو بھی اُسی روز دو مقرر کیئے ہوئے شخصوں سے قتل کرانا چاہا تھا۔ مگر امیر معاویہ اپنے قاتل سے زخمی ہو کر اور عمرو بن العاص صاف بچ گئے تھے۔ حضرت امام حسنؓ نے اُمت رسُول اللہ سے اس فتنہ اور فساد کے دُور کر دینے کے واسطے تمام خلافت امیر معاویہ کے سپُرد کی اور خود گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی۔ اور اُس کے بعد مدت تک اس دار فانی میں زندہ نہ رہے۔ امیر معاویہ نے دنیا داری اور دنیا پرستی کا ثبوت آخر اپنے بیٹے یزید کو اپنا جانشین مقرر کرنے اور اُس کے ہاتھوں بیعت کرانے سے دیا جس کے نام پر سے حضرت امام حسینؓ کی المناک شہادت اور آل رسُول اللہ پر ظلم ہونے کے پُر درد واقعہ کا داغ قیامت تک نہ اُٹھیگا۔

یہ وہ تاریخی واقعات ہیں جو چند الفاظ میں ہم نے بیان کر دیئے ہیں اور جو مسلمانوں میں ایک ایسی خوفناک مخالفت اور تفرقہ پیدا کرنے کا باعث ہوئے ہیں۔ ان کے درمیان وہ صدہا واقعات ہیں جن میں بہت کچھ گفتگو کی گنجائش ہے۔ مگر حاشا جو ہم اُسکی طرف متوجہ ہوں۔ درحقیقت خلفاء اربعہ کی نسبت افضل اور مفضول کی بحث کرنے سے زیادہ لغو اور بیہودہ کوئی مباحثہ نہیں ہے۔ اور درحقیقت کوئی ضرورت

فائدہ اس سے نہیں ہے۔ سرسید کے اس قول سے بہتر کچھ کہا نہیں جا سکتا کہ "نہ تقدم خلیفہ ہونے میں
کوئی وجہ افضلیت تھی نہ موخر خلیفہ ہونے میں کوئی وجہ منقصت۔ یہ تمام واقعات اسی طرح پر واقع ہوئے
تھے جیسے کہ ہمیشہ دنیا میں واقع ہوتے ہیں۔ اسلام سے ان واقعات کو کچھ تعلق نہ تھا کہ کسی کو غاصب
اور کسی کو برحق بلافصل کہنا لغو باتیں ہیں" افضلیت کے مباحث میں جو دلائل اور وجوہات استعمال
کیے جاتے ہیں وہ اور بھی حیرت انگیز ہیں۔ تقرب الی اللہ۔ تقرب رسول اللہ اور خدمات اسلام۔ انکو
معیار افضلیت قرار دینا سب سے پہلی غلطی ہے۔ تقرب الی اللہ اور تقرب رسول اللہ جس سے مطلب
ہمارا روحانی تقرب ہے۔ ان کے تولنے کے واسطے ہمارے پاس کوئی ترازو نہیں ہے جس سے ہم
ان کے اعمال کو بھاری اور ایک کو ہلکا ٹھہرا سکیں۔ خدمات اسلام میں بھی ان کے حالات اور حیثیتیں
مختلف ہیں۔ کسی کی قوت سے اسلام کو تقویت ہوئی۔ کسی نے مصائب میں ساتھ دیا۔ کسی نے اپنے
اور اپنی جان سے خدمت کی۔ درحقیقت وہ بھی اسلام پر اپنی جانیں قربان کرنے کے لیے یکساں
تیار تھے۔ جو جس طرح کے امتحان میں ڈالا گیا اس میں پورا اترا۔ اب اس میں سے ایک کی ترجیح اور فضیلت کی
بحث کرنا کیسا فضول کام ہے۔ پہلے اور پیچھے اسلام لانے میں بھی کوئی وجہ افضلیت نہیں تھی۔ جناب
رسول اللہ نے ان کی خدمات اور جاں نثاریوں کو دیکھ دیکھ کر مختلف اوقات اور مختلف مواقع پر ان کی
تعریف میں کلمات ارشاد فرمائے ہیں جن سے سب کی یکساں تعریف اور فضیلت ظاہر ہوتی ہے۔ تعجب
ہے کہ اس زمانہ کے بزرگ علماء کو بھی ہم اسی دلدل میں پھنسا ہوا اور ایسی ہی احادیث سے ایک کو
دوسرے سے افضل ٹھہراتے اور مستحق خلافت قرار دیتے ہوئے دیکھیں جس سے بڑھکر نادانی کی بات
کوئی نہیں ہو سکتی۔ بفرض محال ہم مان لیتے ہیں کہ ان احادیث سے ایک کی دوسرے پر افضلیت ثابت
ہوتی ہے اور یہ بھی ثابت ہو سکتا ہے کہ تقرب الی اللہ اور تقرب رسول اللہ اور خدمات اسلام میں ایک
دوسرے سے افضل تھا۔ لیکن کیا یہ افضلیت استحقاق خلافت کی دلیل ہو سکتی ہے۔ کیا وہ خدا کی عبادت اور
خدا کی پرستش اور رسول اللہ کی محبت اور دین کی خدمت دنیا حاصل کرنے کی توقع سے کرتے تھے۔ کیا
رسول اللہ کے ان کلمات اور الفاظ کا صلہ جو انہوں نے ان کے مناقب میں فرمائے ہیں دنیا کی دولت
اور حکومت سے حاصل کرنا چاہتے تھے۔ کیا اپنے دین اور اسلام کی بزرگیوں کا انعام وہ دنیوی خلافت
سمجھتے تھے۔ ان کے تقرب الی اللہ یا تقرب رسول اللہ یا خدمات اسلام میں افضل ہونے سے ان کو
دنیوی خلافت کا مستحق ٹھہرانا گویا ان پر دین فروشی کا الزام لگانا ہے جس سے بڑھکر کوئی نالائقی نہیں
ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو ان کو رشتے اور قرابتیں تھیں وہ بھی ایک حیثیت کی
نہیں تھیں۔ رشتہ میں کوئی خسر تھا اور کوئی داماد تھا۔ ان مختلف حیثیتوں سے کسی کی افضلیت
نہیں ثابت کیجا سکتی۔ اس کے علاوہ شیعہ علماء نے بعض خاص شرائط اور قواعد استحقاق

خلافت کے واسطے مقرر کیئے ہیں۔ مگر وہ شرائط اور قواعد اُس وقت مقرر کیئے گئے ہیں جبکہ اسلامی خلافت دنیا سے گزر چکی تھی اور اِس نئے قانون کی کوئی ضرورت نہ تھی تعجب ہے کہ ایک شخص صدیوں پہلے کے گزرے ہوئے واقعات کی اصلاح کے واسطے اب قواعد اور قانون بنائے اور عرب کے اُس زمانہ کے سیاست مدن کی غلطیاں خلفاء کی فضیلت ثابت کرنے کے واسطے نکالے۔ ہم بھی مان لیتے ہیں کہ بے شک استحقاق خلافت کیواسطے ایسی ہی شرائط اور قواعد ہونے چاہیئے تھے مگر اس سے فایدہ نہ

اِن سب سے بڑھکر ہم ایک اَور حیرت انگیز امر دیکھتے ہیں جو صرف حیرت انگیز اور تعجب خیز ہی نہیں ہے بلکہ اِس لائق ہے کہ ایک مسلمان اُس کو دیکھکر اور سُن کر روئے اور فریاد کرے اور سر پیٹے کہ دُنیا کے جھگڑوں نے اُن پاک بزرگوں کی بزرگی پر بھی بد نما دھبے لگائے بغیر نہیں چھوڑا۔ شیعہ علما نے (ہم اُن کو عُلماء اُن کے ادب کے سبب سے کہتے ہیں ورنہ وہ لوگ پرلے درجہ کے جُہلاء تھے جنہوں نے مُسلمانوں کے درمیان تفرقہ اور فساد پیدا کرنے کے واسطے ایسے کام کیئے ہیں) ایک سلسلہ احادیث اور روایات کا پیدا کیا ہے جس میں اُنہوں نے یہ بیان کیا ہے کہ خلفاء اور اصحاب کبار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دلوں میں دُشمنی اور کینہ اور بغض اور عداوت اور ایک دوسرے سے نفرت اور نفاق تھا یہاں تک کہ اُن کا اسلام ہی نفاق تھا۔ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی وہ منافقانہ برتاؤ کرتے تھے اور اُن کے آزار کے درپے تھے اور درپردہ دُشمن رہتے تھے اور اسی بنا پر اُنہوں نے بزرگان دین کی نسبت کافر اور مرتد اور منافق کے لفظ استعمال کرنے کی جرأت کی ہے۔ درحقیقت ایک مسلمان کے روبرو جو ایک ذرہ کے برابر بھی عقل رکھتا ہے ایسی نالایق باتوں کا جواب دینے کی کوشش کرنا بجائے خود حماقت ہے۔ اب ایسے سادہ لوح لوگوں کا زمانہ گذر گیا ہے جن پر اِس قسم کی لغو اور بیہودہ روایتوں اور تدبیروں کا جادو چل جاتا تھا اور وہ اُن کو سچ مان لیتے تھے یا اُن سے متاثر ہوتے تھے ایک واقعہ ہم بطور مثال کے بیان کرتے ہیں۔ اصحاب کبار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان جو برادری اور محبت اور اتفاق اور اتحاد تھا اُس کے رُو سے یہ کوئی غیر معمولی بات نہ تھی کہ اُن کے درمیان رشتہ اور قرابتیں ہوں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں حضرت علیؓ کی بیٹی حضرت ام کلثومؓ سے جو حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطن سے تھیں نکاح کیا تھا۔ جو لوگ اُن بزرگان دین کے درمیان دُشمنی اور عداوت کا ہونا بیان کرتے ہیں اور اصحاب کبار کو معاذ اللہ منہا کافر اور منافق اور مرتد کہتے ہیں اُنہوں نے اِس واقعہ سے انکار کرنے کی عجیب وغریب کوششیں کی ہیں۔ بعض نے اِس نکاح کے ہونے سے سرے سے انکار کیا ہے۔ کوئی اُم کلثوم کے بنت مرتضوی ہونے ہی کا منکر ہے۔ کسی نے نکاح پر غصب کا اطلاق کیا ہے۔ کوئی بعد نکاح ہونے کے ہم بستری ہونے سے منکر ہے اور

سنی عجیب بات سکتے ہیں کہ ایک جن بشکل حضرت ام کلثوم حضرت عمرؓ کے پاس آئی تھی اور بعض
... سے بھی زیادہ عجیب بات کہتے ہیں کہ ابتدا ہی میں جب حضرت علیؓ نکاح کر دینے کو مجبور کیے گئے
... جنیہ سے جو ام کلثوم کی شکل بن کر آئی تھی نکاح کرا دیا۔ بعض اس کو حضرت علیؓ کا انتہا درجہ کے صبر پر
... محمول سمجھتے ہیں۔ بعض اس کو تقیہ بیان کرتے ہیں۔ مگر اس سیدھے سادے صحیح واقعہ کے سامنے
... کہانیاں لغو اور بیہودہ ہیں۔

اس قسم کی غلط اور جھوٹی روایتوں کے پھیلانے اور ایجاد کرنے سے مطلب یہ تھا کہ ان کے
سننے والوں کو اصحاب کبار کے برا سمجھنے اور ان کے حق میں ناشایستہ الفاظ استعمال کرنے کی جرأت ہو اور
ان کی اصلیت ہم ایک واقعہ سے بطور مثال کے سمجھ سکتے ہیں۔ مسٹر سید احمد خاں صاحب بیان کرتے ہیں
ایک میرے صاحب دوست شیعہ مذہب تھے۔ ان کے ہاں ایک چھوٹا بچہ تھا جس کو ایک بکری کا بچہ
... اتھا اور وہ خوب اس سے ہل گیا تھا۔ ایک دن اس بکری کے بچہ کو ذبح کر ڈالا۔ اور وہ چھوٹا بچہ خوب
رویا۔ اس کے باوا نے اس سے کہا کہ عمرؓ یہ کام کر گیا ہے وہ بچہ عمرؓ کو برا بھلا کہتا تھا۔ یہ کام صرف اس لیے
... تھا کہ بچپن ہی سے اس کے دل میں عمرؓ کی عداوت اور ان کے نام سے نفرت پیدا ہو۔ یہی اصلیت
ان روایتوں اور کہانیوں کی ہے جن میں اصحاب کے درمیان باہمی دشمنی اور عداوت ہونا بیان کیا جاتا
ہے اور یہی چیز مذہب کا مدار ہو گیا ہے اور جزو مذہب بنائی گئی ہیں۔

جیسے کہ شیعوں میں جھوٹی اور غلط روایتیں اور حدیثیں بنائی گئی ہیں اسی طرح سنیوں میں بھی جھوٹی اور
... حدیثیں وضع کی گئی ہیں جن میں اول حضرت ابوبکرؓ اور پھر حضرت عمرؓ اور پھر حضرت عثمانؓ اور پھر
حضرت علیؓ کے خلیفہ ہونے کا بیان آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے منسوب کیا گیا ہے بلاشبہ یہ حدیثیں
... وقت وضع کی گئی ہیں جبکہ ان کے موضوع اس دنیا سے رحلت فرما گئے تھے۔ مگر دونوں فرقوں کی وضعی
حدیثوں میں اتنا فرق ہے کہ شیعوں کی حدیثیں اور روایتیں فتنہ اور فساد پیدا کرنے والی تھیں اور سنیوں
کی فتنہ اور فساد کو مٹانے کی غرض سے دروغ مصلحت آمیز کی مانند تھیں مگر اہل بصیرت کے نزدیک نہ پہلی قسم
کی روایتوں کی اب کچھ وقعت ہوگی اور نہ دوسری قسم کی احادیث کی کوئی ضرورت۔ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم باہم شیر و شکر کی طرح تھے اور ایک حدیث سے جو نہایت سچی ہے اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے
کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دن حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اصحاب
کے ساتھ متفق بیٹھا ہوا تھا۔ حضرت عمرؓ ہمارے پاس سے گزرے اور سلام کہا۔ میں فکر میں ڈوبا ہوا تھا
میں نے سلام نہ سنا اور جواب نہ دیا۔ حضرت عمرؓ نے اس کی شکایت حضرت ابوبکرؓ کے پاس کی وہ یہ سنکر
ان کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے اور دونوں میرے پاس آئے اور سلام علیک کہکر حضرت ابوبکرؓ نے
مجھ سے کہا کہ تم نے اپنے بھائی کے سلام کا جواب کیوں نہیں دیا۔ پہلے تو میں نے کہا کہ انہوں نے

سلام نہیں کہا مگر آخر اپنے فکر میں مستغرق ہونے کے عذر سے معافی چاہی - یہ حال تھا اُن بزرگان دین کا کہ ادنیٰ فہم کی ذرا سی بات کو گوارا نہیں کرتے تھے چہ جائیکہ اُن میں بغض اور عداوتیں ہوں *

حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانۂ خلافت میں حضرت علی علیہ السلام اُن کے دست وبازو اور معین اور مشیر اور صلاح کار تھے - رتبہ میں وہ ایک دوسرے کے مساوی اور مساویانہ برتاؤ کرتے تھے - حضرت عمرؓ اپنے زمانۂ خلافت میں ایک دن کسی مسئلہ میں کچھ دریافت کرنے کے لیئے حضرت علیؓ کے مکان پر گئے - اور ادمی بھی ساتھ تھے - جب وہاں پہونچے تو حضرت علیؓ نے کہا یا امیر المومنین مرحبا - اور اُن کی بات سن کر فرمایا کہ آپ نے مجھے وہیں کیوں نہ بلا لیا - حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ میں خود آنے کو اچھا سمجھتا ہوں[1] *

حضرت امام حسنؑ اور امام حسینؑ سے حضرت عمرؓ کو اس درجہ محبت تھی کہ اپنی اولاد سے نہتھی ایک دن نہ دیکھتے تھے تو چین نہیں پڑتی تھی - اُن کے حالات سے یہ بخوبی معلوم ہو جائیگا - اگر یہ ایک لمحہ کیواسطے بھی سچ مان لیا جائے کہ اصحاب کبار کے درمیان باہم دشمنی اور عداوت تھی تو حقیقت یہ اسلام اور شارع اسلام کی تعلیم پر ایک الزام اور سخت حملہ ہے *

اگر اسلام یہی تھا اور اُس کی تعلیم یہی تھی کہ وہ مسلمانوں کے سرتاج اُن سب سے پہلے مسلمانوں کو جنہوں نے خود حضرت سرور کائنات سے تعلیم پائی تھی سوائے بداخلاقی کے کچھ نہ سکھا سکا اور اُس اُخوت اور برادری کی بجائے جس کی وہ تعلیم کرتا تھا بغض اور عداوت اور کینہ ہی دلوں میں پیدا کرتا رہا تو ایسے اسلام کو سلام ہے - ایسا اسلام ایک لمحہ کیواسطے دنیا میں سچا سمجھا جانے کے لائق نہیں ہے اور نہ وہ انسان کی کسی مرض کی دوا ہو سکتا ہے - مگر خدا کی قسم ہے کہ اسلام کسی ایسے الزام اور بہتان سے پاک ہے *

خلافت حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے نزدیک ایسی تھی کہ خوشی سے اُس کو منظور نہیں لیا تھا افسوس سے اُس کو چھوڑا نہیں - اُس کو اتنا بڑا ذمہ واری اور جواب دہی کا کام سمجھتے تھے کہ بسا اوقات خوف خدا سے روتے تھے - خلافت سے جو اُنہوں نے حظ اور آرام اٹھایا وہ اُن کے حالات سے معلوم ہو جاوے گا - انگریزی مورخ لکھتا ہے کہ "خلافت کی ذمہ واری کا حضرت عمرؓ کی طبیعت پر اتنا بوجھ تھا کہ اُن کو یہ کہتے ہوئے لوگ سنتے تھے کہ "کاش میری ماں مجھ کو نہ جنتی اور کاش میں ایک گھاس کا تنکا ہوتا" *

اَب یہ بات کہ خلفاء سے امورِ خلافت میں غلطیاں ہوئی ہیں یا نہیں کچھ شور و غل اور بحث کرنیکے

---

[1] ازالۃ الخفا باب تصوف وسلوک ۱۲

لائق اہانت نہیں ہے۔ انسان غلطی کرتا ہے اور اُن سے غلطیاں سرزد ہوئی ہونگی ؛

سرسید احمد خاں صاحب لکھتے ہیں کہ "مطاعن صحابہ ایک ایسا لغو اور بیہودہ اور چھوٹا کام ہے جسکے بار دنیا میں دوسرا نالائق کام نہیں ہے۔ نہ ہمارے پاس صحیح صحیح واقعات موجود ہیں جو یقین کے لائق ہوں اور اگر بالفرض واقعات بھی ہوں تو وہ کیفیت اور حالات جن پر باہم صحابہ کے مشاجرات واقع ہوئے مگر ہماری آنکھ کے سامنے نہیں ہیں۔ پس جو لوگ صحابہ کے مطاعن پر بحث کرتے ہیں وہ بلاکافی شہادت اور بلاموجودگی روئداد کے اپنا فیصلہ قائم کرتے ہیں۔ علاوہ اس کے انسان سے غلطی اور خطا کا واقع ہونا خصوصاً ایک ایسی بڑی سلطنت کے انتظام میں جو صحابہ کے ہاتھ میں تھی ایک ایسا امر ہے جو ناگزیر ہے۔ صحابہ معصوم نہ تھے اگر بالفرض اُن سے غلطیاں وقوع ہوئی ہوں تو کیا آفت ہوئی اور کیوں بری سمجھی جائیں۔ اگر انہیں برائیوں پر موجود ہیں نکتہ چینی کا مدار ہو تو اُس نکتہ چینی سے نہ حضرت علی مرتضیٰ علیہ السّلام بچتے ہیں نہ خلفاء ثلاثہ اور ہم تو اوجود تسلیم کرلینے اُن نکتہ چینیوں کے جو خوارج و نواصب اور شیعہ اُن بزرگوں کی نسبت پیش کرتے ہیں اُن میں سے کسی بزرگ کو بُرا اور بدخیال نہیں کرتے۔ وہ تمام واقعات ایسے ہی ہیں جو دنیا میں ہمیشہ پیش آتے ہیں وہ ہوئے ہوں یا نہ ہوئے ہوں اُن سے نہ اُن بزرگوں کی بزرگی میں کچھ نقصان لازم آتا ہے اور نہ مذہب اسلام کو اُن سے کچھ تعلق ہے۔ درحقیقت اُن علماء کی رائے نہایت قابل قدر ہے جو ان مباحث کی اجازت نہیں دیتے اور اُن کی نسبت خاموشی اختیار کرنا بہتر سمجھتے ہیں۔ اگر مخالفت اور نکتہ چینی کو اصول بناکر کسی کی طرف دیکھا جاوے تو کوئی بھی دنیا میں نہیں بچ سکتا۔ خود حضرت فخر انبیاء کی ذات پاک مخالفین کی نکتہ چینی سے نہیں بچی اور جس حال میں کہ خلفاء کے حالات کو مذہب اسلام سے کچھ تعلق نہیں ہے پس اُن کے حالات سے بحث کرنا اور اسلام میں تفرقہ ڈالنا نہایت نقصان دینے والا امر ہے۔ بقول سرسید احمد خاں صاحب کے کہ "جو امور مذہب اسلام سے علاقہ رکھ سکتے تھے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ختم ہوگئے اور جو واقعات اُن کے بعد ہوئے اُن کو مذہب اسلام سے کچھ تعلق نہیں ہے نہ وہ مذہب اسلام کے جزو ہیں نہ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ کے بعد اَشْهَدُ اَنَّ اَبَابَکْرِ الصِّدِّیْقَ اَوَّلُ خَلِیْفَۃِ رَسُوْلِ اللّٰهِ کہنا ہمارا جزو ایمان ہے اور نہ اَشْهَدُ اَنَّ عَلِیًّا وَّلِیُّ اللّٰهِ وَصِیُّ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَخَلِیْفَۃٌ بِلَا فَاصِلَۃٍ ماننا ہم کو ضروری ہے بلکہ اسلام کے لیئے پہلی ہی دو تشہد کافی ہیں"

سُنّی اور شیعہ کے اختلاف کے تاریخی حالات کو جو محض مُلکی امور اور واقعات پر مبنی تھا اور رفتہ رفتہ عداوت اور دشمنی کی صورت پکڑ گیا اور اِس بات کو کہ مُسلمانوں کو اِس سے کس قدر نقصان پُہنچا ہم بہت اختصار کے ساتھ بیان کرینگے۔ زیادہ تفصیل سے بیان کرنے کی گنجائش نہیں ہے ؛

اسلام نے تو کوئی اِس قسم کا اختلاف اور تفرقہ پیدا نہیں کیا تھا۔ بلکہ اُس کا کام تو دنیا کے تمام تفرقوں کو

مٹاتا تھا اور اُس نے اپنی وسعت کے اندر مٹا دیئے تھے۔ پہلے دونوں خلفاء کے زمانۂ خلافت میں بھی اس قسم کے کسی تفرقہ کو تعلق نہیں ہے۔ حضرت عثمانؓ کی خلافت میں ان آنے والے واقعات کی بنیاد رکھی گئی کہ امیر معاویہ کو اس قدر اقتدار اور قوت حاصل ہوگئی کہ حضرت عثمانؓ کے قتل کا بدلہ لینے کے عذر کہ خلافت سے بغاوت کریں۔ اس میں بھی کچھ شبہ نہیں ہے کہ حضرت عثمانؓ کے قتل کے واقعہ اور اُس کا بدلہ نہ لیئے جانے نے ایسے اشتعال کے اسباب پیدا کردیئے تھے جن کی آڑ میں امیر معاویہ کو اپنی دو گونہ غرض پورا کرنے کا موقعہ مل گیا۔ ورنہ امیر معاویہ کی اکیلی خواہشیں اہل عرب کے ہاتھوں پوری ہونی ناممکن تھیں۔ عمرو بن العاص کی حیلہ ساز طبیعت نے امیر معاویہ کے اغراض کی ایسی مدد کی کہ کوئی بڑی سے بڑی فوج بھی نہیں کرسکتی تھی۔ حضرت علیؓ کے زمانۂ خلافت کو بڑی مجبوری سے مسلمانوں کے درمیان خونریزی اور شام کی اور مصر کی خلافت سے علیحدگی کو دیکھنا پڑا۔ مدینہ کو چھوڑ کر کوفہ کو دارالخلافہ بنانے کا نتیجہ اچھا نہ پیدا ہوا گو فی کی اقوام عرب نے بجائے اسکے کہ حضرت علیؓ کی خلافت کو اپنے درمیان دیکھنے پر فخر و ناز کرتے بہت بے اعتنائی اور نافرمانی بلکہ مخالفت ظاہر کی۔ اُن کی بے اعتنائی کا اس سے بڑھکر کیا ثبوت ہوسکتا ہے کہ جب ایک نسل کے گزر جانے کے بعد حضرت علیؓ کی تعظیم اور تکریم اور امامت وغیرہ کے عجیب وغریب خیالات کا جوش پیدا ہوا تو حضرت علیؓ کے مدفن اور مقبرہ کا بھی کوئی نشان نہ بتا سکا +

بنی اُمیہ کی خلافت کے ساتھ دنیا طلبی اور قوت واقتدار اور غلبہ کی خواہش اور ہوس کا زمانہ شروع ہوا۔ امیر معاویہ کو حضرت امام حسنؑ کو خلافت سے محروم کرکے تمام مفتوحہ ممالک پر اپنا تسلط بٹھا لینے کا موقع مل گیا اپنے بیٹے یزید کو بظاہر رفع شر کے بہانہ سے صرف اپنا جانشین ہی نہ مقرر کیا بلکہ کہا جاتا ہے کہ اُس کو وصیت کی کہ تین شخصوں کی طرف سے جو مدعیٔ خلافت ہیں ہوشیار رہے۔ عبداللہ بن عمرؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت امام حسین علیہ السلام کی طرف اُس کا اشارہ تھا۔ عبداللہ بن عمرؓ کی طرف تو امیر معاویہ کا شبہ درست نہیں تھا۔ وہ دنیا کی کوئی خواہش نہیں رکھتے تھے۔ چنانچہ یزید نے جب بیعت چاہی تو عبداللہ بن عمرؓ اور عبداللہ بن عباسؓ نے فوراً بیعت کرلی۔ عبداللہ بن زبیر اور حضرت امام حسینؑ نے بیعت نہ کی اور مدینہ سے مکہ چلے گئے۔ اس کے بعد حضرت امام حسینؑ کی شہادت کا وہ عالم آشوب واقعہ ہوا جس نے گو بظاہر ایک مستحق خلافت کو ایسے ظلم اور بیرحمی سے راستہ سے اُٹھا کر یزید کی حکومت کو بے کھٹکا کردیا مگر درحقیقت بنی اُمیہ کی خلافت کی بیخ کنی کے واسطے اُس کی بنیادوں میں بارود بھر دیا۔ کوئی فوج اور کوئی تلوار بنی اُمیہ کی بربادی کے واسطے اتنا کام نہیں کرسکتی تھی جتنا کہ شہدائے کربلا کے المناک واقعہ نے کیا۔ اہل بیت کے استحقاق کی طرف اس وقت تک جو ایک بے اعتنائی اور بے پروائی کا اظہار کیا گیا تھا وہ اُن کی حمایت اور اُن کا بدلہ لینے کے جوش سے مبدل ہوگیا۔ عبداللہ بن زبیرؓ نے جس کی نسبت خیال کیا جاتا ہے کہ اُس نے اپنے دعویٔ خلافت کو بلا مزاحمت پیش کرنے اور حضرت امام حسینؑ کے دعوٰی

کی روک اُٹھا دینے کے واسطے دانستہ حضرت امام حسین کو کوفہ جانے کی رائے دی تھی اب شہدائے کربلا کا بدلہ لینے کے واسطے علم اُٹھایا۔ اس کا نتیجہ مکہ اور مدینہ میں خرابی خوں ریزی کعبہ کی تباہی اور انصار کی بربادی اور جو بیداری کے سوا فی الحال کچھ نہ پیدا ہوا۔ ابن زبیر کی مکہ اور مدینہ میں گو خلافت تسلیم ہو گئی مگر انجام اُسکا بھی کچھ اچھا نہ ہوا۔ مختار نے عبد الملک کی خلافت میں شہدائے کربلا کا بدلہ لیا۔ اور اگر آئندہ دنیا طلبی اور دنیا پرستی کی اغراض کے واسطے شہدائے کربلا کا بدلہ ایک بہانہ نہ بنالیا جاتا تو یہ بدلہ کافی سمجھ لیا جاتا۔ اب دنیا کے واسطے تمام جھگڑے اور لڑائیاں تھیں۔ دین اور دینی مسئلے اور شیعان علی کا یہ نیا نام اختیار کرنا اور امامت کے نئے مسئلہ کو پیدا اور شائع کرنا یہ ایک آڑ تھی جس کے پیچھے دنیا اور دنیوی اقتدار کے حاصل کرنے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ ان اندرونی جھگڑوں اور لڑائیوں سے اسلامی سلطنت کو یہ ایک اصلی نقصان پہنچا تھا کہ عرب کی فتوحات جو ایک بے روک سیلاب کی طرح دنیا میں پھیل رہی تھیں بالکل بند ہو گئیں اور مسلمانوں کی قوت اپنی قوت سے ٹوٹ رہی تھی۔ لیکن ولید بن عبد الملک کی خلافت نے وہ پچھلے اچھے دن پھر یاد دلانے اور ملک گیری اور فتوحات میں وہ نام پایا کہ سر ولیم میور اُس کے زمانہ کو ابتدائے خلافت سے انتہا تک عدیم النظیر کہتے ہیں۔ مگر جو آگ گھر میں لگ چکی تھی اور جس کی چنگاریاں دبی ہوئی تھیں آئندہ خلیفوں کے وقتوں میں وہ نئی نئی صورتوں میں بھڑکتی رہیں اور آخر بنی اُمیہ کی بدنام خلافت کا خاتمہ کر دیا ۔

بنی عباس نے گو خلافت شہدائے کربلا اور اہل بیت اور بنی فاطمہ کا بدلا لینے کے نام سے حاصل کی مگر بہت جلد اُنہوں نے ثابت کر دیا کہ یہ سب دنیا اور دنیوی اقتدار کے حاصل کرنے کے واسطے ایک آڑ تھی اور کچھ نہ تھا۔ بنی اُمیہ سے بدلا لیا گیا۔ اُن کے گزرے ہوئے آبا و اجداد کے مظالم کے بدلے اُن کو ذبح کر کے اُن کی لاشوں پر فرش کر کے دستر خوان بچھایا گیا۔ تلوار بدلہ لینے والوں کو ٹھنڈا نہ کر سکی اور لاشوں کو آگ کے سپرد کیا گیا۔ مشرقی دنیا کی زمین کے اوپر ایک متنفس بھی اُس بدنام نام سے پکارے جانے کے لائق نہ چھوڑا گیا۔ مگر کیا یہ بنی فاطمہ کا بدلہ لیا جا رہا تھا۔ اُس وقت گو یہی خیال کیا جاتا مگر بنی فاطمہ کے ساتھ جو سلوک ہوا اُس نے بہت جلد بتا دیا کہ اس سب کا مطلب خلافت اور پادشاہی کے میدان کو صاف کرنے کے واسطے روکنے والی اور بدنما جھاڑیاں اور درخت آئندہ بڑھ جانے کے خوف سے کاٹے جا رہے تھے۔ بنی فاطمہ پر بنی عباس کے ظلم اور تشدد کی تاریخ بنی اُمیہ کی تاریخ سے بہت لمبی ہے اور سنی اور شیعہ کے درمیان دشمنی اور مخالفت پیدا ہونے کے بڑے واقعات اسی زمانہ میں ہیں۔ اب ہم کو شہدائے کربلا کے پاک ناموں اور اُن کے بدلہ لینے کے بہانوں کے ذکر کو چھوڑ دینا چاہیے اگرچہ بنی فاطمہ کی آئندہ کوششوں میں جو خلافت کے واسطے کی جاتی تھیں اُن کا بڑا معاون یہی بہانہ تھا لیکن در اصل بنی عباس اور بنی فاطمہ میں خلافت کے واسطے لڑائیاں اور جنگ شروع ہوئے۔ بنی عباس نے

خلافت حاصل کرتے ہی بنی اُمیہ کی طرف سے اُن کا نام و نشان دنیا کے صفحہ سے مٹا کر جب اطمینان کر لیا تو آپ اُن کو بنی فاطمہ کی فکر ہوئی جن کے نام کو انہوں نے اپنی کامیابی کا وسیلہ بنایا تھا۔ لیکن اَب ایسی رُکاوٹوں کو وہ اُٹھا دینا چاہتے تھے۔ ابو مُسلم اُس زمانہ کا بے نظیر سپہ سالار تھا جس نے دولت عباسیہ کی بنیاد رکھی اور عدم سے نکال کر اُس عظیم الشان سلطنت کا مالک بنا دیا اور زمین سے اُٹھا کر اُس آسمان تک تخت پر بٹھا دیا اور اِس کوشش میں اپنے ہاتھوں کو لاکھوں مسلمانوں کے خون میں رنگا۔ اپنے میں تامل نہ کیا اُسکا اقتدار اور قوت سب سے پہلا کانٹا تھا جو عباسیہ کے پہلے خلیفوں کی آنکھوں میں کھٹک رہا تھا۔ ابو جعفر منصور نے آخر اُس اپنے وفادار محسن اور بے گناہ اور بے خطا سورہ سپہ سالار کو ذبح کرا دیا۔ بنی فاطمہ باقی تھے۔ عبداللہ کو مع اُن کے کُنبہ کے قید میں ڈال دیا اور پھر بھی التفات نہ کر کے ایک یا دو مرتبہ بہانہ سے اُن کو مار ڈالا۔ محمد اور ابراہیم اگر بھاگ نہ گئے ہوتے، تو وہ بھی اس قسمت میں شریک ہوتے بنی فاطمہ کے رہائی کے واسطے کمزور کوششیں کرنے اور بنی عباس کے اُن پر سختیاں اور جور و جفا کرنے کے واقعات تاریخی جھگڑے ہیں۔ سبز اور سیاہ رنگ کے نشان اور جھنڈے دونوں فریقوں اور فوجوں کو تمیز کرتے تھے بنی فاطمہ میں جن بزرگوں نے دنیاوی تعلقات اور جھگڑوں سے کنارہ کشی اختیار کی وہ امن میں رہے لیکن جنہوں نے اپنے نسبی فخروں کے عوض میں دنیا مول لینی چاہی اور سلطنت میں مخل انداز ہوئے انہوں نے اپنی قسمتوں کو دوسروں کے واسطے باعث حیرت بنانے کے سوائے اور کچھ نہ حاصل کیا۔ خلافت کے امن میں خلل ڈالنے کا جُرم اُن کی بغاوتوں کی اُن کو سزا دینے کا کافی عذر تھا اور قوت اور اقتدار انہیں کا تھا جن کے ہاتھ میں تھا۔ خلیفہ مامون الرشید کے زمانہ خلافت نے بنی فاطمہ کے حق میں ایک مفید پلٹا کھایا مگر اُن کی بدقسمتی نے حضرت علی رضا کو خلافت کا وارث بننے کے واسطے زندہ نہ رہنے دیا اور زمانہ بہت جلد اُن کے خلاف پھر گیا۔ خلیفہ متوکل باللہ نے بنی فاطمہ کی مخالفت کو انتہا درجہ تک پہنچا دیا۔ حضرت امام حسین کی قبر پر اُس نے ہل پھروا کر اُس زمین پر کھیتی بوا دی اور زائرین کو بُلا کر سخت دھمکیوں سے منع کر دیا۔ ایک عالم شخص کو اس جُرم میں کہ اُس نے خلیفہ کے دونوں بیٹوں کو امام حسن اور امام حسین علیہم السلام پر ترجیح دینی پسند نہیں کی تھی پاؤں میں روندوا دیا +

غرض یہی جھگڑے اور لڑائیاں سُنّی اور شیعہ میں مخالفت اور دشمنی بڑھاتی گئیں اور اُن کی عجیب عجیب صورتیں پیدا کرتی گئیں۔ انہیں مُلکی جھگڑوں سے دراصل سُنّی اور شیعہ کے نام سے دو مذہبی فرقہ پیدا ہو گئے۔ معز الدولہ دیلمی نے چوتھی صدی ہجری میں خلیفہ مطیع اللہ کے زمانہ میں یوم عاشورہ کا رواج دیکر ایک عُمدہ کام کے ساتھ اس تفریق کے اَور پختہ کرنے کا ایک سبب پیدا کر دیا۔ گو شیعوں میں نئے نئے مذہبی مسائل اور مذہبی تفرقہ عجیب و غریب قسم کے پیدا ہوئے مگر وہ اس اصلی اختلاف سے جُدا سمجھنے چاہیئے یہ اصلی اختلاف تو خلافت کی بابت تھا۔ بنی فاطمہ جسقدر کوششیں کرتے رہے سب میں ناکامیاب ہوئے

نازنینانِ حرم را خونِ خلقِ نازنیں		داستاں بگذشت ومار اخونِ دل از آستیں
زینہار از دَورِ گیتی و انقلابِ روزگار	الخ	در خیالِ کس نگشتے کا نچناں گردد چنیں

سعدی علیہ الرحمۃ اِس ہیبت ناک تباہی اور ویرانی پر جس نے صدیوں کے اسلامی آثار اور بزرگیوں کو ایک دم میں مٹا دیا تھا اور بغداد کی بزرگیوں اور زمانہ کے فخر کے اسباب کو آگ اور تلوار کے حوالہ کر دیا تھا کیونکر صبر کر سکتا تھا۔ اُس کا عربی مرثیہ دلوں کو نہیں پتھروں کو پاش پاش کر دینے والا ہے ؛

عربی مرثیہ کے چند اشعار

نسیم وصبا بغداد بعد خرابہا		تمنیتُ لو کانت تمرُّ علی قبرِ
کاش ایسا ہوتا کہ بغداد کی تباہی کے بعد اُس کی ہوا کا جھوکا میری قبر پر گزرتا ؛		
زجرتُ طبیباً جسّ نبضی مُداویاً		الیکَ فما شکوای من مرضٍ یبرِ
میں نے طبیب کو جبکہ اُس نے علاج کے لیئے میری نبض کو چھوا جھڑک دیا کہ جا اپنا کام کر۔ مجھ کو ایسے مرض کی شکایت نہیں جو اچھا ہو سکے ؛		
وَلا تسئلن عما جریٰ یوم حصرہم		وَ ذالک مما لیس یدخل فی الحصرِ
نہ پوچھو جو حال بنی عباس کی قید کے دن گزرا یہ وہ حال ہے جو قید بیان میں نہیں آسکتا ؛		
اُدیرت کؤوسُ الموت حتی کانہٗ		رؤس الاساریٰ تحرکن من السُکرِ
شراب مرگ کے جام گردش میں لائے گئے یہاں تک کہ قیدی کُشتوں کے سر (تڑپتے ہوئے) ایسے معلوم ہوتے تھے گویا نشے میں جھوم رہے ہیں ؛		
بَکَتْ جدر المستنصریۃ ندبۃً		علی العلماء الرّاسخین ذوالحجرِ
علمائے راسخین پر جو کہ اصحاب عقل و دانش تھے مدرسہ مستنصریہ کی دیواریں زار زار رو رہی ہیں ؛		
نوائبُ دھرٍ لیتنی متُّ قبلہا		ولم ار عدوان السفیہ علی الحبرِ
یہ زمانہ کے سخت حادثے ہیں کاش مَیں اِن سے پہلے مر جاتا اور جاہلوں کا ظلم دانشمندوں پر نہ دیکھتا ؛		
وقفتُ بعبادان ارقبُ دجلۃً		کمثل دم قانٍ تسیلُ الی البحرِ
میں نے شہر عبادان میں ٹھہر کر دجلہ کے پانی کو دیکھا کہ نکھتر خون کی مانند سمندر کی طرف بہتا تھا ؛		

وفائض دمعی فی مصیبۃ واسط | یزید علی مد البحیرۃ والجزر

میرے آنسو جو شہر واسط کی مصیبت میں جاری ہیں بحیرۂ فارس کے مد و جزر کو اور بڑھا دیتے ہیں ؎

وھب انہ دار الملک ترجع عامرا | ویغسل وجہ العارفین ع المعفر

بنہ سمجھو کہ اب دار الخلافہ پھر آباد ہوگا اور علماء کے چہرے غبار ذلت سے پاک کیئے جائینگے ؎

فاین بنو العباس مفتخر الوری | ذو الخلق المرضی والغرر الزھر

کہاں ہیں بنی عباس جن سے عالم کو فخر تھا جن کے اخلاق برگزیدہ اور پیشانیاں نورانی تھیں ؎

غدا سمرا بین الانام حدیثھم | وذا سمر یدمی المسامع کالسمر

اُن کا ذکر اب دنیا میں ایک افسانہ ہوگیا اور یہ وہ افسانہ ہے جو کانوں کو برچھیوں کی نوک کی طرح خون آلودہ کرتا ہے ؎

اتذکر فی اعلی المنابر خطبۃ | ومستعصم باللہ لم یلئ فی الذکر

کیا منبروں پر خطبہ پڑھا جائے گا اور مستعصم باللہ کا اُس میں ذکر نہ ہوگا ؎

ضفادع حول الماء تلعب فرحۃ | اصبر علی ھذا و یونس فی القعر

کیا اسپر صبر ہوسکتا ہے کہ مینڈک پانی کے ادھر اُدھر خوشی سے کھیلتے پھریں اور یونس پانی کی تہ میں ہو ؎

ولیت صماخی صم قبل سماعہ | بھتک استار المحارم فی الاسر

کاش ایسا ہوتا کہ قید میں محلوں کے لیئے پردہ ہونے کی خبر سننے سے پہلے میرے کان بہرے ہو جاتے ؎

کان صباح الاسر یوم قیامۃ | علی امم شعث تساق الی الحشر

قید کی صبح گویا قیامت کا دن تھا کہ اُنہیں سر میں خاک ڈالے ہوئے میدان حشر کی طرف ہکائی جاتی تھیں ؎

ومستصرخ یا للمروۃ فانصروا | ومن یصرخ العصفور بین یدی الصقر

بہت سی فریاد کرتے تھے کہ دہائی ہے مروت کی کوئی مدد کرو۔ مگر باز کے پنجے میں چڑیا کی فریاد کو کون پہنچتا ہے ؎

یساقون سوق المعز فی کبد الفلا | عزائز قوم لا یعودون بالزجر

جو لوگ زجر اور دھمکی سننے کے عادی نہ تھے اُنکے حرم محترم صحراؤں میں بکریوں کی طرح ہکائے جاتے تھے ؎

جُلِبْنَ سبایا سافراتٍ وُجُوهها	کواعِبُ لا تبرزن من حلل الخدرِ
جو لڑکیاں پردہ میں چادروں سے چہرے باہر نہ نکالتی تھیں اُن کو کھلے مونھ اسیر کر کے لے گئے ۔	
رعی الله انسانا تیقظ بعدهم	لانّ مصاب الزید مزجرة العمرو
خدا حمایت کرے اُس شخص کی جو دولت بنی عباس کے بعد خواب غفلت سے بیدار ہو گیا کیوں زید کی مصیبت عمرو کے لئے تازیانہ ہے ۔	

اِس آخری بڑی تباہی اور ویرانی کا سبب صرف سُنّی اور شیعہ کی دشمنی اور مخالفت تھی۔ اِسکی تفصیل کے معلوم کرنے کے واسطے تاریخ کو کھولنا چاہیئے اگرچہ بنی عباس کی خلافت کا انجام ویسا ہی ہوا جیسا کہ پانچ صدیاں پہلے اُن کے ہاتھوں سے بنی اُمیہ کا ہوا تھا مگر وہ آیندہ مسلمانوں کے واسطے بڑی عبرت اور نصیحت حاصل کرنے کے واسطے کافی سے زیادہ تھا۔ لیکن افسوس ہے کہ مسلمانوں نے اُس سے عبرت نہ حاصل کی اور سلطان سلیم اور شاہ اسمٰعیل صفوی کے زمانہ میں وہ چنگاریاں ایک دفعہ پھر بھڑکیں اور مُسلمانوں کی ہزارہا جانیں صرف اِس تفرقہ اور مخالفت کی نذر ہو گئیں۔ ہندوستان میں بھی یہ آگ مسلمانوں کے گھروں کو جلائے بغیر نہ رہی۔ مگر چھوٹے بڑے تمام واقعات کا بیان کرنا کچھ ضروری نہیں ہے عبرت او نصیحت حاصل کرنے کے واسطے یہی واقعات کافی ہیں۔ سعدیؔ اگر اپنے زمانہ میں ایسی مصیبت اور تباہی دیکھکر زندگی سے بیزار رہتا اور موت طلب کرتا تھا تو ہمارے زمانہ میں مسلمانوں کے سامنے رونے اور فریاد کرنے اور مرجانے کے واسطے اُس سے بھی زیادہ حوادث موجود ہیں۔ یورپ اور افریقہ اور ایشیا اور ہندوستان میں اسلامی سلطنتوں کی تباہی اور اپنے بُرے انجام سے بھی اگر ہم سبق نہیں حاصل کرسکتے تو ہماری اِن زندگیوں سے درحقیقت موت ہزار درجہ بہتر ہے ۔

اے اسلام کی نسلو! تمہاری تاریخ سے بڑھکر تمہارے واسطے کوئی معلم نہیں ہوسکتا اپنی تاریخ اور اپنے حال سے عبرت حاصل کرو۔ دنیا کی خلافت اور سلطنت کے جھگڑوں نے جو تفرقے تمہارے درمیان پیدا کیے ہیں کم سے کم اب تو اُن کو درمیان سے اُٹھا دو۔ نہ وہ خلافت رہی نہ وہ سلطنتیں ہیں۔ نہ وہ دعوے اور نہ وہ دعویدار رہے مگر افسوس ہے کہ وہ تفرقے اور مخالفتیں باقی ہیں۔ ذرا غور کرو کہ کوئی عقلمند ہمارے اِس حال پر سوائے ہنسنے یا افسوس کرنے کے کیا کرے گا۔ ہم اپنے اِن تفرقوں سے دوگونہ نقصان اُٹھا چکے ہیں۔ خدا کی مرضی یہی تھی۔ اگر یہ دشمنیاں ہمکو اپنے ہی گھر میں مصروف نہ رکھتیں تو یہ دنیا اسلامی سلطنت کے سوا کوئی دوسرا نام سُننے کے لائق باقی نہ رہتی۔ مگر ایسے خوابوں کا وقت گذر گیا ہے۔ ہم اپنی امن بخش موجودہ سلطنت کے تحت میں اپنی زندگی کے اعلےٰ اغراض پورے کر کے اپنے بہت سے نقصانوں کی تلافی کر لینے کے لائق ہیں ۔

آؤ اتفاق کریں۔ محبت اور اُخوت کے ٹوٹے ہوئے رشتہ کو جوڑ کر اپنے اسلام کا ثبوت دیں

وہ زمانہ جو کچھ ہم سے چاہتا ہے وہ کریں اور اسلام کی مُبارک نسلیں کہلانے کے مستحق ہوں ×

بزرگانِ دین کے حق میں بُرے اور ناشائستہ الفاظ کا استعمال کرنا اُن کو کوئی نقصان نہیں پہنچاتا

بلکہ نقصان ہمیں کو پہنچتا ہے کیونکہ انسان کے دل میں اُس سے بُری اور بدظنی اور بداخلاقی پیدا ہوتی

ہے جو اسلام کے مقصد اعظم کے برخلاف ہے۔ اور اُس کی بُرائی کا بجائے خود یہی ایک ثبوت ہے

کہ آلِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی محبت اور ہمدردی نہایت نیکی کا کام ہے اور دل کو پاک اور

ایمان کو مضبوط کرتا ہے اگر بزرگانِ دین کے حق میں بُرے اور ناشائستہ الفاظ استعمال کرنے سے وہ

تمام نیکی برباد ہوجاتی ہے اور بُرائی حاصل ہوتی ہے انہیں بزرگانِ دین کے اخلاق اور اطوار کو ہمیں اپنا شعار

بنانا چاہیئے اور آج وہ زمانہ آگیا ہے کہ دھوکا دینے والے پردہ درمیان سے اُٹھ جائیں ہم اپنی غلطیوں

سے ... اور بزرگانِ دین کے نام کی جو عزت اور تعظیم و تکریم ہم کو کرنی واجب ہے وہ کریں ×

مجھ کو دیباچہ کے آخر میں اپنی استعداد اور مقدور سے بڑھکر ایک ایسا بزرگ کام جیسا کہ حضرت عمرؓ

کے حالات کا لکھنا ہے اختیار کرنے کی نسبت چند الفاظ کہنے ہوں گے۔ اصل یہ ہے کہ میں نے کوئی

جوش اور ارادہ نہیں کیا اور کسی طرح ایسا ارادہ کرنا واجب نہیں تھا جبکہ ہمارے اس زمانہ کے اسلامی

مورخ مولوی محمد **شبلی صاحب نعمانی** اس کے کرنے کا وعدہ اور اعلان کرچکے تھے۔ مگر بعض واقعات

نے مجھے اس کام کی طرف کھینچا۔ کئی برس سے ایک قلمی مسودہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات پر ترتیب

دینے اور شائع کرنے کے واسطے فرمائشاً میرے پاس تھا۔ اُس کی صحت کے خیال نے مجھے اس مضمون پر

زیادہ حالات پڑھنے کی طرف مائل کیا اور اُس وقت وہ مسودہ مجھ کو صرف حضرت عمرؓ کے بزرگ اور عظیم الشان

حالات کے روبرو بیکار معلوم ہوا اور اُن کے دلچسپ حالات اور اُس عظیم نفع کے خیال سے جو ہر ایک مسلمان

ایک بادشاہ سے لیکر عامی تک حضرت عمرؓ کے حالات کے مطالعہ سے حاصل کرسکتا ہے میں اپنے چند روزہ

مطالعہ کے نتیجہ کو جمع کرنے اور شائع کردینے کی طرف مائل ہوا کیونکہ میں یہ یقین کرتا ہوں کہ ہماری اُردو زبان میں

جسکو چھ کروڑ مسلمان ہندوستان میں بولتے ہیں ایک ہی مضمون پر ایک سے زیادہ کتابیں موجود ہونے میں

کوئی نقصان نہیں ہے ×

لیکن میری کتاب سے یہ اُمید کرنا غلطی ہوگی کہ جناب مولوی محمد شبلی صاحب کی کتاب **الفاروق**

کی ضرورت کو اس نے رفع کردیا ہو۔ یہ کتاب زیادہ تر سہل الحصول ماخذوں سے تالیف کی گئی ہے اور عالمانہ

تحقیقات اور تدقیقات کی صرف مولوی صاحب کے علم و فضل سے ہی توقع کی جاسکتی ہے۔ اور مجھکو اُمید

ہے کہ یہ کتاب بوجہ اُن اعلےٰ اُمیدوں کے جو مولوی صاحب کی کتاب سے ہیں اُس کے اشتیاق کو زیادہ

کرنے کا باعث ہوگی ×

اگرچہ میں نے یہ بات کہی ہے کہ میری کتاب سہل الحصول ماخذوں سے تالیف کی گئی ہے لیکن جہاں میں نے ضعیف روایات اور غیر معتبر تاریخوں کو وُہی وقعت دی ہے جس کی کہ وہ لائق تھیں اور میں نے اُنکی طرف مطلق کچھ التفات نہیں کیا ۔

سب سے زیادہ میں **شاہ ولی اللہ** صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی قابل قدر اور بیش بہا کتاب "**ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفاء**" اور سر ولیم میور کی انگریزی تاریخوں کا جو اُنہوں نے خلافت پر لکھی ہیں مشکور ہوں مولوی محمد شبلی صاحب کی کتاب **الفاروق** جو اطمینان اس مضمون کی طرف سے دلا چکی ہے اور دلاتی ہے اُس نے مجھے اس سے زیادہ محنت اور تجسس اور تلاش کرنے سے جس قدر کہ میں نے اپنی استعداد کے موافق کی ہے بے پروا کر دیا ہے ورنہ ممکن تھا کہ میں اپنی چند روزہ محنت اور سعی اور اُسکے نتیجہ کو بڑھاتا کو ہر ایک شخص کو جو حضرت عمرؓ کے حالات جمع کرنا اور لکھنا چاہیگا آخر شاہ ولی اللہ صاحب کی طرح یہی شعر پڑھ دینا پڑیگا ۔

وعلی تفنن واصفیہ بوصفہ ۔ یفنی الزمان وفیہ مالم یوصف

یعنی

دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر ۔ ما ہمچناں در اوّل وصفِ تو ماندہ ایم

ایسے حالات اور مباحثوں اور مذہبی مسائل اور متنازعہ اور تکرار کی باتوں کو جن کا ذکر میں اپنے سب سے بڑے مقصد کے لحاظ سے نامناسب سمجھتا تھا میں نے ترک کر دیا ہے ۔ میں اپنے ناظرین سے یہ امید کرنے کے بعد دیباچہ کو ختم کرتا ہوں کہ وہ میری استعداد کا خیال کر کے جو بہت تھوڑی سی ہے اور اس بات کو معلوم کر کے کہ ان پانچ چھ مہینوں میں جس عرصہ میں میں نے اس کتاب کے متعلق تمام کام کئے اور کرائے ہیں بہت کم وقت اطمینان اور فراغت کا مجھے ملا ہے میری غلطیوں کے ساتھ سختی سے سلوک نہ کرینگے ۔

ناہن ۱۰ دسمبر ۱۸۹۲ء

خاکسار سراج الدین احمد

پہلا باب

نام و نسب - ولادت - بچپن - سن شد - عمر جاہلیت

عمر نام - ابو حفص کنیت - فاروق خطاب - امیر المومنین لقب - القرشی العدوی نسب - شجرۂ نسب کے بارے میں مورخین میں کسی قدر اختلاف ہے - تاریخ الخلفاء سیوطی میں شجرۂ نسب عمر ابن خطاب بن نفیل بن عبد العزیٰ بن رباح بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لوی ہے - اور طبری میں عمر ابن خطاب ابن نفیل بن عبد العزیٰ بن رباح بن عبد اللہ بن قرط بن عدی بن کعب بن لوی ہے - بہر صورت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شجرۂ نسب آٹھویں پشت میں یعنی کعب بن لوی پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملجاتا ہے - پس آپ اشراف قریش میں سے تھے - والد آپ کے مشہور اور عمدہ متکلم اور اپنی قوم اور قبیلہ کے امیر اور سردار تھے - آپ کی ماں ختمہ بنت ہشام ابن المغیرہ بن عبد اللہ بن عمر بن مخزوم تھی ‌‌

حضرت عمرؓ کے نام کے بارے میں ایک دلچسپ روایت استیعاب میں ہے کہ ایک دن آپ مسجد سے نکلے - جارود آپ کا غلام ساتھ تھا - سامنے سے ایک عورت (خولہ بنت حکیم) آئی جسکو آپنے سلام علیک کہا - اُس نے جواب دیکر کہا کہ اے عمرؓ کچھ اور کہو میں تجھے پہچانتی ہوں - تیرا نام عکاظ کے بازار میں عمیرہ تھا اور تھوڑے دنوں بعد تجھے عمر کہنے لگے اور اب بہت عرصہ نہیں ہوا کہ تو امیر المومنین کہلانے لگا[3] اس نام کی تبدیلی کی بظاہر کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی - ممکن ہے کہ بچپن میں یا ایام جاہلیت میں لوگ آپ کو عمیرہ کے نام سے پکارتے ہوں - گو نام آپ کا عمرؓ ہی ہو ؎

---

[1] لیف اوف محمد مؤلفہ سر ولیم سیور ۱۲

[2] ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء مؤلفہ شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی ۱۲

[3] ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء " " " ۱۲

نووی کے قول کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عام فیل سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا سال ہے تیرہ[1] برس بعد پیدا ہوئے اور ذہبی کی روایت کے حساب سے آپ عام فیل سے آٹھ برس بعد پیدا ہوئے[2] یہ اختلاف چھ برس کا آپ کی نسبت آخر تک پایا جاتا ہے جیسا کہ طبری لکھتا ہے کہ بعضوں نے ان کی عمر ستاون سال کی اور بعضوں نے تریسٹھ[۶۳] سال کی لکھی ہے مگر ذہبی کی روایت زیادہ قابلِ اعتبار ہے ۔

اگر ہر ایک شخص جو سوانح عمری کا کام اختیار کرے جیسا کہ میرے ہاتھ میں ہے زمانہ جاہلیت کے حالات کے نہ ملنے کے ساتھ مجبوراً رضامند ہونا پڑتا ہے تو مجھ کو تو اپنی بے بضاعتی کی وجہ سے سب سے پہلے اپنی عاجزی کا اعتراف کرنا چاہیئے - افسوس ہے کہ حضرت عمرؓ کے بچپن کے زمانہ کے حالات بھی ایسی ہی تاریکی میں ہیں اور مشکل سے آج کوئی وسیلہ ان کے تلاش اور معلوم کرنے کا دستیاب ہو سکتا ہے - عرب کی عجیب و غریب شاعری اگر ان حالات کے زندہ رکھنے کا جو آج دستیاب ہو سکتے ہیں اور ان کے تاریکی اور مشکل حالات اس سے حفظ کیے گئے ہیں ایک ذریعہ نہ بنتی تو طریقہ تحریر کے موجود نہ ہونے اور حالات کو قلمبند نہ کرنے کی عادت نے ان کی قدیم تاریخ کے علم کا خاتمہ ہی کر دیا تھا - اگرچہ غیر اقوام کی تحریروں اور قدیم کتب مذہبی سے بھی عرب کے پرانے حالات جمع کرنے میں مدد ملی ہے مگر سب سے بڑا منبع ان کی وہ شاعری ہی ہے جس کے وہ اس قدر دلدادہ تھے ۔

مگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بچپن اور عموماً زمانہ جاہلیت کے حالات نہ لکھنے اور نہ بیان کرنے کی نسبت تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ مسلمان مورخوں اور راویوں نے دانستہ چشم پوشی کی ہے ۔ ان کے زمانہ جاہلیت کے حالات لکھنا یعنی جب تک کہ وہ اسلام نہیں لائے تھے ان کی شان کے خلاف اور بے ادبی سمجھا گیا ہے - کیونکہ اسی بنا پر ہم دیکھتے ہیں کہ بعض مسلمان مورخوں نے ان کے زمانہ جاہلیت کے ساتھ ایک غیر ضروری رعایت کرنے کی کوشش کی ہے - اس سے گمان ہوتا ہے کہ دانستہ حضرت عمرؓ کے زمانہ کفر کے حالات نہیں لکھے گئے - بہرحال اسی ناکامی کے ساتھ رضامند ہونا سب سے آخری چارہ ہے ۔

اگر پھل سے ایک درخت کی اور پیڑ سے ایک پودے کی حالت کا ہم کچھ اندازہ کر سکتے ہیں تو ایک سادہ اور سنجیدہ مزاج شخص کے زمانہ بچپن کے حالات سے کسی غیر معمولی دلچسپی اور تبدیلی کی توقع نہیں کی جا سکتی حضرت عمرؓ کے بچپن کے زمانے کا بڑا حصہ جاہلیت کے ایک سادہ زندگی بسر کرنیوالے کنبہ کے اس قسم کے کاموں میں مصروف رہنے میں گزرا ہے جس کی ایک مثال وہ خود ایک دفعہ ضجنان کے جنگل میں سے

---

[1] تاریخ الخلفا سیوطی ۱۲

[2] طبری فارسی نسخہ مطبوعہ لکھنؤ ۱۲

رہتے ہوئے جو مکہ سے قریب ہے بیان کرتے ہیں کہ "میں اُس جنگل میں خطاب (اپنے باپ) کے اونٹ چرایا کرتا تھا۔ اُن کا مزاج بہت سخت تھا۔ اُس کی طبیعت کے خلاف اگر میں کوئی کام کرتا تھا تو سب سے پیچھے پڑجاتا تھا اور اگر میں قصور کرتا تھا تو مجھے مارتا تھا"[1] اس سے حضرت عمرؓ کے باپ کی سیرت کا ایک خاصہ بھی معلوم ہوتا ہے اور حضرت عمرؓ کی طفولیت کا زمانہ جس قسم کے دنوں میں گزرا اُس کی بھی ایک مثال ہے۔

سن رشد بھی حضرت عمرؓ کا جاہلیت کے انہیں گم شدہ حالات میں پوشیدہ ہے تو جو ان کے اور تمام زمانے کے حالات کو جو اسلام لانے سے پہلے کے ہیں ایک جملہ میں ختم کر دیتے ہیں کہ حضرت عمرؓ قبل از اسلام قریش میں ایک بڑا رتبہ اور وجاہت رکھتے تھے۔ اشراف قریش میں سے تھے اور جاہلیت میں سفارت کا کام کرتے تھے۔ قریش میں جب کوئی باہمی لڑائی یا کسی دوسرے قبیلے کے ساتھ جنگ ہوتا تھا تو ان کو سفیر کر کے بھیجتے تھے۔ گاہ گاہ ثالث مقرر ہوتے تھے اور اگر کسی کی تذلیل اور توہین اور مذمت کرنے اور عیوب اور برائیاں بیان کرنے یا اپنے آبا و اجداد کی بزرگیاں اور اپنے حسب و نسب کی فخریہ بڑائیاں بیان کرنے کی ضرورت ہوتی تو ایسے موقع پر قریش کی طرف سے حضرت عمرؓ منتخب کیے جاتے تھے[2] پچھلے الفاظ کے خطاب کی شاید کچھ تشریح کرنے کی ضرورت ہو۔ یہ جاہلیت کی ایک خاص رسم کی طرف اشارہ ہے کہ منافرت اور مفاخرت یعنی دوسرے قبیلوں کی بزدلی اور عیوب اور اپنی بہادری اور اوصاف اور حسب نسب کی بڑائیاں بیان کرنا جاہلیت کی ایک عام رسم تھی۔ شاعروں کو اپنی طباعی اور ذہانت اور جودت طبع ظاہر کرنے کا ایک بڑا موقعہ ہوتا تھا وہ برجستہ اور برمحل اشعار تصنیف کر کے پڑھتے تھے بعض اوقات وہ ان منافرت اور مفاخرت کے معرکوں میں حد سے گزر جاتے تھے مثلاً بنی عبد مناف اور بنی قصی اور بنی سہم کے درمیان یہاں تک نوبت پہنچی کہ اپنی فضیلت اور کثرت کے فخر کو ثابت کرنے کے واسطے قبریں کھود کر اپنے مقتولین کا شمار کیا جب سورۃ "اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ" نازل ہوئی ہے زیادہ تر رواج اشعار میں منافرت اور مفاخرت کرنے کا تھا۔ مثلاً حارث بن ہمام ابن زیابہ کو کہتا ہے کہ :-

اشعار با ترجمہ

ایا ابن زیابۃ ان تلقنی	لا تلقنی فی النعم العازب

اے زیابہ کے بیٹے اگر تو مجھ سے ملے تو میں تجھ سے اونٹوں میں جو اپنے مالکوں سے دور ہوں نہیں ملوں گا یعنی میں شتر چرانے والا نہیں ہوں اور گھوڑوں اور سواروں میں ملوں گا ۱۲

[1] ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء ۱۲ [2] ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء و تاریخ الخلفاء سیوطی ۱۲

وتلقنی یشتد فی اجردٍ | مستقدم البرکۃ کالراکب

اور تو مجھ کو ایسے وقت میں دیکھے گا کہ گھوڑا مثل اپنے سوار کے بلند و فراخ سینہ مجھے تیز لیئے جاتا ہو ۔

ابن زیاد اس کا جواب دیتا ہے کہ :-

یالھف زیابۃ للحارث | الصابح فالغانم فالآئب

مطلب شعر کا یہ ہے کہ زیابہ کو اس بات کا بڑا افسوس ہے کہ حارث صبح کو لوٹ کر سلامت چلا گیا ۔

واللہ لو لاقیتہ خالیاً | لآب سیفانا مع الغالب

بخدا اگر میں اُس سے تنہا ملتا ۔ تو بے شک ہم دونوں کی تلواریں غالب کے ساتھ جاتیں یعنی اُس کی تلوار چھین لیتا ۔

انا ابن زیابۃ ان تدعنی | آتک والظن علی الکاذب

میں زیابہ کا بیٹا ہوں اگر تو مجھ کو (لڑائی کے واسطے) بلاوے گا تو میں تیرے پاس آؤں گا اور تردد کا انجام جھوٹے کے حق میں برا ہوتا ہے ۔

ایک دوسرا شاعر مفاخرت کے طور پر کہتا ہے کہ :-

رویدبنی شیبان بعض وعیدکم | تلاقوا غداً خیلی علی سفوانٍ

اے بنی شیبان اپنی دھمکیاں کسی قدر کم کرو ۔ کیوں اب سفوان پر کل تم سے میرے گھوڑوں کی مڈبھیڑ ہوگی ۔

علیہا الکماۃ الغر من آل مازنٍ | لیوث طعانٍ عند کل طعانٍ

اُن گھوڑوں پر مشہور و نامی بہادر لوگ آل مازن کے سوار ہوں گے جو ہر قسم کی نیزہ بازی میں مثل شیروں کے حملہ آور ہیں ۔

تلاقوہم فتعرفوا کیف صبرہم | علی ما جنت فیہم ید الحدثانٖ

اُن سے ملو گے تو جانو گے کہ یہ لوگ حوادث اور مصائب دہر پر کیسا صبر کرتے ہیں ۔

مقادیم وصالون فی الروع خطوہم | بکل رقیق الشفرتین یمانٖ

وہ لوگ لڑائی میں سب سے آگے رہنے والے ہیں اور خوف کی جگہ میں اپنے قدم ہر دو دھاری یمانی تلوار سے ملانے والے ہیں ۔

اذا استنجد والم یسألوا من دعاہم | لایۃ حرب ام بای مکانٖ

جب اُن سے کوئی مدد مانگتا ہے تو مدد خواہ سے نہیں پوچھتے کہ کس لڑائی کے لیئے مدد مانگتا ہے ۔

مصیبت [illegible] نہایت سخت دہر کے [illegible] ۔

غرض اِس طرح کی منافرت اور مفاخرت کا عرب میں اُس وقت عام رواج تھا اور حضرت عمرؓ قریش کی طرف سے اِس کام کیواسطے منتخب کیئے جاتے تھے لیکن ہم اِس سے لازمی طور پر یہ نتیجہ مشکل سے نکال سکتے ہیں کہ حضرت عمرؓ شاعر تھے یا خواندہ اور تعلیم پائے ہوئے تھے۔ کیونکہ منافرت اور مفاخرت مقفی و مسجع اور معمولی نثر میں بھی کیجاتی تھی اور بڑے سے بڑے مشہور شاعر بھی ناخواندہ اور ان پڑھ تھے۔ مثلاً لبید جو جاہلیت کا ایک مشہور اور ممتاز شاعر ہے ناخواندہ تھا مگر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کام کو انجام دینے کے واسطے حضرت عمرؓ کی لیاقت، اور دلیری اور وقار کے لوگ قائل تھے اور اسی طرح سفیر ہونے کے واسطے جو خاص اوصاف درکار ہیں وہ بھی حضرت عمرؓ میں موجود تھے۔ حضرت عمرؓ لکھ پڑھ سکتے تھے۔ یہ امر بخوبی ثابت ہے اور شعر بھی کہتے تھے؛

حضرت عمرؓ کے حالات جاہلیت کی نسبت اب سوائے اسکے کچھ کہنے کو نہیں رہا کہ ہم ایک نظیر اس سادہ مزاج۔ سادہ معاش۔ خود پسند اور خودسر قوم پر ڈالیں جس میں اُنہوں نے ستائیس برس کی عمر تک پرورش پائی تھی اور جن کے عادات اور خیالات کے حصہ دار ہونے میں وہ کسی سے کم نہیں تھے اور جو کہ عنقریب خداوند تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت سے بہرہ یاب ہونیوالے تھے؛

یہ وہ عجوبہ روزگار قوم تھی جو ہمیشہ آزاد اور اپنی آزادی پر فخر و ناز کرنے والی رہی۔ کسی غیر قوم کی اطاعت کا جوا اِس نے اپنے کندھوں پر نہیں اُٹھایا اور کوئی غیر قوم اُن پر فرمانروا نہیں ہوئی تھی کوئی خاص قوم یا خاص شہر کو کسی تاتاری ظالم (جبابرہ سدیہ) یا رُومی حاکم کے سامنے چند روز کے واسطے عارضی طور پر جُھک گیا ہو ورنہ عرب کی کُل قوموں نے بڑے بڑے صاحب جلال اور با شان و شکوہ بادشاہوں کے غاشیہ اطاعت کو کندھے پر نہ آنے دیا ہزاروں برس آزاد رہے۔ فراعنہ مصر اور شاہانِ شام کی سعی اس کی فتح میں بے حاصل رہی۔ کیخسرو ایرانی اور اسکندریہ یونانی سے بچا رہا۔ رُوم کی سلطنت کا علم ساری دنیا میں بلند ہوا اگرچہ سرزمین محفوظ رہی۔ ٹائٹس۔ پومپی۔ ٹریجن وغیرہ کی فوجیں سر ٹپک کر بیٹھ رہیں مگر ملک عرب کو نہ زیر کر سکیں؛

بدو عرب کی معاشرت ایک چرواہے کے طریقۂ معاشرت سے کچھ زیادہ نہ تھی۔ خیمہ اور چراگاہ صرف یہی دو چیزیں اُسکو اپنے اور اپنے دُنبوں اور بکریوں کے ریوڑ کے واسطے درکار تھیں۔ البتہ شہروں اور قصبوں میں رہنے والے کسی قدر مہذب زندگانی کے فواید سے متمتع ہوتے تھے۔ ان کا وقت کاشتکاری میں کھجوروں اور درختوں کے بونے میں جن کے پھلوں سے اوقات بسری ہو اور مختلف انواع کی دستکاری اور مختلف اشیاء کی تجارت اور سوداگری میں صرف ہوتا تھا؛

مہمان نوازی۔ ہمسایہ کی خبر گیری اور پناہ گیر کی حفاظت۔ قیدیوں کو چھوڑانا۔ محتاج اور بےکس کی مدد کرنا۔ جس کی طرف کمر بستہ ہوگئے اُس کا ساتھ دینا۔ وعدوں کو پورا کرنا۔ اِن عادات کی بہت تعریف

کہانی تھی اور افضل اور قابل ستایش سمجھے جاتے تھے اور ان پر فخر بھی کرتے تھے۔ مگر خاص فخر کی چیزیں حسب نسب کی بڑائی جنگجوئی۔ بہادری۔ اپنے قبیلہ کے مقتول کا انتقام لینا۔ گھوڑے کی سواری میں شائق اور ہوشیار ہونا اور اس قسم کی چیزیں تھیں۔ مثلاً ایک شاعر (سموئل) کے فخریہ شعروں میں سے چند یہ ہیں:-

تعیرنا انا قلیل عدیدنا	فقلت لها ان الکرام قلیل

وہ طعن کرتا ہے کہ ہماری تعداد تھوڑی ہے۔ میں نے اُسکو جواب دیا کہ ہاں اصیل کرم تھوڑے ہوتے ہیں ؛

وما ضرنا انا قلیل وجارنا	عزیز وجار الاکثرین ذلیل

اور ہمکو اُس نے ضرر نہیں دیا کہ ہم تھوڑے ہیں جبکہ ہمارا ہمسایہ صاحب عزت ہے حالانکہ ہمسایۂ اکثروں کا ذلیل ہوتا ہے ؛

لنا جبل یحتلہ من نجیرہ	منیف یرد الطرف وھو کلیل

ہمارا ایک پہاڑ ہے اُس میں وُہی داخل ہوتا ہے جسکو ہم پناہ دیتے ہیں۔ بہت استوار ہے نظر کو خیرہ کر کے مٹا دیتا ہے ؛

وانا لقوم ما نری القتل سبۃ	اذا ما رأتہ عامر وسلول

اور ہم بیشک ایسی قوم ہیں کہ ہم قتل کو گالی نہیں سمجھتے۔ جب اُسکو عامر اور سلول نے عار سمجھا

یقرب حب الموت اجالنا لنا	وتکرھہ اجالھم وتطول

ہمارا موت کو محبوب رکھنا ہماری عمریں نزدیک کر دیتا ہے اور اُن کی عمریں اس موت کو مکروہ جانتی ہیں اور دراز ہوتی ہیں ؛

وما مات منا سید حتف انفہ	ولا طل منا حیث کان قتیل

اور ہم میں سے کوئی سردار یوں ہی (یعنی بے قتل ہوئے) نہیں مرا اور نہ ہم میں سے کوئی مقتول کہیں ہو باطل ہو گیا ہے (یعنی ہم اُس کا انتقام لیتے ہیں)

تسیل علی حد الظبات نفوسنا	ولیست علی غیر الظبات تسیل

ہماری روحیں یا خون تلوار کی دھاروں پر رواں ہوتی ہیں۔ اور تلواروں کے سوا اَور پر رواں نہیں ہوتیں ؛

صفونا فلم نکدر واخلص سرنا	اناث اطابت حملنا وفحول

ہم (نسب میں) صاف ہیں پس ہم میں کوئی کدورت نہیں ہے اور ہماری پاک اصل کو اُن عورتوں نے کہ انہوں نے ہمارا حمل پاک رکھا اور اصیل مردوں نے خالص کر دیا ہے ؛

علونا الی خیر الظہور وحطنا | لوقت الی خیر البطون نزول

ہم اچھی پُشتوں کی طرف (نطفہ ہوکر) بلند رہے - اور ہمکو ایک وقت معین پر نزول نے اچھے بطون کی طرف پہنچا دیا ۔

فنحن کما المزن ما فی نصابنا | کہام ولا فینا یعد بخیل

سو ہم ابر کے پانی کی مانند (پاک و) صاف ہیں - ہمارے گروہ میں کوئی ضعیف نہیں ہے اور نہ ہم میں کوئی بخیل گنا جاتا ہے ۔

وننکر ان شئنا علی الناس قولہم | ولا ینکرون القول حین نقول

اور اگر ہم چاہیں تو لوگوں کی بات پر اعتراض کریں - اور جب ہم کوئی بات کہتے ہیں تو ہمارے قول پر اعتراض نہیں کرسکتے ۔

اذا سید منا خلا قام سید | قؤول لما قال الکرام فعول

جب ہم میں سے کوئی سردار انتقال کرجاتا ہے تو ایسا سردار اس کی جگہ قائم ہوتا ہے کہ کہتا ہے وہ جو شریفوں کا قول ہے اور وہی کرتا ہے ۔

وما اخمدت نار لنا دون طارق | ولا ذمنا فی النازلین نزیل

اور ہماری آگ کسی رات کے آنیوالے پر کبھی بجھی نہیں ہے - اور نہ مہمانوں میں سے کسی مہمان نے ہماری مذمت کی ہے ۔

وایامنا مشہورۃ فی عدونا | لہا غرر معلومۃ وحجول

اور ہمارے واقعات ہمارے دشمنوں میں مشہور ہیں - اُن واقعات کے واسطے روشنی اور بیاض معلوم ہے ۔

واسیافنا فی کل غرب ومشرق | بہا من قراع الدارعین فلول

اور ہماری تلواریں تمام مغرب اور مشرق میں زرہ پوشوں پر شمشیرزنی سے دندانہ دار ہوگئی ہیں ۔

معودۃ الا تسل نصالہا | فتغمد حتی یستباح قبیل

یہ عادت کی گئی ہے کہ تلوار کھینچکر پھر میان نکیجائے جب تک کوئی جماعت قتل نکیجائے ۔

غرض لڑائی اور جنگجوئی اُن کا رات دن کا مشغلہ تھا - جاہلیت کی لڑائیوں کی شمار کوئی سترہ سَو بتاتا ہے کوئی بارہ سَو - اِن بے باک اور بیخوف عربوں کی معرکہ آرائیاں اور خوں ریزیاں بڑی مشہور ہیں - ایک ذراسی بات اُن کے درمیان آتشِ جنگ مشتعل کرنے اور سالہاسال باہم لڑتے رہنے کے واسطے

کافی تھی مثلاً حرب بسوس جو بنی بکر اور بنی تغلب کے درمیان ہوئی اُس کا سبب یہ تھا کہ کلیب ایک بڑا مشہور امیر عرب تھا اُس نے حکم دے رکھا تھا کہ میری چراگاہ میں کوئی اُونٹ چرنے نہ پائے - ایک شخص قوم جرم کا حساس کی پھوپھی بسوس نامی کے پاس اُترا تھا اُن کے ناقہ کا نام سراب تھا - وہ چرتی ہوئی کلیب کی چراگاہ میں چلی گئی - کلیب نے اُس پر تیر چلائے اور پھر اُس کے تھن کاٹ لیئے - یہ اُونٹنی لہولہان بڑبڑاتی ہوئی اپنے مالک کے پاس آئی - بسوس کو دیکھکر بہت رنج ہوا کہ اُس کے مہان کو تکلیف پہنچی - حساس نے جو اپنی پھوپھی کو غمگین پایا اور ماجرا سُنا تو تمام قوم کو جمع کر کے کلیب کو جا گھیرا اور احاطہ میں پھرتے ہوئے پاکر حساس نے اُس کو ایک ایسا نیزہ مارا کہ وہ مرگیا - یہ جنگ کی آگ پچاس برس تک بھڑکی رہی جس کے شراروں میں ستر ہزار جانیں خاکستر ہوگئیں *

اسی طرح جنگ داحس کی کیفیت یہ ہے کہ عرب کے ایک امیر قیس کے پاس دو گھوڑے داحس اور غبرا نامی تھے - حذیفہ بن بدر کے گھوڑوں کے ساتھ دوڑ ہوئی - دو دو سو چھڑوں کی شرط بدی گئی - مگر دوڑ کے نتیجہ پر باہم تکرار ہوگیا اور لڑائی چھڑ گئی - چالیس برس تک خوں ریزی کا ہنگامہ برپا رہا - قبیلہ کے قبیلہ کٹ گئے اور ہزارہا جانیں اُس ناچیز سے جھگڑے کی نذر ہوگئیں *

اُونٹ اور گھوڑا اُن کے دو وفادار اور خدمتگزار تھے اور وہ بھی اُن کے پورے قدردان اور عاشق زار تھے - اونٹ کا دودھ - دہی - گوشت - پشم - چمڑا - مینگنیاں - پیشاب ہر چیز اُن کے کام آتی تھی - پس یہ ریگستان کا جہاز صرف ریگستانی دشوار گزار راستوں ہی میں کام نہیں دیتا تھا بلکہ اُن کے اسباب معیشت کا ایک بہت بڑا جزو تھا *

گھوڑے کی نسبت علم حیوانات کے عالم یہ رائے دیتے ہیں کہ وہ عرب کی پیدایش ہے - وہیں کی آب و ہوا اِس شریف اور نجیب جانور کے لیئے موزوں کی گئی تھی گو اُس کے قد و قامت کو وہ چنداں بلند نہیں کرتی مگر تیزی اور چستی و چالاکی اور شتاب روی وہ پیدا کرتی ہے کہ جسکا دنیا میں جواب نہیں شریف و نجیب گھوڑوں کی نسل کا باقی رکھنا عرب کا ایمان تھا - اور جگہ انسان اپنی شرافت کو ایسا یاد نہیں رکھتا جیسا کہ عرب ان گھوڑوں کی نسل کی نجابت کو یاد رکھتا تھا - نر کو فروخت کردے مگر مادہ کو جان کے برابر رکھتا اور جُدا نہیں کرتا تھا - جب کوئی نجیب گھوڑی بچھیرا دیتی تو اُس کی خوشی ایک بڑی شادی کی تقریب سے کم نہ ہوتی - اولاد کے اُن سے محبت کرتے اور اولاد ہی کی طرح اُس کی تعلیم و تربیت کرتے تھے اور اِس سے فائدہ اُٹھاتے تھے - اُن کی تیزی اور دوڑ ہزاروں جانیں بچا دیتی تھی - عرب اسی کے بھروسے پر اپنی جان کو خطرے میں ڈال دیتا تھا - اور وہ اُس کے اعتبار کو دھوکا نہیں دیتا تھا اور ہوا کی طرح لیکر اُڑ جاتا تھا گو سوار پیٹھ سے گرجاتا تو وہ اُس کی مصیبت کا دوست اُسکے سنبھلکر پھر سوار ہونے تک اُسکے پاس کھڑا رہتا *

شعر و شاعری نے حیرت انگیز ترقی کی تھی - عرب شعر اور شاعری کا دلدادہ تھا - کسی قوم میں اگر کوئی

ہونہار شاعر پیدا ہوتا تھا تو مرد اور عورتیں سب بلکر خوشی کرتے اور شادیانے بجاتے تھے۔ اپنے لائق شاعروں پر بھی فخر کیا جاتا تھا۔ عکاظ کے بازار کے مشاعرے اور معلقہ مشہور ہیں۔ اپنے اشعار میں وہ شجاعت دلاوری، جنگیں۔ خونریزی۔ شرافت نسب۔ رفاقت باوفا۔ سخاوت۔ فرحت مقام۔ دریا کی روانی۔ جنگلوں کی ویرانی، پہاڑوں کی وحشتناکی۔ جنگلوں کی سرسبزی۔ حیوانات کی خوبی۔ اونٹ گھوڑوں کی تعریف۔ عشق معشوق کی تعریف۔ ہجر کی اوداسی۔ وصال کی مسرت۔ اور اس قسم کے مضامین ہوا کرتے تھے۔ فصاحت۔ بلاغت۔ ظرافت۔ ظرافت بھی فضیلت کے دائرے کی تکمیل کے لیئے ضروری تھی۔ ایک فصیح متکلم اور مقرر کو خطیب کا خطاب ملتا تھا ؛

بعض خوبیوں کے ساتھ ساتھ عرب جاہلیت میں نہایت بد اخلاقی اور فحش پھیلا ہوا تھا۔ قصائد کے شروع میں جو تشبیب کے اشعار ہوتے تھے اُن میں دولتمند امیروں کی لڑکیوں، عورتوں اور بہنوں کا نام عیاں کرتے تھے اور طرح طرح کے عیبوں کو علانیہ اُن کی طرف منسوب کرتے تھے۔ اُن کا یہ اعتقاد تھا کہ شاعر کے اعضا میں ایک جن رہتا ہے اور جس قدر بڑا شاعر ہوتا ہے اُسیقدر بدبخت جن اُس کے زیر حکم ہوتا ہے ؛

بدکاری اور زناکاری سے نادم نہیں ہوتے تھے اس طرح کی غیر مہذب نظم میں ازراہ بیشرمی اسکو مشتہر کرتے تھے اور اُس پر فخر کرتے تھے ؛

سب لوگ شراب اور نہایت قوی منشی عرقوں کے پینے سے بدرجہ غایت اُنس رکھتے تھے اور مدہوشی کی حالت میں تمام لوگوں سے خراب اور معیوب باتیں سرزد ہوتی تھیں ؛

قماربازی سب لوگوں کا بلا استثنا ایک ہردلعزیز کھیل تھا اور کوئی خاص مقام قماربازی کا مشہور ہوتا تھا تو لوگ دور دراز مسافت طے کرکے وہاں جوا کھیلنے کو جایا کرتے تھے۔ سودخواری بھی عام طور سے نہایت درجہ مروج تھی ؛

لونڈیوں کو جو قینات کہلاتی تھیں گانا بجانا اور ناچنا سکھایا جاتا تھا اور وہ حرامکاری کرنے کی مجاز تھیں۔ اس حرامکاری کی آمدنی اُن کے آقا اپنے تصرف میں لاتے تھے ؛

رہزنی اور غارتگری اور قتل روزمرہ کی باتیں تھیں۔ انسانوں کا خون بلاخوف و تاسف ہر روز ہوا کرتا تھا۔ لڑائی میں جو عورتیں قید ہوتی تھیں اُن کو فتحمند لونڈیاں بنا لیتے تھے ؛

ٹوٹکوں اور شگون لینے میں اُن کا نہایت مضبوط اعتقاد تھا۔ جب کوئی مصیبت اُن پر نازل ہوتی تھی تو پتھر کی چھوٹی کنکریوں پر کچھ پڑھکر پھونکتے تھے اور اُن کو دفع مصیبت کی غرض سے پھینکتے تھے۔ جانوروں کے اُڑنے اور بولنے سے نیک اور بدشگون لیا کرتے تھے ؛

خون کے انتقام میں دیت لینا معیوب سمجھا جاتا تھا۔ اُن کا اعتقاد تھا کہ اگر کسی آدمی کے خون کا عوض

خون سے نہ لیا جائے تو ایک چھوٹا پردار کیڑا مقتول کے سر میں سے نکلکر آسمان میں چھپتا پھرتا ہے۔ اس عجیب کیڑے کو "ہامہ" اور "صدی" کہتے تھے ۔

ہر شخص کے مرنے کے بعد دستور تھا کہ اُس کے اونٹ کو اُس کی قبر سے باندھ دیتے تھے۔ یہانتک کہ بھوک اور پیاس کے مارے وہ مرجاتا تھا اور اُس اُونٹ کو "بلیہ" کہتے تھے۔ کسی کے مرنے پر برس روز تک سوگ کرتے اور اُسکو رویا کرتے تھے ۔

لڑائی میں عورتیں مردوں کے ہمراہ ہوتی تھیں اور ہر طرح اُن کی مدد کرتی تھیں۔ اُن کے شوہر جب لڑائی میں مصروف ہوتے تھے تو وہ پکار پکار کر کہتی تھیں "آگے بڑھو آگے بڑھو اے ہمارے جری بہادر خاوند اگر تم کوتاہی کروگے اور ہمکو دشمن سے نہ بچاؤگے تو ہم تمہاری بیویاں نہ ہوں گی"۔

قحط اور گرانی کے زمانہ میں اپنے اُونٹوں کو مجروح کرکے اُن کا خون پیا کرتے تھے۔ خشک سالی میں مینہ برسنے کا ٹوٹکا اس طرح پر کرتے تھے کہ پہاڑوں میں ایک گائے کو لیجاتے تھے اور اُسکی دُم میں سُوکھی ہوئی گھاس اور کانٹے اور جھڑبیاں باندھکر اُس میں آگ لگا دیتے تھے اور گائے کو پہاڑوں میں چھوڑ دیتے تھے۔

باوجودیکہ کوئی شخص اپنے غلاموں کو آزاد کر دیتا تھا تو بھی اُسکی ملکیت کا استحقاق اُسکو باقی رہتا تھا۔ اُس استحقاق کو فروخت کر دینے کا بھی مجاز تھا اور مشتری اور غلاموں پر اپنی ملکیت قایم کرتا تھا۔ اور اس طرح سے یہ بدبخت ہمیشہ کی آزادی سے بالکل محروم تھے ۔

عورتیں کسی جانور کا دودھ نہیں دوہتی تھیں اور اگر کسی خاندان کی عورتوں کو دودھ دوہتے دیکھ پاتے تھے تو اُس خاندان کو نظرِ حقارت سے دیکھتے تھے اور وہ خاندان لوگوں کی آنکھوں میں دفعتاً حقیر ہوجاتا تھا۔

مجرم کو فوجداری کی سزا میں جلتی ہوئی ریت پر بٹھا دیتے تھے مُردہ جانوروں کا گوشت کھاتے تھے اور اُسکو بہت لذیذ مزا سمجھتے تھے۔ جو اُونٹنی یا بھیڑ بکری دس دفعہ بچہ جن لیتی تھی اُسکو چھوڑ دیتے تھے اور وہ چھوٹی پھرا کرتی تھی اور جب وہ مرجاتی تھی تو اُس کا گوشت مرد کھاتے تھے اور عورتوں کو اُس کا گوشت کھانے کی ممانعت تھی۔ اگر اُونٹنی یا بھیڑ بکری پانچویں دفعہ مادہ بچہ جنتی تھی تو اُس کے کان کاٹ کر اُسکو چھوڑ دیتے تھے اور اُسکو "بحیرہ" کہتے تھے اور اُس کا گوشت کھانا اور دودھ پینا منع تھا۔ کسی کام کے ہوجانے پر اُونٹوں کو بطور سانڈ چھوڑ دینے کی منت مانتے تھے اور جب وہ کام ہوجاتا تھا تو اُونٹ کو بطور سانڈ کے چھوڑ دیتے تھے وہ جہاں چاہتا پھرا کرتا تھا۔ اگر کوئی اُونٹنی دس بچے اور بکری سات بچے دے چکتی تھی تو عورتوں کو اُس کا گوشت کھانے کی ممانعت تھی اور صرف مرد ہی اُس کا گوشت کھا سکتے تھے۔ اگر کسی بکری کے مادہ بچہ ہوتا تھا تو مالک اُسکو اپنے لیے رہنے دیتا تھا اور اگر نر پیدا ہوتا تھا تو بتوں پر بطور نذر کے چڑھایا جاتا تھا اور اگر دو بچے ایک نر اور ایک مادہ پیدا ہوتے تھے تو مالک دونوں کو اپنے لیئے رکھتا تھا اور وہ "وصیلہ" کہلاتے تھے۔ جو اُونٹ دس بچوں کا باپ ہوچکتا تھا وہ چھوڑ دیا جاتا تھا اور جہاں وہ چاہتا تھا پھرا کرتا

تھا اور وہ بنام "حامی" موسوم ہوتا تھا ۔

قسم لینے کا نہایت سنجیدہ قاعدہ یہ تھا کہ آگ جلا کر اُس میں نمک اور گندھک پھینک ڈالتے تھے ۔ یہ آگ "ہولہ" کہلاتی تھی اور اس کے جلانے والا "مہول" کہلاتا ۔ قسم کے مستحکم کرنے کا ایک یہ بھی طریقہ تھا کہ میزاب خانہ کعبہ کے نیچے چابک کمان اور جوتی رکھ دیتے تھے اور اس طرح کرنے سے قسم پختہ ہو جاتی تھی اور اور دوسرے مستحکم کرنے کو اپنے بزرگوں اور بتوں کی قسم کھاتے تھے ۔

ہر شخص گو وہ اجنبی ہو دوسرے شخص کے گھر میں بلا طلب اجازت چلے آنے کا مجاز تھا ۔ کسی شخص کے گھر کھانا کھانا معیوب سمجھا جاتا تھا ۔

خانہ کعبہ میں سات تیر رکھے ہوئے تھے اور ہر تیر پر ایک علامت بنی ہوئی تھی ۔ بعضوں پر کام کرنے کے حکم دینے کی اور بعضوں پر اُس کام سے منع کرنے کی علامت تھی ۔ ہر شخص پیشتر اس سے کہ کوئی کام کرے اُن تیروں سے استخارہ کرتا تھا ۔ اور اُسی کے بموجب کام کرتا تھا ۔ اُن تیروں کو "ازلام" کہتے تھے ۔

تمام عرب جاہلیت کا شیوہ بت پرستی تھا ۔ مختلف قبائل کے مختلف بت تھے جن کے نام اور شکلیں جدا جدا تھیں مثلاً **ہبل** ایک بہت بڑا بت آدمی کی شکل کا جو شام سے لایا گیا تھا وہ مینہ برسانے والا یقین کیا جاتا تھا خانہ کعبہ کے اوپر رکھا ہوا تھا ۔ **ود** قبیلہ بنی کلب کا بت تھا ۔ **سواع** جو عورت کی شکل کا بت قبیلہ بنی مذحج کا تھا ۔ **یغوث** قبیلہ بنی مراد کا شیر کی شکل کا بت تھا ۔ علیٰ ہٰذا القیاس **یعوق** ۔ **نسر** ۔ **عزیٰ** ۔ **لات** ۔ **منات** ۔ **دوار** (نوجوان عورتوں کا بت جو اُس کا طواف کرتی تھیں) **اساف** ۔ **نائلہ** ۔ **عبعب** ۔ مختلف بت تھے ۔ کعبہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مورت بنی ہوئی تھی جس کے ہاتھ میں استخارہ کے تیر تھے ۔ حضرت مریمؑ کی بھی ایک مورت تھی جس کی گود میں حضرت عیسیٰ تھے ۔ ان بت پرست باشندوں کے درمیان ایک فرقہ "صابئی" مذہب کا تھا جو ثوابت اور سیاروں کی پرستش کرتا تھا ۔

عورتیں نہایت خراب اور ذلیل حالت میں تھیں ۔ مردوں کو جس قدر چاہیں عورتیں کرنے کا اختیار تھا ۔ طلاق دیکر پھر عورت کو اپنی زوجیت میں لے آنے کا اختیار تھا ۔ سب سے خراب رسم لڑکیوں کو بے رحمی سے مار ڈالنا یا اُن کو زندہ دفن کر دینے کی تھی ۔ لڑکے اپنی سوتیلی ماؤں کے ساتھ ازدواج کرنے کے مجاز تھے مگر باپ اپنے بیٹے یا متبنیٰ کی زوجہ کے ساتھ شادی کرنے کا مجاز نہ تھا ۔ شوہر کے مرنے کے بعد اُس کا سوتیلا بیٹا اگر وہ نہ ہو تو کوئی قریب کا رشتہ دار بیوہ کے سر پر ایک چادر ڈال دیا کرتا تھا اور وہ شخص جو اس طرح چادر ڈالتا تھا اُس سے شادی کرنے پر مجبور ہوتا تھا ۔

عورتیں بے حجاب عام مجمعوں میں آتی تھیں اور اپنے جسم کے کسی حصہ کو کھلا رکھنے اور عوام الناس کو

دکھلانے میں کوئی بے حیائی اور بے شرمی کی بات خیال نہیں کرتی تھیں۔ عورتیں مصنوعی بال سر پر لگایا کرتی تھیں اور اپنے جسم کو نیل سے گودا کرتی تھیں ؎

دیووں اور خبیث ارواحوں۔ خیالی اور وہمی فرضی صورتوں اور نیک و بد جنات کو مانتے تھے اور اُن کی مختلف شکلیں مقرر کر رکھی تھیں[۱] ؎

غرض جاہلیت کے یہ خیالات۔ یہ عادات اور اطوار اور عقائد اور رسم تھے جن میں کہ حضرت عمرؓ نے اپنی ابتدائی عمر کا ایک بہت بڑا حصہ بسر کیا تھا۔ انہیں حالات کو ہماری زبان کے یگانہ شاعر نے سب سے مؤثر الفاظ میں یوں بیان کیا ہے :-

کہیں آگ پُجتی تھی واں بے محابا ۔۔۔ کہیں تھا کواکب پرستی کا چرچا
بہت سے تھے تثلیث پر دل سے شیدا ۔۔۔ بُتوں کا عمل سو بسو جا بجا تھا
کرشموں کا راہب کے تھا صید کوئی
طلسموں میں کاہن کے تھا قید کوئی

وہ دنیا میں گھر سب سے پہلا خدا کا ۔۔۔ خلیل ایک معمار تھا جس بنا کا
ازل میں مشیت نے تھا جس کو تاکا ۔۔۔ کہ اِس گھر سے اُبلے گا چشمہ ہدیٰ کا
وہ تیرتھ تھا اک بُت پرستوں کا گویا
جہاں نامِ حق کا نہ تھا کوئی جویا

قبیلہ قبیلہ کا بُت اک جدا تھا ۔۔۔ کسی کا ہُبل تھا کسی کا صفا تھا
یہ عزّیٰ پہ وہ نائلہ پہ فدا تھا ۔۔۔ اسی طرح گھر گھر نیا اک خدا تھا
نہاں ابرِ ظلمت میں تھا مہرِ انور
اندھیرا تھا فاران کی چوٹیوں پر

چلن اُن کے جتنے تھے سب وحشیانہ ۔۔۔ ہر اک لُوٹ اور مار میں تھا یگانہ
فسادوں میں کٹتا تھا اُن کا زمانہ ۔۔۔ نہ تھا کوئی قانون کا تازیانہ
وہ تھے قتل و غارت میں چالاک ایسے
درندے ہوں جنگل میں بے باک جیسے

نہ ٹلتے تھے ہرگز جو اڑ بیٹھتے تھے ۔۔۔ سلجھتے نہ تھے جب جھگڑ بیٹھتے تھے
جو دو شخص آپس میں لڑ بیٹھتے تھے ۔۔۔ تو صدہا قبیلے بگڑ بیٹھتے تھے

[۱]۔ یہ حالات خطبات احمدیہ مصنفہ سرسید احمد خاں صاحب اور بعض دوسری معتبر کتابوں سے لکھے گئے ہیں۔ مؤلف ۱۲

بلند ایک ہوتا تھا گر واں شرارا
تو اُس سے بھڑک اُٹھتا تھا مُلک سارا

وہ بکر اور تغلب کی باہم لڑائی
قبیلوں کی کردی تھی جس نے صفائی

صدی جس میں آدھی اُنہوں نے گنوائی
تھی اِک آگ ہر سُو عرب میں لگائی

نہ جھگڑا کوئی مُلک و دولت کا تھا وہ
کرشمہ اِک اُن کی جہالت کا تھا وہ

کہیں تھا مویشی چرانے پہ جھگڑا
لبِ جُو کہیں آنے جانے پہ جھگڑا

کہیں پہلے گھوڑا بڑھانے پہ جھگڑا
کہیں پانی پینے پلانے پہ جھگڑا

یُوں ہی روز ہوتی تھی تکرار اُن میں
یُوں ہی چلتی رہتی تھی تلوار اُن میں

جو ہوتی تھی پیدا کسی گھر میں دُختر
پھرے دیکھتی جب تھی شوہر کے تیور

تو خوفِ شماتت سے بے رحم مادر
کہیں زندہ گاڑ آتی تھی اُس کو جاکر

وہ گود ایسی نفرت سے کرتی تھی خالی
جنے سانپ جیسے کوئی جننے والی

جُوا اُن کی دن رات کی دل لگی تھی
تعیّش تھا غفلت تھی دیوانگی تھی

شراب اُن کی گھٹی میں گویا پڑی تھی
غرض ہر طرح اُن کی حالت بُری تھی

بہت اس طرح گزری تھیں اُن کو صدیاں
کہ چھائی ہوئی نیکیوں پر تھیں بدیاں

یکایک ہوئی غیرتِ حق کو حرکت
ادا خاکِ بطحا نے کی وہ ودیعت

بڑھا جانبِ بوقبیس ابرِ رحمت
چلے آتے تھے دیتے جسکی شہادت

ہوئے پہلوئے آمنہ سے ہویدا
دُعائے خلیل اور نویدِ مسیحا

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوتِ ہادی
نئی اِک لگن دل میں سب کے لگادی

عرب کی زمیں جس نے ساری ہلادی
اِک آواز میں سوتی بستی جگادی

پڑا ہر طرف غُل یہ پیغامِ حق سے
کہ گونج اُٹھے دشت و جبل نامِ حق سے

اسلام کی ابتدائی حالت۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسلام لانا ہجرت۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے نبوت کے پہلے تین برسوں میں عرب سے بُت پرستی چھوڑانے کی کوششیں پوشیدہ طور پر کیں۔ مگر آخرکار آپ نے علانیہ تلقین کرنا شروع کیا اور بُت پرستی کی مذمت کرنی شروع کی۔ قریش اور قبائل عرب اس سے آگ کی طرح غصہ سے بھڑک اُٹھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے روکنے اور باز رکھنے کی کوشش کی۔ لیکن جب ایک نہ ماننے کے لائق بات کو آنحضرت صلعم نے نہ مانا تو قریش نے آنحضرت صلعم کو کعبہ سے جہاں آپ موعظت فرمایا کرتے تھے نکال دیا[۱]۔ آنحضرت صلعم جسقدر اعلاء کلمۃ الحق اور بُتوں کے عیوب کے اظہار میں اصرار فرماتے تھے اُسیقدر قریش آپ سے زیادہ دشمنی اور مخالفت کرنے پر آمادہ ہوتے جاتے تھے۔ اُن کے اس بڑھتے ہوئے طیش اور غصہ نے آخرکار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن مسلمان مردوں اور عورتوں کو جو اسلام لائے تھے ایذا پہنچانے کا ایک سلسلہ قائم کردیا۔ آنحضرت صلعم کی نسبت مُنہ در مُنہ دشنام دہی کرنا اور تذلیل کرنا یہ تو ایک عام بات تھی جو روزمرہ ہوتی تھی۔ معززین قریش کمینہ لوگوں کو اور اپنے غلاموں کو اشارہ کرتے تھے اور وہ اس طرح سے آں حضرت کو ایذا پہنچاتے تھے۔ ایک دفعہ اسیطرح اُن کمینہ لوگوں اور قریش کے غلاموں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گھیر لیا اور گالیاں دینی اور سخت و سُست الفاظ کہکر غُل مچانی شروع کی۔ بہت سے آدمی جمع ہوگئے اور ایسی دھکاپیل ہوئی کہ آنحضرت صلعم کو ایک احاطہ میں پناہ لینی پڑی[۲]۔ ابولہب ہمیشہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر نجاست اور نجس اور بدبودار چیزیں ڈلوادیتا تھا[۳]۔ ام جمیل ابولہب کی بیوی (حمالۃ الحطب) اُس راستہ پر جہاں سے

---

[۱] سپرٹ اوف اسلام مصنّفہ مولوی سید امیر علی صاحب رضوی ۱۲

[۲] از ابن ہشام۔ تفسیر القرآن جلد چہارم مصنفہ سرسید احمد خاں ۱۲ [۳] از تاریخ ابن الاثیر جلد ۲۔ تفسیر القرآن جلد چہارم ۱۲

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد و رفت ہوتی تھی اور جہاں آپ عبادت اور مراقبہ کرنے کو تشریف لیجاتے تھے کانٹے بچھا دیتی تھی[1]۔ راہ چلنے کی حالت میں آنحضرت صلعم کے سر مبارک پر لوگ مٹی۔ کوڑا۔ کرکٹ ڈالدیتے تھے[2]۔ قریش نے باہم پختہ عہد کرلیا تھا کہ کوئی شخص آں حضرت صلعم کے پاس نہ جائے اُن کے پاس بیٹھے اور اُن کی بات نہ سُنے۔ ایک دفعہ عقبہ جاکر آنحضرت صلعم کے پاس بیٹھا اور کچھ کلام سُنا۔ اسکی خبر اُبی کو پہنچی اُس کا یہ دوست تھا۔ وہ اُس کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے سُنا ہے کہ تو آنحضرت صلعم کے پاس جاکر بیٹھا تھا اور اُن کی باتیں سُنی تھیں۔ تیری صورت مجھ کو دیکھنی اور تجھ سے بات کرنی حرام ہے اور میں اپنی قسم کو اور زیادہ پختہ کروں گا اگر تو اب گیا اور اُن کے پاس بیٹھا۔ کیا تجھ سے یہ نہ ہوسکا کہ اُن کے منہ پر تھوک دیتا چنانچہ اُس خدا کے دشمن نے ایسا ہی کیا[3]۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جہاں جاتے تھے وہاں وہ بھی پہنچتے تھے۔ اور جب آپ اور آپ کے اصحاب نماز میں مصروف ہوتے تھے اُس وقت پتھر مارتے تھے اور جب آپ کھانا کھاتے تھے اُس وقت غلیظ پھینکتے تھے اور کعبہ کے قریب آپ کو نماز پڑھنے نہ دیتے تھے[4]۔

جو لوگ مُسلمان ہوگئے تھے اُن پر بھی نہایت ظلم ہوتا تھا اور سخت ایذا پہنچائی جاتی تھی۔ جہاں کہیں مُسلمانوں کو دیکھتے تھے پکڑ لیتے تھے قید کرتے تھے۔ مارتے تھے۔ بھوکا پیاسا رکھتے تھے۔ جلتی ریت میں ڈالتے تھے۔ آگ سے جلاکر ایذا پہنچاتے تھے[5]۔ حضرت بلال رض کو عین دوپہر میں سورج کی تپش کے وقت اُمیہ بن خلف کبھی مُنہ کے بل اور کبھی پیٹ کے بل جلتی ریت پر ڈال دیتا تھا اور کہتا تھا کہ میں تیرے ساتھ اسی طرح کیئے جاؤں گا جب تک کہ تو مرجائے یا حضرت محمد صلعم کے ساتھ کفر کرے[6]۔ ایک دفعہ انہوں نے عمار بن یاسر کو اور اُس کے باپ کو اور ماں کو جو مسلمان ہوگئے تھے پکڑلیا اور دھوپ میں جلتی ریت پر ڈال دیا اتفاقاً آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُس طرف سے گزرے اور اُن سے کہا کہ اے یاسر کے خاندان کے لوگو صبر کرو تمہاری جگہ جنت میں ہے۔ حضرت یاسر اسی سختی میں مرگئے اور اُن کی بیوی سمیہ کو ابوجہل نے اُس مظلومہ کی شرمگاہ میں ہتھیار مار کر مار ڈالا اور اُس کے بعد حضرت عمار کو سخت ایذا پہنچائی۔ کبھی دھوپ میں ڈالتا تھا کبھی آگ سے گرم کیا ہوا پتھر اُن کے سینہ پر رکھواتا تھا۔ کبھی اُن کو پانی میں ڈال کر ڈبوتا تھا۔ آخرکار اُن سے کہا کہ ہم تجھے کبھی نہیں چھوڑیں گے جب تک کہ تو محمد کو دشنام نہ دے

[1] از ابن ہشام تنقید الکلام فی احوال شارع الاسلام مصنفہ مولوی سید امیر علی صاحب رضوی صفحہ ۴۴ و تفسیر القرآن جلد چہارم صفحہ ۴۴ ۔ [2] از ابن ہشام تفسیر القرآن جلد چہارم صفحہ ۴۵ ۔

[3] از ابن ہشام صفحہ ۲۳۰ و تفسیر القرآن جلد چہارم صفحہ ۴۶ [4] تنقید الکلام فی احوال شارع الاسلام صفحہ ۴۵ ۔

[5] تفسیر القرآن جلد چہارم صفحہ ۴۶ ۔ از تاریخ ابن اثیر ۱۲

[6] تفسیر القرآن جلد چہارم صفحہ ۴۶ ۔ از تاریخ ابن اثیر ۱۲ ۔

قوت کی تعریف نکرتے[1] ۔ خباب ابن ارث کو کافروں نے پکڑ لیا اور نہایت سخت ایذا پہنچائی۔ اُسکو ننگا کر کے موںھ کے بَل گرم جلتی ریت پر لٹاتے تھے اور پھر پتھر کے ٹکڑوں کو آگ سے گرم کر کے اُس پر لٹاتے تھے اور اُس کا سر مروڑ کے اُلٹا پھیر دیتے تھے[2]۔ فکیہ کو اُمیہ بن خلف نے ایذائیں پہنچا پہنچا کر آخر گلا گھونٹ کر مار ڈالا۔ زنیرہ مسلمان عورت کو ابوجہل نے اندھا کر دیا۔ غرض تمام مسلمانوں کو طرح طرح کے عذاب اور طرح طرح کی ایذائیں پہنچائی جاتی تھیں اور یہ سلسلہ ایذا رسانی کا جاری تھا۔ پس جو حال کہ ابتدا میں اسلام کا تھا اور جس مصیبت میں مسلمان گرفتار تھے وہ اس قسم کے واقعات سے ظاہر ہے ؛

جیسا کہ ہمنے کہا ہے مُسلمان مورخوں نے حضرت عمرؓ کے ایام جاہلیت کے حالات کو صرف چھوڑ ہی نہیں دیا بلکہ غیر ضروری رعایت اُن سے کرنا چاہی ہے۔ اس قسم کی روایتیں موجود ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اسلام لانے سے پہلے کبھی مُسلمانوں کو یا آں حضرت صلعم کو کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچائی[3]۔ مگر ابن اثیر کی ایک روایت سے صحیح حال معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ ایک دن حضرت عمرؓ نے اپنے مسلمان ہونے سے پہلے لبینہ ایک مُسلمان عورت کو پکڑ لیا اور اُس کو ایذا پہنچائی اور مارنا شروع کیا۔ جب تھک جاتے تھے تو چھوڑ دیتے تھے اور کہتے تھے کہ مَیں نے تجھے چھوڑا نہیں ہے۔ مَیں تھک گیا ہوں اس لیئے ٹھہر گیا ہوں اُس نے جواب دیا کہ اسیطرح خدا تیرے ساتھ بھی کریگا اگر تو مسلمان نہ ہوا[4]۔ یہی مخالفت حضرت عمرؓ کی اپنی بہن فاطمہ کے اسلام لانے کی خبر سُن کر اور طیش کھا کر اُس کے گھر جانے اور اُن کو مارنے کے مشہور واقعہ سے ظاہر ہے۔ ہم مورخین کو بھی اس سے انکار کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی کہ حضرت عمرؓ اسلام لانے سے پہلے مسلمانوں کو ایذا اور عذاب پہنچانے میں متہم اور مشہور تھے۔ اسلام کے وہ سخت مخالف اور پیغمبر کے غایت درجہ کے دشمن اور رقیب تھے۔ انگریزی مورخین سب اس قول پر متفق ہیں کہ حضرت عمرؓ پہلے اس نئے دین کے نہایت مخالف اور دشمن تھے[5] اور اسلام کی دشمنی اور مسلمانوں کے ساتھ سختی اور تشدد کرنے میں بدنام تھے[6]؛

غرض جیسا کہ حضرت عمرؓ کی سخت اور درشت طبیعت سے جبکہ وہ لوگ اپنی دلیری اور شجاعت اور تہوّر اور ہٹ اور لڑاکا پن ثابت کرنے کے واسطے اسی قسم کے موقعوں کے متلاشی رہتے تھے توقع کرنی چاہیئے وہ جاہلیت میں اسلام کے بے طرح مخالف تھے۔ بعض روایات میں خود حضرت عمرؓ کا یہ قول بھی ملا ہے کہ میں رسول اللہ کے زمانے میں اُن پر "اشد الناس" تھا[7]۔ حضرت عمرؓ جس طرح کہ عزت اور وجاہت اور رعب میں

---

[1] و [2] تفسیر القرآن جلد چہارم صفحہ ۴۶۔ از تاریخ ابن اثیر ؛ [3] مدارج النبوت از مواہب لدنیہ ؛

[4] تفسیر القرآن جلد چہارم صفحہ ۴۸۔ از ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۲۷ ؛ [5] سپرٹ اوف اسلام مصنفہٗ مولوی سید امیر علی صاحب رضوی صفحہ ۱۱۲ ؛ [6] کتاب اسلام مصنفہٗ شابرٹ صفحہ ۸۲ ؛

[7] لیف اوف محمد مصنفہٗ سر ولیم میور صفحہ ۹۵ ؛ [8] تاریخ الخلفاء سیوطی صفحہ ۷۶ ؛

ابوجہل سے کرتے تھے اسیطرح معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی مخالفت اور مسلمانوں سے سختی کرنے میں بھی اس سے کم نہ تھے کیونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں میں سے ایک کے مسلمان ہوجانے کی دُعا کیا کرتے تھے۔ جیساکہ ابن مسعود کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت م نے خدا سے دُعا مانگی کہ خدایا عمرو ابن ہشام (ابوجہل) یا عمرؓ ابن الخطاب سے اسلام کو عزت (یا مدد) دے۔ حضرت عائشہ نے اور ابن عمرؓ کی روایت میں آنحضرت م کا صرف حضرت عمرؓ کے لیئے دُعا مانگنا بیان ہوا ہے۔ جس سے یہ خیال ہوتا ہے کہ آنحضرت م کو حضرت عمرؓ کی طبیعت سے ہدایت قبول کرنے کی بڑی توقع تھی × × × × × × × × × × × × × × × × حضرت عمرؓ کی بہن اور بہنوئی پہلے مسلمان ہوچکے تھے اور اُن کے بھائی اور الولبیہ کے چار بیٹے خطاب کے خاندان سے ٹرنمیں ملتے تھے سب سے اوّل اسلام لانے والوں میں سے تھے ؞

حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کی نسبت جو روایتیں ہیں گو وہ جزئیات تک صحیح نہ ہوں مگر ہر ایک سے بجائے خود حضرت عمرؓ کا اسلام کا مخالف اور معاند ہونا ثابت ہے۔ اس باب میں مختلف روایتیں ہیں اور اگرچہ اُن میں سے صرف وہی ایک روایت جو مشہور و مسلم ہے قابل اعتبار ہو اور دوسری روایتوں کو حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کے واقعہ کی نسبت صحیح نہ سمجھا جائے لیکن اُن میں جو واقعات بیان ہوئے ہیں اغلب ہے کہ وہ صحیح ہوں اور حضرت عمرؓ کی طبیعت پر اثر ڈالنے اور قبول اسلام کیواسطے تیار کرنے کا باعث ہوئی ہیں۔ خود حضرت عمرؓ سے حدیث بیان کی گئی ہے کہ میں رسول اللہ کو مسجد جانے سے روکنے کیواسطے نکلا مگر وہ پیشدستی کرکے مجھ سے پہلے مسجد میں پہنچ گئے۔ میں اُن کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ انہوں نے سورۃ الحاقہ شروع کردی۔ میں تالیف قرآن سے تعجب کرتا تھا اور کہتا تھا کہ اللہ کی قسم جیسا قریش کہتے ہیں یہ شاعر ہے تب اُنھوں نے یہ آیت "انه لقول رسول کریم وماهو بقول شاعر قلیلاً ما یؤمنون" پڑھی۔ اِس سے میرے دل میں اسلام نے گھر کرلیا[۱]۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کی ابتدا یہ تھی کہ ایک رات وہ اپنی بہن مخاض کو مار کر گھر سے نکلکر کعبہ میں چلے گئے۔ وہاں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ ایک چادر اوڑھے ہوئے آئے اور حجر اسود کے پاس گئے اور کچھ عرصہ تک نماز میں مشغول رہ کر وہاں سے لوٹ جانے لگے۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ جو کچھ اُس وقت میں نے اُن سے سُنا اُس سے پہلے کبھی نہیں سُنا تھا۔ جناب رسول اللہ جب باہر نکلے تو میں اُن کے پیچھے ہولیا آنحضرت م نے کہا کہ کون ہے؟ میں نے کہا کہ عمرؓ۔ تو فرمانے لگے کہ اے عمرؓ تو مجھے نہ دن کو چھوڑتا ہے نہ رات کو۔ میں ڈر گیا کہ مجھے بددُعا نہ دیں اور کلمۂ شہادت پڑھا[۲] ؞

---

[۱] و [۲] تاریخ الخلفا سیوطی ۱۲

بخاری کی ایک اَور روایت سے بھی یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ حضرت عمرؓ کی طبیعت پر اسلام لانے سے پہلے کچھ نہ کچھ اثر اسلام کی طرف سے موجود تھا۔ حضرت عمرؓ خود ایک واقعہ اپنے خواب کا بیان کرتے ہیں کہ قبل نبوت ایک دن مَیں حطیم (یا صنم) کے پاس سوتا تھا۔ دیکھتا ہوں (خواب میں) کہ ایک شخص ایک بچھڑا لایا اور اُسکو ذبح کیا۔ اور پھر کسی نے پکار کر ایسی سخت آواز سے کہ پہلے میں نے کبھی نہیں سُنی تھی یا جلیح کا نام لیکر کہا کہ اے جلیح شخص ہو لا الٰہ الا اللہ کہتا ہے نیک مرد اور خوش کلام ہے۔ لوگ اُدھر جھپٹے مَیں نے کہا کہ جب تک اسکا حال معلوم نہ ہو پیچھا نہ چھوڑوں گا۔ دوبارہ اُس نے اسی طرح آواز دی۔ پھر مَیں بیدار ہو گیا اس کے بعد بہت مدت نہ گزری تھی کہ آنحضرت صلعم نبی مشہور ہو گئے[۱] گو اسکی کچھ اصلیت ہو کہ حضرت عمرؓ اسلام لانے سے پہلے صداقت اسلام کی نسبت کوئی خفیہ اور غیر محسوس اثر دل میں رکھتے تھے مگر ایسا اثر اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت اور توہین وتذلیل کرنے سے روک نہیں سکتا تھا کیونکہ اپنے آبائی دین کی غیرت اور حمیت کی صورت میں اور قوم اور جماعت کے دباؤ اور اپنے قبیلہ کے مذہب کے ساتھ فخریہ چسپیدگی اور دلبستگی سے جو جوش پیدا ہوتے تھے اُن کا مقابلہ کوئی ایسا پوشیدہ خیال نہیں کر سکتا تھا +

قریش کا غضب، اور غصہ جس قدر اپنی غایت اور انتہا کو پہنچتا جاتا تھا اُسیقدر حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کا زمانہ قریب آتا جاتا تھا۔ ابوجہل حضرت حمزہؓ سے زک اُٹھا کر اَور بھی بھڑک گیا تھا اور اُسکی آخری تدبیر جس میں وہ رات دن غلطاں و پیچاں رہتا تھا سوائے اس کے کچھ نہ تھی کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خون سے اپنے غصہ کی آگ کو بجھانے کے درپے تھا چنانچہ ابوجہل نے ایک دن معززین قریش کی جماعت میں علانیہ اعلان کیا کہ جو کوئی آنحضرتؐ کو قتل کرے اور اُن کا سر میرے پاس لائے اُسکو سو اُونٹ اور چالیس ہزار درم اور ایک دوسرے قول کے مطابق ہزار اُونٹ اور بہت سے دینار و درم دوں گا۔ حضرت عمرؓ نے اس کام کو غنیمت کھا کر اپنے ذمہ لیا اور تلوار گلے میں حمائل کیئے ہوئے گھر سے نکلے[۲]۔ بعض روایات میں صرف اسیقدر ہے کہ حضرت عمرؓ گھر سے نکلے اور ایک مسلمان شخص بنی زہرہ سے (نعیم بن عبداللہ) راستہ میں ملا اور اُن سے پوچھا کہ آپ کہاں جاتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے جوابدیا کہ محمد صلعم کو قتل کرنے۔ اُس نے کہا کہ بنی ہاشم اور بنی زہرہ کے انتقام کا تمکو خوف نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ معلوم ہوتا ہے

---

[۱] ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء ۱۲

[۲] اکثر مورخوں نے روایت کے اس حصہ کو شاید ضعیف سمجھکر چھوڑ دیا ہے۔ اور بعض نے بیان کیا ہے۔ مگر مولوی سید امیر علی صاحب نے سپرٹ اوف اسلام میں اسکی طرف اشارہ کیا ہے۔ ایک انگریز مصنف (سٹابرٹ مصنف کتاب اسلام صفحہ ۸۳) حضرت عمرؓ کا حضرت حمزہؓ سے ابوجہل کا بدلہ لینے کیواسطے روانہ ہونا لکھا ہے اسیطرح کا کثیر اختلاف موجود ہے اور جس حالت میں ہمارے لئے بِن تنقیح روایات کا کوئی ذریعہ نہیں ہے اگر کل نہیں تو بعض روایات کا بیان کرنا لازم اور ضروری ہے۔ مؤلف ۱۲

تو بھی صابی ہو گیا ہے اُس نے جواب دیا کہ پہلے تم اپنی بہن اور بہنوئی کی خبر لو کہ وہ بھی صابی ہو گئے ہیں اور تیرا دین چھوڑ دیا ہے[1]۔ ایک روایت حضرت عمرؓ ہی سے ہے کہ ایک دن میں گھر سے نکلا تو ایک مخزومی مجھے راستہ میں ملا۔ میں نے اُسے کہا کہ تو اپنے باپ دادا کے دین سے برگشتہ ہو کر دین محمدؐ کا پیرو بنا ہے۔ اُس نے کہا کہ اگر میں نے ایسا کیا ہے تو جن پر تیرا زیادہ حق ہے اُنھوں نے بھی ایسا ہی کیا ہے یعنی تیری بہن اور بہنوئی مسلمان ہو گئے ہیں ؛

اسی قسم کی ایک اَور روایت ہے کہ ایک دن دوپہر کو میں مکہ میں راستہ پر چلا جاتا تھا تو ایک شخص نے مجھے ٹوکا اور کہا کہ اے عمرؓ بڑے تعجب کی بات ہے کہ تو فخر کرتا ہے کہ میں ایسا ہوں اور ایسا ہوں اور تیری بہن مسلمان ہو گئی ہے ؛

بعض روایات میں صرف اسقدر ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنی بہن فاطمہ اور اُس کے خاوند سعید بن زید کے مسلمان ہو جانے کی خبر سُنی[2] اور غصہ کھا کر اُس کے گھر گئے۔ اور بعض نے صرف اسیقدر لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ ایک دن اپنی بہن کے گھر کی طرف آئے[3] دروازہ بند پایا اور قرآن مجید کے پڑھنے کی آواز سُنی دروازہ کھلوایا اور کہا کہ لاؤ جو کچھ تم پڑھتے تھے۔ اُنھوں نے انکار کیا (بعض روایتوں میں ایک صحابی حضرت خباب کا موجود ہونا اور ڈر سے چھپ جانا لکھا ہے) حضرت عمرؓ نے اپنی بہن اور بہنوئی کو اسقدر مارا کہ خون بہنے لگا۔ آخر اُن کی بہن نے کہا کہ جو کچھ تیرے دل میں آئے تو کر ہم تو مسلمان ہو چکے ہیں اور دین محمدؐ اختیار کر چکے ہیں۔ حضرت عمرؓ کا دل بھی اُن کو دیکھکر پسیجا اور سورۂ طٰہٰ اُن سے لیکر پڑھی یا اُن سے سُنی۔ ایک روایت میں آیۃ سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ الخ پڑھی۔ مگر معتبر یہی ہے کہ حضرت عمرؓ نے سورۂ طٰہٰ کی یہ آیات اُن سے سُنیں :-

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

طٰهٰ۔ مَا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰى اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى۔ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ؛

اِن آیات کا سُننا تھا کہ اُن کی فصاحت اور بلاغت پر غش ہو کر حضرت عمرؓ کے دل کو یقین ہو گیا

---

[1] تاریخ الخلفا سیوطی وغیرہ [2] ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء۔ مناہج النبوت ترجمہ مدارج النبوت میں حضرت عمرؓ کے بہنوئی کا نام سعد بن زید بن عمرو بن نفیل لکھا ہے اور طبری فارسی نسخہ میں حضرت عمرؓ کی اس بہن کا نام حفصہ اور بہنوئی کا نام طلحہ لکھا ہے۔ مگر فاطمہ اور سعید ہی درست نام ہیں ؛ [3] طبری فارسی نسخہ ۱۲

کہ بیشک سچا کلام خدا کا ہے اور اسپر ایمان لے آئے اور آنحضرت صلعم کی حضور میں حاضر ہونے کا قصد کیا تاکہ مشرف باسلام ہوں اور اس فیض رحمت الٰہی سے بہرہ یاب ہونے کا اقرار کریں۔ آنحضرت اُس وقت ارقم کے گھر میں جو کہ کوہ صفا پر واقع تھا تشریف رکھتے تھے[1] اور قریش کی شر سے محفوظ رہنے کے واسطے چند روز سے وہیں تھے۔ حضرت عمرؓ نے وہاں پہنچکر دروازہ کھٹکھٹایا۔ اصحاب رسول اللہ میں جو اس وقت وہاں موجود تھے وہ حضرت عمرؓ کے اس ارادہ سے واقف تھے تذبذب پڑ گیا مگر حضرت حمزہؓ نے جو خود بھی دلیری اور شجاعت میں ثانی نہ رکھتے تھے اُٹھکر دروازہ کھولا۔ حضرت عمرؓ کا ارادہ معلوم ہونے پر اصحاب رسول اللہ بے انتہا مسرور ہوئے اور صدائے تکبیر بلند ہوئی۔ آنحضرت نے حضرت عمرؓ کو گلے سے لگایا اور آغوش رحمت میں دبایا اور حضرت عمرؓ نے اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّكَ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پکار کر کہا۔ آنحضرت نے حضرت عمرؓ کے سینہ پر تین دفعہ ہاتھ مارا اور فرمایا کہ اے خدا ان کے سینہ میں جو آلودگی ہے اُسکو اسلام سے بدل دے[2]۔ اسی اثنا میں جب نماز کا وقت ہوا اور آنحضرت نماز کیواسطے اُٹھے تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ یا حضرت بتوں کی عبادت تو کفار خانہ کعبہ میں جو خانہ خدا ہے علانیہ کریں اور آپ خدا کی عبادت چھپ کر۔ یہ گوارا نہیں ہے۔ خانہ کعبہ کو چلیئے اور وہاں آشکارا نماز ادا کیجیے۔ بس آں حضرت اصحاب کرام کے ساتھ خانہ کعبہ کی طرف عازم ہوئے۔ کفار حضرت عمرؓ کو خلاف توقع اس حال میں دیکھکر حیران ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے اسلام کا اعلان کیا اور لڑ بھڑ کر کفار کو خانہ کعبہ کی نواحی سے دُور کیا۔ آنحضرت نے مع اصحابؓ کے کعبہ کا طواف کیا اور ظاہرا خدا کی عبادت کی[3] اُسوقت یہ آیۂ کریمہ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ نازل ہوئی ؛

حضرت عمرؓ چھٹے سال نبوت کے ماہ ذالحج میں جبکہ اُن کی عمر چھبیس ۲۶ (اور ایک روایت میں ستائیس) برس کی تھی چالیس مرد اور گیارہ یا پندرہ عورتوں کے بعد اور حضرت حمزہؓ عم رسول اللہ کے مسلمان ہونے سے تین دن بعد اسلام لائے ؛

ہمارے ایک مشہور اور فاضل عالم[4] حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کے واقعہ کو مختصر عبارت میں

---

[1] طبری فارسی نسخہ میں یہ لکھا ہے کہ آنحضرت اُسوقت خدیجہؓ کے گھر میں تھے اور حضرت عمرؓ اپنی بہن کے ساتھ وہاں گئے اور بعض روایات کے بموجب خباب صحابی کو ساتھ لیکر ارقم کے گھر گئے۔ بہرحال ارقم کے گھر میں حضرت عمرؓ کا جانا اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا وہاں ہونا معتبر ہے۔ مؤلف ۱۲

[2] ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء ۱۲

[3] مناہج النبوت۔ روضۃ الاحباب۔ طبری فارسی نسخہ۔ ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء۔ تاریخ الخلفا سیوطی۔ ۱۲

[4] مولوی سید امیر علی صاحب رضوی مصنف کتاب سپرٹ اوف اسلام و سیرۃ محمدی صفحہ ۱۱۲ ؛

اس طرح بیان کرتے ہیں کہ "اس وقت میں نئے دین کو ایک قیمتی معاون حضرت عمرؓ کی ذات میں حاصل
... ان کی دانشمندی اور قابلیت نے ان کو اسلام کی آیندہ جمہوری سلطنت کا ایک عضو اور جزو ضروری بنادیا
... جو خدمات وہ بجالائے ہیں انہوں نے ان کے نام کو تاریخ کے صفحوں پر ... وہ عدی
... کے خاندان کے عزیز اور ممتاز ممبر اور خطاب کے بیٹے اور اس سے پہلے اسلام کی سخت مخالفت
پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی معاندت کے سبب سے مشہور تھے ان کا اسلام لانا قرآن مجید کی ایک سورۃ
کے ان کے دل پر جادو کا سا اثر پیدا کرنے کا نتیجہ بیان ہوا ہے جو انہوں نے ... سنا
... وہ غضب او غیظ میں آکر قتل کرنے کے ارادے سے گئے تھے اس ... متاثر ہو کر انہو
نے ... ننگی تلوار لیئے ہوئے جس سے وہ پیغمبر کے قتل کا ارادہ رکھتے ...
... علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ... اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ...
... برپا ہوگیا۔ حضرت عمرؓ نے اپنے آقا کے ہاتھ چومے اور ... داخل ہوچکی درحقیقت
... نے حضرت عمرؓ کے رحمت الٰہی پر تحریک ہوئے پر دل ... کام انکار لیا مسلمان
... کے ... اسلام کی ایک رکن ہوگئے۔ اب اسلام کو بھی کونے ... میں اپنا ... چھپانا ... اوپیکر
... عبادت کرنے کی کوئی ضرورت ... رہی تھی اور ان نئے اسلام قبول کرنے والوں نے ان کو علانیہ طور پر
... کرنے کی جرأت دلائی۔ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کی خبر سن کر قریش پر بجلی گر گئی اور معاملہ کے نازک
... نے کو جان گئے"

سر ولیم میور حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کے واقعہ کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ "حضرت عمرؓ نے
چھٹے سال نبوت کے اختتام پر اسلام قبول کیا۔ ان کی بہن فاطمہ اور اس کا خاوند سعید بن زید پہلے اسلام
چکے تھے مگر قریش کے خوف سے اپنے دین کو ظاہر نہیں کرتے تھے۔ ایک دن جب حضرت عمرؓ بعض
... کو دھمکا رہے تھے ایک دوست نے ان سے کہا کہ پہلے اپنے گھر کی خبر لو اور ان کی بہن اور بہنوئی
نے نیا دین قبول کرنے کی طرف اشارہ کیا۔ اس سے ان کا غصہ بھڑک اٹھا اور معاً اپنی بہن کے گھر کو روانہ
ہوئے۔ وہ اس وقت خباب سے قرآن کی بیسویں سورۃ سن رہی تھی جو ایک تحریری نسخہ سے پڑھ رہا تھا یہ
... (حضرت عمرؓ) نزدیک ہوئے اور پڑھنے کی نیچی آواز کو سنا۔ ان کے پاؤں کی آہٹ پاکر خباب
ایک کوٹھری میں چھپ گئے۔ حضرت عمرؓ نے داخل ہوتے ہی غصہ سے کہا کہ یہ کیا آواز تھی جو میں نے سنی ہے
انہوں نے جواب دیا کہ کچھ نہیں۔ حضرت رضؓ نے قسم کھا کر کہا کہ نہیں میں نے سن لیا ہے کہ تم اپنے باپ دادا کے
... سے برگشتہ ہوگئے ہو۔ اس پر ان کے بہنوئی نے کہا کہ کیا تمہارے دین کے سوا کسی دوسرے دین میں

... لائف آف محمد مصنفہ سر ولیم میور صفحہ ۹۵ + ۱۲

سچائی نہیں ہوسکتی ؟ اس سوال سے حضرت عمرؓ کا شبہ مبدل بہ یقین ہوگیا اور غصہ کھا کر سعید پر جھپٹے اور اُسکو لاتوں سے مارا۔ اُن کی بہن چھوڑانے کے واسطے دوڑیں۔ اسی کشاکش میں اُن کا چہرہ زخمی ہوگیا اور خون بہنے لگا اور جوش میں آکر اُس نے کہدیا کہ بیشک ہم نے دین اسلام قبول کیا ہے اور خدا واحد اور اُس کے نبیؐ پر ایمان لائے ہیں۔ جو تیرے دل میں آئے تو ہمارے ساتھ کرلے۔ حضرت عمرؓ نے جب اُس کا چہرہ خون سے بھرا ہوا دیکھا اُن کا دل نرم ہوگیا اور کہا کہ جو کچھ تم پڑھ رہے تھے وہ مجھے دکھاؤ مگر اُن کی بہن نے کہا کہ "لَا یَمَسُّہٗ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ" جب تک تم پاک نہ ہوگے تم اُسے نہیں دیکھ سکتے۔ حضرت عمرؓ اُٹھے اور غسل کیا اور کاغذ لیکر پڑھنے لگے (کیونکہ وہ پڑھ سکتے تھے) جب تھوڑا سا پڑھ لیا تو کہنے لگے کہ یہ کلام کیسا عمدہ اور بزرگ ہے۔ یہ سُن کر خباب بھی اندر سے نکل آئے اور کہنے لگے کہ اے عمرؓ مجھے یقین ہے کہ خدا نے اپنے نبیؐ کی دُعا قبول فرما کر تجھے اپنے واسطے منتخب کرلیا ہے کل ہی آنحضرتؐ نے خدا سے دُعا مانگی تھی کہ " خدایا اسلام ابوجہل سے یا عمرؓ سے مضبوط کر"۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ مجھے آنحضرتؐ کے پاس لیچلو کہ میں اپنے قبول اسلام کا اُن پر اظہار کروں۔ اُن کو ارقم کے گھر میں لے گئے حضرت عمرؓ نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ حضرت حمزہؓ اور دوسرے اصحاب نے دروازے کے شگاف سے دیکھا کہ عمرؓ ہیں اور چونک کر پیچھے ہٹ گئے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُسے اندر آنے دو اور خود آگے بڑھکر اُس سے ملے اور اُس کے دامن اور تلوار کی پٹی کو پکڑ کر فرمانے لگے کہ تو مُسلمانوں کے ستانے سے کب باز آوے گا جب خدا تجھپر غضب نازل کریگا۔ حضرت عمرؓ نے اس کے جواب میں کلمہ " اَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ " کہا۔ آنحضرتؐ نہایت خوش ہوئے اور بآواز بلند "اللہ اکبر" زبان مبارک سے فرمایا ؏

ایک انگریز مصنف[1] لکھتا ہے کہ حضرت عمرؓ کا آنحضرتؐ کے ہاتھ پر یکبیک اسلام لانا ایسا ہی تھا جیسا کہ پال (پولوس رسول) کا حضرت مسیح کے ہاتھ پر۔ ایک شیعہ عالم نے اپنی کتاب حملۂ حیدری[2] میں حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کے تمام واقعات کو عمدہ منظوم عبارت میں بیان کیا ہے ؏

عمرؓ بعد ازاں از پسِ چند گاہ	در آمد بدینِ رسولِ اِلٰہ
چُناں بُد کہ بوجہل ازاں سرزنش	یکیفیتے شد عداوت منش
کہ جز قتلِ پیغمبرِ ذوالجلال	نبودش دگر ہیچ فکر و خیال
یکے روز مے گفت با اشقیا	کہ آرد کسے گر سرِ مصطفےٰ
ہزار اُشتر از خود بخشم بہ او	دو کوہاں سیہ دیدہ و سُرخ مو

[1] از تھناٹ مصنف آرتھین آتھرس صفحہ ۴ [2] آیات بینات مصنفہ مولوی سید مہدی علی صاحب

ز دیباۓ مصری و برد یمن
دگر سیم و زر بخششں چندمن

عمرؓ چوں شنید آں سخن گفتنش
بجنبید عرق طمع در تنش

باو گفت سوگند اگر مے خوری
که از گفتهٔ خویشتن نگذری

من امروز خدمت رسانم بجا
بیارم بہ پیشت سر مصطفےٰ

گرفت از ابوجہل اول قسم
پس آنگه زده در رہ کیں قدم

بآں کار چوں رفت بیروں عمرؓ
یکے گفت یا او نداری خبر

که ہمشیرہ ات نیز با جفت خویش
گرفت است دین محمد بہ پیش

برآشفت با حفص زیں گفت و گو
بگفتا بریزم کنوں خون او

سوئے خانهٔ خواہر خویش رفت
چو آمد بہ نزدیک تر پیش رفت

بیامد بہ پیش در وایستاد
صداۓ شنید و بآں گوش داد

شنید آنکه میخواند مرد نکو
کلامے که نشنیده بد مثل او

دزو میگرفتند یاد آں کلام
ہماں خواہر و جفت او بالتمام

عمرؓ زد در و خواہرش باز کرد
چو آمد دروں شور آغاز کرد

درافتاد با جفت خواہر بجنگ
گرفتش ز حلق و بفشرد تنگ

درآویخت داماد ہم با عمرؓ
گرفتند خصمانہ ہم را بہ بر

بخستند گہ روئے ہم گاہ پشت
لگد گہ زدندے بہم گاہ مشت

زہم پوست کندند گہ گاہ مو
گہے ایں بزیر آمدے گاہ او

ازو چوں عمرؓ بود پر زور تر
فگندش بزیر و نشست از زبر

گلویش بہ تنگی فشرد آں چناں
که نزدیک شد تا شود قبض جاں

بیامد دواں خواہرش نوحہ گر
بگفتش چہ خواہی زما اے عمرؓ

اگر شاد گردی زما ور ملول
نمودیم دین محمدؐ قبول

کنوں گر کشی سر بداریم پیش
ولے بر نگردیم از دین خویش

چو بشنید ازو ایں حکایت عمرؓ
بدانست کو برنگردد دگر

بگفتش چہ دیدی تو از مصطفےٰ
که گشتی بدینش چنیں مبتلا

بگفتا کلام خداۓ جلیل
که آرد باو حضرت جبرائیلؑ

شنیدیم و گردید بر ما یقین
که ہست ایں کلام جہاں آفریں

عمرؓ گفت ازاں قول معجز اساس
اگر یاد داری بخواں بے ہراس

برو خواہرش آیۂ چند خواند ‌‌ ‌‌ عمرؓ گوشش چوں کرد حیراں بماند
دلش زاں شنیدن بسے نرم شد ‌‌ ‌‌ بہ بو داشتۂ اسلام سرگرم شد
عمرؓ گفت دیگر بخواں زیں کلام ‌‌ ‌‌ بگفتا دگر نیست زیں سے بجام
وسے ہست اُستادِ ما در نہفت ‌‌ ‌‌ کہ گردید پنہاں چو نامت شنفت
قسم گر خوری گو بیاید زیاں ‌‌ ‌‌ بیاریم ہیست کہ خواند ازاں
چو بگرفت سوگند از خواہرش ‌‌ ‌‌ بیاورد اُستادِ خود را برش
بُد از اہل اسلام نامش خباب ‌‌ ‌‌ بیامد بہ نزدِ عمرؓ بے حجاب
برو خواند آیاتِ پروردگار ‌‌ ‌‌ ابا حفصؓ اسلام کرد اختیار
چو آیات مصحف بیاں را شنید ‌‌ ‌‌ ہمش قول کاہن بخاطر رسید
باسلام شد رغبتش بیشتر ‌‌ ‌‌ کہ آں ہم شود راست چوں ایں خبر
وزاں پس بگشتند باہم رواں ‌‌ ‌‌ بہ نزدِ رسولِ خدائے جہاں
بدولت سرائے پیمبر شدند ‌‌ ‌‌ چو در بستہ بُد حلقہ بر در زدند
یکے آمد و دید از پشتِ در ‌‌ ‌‌ کہ استادہ با تیغ بر در عمرؓ
بہ نزدِ نبیؐ رفت و احوال گفت ‌‌ ‌‌ بماندند اصحاب اندر شگفت
چنیں گفت پس عمرؓ خیر البشر ‌‌ ‌‌ کہ غم نیست بردے کشائید در
گر از راہِ صدق آمدہ مرحبا ‌‌ ‌‌ وگر باشد او را بخاطر دغا
بہ تیغے کہ دارد حمائل عمرؓ ‌‌ ‌‌ تنش را سبکسار سازم ز سر
چو در باز کردند بر روئے او ‌‌ ‌‌ در آمد عمرؓ بالب عذر گو
گرفتش بہ بر سرورِ انبیا ‌‌ ‌‌ نشاندش بجائے کہ بودش سزا
بگفتند اصحاب ہم تہنیت ‌‌ ‌‌ وزاں بیشتر یافت دیں تقویت
پس اصحابِ دیں را شد ایں مدعا ‌‌ ‌‌ کہ از خدمتِ سرورِ انبیا
بسوئے حرم آشکارا روند ‌‌ ‌‌ نمازِ جماعت بجا آورند
رسید ایں سخن چوں بعرضِ رسولؐ ‌‌ ‌‌ ز خیر البشر یافت عزِ قبول
رواں شد بتائیدِ دیانِ دین ‌‌ ‌‌ چو سوئے حرم سیدالمرسلین
بہ پہلو رواں حمزۂؓ نامدار ‌‌ ‌‌ بہ پیشش علی رضؓ صاحبِ ذوالفقار
ہمی رفت در پیشِ حیدرؓ عمرؓ ‌‌ ‌‌ حمائل ہماں تیغ کیں بر کمر
بگرد آمدہ جمع یاراں تمام ‌‌ ‌‌ برفتند زیں ساں بہ بیت الحرام

چو دیدند کفار زاں گونہ حال — نمودند باہم بسے قیل و قال
یکے رفت زاں ہا بہ نزدِ عمرؓ — بدو گفت ایں ہیبت اے بدگہر
نہ زاں ساں کہ رفتی تو باز آمدی — بکیں رفتی و بانبیا زآمدی
عمرؓ کرد اسلامِ خود آشکار — پس آنگہ بادگفت اے نابکار
سراں کز شما چند از جائے خویش — ببینید سر خویش بر پائے خویش
چو کفار دریافتند از سخن — کہ در دل چہ دارند آں انجمن
نہادند پا در رہِ امتناع — نمودند با اہلِ حق نزاع
چو دیدند آں صحبتِ اصحابِ دیں — ہمہ دست بردند بر تیغِ کیں
ازاں حال کفار پس پاشدند — دلیرانِ دیں مسجد آراشدند
بہ پیشش اند آمد رسولِ خدا — نمودند یاراں باو رفتہ را
نبی گفت تکبیر چوں در حرم — فتادند اصنام بر روئے ہم

نہ تا شید ایزد بہ مسجد نماز
ادا کرد و آمد سوئے خانہ باز

حضرت عمرؓ گو قوی اور ذی رعب آدمی تھے اور ایک ایسے بے دھڑک اور بیخوف طبیعت پائی تھی کہ کسی خوف و خطرے کا خیال اُن کے پاس نہیں آسکتا تھا۔ مگر یہ نا ممکن تھا کہ اسلام لانے کے بعد کفار کی جاہلانہ اور متعصبانہ چھیڑ چھاڑ سے بچے رہتے۔ ایک عام برانگیختگی اور جوش و غضب کے روبرو ایک شخص کی قوت اور رعب کہاں تک ٹھہر سکتے ہیں۔ ضرور ہے کہ کفار کی طرف سے مسلمانوں کی قلیل جماعت کے شریک حال ہو کر خطرہ اور اندیشہ میں رہیں اور اُن کے ہاتھ سے کم و بیش ایذا اُٹھائیں مگر صبر اور تحمل جو اس خدا کی جماعت کا شیوہ تھا اسی کو اختیار کرنے کے سوائے کوئی چارہ نہیں تھا۔ عبد اللہ بن عمرؓ ایک واقعہ بیاں کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ جب اسلام لائے تو جمیل بن معمر الجمحی کے کان میں یہ خبر ڈال گئی جو خبر کے مشتہر کرنے میں ایک عام اشتہار کا کام دینے میں مشہور تھا۔ حضرت عمرؓ نے خود جمیل کو اپنے اسلام لانے کے ساتھ سے مطلع کیا۔ وہ اس خبر کو سنتے ہی اُٹھ بھاگا۔ حضرت عمرؓ اُسکے پیچھے ہولیے اور عبد اللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں بھی اپنے باپ کے پیچھے ہولیا۔ مسجد کے دروازے پر جہاں قریش کعبہ کے گرد اپنی نشست گاہوں میں بیٹھے ہوئے تھے جا کھڑا ہوا اور بآواز بلند پکار پکار کر کہنے لگا کہ عمر صابی ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ یہ جھوٹ کہتا ہے میں نے تو دین اسلام قبول کیا ہے۔ قریش جمع ہو کر آگئے اور باہم لڑائی شروع ہو گئی۔ دوپہر تک لڑائی ہوتی رہی۔ حتی کہ حضرت عمرؓ تھک گئے اور قریش کو کہتے تھے کہ خدا کی قسم اگر ہم تین سو مسلمان ہوتے تو مکہ تمہارا ہوتا یا تمکو ہمارے لیے چھوڑ دینا پڑتا۔

اسی تکرار میں تھے کہ قریش کا ایک بوڑھا آدمی (عاص بن وائل) آیا اور قریب کھڑا ہو کر پوچھنے لگا کہ کیا ماجرا ہے۔ قریش نے کہا کہ عمرؓ صابی ہو گیا۔ اُس نے کہا کہ ایک شخص نے اپنے پر ایک امر کو اختیار کیا ہے تمکو اس سے کیا مطلب ہے کیا تم اُمید رکھتے ہو کہ بنی عدی اپنا آدمی تمہارے حوالہ کر دیں گے اسے چھوڑ دو۔ چنانچہ قریش علیحدہ ہو گئے[۵۱] ایک دوسری روایت اسی مضمون کی ابن عمرؓ سے بیان کی گئی ہے جو اس گزشتہ واقعہ سے زیادہ قرین صحت و قیاس معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کی خبر جب مشہور ہوئی تو لوگ اُن کے گھر کے گرد آکر جمع ہو گئے اور غل کرنے لگے کہ عمرؓ صابی ہو گیا۔ میں کوٹھے پر سے کھڑا ہوا دیکھ رہا تھا۔ اتنے میں ایک شخص آیا اور یہ ماجرا سن کر کہنے لگا کہ اگر وہ صابی ہو گیا ہے تو کیا ہوا میں اُسکو پناہ دیتا ہوں۔ لوگ یہ سن کر منتشر ہو گئے۔ اور وہ مرد عاص بن وائل تھا[۵۲] اس قسم کی اور روایتیں بھی موجود ہیں کہ ابوجہل نے حضرت عمرؓ پر تشدد کیئے اور اُن سے لڑائیاں لڑا کیا مگر وہ اس کے بس میں نہ آئے اور آخر زبون ہوا۔ حضرت عمرؓ کا قول ہے کہ میں ہمیشہ لوگوں سے لڑا کرتا تھا وہ مجھ کو مارتے تھے اور میں اُن کو مارتا تھا۔ یہاں تک کہ خدا نے اسلام کو قوی کر دیا۔ حضرت عمرؓ[۵۳] کے قریش سے لڑ جھگڑ کر بیت اللہ میں نماز پڑھنے میں کامیاب ہونے کے واقعہ کو اکثر اہل سیر بیان کرتے ہیں ۔

غرض حضرت عمرؓ کے اسلام لانے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بڑی خواہش پوری ہوئی اور اسلام اور مسلمانوں کو نہایت قوت اور تقویت حاصل ہو گئی اور اس حسن اتفاق سے کہ حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ قریباً ایک ہی وقت میں اسلام لائے یہ قوت اور شوکت دوبالا ہو گئی۔ قریش اور کفار کی کمریں ٹوٹ گئیں اور دل بیٹھ گئے۔ ابن عباس کے اس قول کی صحت کی تصدیق کیجاتی ہے کہ جب حضرت عمرؓ اسلام لائے تو مشرکین نے کہا کہ آج کے دن ہماری قوم نصفا نصف ہو گئی[۵۴]" ابن مسعود کا قول ہے کہ "جب سے حضرت عمرؓ اسلام لائے ہم صاحب عزت ہو گئے"۔ ابن اسحاق کا قول ہے کہ حضرت عمرؓ جب اسلام لائے اور وہ نہایت قوی اور ایسے بے خوف اور با سیاست اور ذی رعب شخص تھے کہ کوئی آدمی اُن کی کسی چیز کی طرف اُن کی غیبت میں بھی آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھ سکتا تھا اور ساتھ ہی حضرت حمزہؓ کے اسلام لانے سے اصحاب رسول اللہ کو بہت سہولیت اور آرام اور اطمینان نصیب ہوا عبداللہ بن مسعود کا قول ہے کہ "حضرت عمر خطابؓ کے اسلام لانے سے پہلے ہمکو یہ یارا نہیں تھا کہ کعبہ کے پاس نماز پڑھیں جب وہ اسلام لائے قریش کے ساتھ لڑے یہاں تک کہ ہم اُن کے ساتھ

---

۵۱ ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفا ۱۲   ۵۲ ازالۃ الخفا ۱۲

۵۳ مناہج النبوت ترجمہ مدارج النبوت ۱۲   ۵۴ تاریخ الخلفا سیوطی ۱۲

کعبہ کے پاس نماز پڑھنے میں کامیاب ہوئے" انہیں کا قول ہے کہ حضرت عمرؓ کا اسلام لانا اسلام کی فتح تھی[۵۱] اس کے بعد مسلمانی ظاہر ہوئی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ آشکارا نماز ادا کرتے تھے اور مشرکان قریش غم و غصہ کھاتے تھے[۵۲] اسلام کو اب گلی کوچوں میں چھپنے اور پوشیدہ رہنے اور خفیہ طور پر خدائے واحد کی عبادت کرنے اور خوف زدہ ہونے کی کوئی ضرورت نہ رہی تھی۔ حضرت عمرؓ کے اسلام قبول کرنے سے گویا قریش پر بجلی گر گئی اور جان گئے کہ اب صورت معاملہ کی نازک ہوگئی ہے[۵۳] ایک انگریز مورخ حضرت حمزہؓ کے اسلام قبول کرنے کے واقعہ کو بیان کرکے لکھتا ہے کہ "اسی اثنا سنہ ۶۱۶ء میں ایک اور شخص ابن الخطاب نے اسلام قبول کیا جس کے عظیم قد و قامت اور ہیبت اور انتہا جسمانی قوت اور بہادرانہ اور شجاعانہ دلیری نے اس کو حضرت حمزہؓ کا ایک موزوں ساتھی اور جوڑ بنا دیا"۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کے واقعہ کو بیان کرکے لکھتا ہے کہ" اس قسم کے لوگوں کے اسلام قبول کرنے سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت کو نہایت تقویت حاصل ہوئی۔ کوئی شخص پیغمبر کے نزدیک جانے اور اُن کو ایذا پہنچانے کی جرأت نہیں کرسکتا تھا۔ عمرؓ اور حمزہؓ ان دونوں خوفناک دلیران جنگ اور مردان میدان کی نگاہوں سے لوگ خوف کھاتے تھے جو اپنے دشمنوں کی طرف ایسے دو شیروں کی طرح دیکھتے تھے جن سے کہ اُن کے بچے چھین لئے گئے ہوں۔ نیز اب مسلمان چھپکر اپنے گھروں میں عبادت نہیں کرتے تھے بلکہ اپنی جانچی ہوئی طاقت اور مقابلہ کرنیوالی صورت کے ساتھ کعبہ میں جمع ہوتے تھے اور عبادت کرتے تھے۔ قریش پر خوف اور بے چینی طاری ہوگئی تھی"[۵۴] سرولیم میور حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کے واقعہ کا ذکر کرکے لکھتا ہے کہ" قبول اسلام کے وقت اگرچہ حضرت عمرؓ کا سن صرف چھبیس[۲۶] برس کا تھا مگر اُن کی شمولیت کا اسلام پر اتنا بڑا اثر اور ایسا ہی فوری اثر ہوا کہ گویا مذہب علانیہ اور بلا خوف اسلام کے ظاہر ہونے کی وہی تاریخ ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ارقم کے گھر سے نکل آئے مسلمان علانیہ طور پر عبادت کرنے لگے اور اُن کے دل بڑھ گئے درآنحالیکہ قریش پر خوف اور بے چینی طاری ہوگئی تھی[۵۵]"

القصہ ہر ایک مورخ خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر اس بات کا قائل ہے کہ حضرت عمرؓ کے اسلام قبول کرنے سے اسلام اور مسلمانوں کی شوکت اور ہمت کو بڑھا دیا اور مصیبت اور تکلیف کو گھٹا دیا۔ درحقیقت اس بات سے جس کی طرف سرولیم میور نے اشارہ کیا ہے حضرت عمرؓ کی بے انتہا عزت اور رعب اور دباؤ

---

۵۱ یہ سب روایتیں ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفا میں بقید رواۃ وغیرہ موجود ہیں ۱۲

۵۲ تاریخ طبری فارسی نسخہ صفحہ ۲۸۰ ۔ ۵۳ سپرٹ آف اسلام صفحہ ۱۱۲

۵۴ شابرٹ مصنف کتاب اسلام اینڈ اٹس فونڈر ۔ ۵۵ لیف آف محمد صفحہ ۹۷ ۔ ر

اور شان و شوکت معلوم ہوتی ہے کہ صرف چھبیس ۲۶ برس کی عمر میں اُن کی ایک ذات اس قدر وزن اور قیمت رکھتی تھی کہ قریش نے اُن کے علیحدہ ہونے کو اپنی قوم اور قوت کا آدھا ہو جانا تسلیم کیا اور مسلمانوں کو جو اس جہالت اور کفر کے ریگستان میں چند چمکتے ہوئے مگر بے پناہ ذرّوں کے مانند تھے قریش اور کفار کی ایذا دہی سے مخلصی مل گئی۔ حضرت عمرؓ کا یہ رعب اور ہیبت اور عزت جس قدر اُن کی ذاتی شجاعت اور بیدھڑک بہادری کے سبب سے تھی اُسی قدر اُن کی آبائی بزرگی اور نسبی فضیلت اور قوم اور قبیلہ کی قوت اور شوکت کے سبب بھی تھی۔

حضرت عمرؓ کو "فاروق" کا خطاب دیا گیا اور اُس شاہنشاہ دو جہان سرور کائنات افضل الانبیاء خدا کے برگزیدہ رسول صلعم نے یہ خطاب عنایت کیا۔ پس اُس کی بزرگی آفتاب سے بھی زیادہ ظاہر ہے۔ اکثر مورخین کا بیان ہے کہ یہ خطاب حضرت عمرؓ کو اُس وقت جبکہ وہ اسلام لائے اور اسلام مکہ میں ظاہر ہوا اور علانیہ خدائے واحد کی عبادت کی گئی اور اُن کے اسلام لانے سے گویا حق اور باطل میں تمیز اور تفریق ہو گئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا کیا تھا۔ ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک دن حضرت عمرؓ سے "فاروق" نام پانے کی وجہ دریافت کی تو اُنہوں نے اپنا اسلام لانے کا واقعہ بیان کر کے یہ کہا کہ "اُس وقت میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا ہم حق پر نہیں ہیں اُنہوں نے فرمایا کہ ہاں حق پر ہیں۔ تو میں نے کہا کہ پھر حق کو چھپایا کیوں جائے تو ہم ارقم کے گھر سے دو صفیں باندھے ہوئے نکلے ایک میں میں تھا اور ایک میں حمزہ تھے۔ یہاں تک کہ مسجد میں پہنچ گئے۔ قریش نے جب میری اور حمزہؓ کی طرف دیکھا تو اُن کو بہت رنج ہوا اور آنحضرتؐ نے اُس دن سے میرا "فاروق" نام رکھا۔ کیونکہ اسلام ظاہر ہوا اور حق اور باطل میں تفریق ہو گئی"[۱]۔ مگر بہت سے مورخوں نے اس خطاب کے حاصل کرنے اور حضرت عمرؓ کو یہ نام دیئے جانے کو ایک اور زمانہ اور ایک اور واقعہ سے منسوب کیا ہے جو یہ ہے کہ ایک دفعہ ایک یہودی اور ایک مسلمان کے درمیان تنازعہ ہو گیا۔ ایک نے کہا کہ کعب ابن اشرف یہودی کو منصف مقرر کریں اور دوسرے نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو منصف بنایا۔ آخر جناب رسول اللہ صلعم سے فیصلہ کرانے پر دونوں راضی ہوئے اور مقدمہ انفصال کے واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لے گئے آنحضرت نے یہودی کے حق میں فیصلہ کیا۔ مگر وہ مسلمان راضی نہ ہوا اور کہنے لگا کہ دوبارہ حضرت عمرؓ کے پاس مقدمہ لے چلیں۔ جب دونوں حضرت عمرؓ کے پاس آئے تو تنازعہ کی کیفیت بیان کر کے یہودی نے حضرت عمرؓ سے یہ بھی بیان کیا کہ آنحضرت صلعم اس مقدمہ کا فیصلہ دے چکے ہیں مگر اُس کے مخالف نے اُسے منظور نہیں کیا۔ مسلمان شخص نے یہودی کے اس بیان کی تصدیق کی جس کو سُن کر حضرت عمرؓ اُٹھ کھڑے

---

[۱] تاریخ الخلفا سیوطی ۱۲

ہوئے اور کہنے لگے کہ تھوڑی دیر ٹھہرو۔ میں اس کا فیصلہ کیئے دیتا ہوں۔ وہ اگر اپنی تلوار لے گئے اور آپ ہاتھ سے مسلمان کا سر اس کے تن سے جدا کر دیا اور باواز بلند کہا کہ "اُس شخص کی یہ سزا ہے جو خدا اور اس کے رسول کے فیصلہ سے انحراف کرے"۔ اس فعل سے حضرت عمرؓ کو "فاروق" کا نام دیا گیا اس منافق مسلمان کے سر کو تن سے جدا کرنے اور حق اور باطل میں تمیز کرنے دونوں کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے[51]۔

اگر سچ پوچھو تو اُس نسبت کے خیال سے جو حضرت عمرؓ کے حالات رسالت آب صلی اللہ علیہ وسلم اور بعد ازاں اُن کے زمانہ خلافت کے حاصل ہونے اور بیان کیئے جانے کی ہے۔ حضرت عمرؓ کا اسلام لانا گویا اُن کا پیدا ہونا اور عالم کفر سے وجود اسلام میں آنا ہے اور آنحضرت صلعم کے ظل رحمت میں بسر کرنا اور تربیت پانا گویا اُن کی طفولیت کا زمانہ ہے۔ اگر یہ ہونہار اولاد کی طرح ہم اُن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک شریک اور شیر کے مانند پاتے ہیں۔ اس صورت میں اُنکی خلافت کے زمانہ کو اُن کے عہد شباب اور پیری سے موسوم کرنا چاہیئے"۔

حضرت عمرؓ اور حضرت حمزہؓ کے اسلام لانے سے جسقدر اسلام کو اور مسلمانوں کو تقویت حاصل ہوئی اُسیقدر کفار اور قریش زیادہ برافروختہ اور برانگیختہ ہو گئے[52]۔ ایک اور وجہ قریش کی برانگیختگی اور غصہ بھڑک اُٹھنے کی یہ ہوئی کہ جو مسلمان قریش کے ظلم سے بچنے کے واسطے ہجرت اولی کر کے حبشہ کو چلے گئے تھے اور نجاشی عیسائی پادشاہ حبشہ کے پاس جا کر پناہ لی تھی قریش نے نجاشی کے پاس اپنے سفیر بھیجکر اُن پناہ گیر مسلمانوں کو واپس طلب کیا تھا۔ مگر نجاشی پادشاہ نے انکار کیا اور سفیروں کو بے نیل مرام لوٹا دیا[53]۔ قریش مسلمانوں کو ایذا دینے اور ستانے میں اور زیادہ سختی اور تُندی سے کوشش کرنے لگے جسپر آنحضرتؐ نے مہاجرین حبشہ کو آرام و آرائش میں پا کر دوسری دفعہ اور مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دی اور بعض کے نزدیک حضرت عمرؓ نے بھی اس جماعت کے ساتھ حبشہ کو ہجرت کی ہے[54]۔ اگر یہ صحیح ہو تو حضرت عمرؓ کی طبیعت کے لحاظ سے اس بات کا تسلیم کرنا مشکل ہوگا کہ انہوں نے اپنی جان کے خوف یا اپنی ذات کے آرام کے لیئے ہجرت کی ہو۔ ممکن ہے کہ کوئی دوسرے اسباب مثلاً مہاجرین کی حفاظت وغیرہ اس کی وجہ ہو جیسا کہ ان کے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے سے پہلے حبشہ سے مکہ معظمہ میں واپس آجانے کی روایت[55] سے قیاس کیا جاسکتا ہے۔ بہرحال آنحضرتؐ اور مسلمانوں پر جو مکہ میں تھے کچھ زیادہ دن

---

[51] جلال الدین بیضاوی۔ ہسٹری آف سرسینیں مصنفہ اوکلی۔ و قران انگریزی ترجمہ سیل حاشیہ صفحہ ۶۱

[52] ازالۃ الخفا بروایت ابن مسعود

[53] ازالۃ الخفا بروایت ابن مسعود و مناہج النبوۃ وغیرہ

[54] تفسیر القرآن از سر سید احمد خان صاحب جلد چہارم صفحہ ۵۲

[55] تفسیر القرآن سر سید احمد خان صاحب جلد چہارم صفحہ ۵۲

اطمینان اور آرام کے نہ گذرنے پائے کیونکہ حضرت عمرؓ اور حضرت حمزہؓ کے اسلام لانے سے جو آسودگی مسلمانوں کے حال میں پیدا ہوئی تھی اور جس قدر تقویت اُن کی جماعت کو پہنچی تھی اُسی قدر حضرت خدیجہؓ اور ابو طالب عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو امن تھا ضعف پہنچ گیا[۵۱]۔ آنحضرتؐ جب طائف میں جا کر بنی ثقیف کو خدا کے کلام کی طرف راغب کرنے میں کامیاب نہ ہوئے اور اہل مدینہ کے حالات سے اچھی اُمیدیں دلائیں تو آنحضرت نے اصحاب کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت اور ہدایت فرمائی۔ پہلی ہجرت حبشہ کی طرف ۵ نبوی میں ہوئی تھی دوسری ۶ نبوی میں۔ یہ تیسری ہجرت مدینہ کی طرف ۱۳ نبوی میں ہوئی جس میں حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ اور حضرت حمزہؓ اور اکثر اصحاب آنحضرت صلعم مکہ سے مدینہ کو چلے گئے[۵۲]۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مکہ میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ کے سوا خاص اصحاب میں سے کوئی نہ رہا۔ جنہوں نے کہ آخر ۱۳ نبوی مطابق ۶۲۲ء میں آنحضرت کے ساتھ ہجرت کی۔

حضرت عمرؓ کے ہجرت کرنے کو بعض مورخین[۵۳] نے ایک واقعہ سے مخصوص کیا ہے کہ کسی نے سوائے حضرت عمرؓ کے علانیہ ہجرت نہیں کی۔ جب وہ مکہ سے چلنے کے واسطے تیار اور آمادہ ہوئے تو اپنی تلوار گلے میں لٹکا کر اور کمان کندھے پر رکھکر ہاتھ میں تیر لیئے ہوئے کعبہ میں آئے جہاں کہ اکابر قریش جمع ہوئے بیٹھے تھے اور سات دفعہ طواف کیا اور دو رکعت نماز ادا کی اور کہا کہ اُن کا بُرا ہو جو پتھروں کو اپنا خدا سمجھیں اور پھر کہا کہ جو شخص چاہتا ہو کہ اُس کی جورو بیوہ اور بچے یتیم ہو جائیں وہ میرے پیچھے آئے اور ویرانہ میں مجھ سے ملے مگر کسی کو اُن کے پیچھے جانے کی جُرأت نہ ہوئی۔ گو اس قسم کی روایات کی صحت میں حجت کیجا سکتی ہے مگر ہمارے پاس جیسیکہ اُن سے انکار کرنے کے واسطے قرائن موجود ہوں ویسے ہی اُن کی صحت یقین کرنے کے واسطے قیاسات موجود ہوتے ہیں۔

ایک اور روایت جس کی صحت اور درستی میں اور اس امر میں کہ حضرت عمرؓ ہی کی نسبت ہو کہ شبہ ہوتا ہے مگر سر ولیم میور[۵۴] نے اُسکو حضرت عمرؓ ہی کے نام سے نقل کیا ہے اُسکا درج کرنا بیجا نہوگا۔ وہ اس امر کے بیان میں کہ بہت سے مسلمانوں کو جبر اور فریب سے ہجرت کرنے سے روکا گیا مثلاً بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے عیاش اور ہشام کے ساتھ مکہ سے باہر ایک مقام پر ملکر اور اکٹھے مدینہ کی طرف روانہ ہونیکی تجویز ٹھہرائی تھی۔ ہشام کو اُس کے کنبہ نے اس سے باز رکھا اور کچھ عرصہ تک بُت پرستی کرنے پر مجبور کیا۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ بس میں اور عیاش تنہا چلے گئے اور قبہ تک سفر کیا۔ جہاں ہم رفاع کے مہمان نواز گھر میں جا ٹھہرے

---

[۵۱] سپرٹ اوف اسلام مؤلفہ مولوی سید امیر علی صاحب [۵۲] تفسیر القرآن از سر سید احمد خاں صاحب جلد چہارم ومناہج النبوت وغیرہ [۵۳] تاریخ الخلفاء سیوطی و معارج النبوت ومناہج النبوت صفحہ ۱۱۷

[۵۴] لیف اوف محمد مؤلفہ سر ولیم میور صفحہ ۱۳۷

لیکن ابو جہل پیچھے پیچھے ہی مدینہ پہنچا اور عیاش کو آکر کہا کہ تیری ماں نے قسم کھائی ہے کہ جب تک تیرا مونھ نہ دیکھے گی سایہ میں نہ بیٹھے گی اور بالوں میں تیل اور کنگھی نہ لگائے گی۔ تب میں نے عیاش کو کہا کہ تجھکو دین سے برگشتہ کرنے کے واسطے یہ ایک چال ہے۔ تیری ماں اپنی قسم کو جلد توڑ ڈالیگی۔ خبردار مدینہ کے پاس سے مت جائیو۔ لیکن اُس نے نہ مانا اور کہا کہ میں دین سے نہیں پھر سکتا۔ اپنی ماں کی قسم توڑ ڈالکر اور اپنا اسباب لیکر جلد چلا آؤں گا۔ تب میں نے اُسکو ایک تیز رفتار اونٹ دیا اور کہا کہ اگر فریب کا شُبہ معلوم ہو تو اسکی تیزی سے اپنے آپ کو بچائیو۔ لیکن جب وہ راستہ میں ایک جگہ اُترا تو اُس کے ہمراہیوں نے اُسے پکڑ کر رسیوں سے جکڑ لیا اور اسی طرح مکہ لے گئے اور روک لیا۔ عیاش اس وقت تک مکہ میں بت پرستی کرتا رہا۔ جبتک مدینہ میں یہ آیہ شریفہ نازل ہوئی۔ قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ۔ اور حضرت عمرؓ نے اُسکو لکھکر عیاش کے پاس بھیجا جس سے وہ دلیری کر کے مکہ سے مدینہ کی طرف چلا آیا[۱]"

سب سے پہلے مدینہ میں مصعب بن عمیر اور ابن ام مکتوم مسلمانوں میں سے پہونچے ہیں جو لوگوں کو دین سکھلاتے تھے۔ اُن کے بعد حضرت عمرؓ صحابہ کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ اور ایک روایت میں بیس اصحاب کے ساتھ پہنچے اُن کا جانا آنحضرتؐ کی تشریف آوری کیواسطے گویا مقدمہ تھا۔ عبداللہ بن مسعود کا قول ہے کہ حضرت عمرؓ کا ہجرت کرنا اسلام کیواسطے نصرت تھا[۱]۔

حضرت عمرؓ اور جو اصحاب آنحضرتؐ سے پہلے ہجرت کر کے مدینہ پہنچ گئے تھے اُن کے پاس آنحضرتؐ کی تشریف آوری تک سوائے اس کے اور کیا کام تھا کہ اہل مدینہ کو دین اسلام کی تلقین اور تعلیم دیں مگر آنحضرت کی طرف سے جو مکہ میں کفار اور دشمنوں کے درمیان گھرے ہوئے تھے اُن کے اصحاب کو دل دغدغہ لگا رہتی تھی۔ خصوصاً آنحضرتؐ کے مدینہ پہنچنے سے پہلے تین چار روز جو آنحضرتؐ نے غار میں گزارے مدینہ کے اصحاب نہایت تشویش اور تردد میں رہے کیونکہ مکہ سے آنحضرتؐ کے چلے آنے کی خبر اُن کو پہنچ گئی تھی۔ لیکن یہ کسی کو خبر نہ تھی کہ آنحضرتؐ تین روز تک غار میں پنہاں رہے ہیں۔ ہر روز مہاجرین یعنی مسلمان اہل مکہ اور انصار یعنی مسلمانان اہل مدینہ شہر سے تھوڑی دُور فاصلہ پر آکر آنحضرت کا انتظار کیا کرتے تھے مگر آپ کے نہ آنے سے تردد اور تشویش کے ساتھ لَوٹ جاتے تھے[۲]۔ آخر جمعہ کے ایک مبارک دن کو آنحضرت قبا سے ہوتے ہوئے یثرب یعنی مدینۃ النبی یا مدینہ میں پہونچے۔ وہ دن مسلمانوں کے واسطے عید کا دن تھا۔ اور اسی لیئے وہ مُبارک دن ہمیشہ کے لیئے عید المسلمین کا دن قرار پایا +

اسلام کا جو سب سے بڑا کرشمہ ربانی تھا اہل مدینہ اُس سے فیض یاب ہونے میں پیچھے نہیں

---

[۱] ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفا

[۲] لیف اوف محمد مؤلفہ سر ولیم میور صفحہ ۱۷۷

تھے ۔ بنی اوس اور بنی خزرج جو مشہور قبیلہ ایک دوسرے کے رقیب اور دشمن تھے اپنی پرانی خونریز لڑائیوں
کو اسلام کے برادرانہ لطف و محبت کے جذبہ میں بھول گئے مہاجرین (اہل مکہ) اور انصار (اہل مدینہ) میں جو
رشتہ اُخوت اسلام نے قائم کیا تھا اور قدیم تفرقہ جو عرب کے خمیر میں تھا اُسکو مٹا دیا تھا ۔ آنحضرتؐ نے
اس برادری اور باہمی محبت اور الفت اور یگانگت کے خیالات کو اُن کے درمیان زیادہ پختہ اور مضبوط
کرنے کے واسطے ایک صیغۂ اُخوت اُن میں قائم کیا اور دو دو آدمیوں کے درمیان عقد مواخات باندھا حضرت
عمرؓ کا عقد مواخات حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ باندھا گیا[1]۔

مدینہ میں آنحضرتؐ کا پہلا کام ایک مسجد تعمیر کرنے کا تھا جو مسجد قبا کے نام سے موسوم ہوئی[2] آنحضرتؐ
نے اُسکی تعمیر میں خود دست مبارک سے کام کیا اور حضرت عمرؓ نے دوسرے خاص اصحاب سمیت پتھر اور
مٹی ڈھو کر جمع کی[1] اور ایک سادہ قطع کی مسجد تیار ہو گئی جو اسلام کی تاریخ میں سب سے پہلی مسجد ہونے سے
ممتاز ہے ۔ اور ایک دوسرے درجہ کا شرف اسکو یہ حاصل ہے کہ حضرت عمرؓ اس میں اپنے ہاتھ سے جھاڑو
دیتے تھے اور کوڑا کرکٹ اور تنکے اکٹھے کرتے اور مسجد کو صاف کرتے تھے[3]۔

اس وقت سے حضرت عمرؓ ہر دم اور ہر لحظہ اور ہر ساعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے
اور آپ کے کاموں اور سرگزشتوں میں مدد اور مشیر رہے اور اُن کے اور دوسرے صحابہ خاص کے حالات آنحضرتؐ
کے حالات سے گویا ملے جلے ہوئے ہیں ۔ لیکن یہ ایک غیر ضروری کام اور باعث طوالت ہوگا کہ آنحضرتؐ کے
حالات کو جن کی بابت بے شمار مستقل کتابیں موجود ہیں حضرت عمرؓ کے حالات کی تکمیل کا باعث خیال کر کے
زیادہ تر بیان کیا جائے ۔ پس ہم سوائے اُن خاص واقعات کے جو حضرت عمرؓ کی نسبت کسی خاص دلچسپی یا
کیفیت کے ظاہر کرنے کے واسطے بیان ہوئے ہیں بیان نہیں کریں گے ۔ البتہ واقعات کے قابل فہم ہو جانے
کی ضرورت سے جہاں دوسرے تاریخی واقعات کے بیان کرنے کی ضرورت ہوگی وہ بیان کرنے پڑینگے ۔

قریش اور کفار مکہ کے دلوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اُن کے قاتل ہاتھوں سے بچکر سلامت
نکل جانے اور اُن کے مہلک ارادوں کے پورا ہونے کی زک اُٹھانے سے غصہ کی آگ بھڑک رہی تھی اب پھر
مدینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابی اور دین اسلام کی روز افزوں ترقی اور بڑی بڑی جماعتوں کے
مشرف باسلام ہونے کی خبروں نے اُن کے ساتھ وہ کام کیا جو ہوا آگ کے ساتھ کرتی ہے ۔ اِسکے سوائے
اُن کو مسلمانوں کی جماعت اور جمعیت کی ترقی سے ایک اور خدشہ دامنگیر ہوا کہ مکہ کی جو بہت بڑی تجارت
ملک شام کے ساتھ ہوتی تھی اور اس سفر کے راستے مدینہ کے قریب میں واقعہ تھے اگر درمیان میں مسلمانوں
کی جماعت زیادہ مضبوط اور قوی ہو گئی تو اُن کے تجارتی قافلوں کے واسطے امن اور سلامتی مخدوش ہو جاویگی

پہنچے جو مدینہ سے تین منزل پر بحر احمر کے کنارے کے پاس واقع ہے اور اس نام کے ایک چشمہ کے سبب سے مشہور تھا تو بعض اصحاب نے یہ رائے دی کہ قریش کا مقابلہ اور مدافعت اور ان سے لڑائی کرنیکے ارادے کو ترک کرکے قافلے کے لوٹنے کے واسطے تدبیر اور تعاقب کیا جائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ رائے سن کر نہایت برآشفتہ ہوئے[1] مگر حضرت عمرؓ نے کھڑے ہو کر اس رائے کی مخالفت کی اور کہا کہ یہ قریش بڑے معزز اور مغرور اور غالب ہیں۔ نہ انھوں نے اب تک اسلام قبول کیا اور نہ آیندہ اسلام قبول کرینگے اور آپ سے اور مسلمانوں سے جنگ وجدل کرنے سے باز نہ آوینگے اور ناچار ان سے لڑائی اور مقابلہ کرنا پڑے گا۔[2] پس آپ بھی اُن سے جنگ کرنے کے ارادے میں مستعد ہوں۔ حضرت عمرؓ کی اس رائے سے آنحضرت صلعم نہایت خوش ہوئے اور بڑھتے ہوئے بدر کے مقام پر پہنچ گئے جو اسلامی تاریخ میں مسلمانوں اور کفار کے درمیان حق اور باطل میں فیصلہ کرنے اور پہلے جنگ کا مقام ہونے کے واسطے مشہور ہونے والا تھا۔ آخرکار قریش کے حملہ اور لشکر سے سامنا ہوا اور آنحضرت صلعم نے اتمام حجت کیواسطے حضرت عمرؓ کو قریش کے پاس یہ پیغام پہنچانے کے واسطے بھیجا کہ میں تم سے جنگ کرنا اور لڑنا ہرگز پسند نہیں کرتا۔ اور مناسب یہ ہے کہ تم یہیں سے اپنے وطن کو پھر جاؤ۔ حضرت عمرؓ نے یہ پیغام بجنسہٖ ہم کا قریش کے پاس پہنچا دیا۔ مگر قریش کب ماننے والے تھے۔ حکیم بن حزام نے اگرچہ آنحضرت صلعم کے اس فرمودہ کی بہت تعریف کی مگر ابوجہل نے حقارت سے جواب دیا کہ اب تم ہمارے قابو میں ہو ہم بدلہ لیئے بغیر تمہیں کب چھوڑتے ہیں[3]۔ غرض لڑائی اٹل تھی اور ہوئی۔ خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح دی اور دشمنوں کا مال اسباب اور قیدی اُن کے ہاتھ آئے؛

ایسی بڑی جنگ کی صورت میں یہ سب سے پہلا موقعہ مسلمانوں کے امتحان اور آزمائش کا تھا۔ مسلمانوں کے مقابلہ میں قریش ہی اُن کے خویش و اقربا جو کفر کی حالت میں تھے موجود تھے۔ حضرت عمرؓ نے بدر میں اوّل سے آخر تک اپنے جوش اور محبت اسلامی کا جس نے قرابت اور خویشاوندی کے تمام خیالات کو اُن کے دل سے محو کر دیا تھا ایسا ثبوت دیا کہ وہ کسی دلیل کا محتاج نہیں ہے۔ اُنہوں نے اپنے حقیقی ماموں عاص بن ہشام بن مغیرہ کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا[4]۔ اور کوئی خون کا رشتہ جو درحقیقت فرزندان اسلام کے نئے اُخوت کے پیوندوں کے سامنے کمزور ہو کر ٹوٹ چکا تھا خونخوار تلوار کے اٹھانے سے مانع نہ ہو سکا؛

---

[1] لیف اوف محمد مؤلفہ سر ولیم میور و مناہج النبوت ترجمہ مدارج النبوت جلد دوم صفحہ ۱۸۹؛

[2] مغازی واقدی ترجمہ اردو مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۳۳ و مناہج النبوت صفحہ ۱۸۹؛

[3] مغازی واقدی صفحہ ۳۲ [4] ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء، مغازی واقدی وغیرہ؛

حضرت عمرؓ کے رعب کا ثبوت پیش کرنا ایک غیر ضروری کام ہے مگر تاہم واقعات کو چھوڑا نہیں جا سکتا
قریش مکہ جو مدینہ پر چڑھائی کر کے آئے تھے اُن میں بنی ہاشم کو وہ جبراً اور زبردستی نکال کر ساتھ لائے تھے
وہ اس بات پر رضامند نہ تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں جو گویا اپنا ہی مقابلہ تھا
ہتھیار اٹھائیں مگر ابوجہل نے اُن کو سخت جوش دلا کر اور تنگ کر کے اس مہم میں شریک کیا تھا آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حال معلوم تھا اور آنحضرت کے چچا عباسؓ بھی انہیں میں تھے۔ آنحضرتؐ نے لڑائی
شروع ہونے سے پہلے حکم دیا تھا کہ جو شخص عباس اور ابوالبختری بن ہشام کو ملے اُن کو قتل نہ کرے کیونکہ وہ
اپنی رضامندی سے لڑنے نہیں آئے ہیں مگر ابو حذیفہ بن عتبہ نے اس حکم پر اعتراض کیا کہ ہم اپنے خویش و
اقربا کو قتل کریں اور عباس کو چھوڑ دیں؟ واللہ اگر میں اُسے ملا تو اُسکو قتل کرنے سے نہ رکوں گا آنحضرت
صلعم نے جب یہ سُنا تو حضرت عمرؓ سے کہا کہ اے ابا حفص کیا رسول اللہ کا چچا تلوار سے قتل کیا جاویگا؟
حضرت عمرؓ نے ارادہ کر لیا تھا کہ حذیفہ کی اس گستاخی کی سزا اس کی جان کا سوال ہو۔ مگر وہ اپنی اس حرکت
پر ہمیشہ افسوس اور ندامت سے آخر کار یمامہ کے دن اُس کا سر شہادت کے شوق میں خوشی سے دشمن
کی تلوار کے آگے رکھ دیا[1]۔ اس روایت میں آنحضرتؐ نے حضرت عمرؓ کو ابا حفص کی کنیت سے پکارا حضرت
عمرؓ کہتے ہیں کہ یہ سب سے پہلا موقع ہے کہ آنحضرتؐ نے مجھے اس نام سے پکارا ❊

حضرت عمرؓ کی شجاعت اور قوت ہی ایسے موقعوں پر ایک کارآمد چیز نہیں تھی بلکہ اُن کی احتیاط اور
دور اندیشی بہت کام آتی تھی وہ ہر طرف نگاہ رکھتے تھے اور جنگ آزمودہ سردار کی طرح وقت اور موقع کی ضرورتیں
مسلمانوں کو سمجھا دیتے تھے جنگ بدر ہی میں عاصم بن ابی عوف یہ پکارتا ہوا بڑھا آتا تھا کہ آنحضرتؐ کو قتل
کروں گا اگر وہ بچ گئے تو پھر ہم نہ بچینگے۔ ابودجانہ سے اُس کا مقابلہ ہو گیا اور تلوار چلنے لگی۔ آخر ابودجانہ نے اُسکو
قتل کر ڈالا اور اُس کا سازوسامان اُتارنے میں مصروف ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے دیکھکر اُسکو منع کیا اور کہا کہ
جب تک دشمن پر فتح کامل نہ حاصل ہو اس اسباب کی فکر کو چھوڑ دے اور میں شاہد ہوں کہ تو ہی اس اسباب کا
مستحق ہے[2] ❊

بدر کی لڑائی میں قریش کے لشکر میں ستر آدمی بطور قیدی کے گرفتار ہو گئے تھے اُن کی نسبت بحث
درپیش ہوئی کہ ان سے کیا سلوک کرنا چاہیئے۔ تمام مورخین نے جس طرح پر کہ اس واقعہ کو بیان کیا ہے اُسکا ماحصل
یہ ہے کہ اِن قیدیوں کی نسبت جب آنحضرتؐ نے اصحاب سے مشورہ طلب کیا تو حضرت عمرؓ نے اُن کے قتل
کرنے کی رائے دی اور حضرت ابوبکرؓ نے فدیہ لیکر چھوڑ دینے کی۔ آنحضرتؐ نے حضرت ابوبکرؓ کی رائے کو پسند
کیا اور فدیہ لیکر سب کو چھوڑ دیا۔ مگر خداوند تعالیٰ نے اس بات کو ناپسند کیا اور یہ آیت نازل ہوئی مَا کَانَ

---

[1] ازالۃ الخفاعن خلافۃ الخلفاء ومناہج النبوت   [2] مغازی واقدی صفحہ ۳۴

لنبیّ ان تکون له اسریٰ حتیٰ یثخن فی الارض تریدون عرض الدنیا واللہ یرید الاخرۃ واللہ عزیز حکیم لولا کتاب من اللہ سبق لمسکم فیما اخذتم عذاب عظیم" ترجمہ "نہیں ہے نبی کے لیئے کہ ہوں اُس کے لیئے قیدی یہاں تک کہ گھمسان کردیں زمین پر یعنی ملک میں تم چاہتے ہو مال دنیا کا اور اللہ چاہتا ہے آخرت کو اور اللہ غالب ہے حکمت والا۔ اگر نہ ہوتا لکھا ہوا اللہ کی طرف سے پہلے سے بیشک تمکو پہنچتا اُس میں جو تم نے لیا عذاب بہت بڑا ؎"

"در حقیقت مفسرین اس کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ خدا نے فدیہ لینے کو ناپسند کیا اور حضرت عمرؓ کی رائے کو جو اُن سب کو قتل کرنے کی تھی پسند فرمایا۔ اور حضرت عمرؓ کی اس رائے کو حضرت عمرؓ کے موافقات میں یعنی جو رائیں اُن کی منشائے خفی اور احکام الٰہی کے موافق ہوئی ہیں شمار کرتے ہیں لیکن یہ ایک عام غلطی ہے جو اُن آیات کی تفسیر اور اس واقعہ کی تشریح میں داخل ہو گئی ہے۔ صحیح تفسیر اور اصلیت واقعہ کی جو اس بزرگ مفسر نے اپنی تفسیر میں ؎ بیان کی ہے حسب ذیل ہے :-

"بدر کی لڑائی میں قریش مکہ کے تمام لشکر سے جو اُن کے ساتھ آیا تھا لڑائی نہیں ہوئی تھی بلکہ ایک گروہ سے جو لڑنے کو نکلا تھا لڑائی ہوئی تھی جیسا کہ آیت "واذ یریکموھم اذ التقیتم فی" سے ثابت ہوتا ہے۔ اُس گروہ کو جو مقابلہ میں آیا تھا شکست ہوئی تھی اور تمام لشکر قریش کا ایسا پریشان ہو گیا تھا کہ کسی کو پھر مقابلہ کرنے کی جرأت نہیں ہوئی اور مسلمانوں نے اُن کا تعاقب بھی نہیں کیا جیسا کہ خدا نے اسی سورۃ میں فرمایا "ان تستفتحوا فقد جاءکم الفتح وان تنتھوا فھو خیر لکم" مگر قریش مکہ کے لشکر میں سے ستر آدمی بطور قیدی کے گرفتار ہو گئے تھے۔ ان قیدیوں کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے مشورہ کیا کہ کیا کیا جائے حضرت عمرؓ اور سعد ابن معاذ نے رائے دی کہ سب کو قتل کرنا چاہیئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ فدیہ لیکر چھوڑ دیا جائے چنانچہ فدیہ لیکر چھوڑ دیا گیا۔ فدیہ لینے پر خدا نے اپنی ناراضی ظاہر کی کیونکہ وہ لوگ بغیر لڑنے کے پکڑے گئے تھے اور اسی لیئے لڑائی کے قیدی نہ تھے جن سے فدیہ لیا جا سکتا۔ نہیں تھے۔ اسی پر خدا کی ناراضی ہوئی اور خدا نے فرمایا "ما کان لنبیّ ان یکون له اسریٰ الخ" جن لوگوں کی یہ رائے ہے کہ اُن کے قتل نہ کرنے پر خدا کی ناراضی ہوئی تھی کسی طرح پر صحیح نہیں ہو سکتی اس لیئے کہ خدا تعالیٰ نے جب اُن کا قیدی جنگ ہونا ہی نہیں قرار دیا تو اُن کے قتل نہ کرنے پر کیونکر ناراضی ہو سکتی تھی"۔

اب یہ بات کہ حضرت عمرؓ کی رائے ایسی سختی کرنے کی کیوں تھی ہم پھر بیان کرینگے حضرت عمرؓ کی ایک یہی رائے اس قسم کی نہیں ہے بلکہ ایسی ہی اور بہت سی رائیں ہیں ہم سب کو بیان کر لینے کے بعد بحث کرینگے کہ اُن میں بھی ایک مخفی حکمت اور مصلحت تھی ۔

؎ تفسیر القرآن از سر سید احمد خاں صاحب جلد چہارم صفحہ ۹۴ ۔

اس جنگ میں بھی جو حضرت حمزہؓ اور بہت سے اصحاب رسول اللہ کے شہید ہونے اور مسلمانوں کو شکست ہونے کے سبب سے بدنام ہے حضرت عمرؓ نے کارزار کے سخت معرکہ میں کچھ کم دلیری اور شجاعت نہیں ظاہر کی۔ قریش کی ایک جماعت سے جب وہ پہاڑ پر چڑھ کر غلبہ حاصل کرنا چاہتی تھی حضرت عمرؓ نے چند مسلمانوں کے ساتھ بڑھ کر نہایت سخت مقابلہ کیا اور لڑ کر پہاڑ سے گرا دیا[1]۔ اگر لوگ لوٹنے میں مصروف نہ ہو جاتے تو مسلمانوں کی فتح کامل ہو چکی تھی۔ خالد بن ولید نے جب مسلمانوں کو اس طرح مصروف دیکھا تو موقع پا کر اپنے سواروں کے ساتھ پچھلی طرف سے ان پر آن پڑا اور مسلمان درمیان میں گھر گئے اور لڑائی کی صورت تبدیل ہو گئی۔ آنحضرتؐ کے چار دانت ٹوٹ گئے۔ حضرت عمرؓ سخت زخمی ہوتے[2] مگر اس پر بھی وہ لڑنے اور مقابلہ کرنے میں استوار رہے لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شہید ہونے کی خبر مشہور ہوئی تو ان کی کمریں ٹوٹ گئیں اور حضرت عمرؓ مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ دل شکستہ اور مایوس ہو کر بیٹھ گئے[3] اور بہت لوگ مدینہ کی طرف بھاگ نکلے۔ لیکن جب اس نامبارک خبر کی غلطی معلوم ہوئی تو خاص اصحاب آنحضرتؐ کے گرد جمع ہو گئے اور اعدا سے بچانے میں مصروف ہو گئے۔ ابن قمیہ نے قریش میں جا کر مشہور کر دیا تھا کہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر آیا ہوں۔ ابو سفیان اس خبر کی تصدیق کرنے کے واسطے بلندی پر کھڑا ہو گیا اور مسلمانوں کو پکار کر کہا کہ پیغمبر تمہارے زندہ ہیں یا شہید ہو گئے۔ مسلمانوں میں سے کسی نے جواب نہ دیا تو اس نے پھر کہا کہ ابن قحافہ (حضرت ابو بکرؓ) تم میں ہیں یا نہیں[4]۔ جب کوئی جواب نہ ملا تو قریش کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا کہ یہ سب مارے گئے اگر کوئی ہوتا تو جواب دیتا اور خوشی میں آ کر اپنے بت **ھُبل** کی ثنا کرنے لگا اور کہا " **اعل ھبل** (اے ہبل بلند ہو جا) آج بدر کے دن کا بدلا لیا گیا"۔ حضرت عمرؓ سے اب نہ رہا گیا اور آنحضرت کی اجازت سے جو جواب دینے سے روکتے تھے باآواز بلند کہا " **اَللّٰہُ اَعلیٰ واجل** تم ہمارے واسطے مساوی نہیں ہو سکتے کہ تمہارے قتیل دوزخ میں ہیں اور ہمارے جنت میں[5]"۔ حضرت عمرؓ کی آواز سن کر ابو سفیان کے کان کھڑے ہو گئے اور ان سے کہا کہ میرے نزدیک آئیے۔ حضرت عمرؓ آنحضرت سے اجازت لیکر نزدیک گئے تو اس نے آنحضرت کی نسبت دریافت کیا کہ ہم نے کیا ان کو قتل کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ وہ بفضل الٰہی زندہ اور میری باتیں سن رہے ہیں۔ ابو سفیان نے کہا یہی درست ہے کیونکہ ابن قمیہ سے تو میرے نزدیک تم سچے ہو[6]۔ مسلمانوں کا اگرچہ لڑائی میں بہت نقصان ہوا مگر قریش کی جمعیت ابتدا ہی میں ٹوٹ چکی تھی فتح کے بعد بھی وہاں ٹھہرنے کی تاب نہ لا سکے اور مکہ کی طرف

---

[1] ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء بروایت ابن اسحاق
[2] سپرٹ اوف اسلام صفحہ ۱۵۶
[3] مغازی واقدی صفحہ ۲۰۸
[4] مناہج النبوت جلد دوم صفحہ ۲۸۴
[5] ازالۃ الخفاء بروایت ابن اسحاق و مناہج النبوت جلد دوم صفحہ ۲۸۵
[6] ازالۃ الخفاء بروایت ابن اسحاق و مغازی الواقدی صفحہ ۲۱۲

کوچ کر گئے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ چلے آئے ۔ مسلمانوں کی اس شکست کے سبب سے یہود کو ایک موقع مسلمانوں کو بہکانے کا ملگیا کہ اگر تم مسلمان نہ ہوتے تو یہ تکلیف کیوں اُٹھاتے ۔ حضرت عمرؓ اِسکو سُنکر ٹھہر کے اور آنحضرتؐ سے اجازت چاہی کہ ان یہود و منافقین کو قتل کر ڈالیں مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسے امر کی کب اجازت دینے لگے تھے ۔

یہودیوں کی ایک قوم بنی نضیر اور آنحضرتؐ کے درمیان باہمی حسن سلوک کا معاہدہ ہو چکا تھا لیکن عبداللہ بن اُبی کی سازشوں سے جو بڑا سخت منافق اور منافقین کا سرگروہ تھا اُن کا دل آنحضرتؐ کی نسبت صاف نہیں تھا ۔ بارہا اُن کی مخالفانہ اور منافقانہ حرکات سے اُن کے دل کا بغض اور کینہ ظاہر ہو چکا تھا ۔ آخر جب ایک دفعہ آنحضرتؐ اُن کے پاس ایک خاص کام کیواسطے تشریف لے گئے اور ایک دیوار کے تلے جا بیٹھے بنی نضیر نے آپس میں مشورہ کیا کہ ایسے وقت میں آنحضرتؐ کو ایک بڑا پتھر دیوار پر سے اُن پر ڈال کر اُن کو مار ڈالا جائے ۔ مگر آنحضرت وہاں سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور یہ ارادہ یہودیوں کا پورا نہ ہوا ۔ لیکن جب اُن کی دغابازی تحقیق ہوگئی تو آنحضرتؐ نے اُن کی آیندہ شرارتوں سے مامون اور محفوظ رہنے اور اس خدشہ اور خطرہ سے نجات پانے کے واسطے اُن پر چڑھائی کی ۔ بنی نضیر نے کچھ عرصہ محصور رہ کر آخر یہ بات ٹھہرائی کہ وہ لوگ مدینہ سے چلے جاوینگے ۔ چنانچہ وہ اپنا مال و متاع لیکر مدینہ سے خیبر کو چلے گئے اُن کے املاک اور زمینیں جو وہ چھوڑ گئے آنحضرتؐ نے انصار مدینہ کی رضامندی سے مہاجرین اور محتاج انصار میں تقسیم کر دیں[51] ۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کو بھی کچھ حصہ اُن کی جائداد کا ملگیا[52] جس سے حضرت عمرؓ اور مہاجرین کی محتاجی جو اپنی تمام قسم کی ضروریات کیواسطے انصار کے دست نگر تھے رفع ہوگئی ۔

ماہ شعبان ۵ ہجری میں بنی المصطلق سے لڑائی ہوئی جو ایک قبیلہ عرب کا تھا ۔ سبب یہ تھا کہ آنحضرتؐ صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی کہ حارث بن ابی ضرار نے لڑائی کے ارادے پر لوگوں کو جمع کیا ہے آنحضرتؐ نے اُن کے مقابلہ کے واسطے کوچ کیا اور مریسیع کے مقام پر جو اس نام کے ایک چشمہ کے سبب سے مشہور تھا دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا ۔ حضرت عمرؓ مقدمۃ الجیش یعنی فوج ہراول کے سردار تھے ایک بڑی کامیابی اُنکو یہ ہوئی کہ کفار کا ایک جاسوس گرفتار کیا اور اُن کا سب حال اُس سے دریافت کر لیا اور کفار کو ہیبت زدہ کرنے کے واسطے اُسے قتل کر ڈالا ۔ خاص لڑائی کے وقت حضرت عمرؓ اس امر کی منادی کرنے پر مامور ہوئے کہ جو شخص اسلام لاویگا اور کلمہ اسلام کہیگا تعرض سے امن میں رہیگا ۔ آخر لڑائی ہو کر بنی مصطلق کو شکست ہوئی اور مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا ۔

۵۱ لیف اوف محمد مؤلفہ سر ولیم میور صفحہ ۲۹۳

۵۲ سپرٹ اوف اسلام صفحہ ۱۶۶

۵۳ ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء

اس فتح کے بعد چند روز تک مسلمانوں کا لشکر چشمہ مریسیع پر مقیم رہا۔ اسی اثنا میں ایک دن حضرت عمرؓ کے خادم جہجاہ غفاری اور ایک سرائی یا انصار کے درمیان کچھ تکرار ہوئی۔ جہجاہ نے ایک تھپڑ اُسکو مار دیا[51]۔ اُس نے شور و غل کر کے اہل مدینہ کو اپنی امداد کیواسطے جمع کر لیا۔ مہاجرین بھی اکٹھے ہو گئے اور باہم سخت کلامی بلکہ تلوار پر ہاتھ بڑھانے تک نوبت پہنچ گئی[52]۔ انصار درحقیقت عبداللہ بن ابی کے بھڑکانے سے ہوئے تھے اپنی غلطی کا اقرار کر کے طالب معافی ہوئے اور یہ معاملہ رفع ہو گیا۔ عبداللہ بن ابی اپنے منافقانہ چلن میں مشہور ہو چکا تھا اور کئی دفعہ مسلمانوں کو سخت سے سخت چوٹیں کر چکا تھا۔ اُحد کے دن تین سو آدمیوں کو بہکا کر آنحضرت کے لشکر سے علیحدہ کر لیگیا تھا اور لشکر کی جمعیت کو ضعیف کر دیا تھا[53]۔ بنی نضیر کو بھی درپردہ مسلمانوں سے لڑا ہی دیا تھا۔ اب جو دو تین لڑائیوں کے ساتھ شریک ہونے سے اس کا مطلب غنیمت کے لالچ کے سوا کچھ نہ تھا۔ اس خفیف سی تکرار نے جو دو عہدہ داروں میں واقع ہوئی جو اثر پڑا تھا اُسکو اُسنے کو برانگیختہ کرنے کا موقع ملگیا۔ اور بزرگ ناراضی کا طومار غضب بہا دیا۔ اور انصار کو جوش دلانے کے واسطے ہمارے بُنک ایسا گزرا کہ یہ مصیبت تم نے آپ ہی پردیسیوں کو بلا کر اور اپنے شہر میں بسا کر مول لی ہے اب مدینہ میں پہنچکر جو زبردست ہوگا وہ اپنے سے ضعیف اور ذلیل کو نکال دیگا[54]۔

زید بن ارقم نے یہ الفاظ اُس کے منہ سے سنے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گوش گزار کر دیئے حضرت عمرؓ سنکر جوش میں آگئے اور اُس منافق کے سر اڑا دینے کا ارادہ کر لیا مگر عبداللہ اور دوسرے لوگوں نے عذر خواہی کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی معمولی طبع کریمانہ اور رحم سے اسکو معاف کر دیا اور حضرت عمرؓ کو اپنے ارادہ سے باز رہنے کو فرمایا[55]۔ عبداللہ بن ابی کے بیٹے عبداللہ نے جو راسخ العقیدہ اور صادق الایمان تھا اپنے باپ کو اس حرکت پر ملامت کی اور پھر آنحضرت صلعم کے پاس حاضر ہو کر عرض کی کہ میں نے سُنا ہے کہ آپ عبداللہ بن ابی کی شکایت گزرنے پر اُس کے قتل کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اگر یہ ارادہ پختہ ہو تو مجھے حکم ہو میں اُس کا سر کاٹ لاؤں۔ کیونکہ خزرج جانتے ہیں کہ اُن میں مجھ سے زیادہ اپنے باپ سے بھلائی کرنیوالا کوئی نہیں ہے۔ مجھے خوف ہے کہ اگر میرے سوا کسی دوسرے نے میرے باپ کو قتل کیا تو مجھے اُسکے قاتل کو زندہ دیکھنے کی برداشت نہ ہوگی اور میں ایک کافر کے بدلہ کسی مومن کو قتل کرنے سے دوزخ کا مستوجب ہو جاؤں گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں ہم اُس کے ساتھ احسان کرینگے اور جب تک ہمارے ساتھ

---

[51] لیف اوف محمد مؤلفہ سر ولیم میور صفحہ ۳۰۷

[52] سپرٹ اوف اسلام صفحہ ۱۶۵

[53] سپرٹ اوف اسلام صفحہ ۱۶۶

[54] لیف اوف محمد مؤلفہ سر ولیم میور صفحہ ۳۰۸

[55] ازالۃ الخفا و لیف اوف محمد مؤلفہ سر ولیم میور

رہیگا اُس کی صحبت کو اچھا سمجھینگے[51] آنحضرت کے اس احسان اور کرم نے خود عبد اللہ کی قوم کو اُس سے بدظن و بد عقیدہ کردیا اور وہی اُسکو کافی عتاب اور سرزنش کرتے تھے اور بے عزتی اور بے حرمتی سے پیش آتے تھے۔ آنحضرت صلعم نے یہ کیفیت سُن کر حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ "اے عمرؓ تیری کیا رائے ہے جس روز تو نے اُس کے قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا اگر تو اُسکو قتل کردیتا تو اس وقت تجھ کتنا رنج اور پریشانی ہوتی" (یعنی مُسلمانوں کے درمیان فساد ہوتا حالانکہ اسی طرح اُسکو کافی سزا مل گئی ہے) حضرت عمرؓ نے کہا کہ "خدا کی قسم میں جانتا ہوں کہ میری بات سے رسُول اللہ کی بات بڑی برکت والی ہے[52]" اسی واقعہ کے بعد سورۂ **منافقون** مدینہ میں نازل ہوئی ہے۔ ہم اس قسم کے واقعات سے بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ آنحضرت صلعم کے ظلِ رحمت میں حضرت عمرؓ کس طرح تربیت حاصل کر رہے تھے جو آیندہ اسی ذات پاک کی برکتوں کو بہت عرصہ تک دنیا میں بالواسطہ جاری رکھنے کا ذریعہ ہونیوالی تھی ؛

ماہ ذیقعدہ ۵ہجری مقدس میں خندق کی لڑائی ہوئی۔ بنی نضیر کے یہودی جو جلاوطن کیئے گئے تھے بنی وائل کے ساتھ قریش مکہ کے پاس گئے اور اُن کو مدد دینے کا وعدہ کرکے مدینہ پر چڑھا لائے۔ ابوسفیان قریش کا سردار تھا اور بنی عطفان کے لوگ بھی شریک تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خبر کو سُنکر مدینہ سے باہر جاکر لڑنا مناسب نہ سمجھا اور مدینہ کے گرد خندق کھود کر مورچہ بندی کی۔ یہود بنی قریظہ بھی معاہدہ توڑ کر حملہ آوروں کے ساتھ شریک ہوگئے اور مدینہ اور مُسلمانوں کی حالت نہایت خطرناک ہوگئی۔ حضرت عمرؓ کی مساعی نے بہت کچھ کام دیا۔ خندق کی ایک طرف کی محافظت اُن کے ذمہ تھی۔ خوب جان توڑ کر لڑے اور حفاظت کے اعتبار کا حق ادا کیا۔ بعد ازاں اسی مقام پر اُن کے نام پر وہاں مسجد بنا ہوئی ہے[53]۔ قریش اور کفار اور یہود ایک مہینہ تک محاصرہ کیئے پڑے رہے اور لڑائیاں ہوتی رہیں۔ حضرت عمرؓ نے ایک دن زبیرؓ کی جماعت کے ساتھ کفار پر حملہ کیا اور جماعت کو متفرق کردیا۔ اگرچہ اس سخت حملہ سے مسلمانوں کے جان بر ہوتے اور ایک شخص کے بچنے کی بھی توقع نہ تھی مگر مسلمانوں کی جانبازیوں نے دشمن کو محاصرہ اُٹھا کر ناکام واپس چلے جانے پر مجبور کیا ؛

چھٹے سال ہجرت کے ذیقعدہ مہینہ میں آنحضرت صلعم نے مکہ میں جاکر حج وعمرہ ادا کرنے کا ارادہ کیا اور بغیر کسی لڑائی کے خیال کے اسباب ضروریات حج وعمرہ ساتھ لیکر مدینہ میں روانہ ہوئے۔ جب آنحضرت صلعم حدیبیہ کے مقام پر پہنچے تو قریش مکہ کو اندیشہ ہوا اور مکہ میں آنے سے روکا۔ اور دونوں طرف سے پیغام جاری ہوتے۔ پہلا قاصد جو مُسلمانوں کی طرف سے مکہ بھیجا گیا قریش نے اُس کو پکڑ کر نہایت ایذا پہنچائی۔ اور

---

[51] ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفا و لیف اوف محمد مؤلفہ سر ولیم میور [52] ازالۃ الخفا و لیف اوف محمد مؤلفہ سر ولیم میور صفحہ ۳۰۸ ؛ [53] ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفا ؛

آنحضرتؐ کی سواری کے اونٹ کو لنگڑا کر دیا بلکہ جان کا اندیشہ ہوا[۵۱]۔ لیکن جب اُن کا پہلا جوش دفع ہو گیا تو
آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ قریش مکہ کے پاس جا کر اُن کو فہمائش کرو کہ ہم جنگ و پیکار
کا ارادہ نہیں رکھتے اور حج و عمرہ ادا کرنے میں ہمارے مزاحم نہ ہوں۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ آنحضرتؐ پر
بخوبی روشن ہے کہ قریش مجھ سے کس درجہ عداوت اور سخت دشمنی رکھتے ہیں اور مکہ میں بنی عدی (حضرت عمرؓ
کا قبیلہ) میں سے کوئی نہیں ہے جو میری حمایت کرے گا۔ پس حضرت عثمانؓ کا بھیجنا مناسب ہو گا کیونکہ اُن کا
قبیلہ مکہ میں نہایت ذی اور عزیز و اقارب موجود ہیں جو اُن کو کسی قسم کے تعرض سے محفوظ رکھینگے[۵۲]۔ درحقیقت
آنحضرتؐ نے جو انتخاب حضرت عمرؓ کا فرمایا تھا وہ اغراض سفارت اور پیغام رسانی کو کما حقہٗ اور بوجہ احسن ادا
کرنے کے واسطے غالباً سب سے افضل تھا لیکن قریش کی سخت عداوت جو حضرت عمرؓ کے ساتھ تھی وہ اُن کو
برانگیختہ کر کے ایک دوسرا سدّ راہ درمیان میں کھڑا کر دیتی اور معاملہ درہم برہم ہو کر اصلی مقصود فوت ہو جاتا۔ حضرت
عمر کا رُعب جو کچھ اُس وقت تھا وہ اُن کی اپنی ذات ہی تک محدود تھا کیونکہ قریش میں بنی عدی میں سے مکہ میں کوئی ذی اثر
شخص موجود نہ تھا جو اُن کی حمایت کرتا۔ وہ اپنی جان کو خطرے میں ڈالنے سے کسی طرح ڈرنے اور ہٹنے
والے نہیں تھے۔ مگر کسی نئے تکرار کے کھڑے ہو جانے سے مسلمانوں کے معاملہ کو نقصان پہونچنے
کا اندیشہ تھا۔ حضرت عثمانؓ کا قبیلہ یعنی بنی اُمیہ اس وقت مکہ میں سب سے قوی اور زور آور اور ذی رعب تھا
پہلے بھی بنی ہاشم کے ساتھ اگر کسی کو ہمسری اور برابری کا دعویٰ تھا تو بنی اُمیہ ہی کو تھا جو اپنے آپ کو بنی ہاشم
کا برابر درجہ کا رقیب سمجھتے تھے[۵۳]۔ اور دولت اور اقتدار کے لحاظ سے تو گویا واقعی یہی حال تھا۔ اب بنی ہاشم
کی بزرگیاں تو بہت کچھ آنحضرتؐ کی ذات بابرکات کے ساتھ منتقل ہو گئی تھیں اور بنی اُمیہ ہی کا بول بالا ہو رہا
تھا۔ خود ابو سفیان جو ہر امر میں سرگروہ اور سردار تھا حضرت عثمانؓ کا چچیرا بھائی تھا۔ پس اس اعتبار سے
اُنہیں کا انتخاب مناسب تھا جس کو آنحضرتؐ نے بھی پسند فرمایا اور حضرت عثمانؓ کو قریش کے پاس بھیجا مگر
وہ اُن کی فہمائش پر بھی راضی نہ ہوئے بلکہ اُن کو بھی قید کر لیا۔ اسی اثناء میں یہ خبر مشہور ہوئی اور آنحضرتؐ تک
پہنچی کہ حضرت عثمانؓ کو قریش نے قتل کر ڈالا۔ اس پر آنحضرتؐ نے لڑنے کا ارادہ کیا اور سب لوگوں سے لڑنے
اور مرنے مارنے پر بیعت لی۔ یہ بیعت ایک درخت کے نیچے لی گئی تھی اور بیعت الرضوان کے نام سے مشہور ہے
مگر بعد کو معلوم ہوا کہ حضرت عثمانؓ کے قتل ہونے کی خبر غلط تھی۔ اس کے بعد قریش مکہ نے سہیل بن عمرو
کو صلح کا پیغام دیکر بھیجا۔ بہت گفت و شنود کے بعد آنحضرتؐ قریش کی شرائط معاہدہ سے رضامند ہوئے کہ
مسلمان اس سال حج و عمرہ نہ کریں اور واپس چلے جائیں۔ آیندہ سال حج و عمرہ کرنے آئیں مگر تین روز سے زیادہ

---

[۵۱] لیف اوف محمد مؤلفہ سر ولیم میور صفحہ ۳۱۷ [۵۲] لیف اوف محمد مؤلفہ سر ولیم میور صفحہ ۳۱۷۔ مناہج النبوت جلد ۲
صفحہ ۹۴۱۔ مغازی واقدی صفحہ ۳۰۶ [۵۳] دیباچہ لیف اوف محمد مؤلفہ سر ولیم میور صفحہ ۱۲ ؎

کہ یہیں ٹھہریں - دس برس تک آپس میں لڑائی موقوف رہے - اگر کوئی شخص قریش مکہ میں کا بلا اجازت اپنے ولی کے آنحضرت صلعم پاس چلا آئے تو آپ اسکو قریش مکہ کے پاس بھیجدیں گے - اگر آنحضرت صلعم کے ساتھی قریشیوں میں سے کوئی شخص مکہ میں چلا جائے تو اس کو قریش واپس نہیں دیں گے - جب یہ شرائط طے ہوگئیں مگر ابھی عہد نامہ تحریر نہیں ہوا تھا کہ حضرت عمر رضہ مسلمانوں کے ایسے ضعف اور عاجزی کی شرطیں منظور کرلینے پر غیرت سے طیش کھاکر درمیان سے اٹھ کھڑے ہوئے اور حضرت ابوبکر کے پاس جاکر شکایت کی اور کہا کہ کیا آنحضرت صلعم رسول اللہ اور ہم مسلمان نہیں ہیں - اور کیا یہ مشرک اور کافر نہیں ہیں - انہوں نے کہا ہاں ہیں - تو کہنے لگے کہ پھر ہم کیوں اپنے اور اپنے دین کے واسطے ایسی پستی اور ضعف گوارا کریں - پھر آنحضرت صلعم کے پاس جاکر بھی یہی کہا - مگر آپ کے سمجھانے سے مان گئے بلکہ آنحضرت کی منشاء کے خلاف چاہنے پر اپنی غلطی کا اقرار کیا اور اس کے کفارہ میں غلام آزاد کرنے کا عہد کیا[ف] - جب عہد نامہ لکھا گیا تو حضرت ابوبکر صدیق رض اور حضرت عمر رضہ اور چند اصحاب کے دستخط بطور شہادت کے اس پر ثبت ہوئے - حضرت عمر رضہ کو معاہدے کی جو شرط سب سے زیادہ ناپسند تھی وہ یہی تھی کہ مسلمان قریش کے آدمی کو ان کے حوالہ کریں مگر قریش مسلمانوں کے آدمی کو واپس نہ دیں - اس کا ایک اشتعال انگیز نتیجہ جس کی طرف سے وہ ڈرتے تھے اسی وقت پیدا ہوا کہ سہیل کا بیٹا ابوجندل جو مسلمان ہوچکا تھا اور اس کے باپ نے اسے قید کر رکھا تھا کسی طرح بھاگ کر آنحضرت صلعم کے پاس آپہنچا اور مسلمانوں سے پناہ طلب کی - مگر سہیل نے معاہدہ کی شرائط کی پابندی پر اصرار کیا - آنحضرت صلعم تو معاہدہ کی پابندی سے پھرنے والے نہ تھے اور اسکو اُن کے حوالہ کرکے چلانا پڑا - حضرت عمر رضہ کا دل بہت کڑھا اور وہ خوش ہوتے اگر ابا جندل اُن کی تلوار لیکر اپنے باپ کو قتل کر ڈالتا[ع] - اسی سفر کی واپی کے اثناء میں سورہ فتح نازل ہوئی جس میں بیعت رضوان میں شریک ہونیوالوں کے واسطے خوشخبری اور فتح کا مژدہ اور آیۃ سکینہ جو حضرت عمر رضہ کے خیالات سے زیادہ متعلق ہونی چاہیئے تھی نازل ہوئی اور حضرت عمر رضہ ہی سب سے اوّل اس خوشخبری سے مشرف ہوئے - رات کو چلتے میں حضرت عمر رضہ نے آنحضرت صلعم سے کسی امر کی نسبت سوال کیا مگر آنحضرت صلعم نے کچھ جواب نہ دیا - مکرر سہ کرر سوال کرنے پر بھی آنحضرت صلعم نے کچھ جواب نہ دیا وہ اپنے خیال کے ساتھ مشغول تھے - حضرت عمر رضہ ڈرے اور متاسف ہوئے کہ آنحضرت کو ناراض نہ کیا ہو - اور اپنے اونٹ کو ہانک کر آگے نکل گئے - تھوڑی دیر میں پکارے جانے کی آواز سنی اور آنحضرت صلعم کے پاس آئے اپنے

> لقد رضي الله عن المؤمنين اذ يبايعونك تحت الشجرة فعلم ما في قلوبهم فانزل السكينة عليهم واثابهم فتحا قريبا

ف ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء بروایت ابن اسحٰق ع ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء و مناہج النبوت

فرمایا کہ آج رات مجھ پر ایک سورت نازل ہوئی ہے جو ہر چیز سے زیادہ پیاری ہے اور پھر " انا فتحنا لک فتحا مبینا" پڑھا [1] ؛

ماہ جمادی الآخر ۷ھ ہجری مقدس میں خیبر کا مشہور جنگ ہوا جو مدینہ سے آٹھ منزل شام کی طرف ایک مشہور اور نہایت مضبوط اور متعدد قلعوں سے مستحکم شہر تھا۔ اہل خیبر جن میں وہ تمام یہودی جو مدینے سے جلاوطن ہوئے تھے اور بنی غطفان اور بنی اسد وغیرہ مشہور قبیلہ اُن سے جا ملے تھے اور مسلمانوں سے لڑنے کی تیاریاں کرتے تھے اپنے مضبوط قلعوں پر نازاں تھے۔ جب اُن کی آمادگی جنگ نے زیادہ شہرت پائی تو آنحضرت صلعم نے اس فساد کو مٹانے کے واسطے خیبر کی طرف کوچ کیا ایک مہینہ تک لڑائی رہی حضرت عمرؓ فوج میمنہ کے سردار تھے [2] کئی چھوٹے چھوٹے قلعے فتح ہو گئے اور بنی غطفان اور بنی اسد اہل خیبر سے جُدا ہو گئے۔ ایک رات کو جب لشکر کی حفاظت اور خبرداری کرنے کی حضرت عمرؓ کی باری تھی وہ ایک یہودی کو پکڑ لائے۔ اُس سے آنحضرتؐ نے خیبر کا بہت کچھ حال دریافت کر لیا جو ایک بڑی وجہ حصول فتح کا ہوا [3] سخت سے سخت لڑائیاں ہوئیں۔ حضرت عمرؓ سے کئی دفعہ مقابلہ ہوا مگر مسلمانوں کی کامیابی مشتبہ رہی آخر ایک دن جب حضرت علیؓ لشکر اسلام کے سردار اور علم بردار تھے گھمسان لڑائی ہو کر حسن القطیع اور حسن السلالم جو نہایت مضبوط قلعہ تھے فتح ہو گئے اور یہودیوں نے اُن کی درخواست کر کے صلح کر لی ؛

اب ایک بڑا معرکہ فتح مکہ کا پیش آنے والا تھا۔ قریش سے جو حدیبیہ پر صلح ہو کر باہم معاہدہ ہو گیا تھا اُسکو قریش نے توڑ ڈالا اور آنحضرتؐ کے پاس اُن کے خلاف عہد ظلم اور تعدّی کی شکایتیں پہنچیں تو آنحضرتؐ نے لشکر کے جمع کرنے کا حکم دیا اور اُن کو اُن کی عہد شکنی کی سزا دینے پر آمادہ ہوئے۔ حاطب بن ابی بلتعہ نے بلا اجازت آنحضرتؐ کے قریش کو آنحضرتؐ کے اس ارادے کی خبر بھیجی۔ حضرت عمرؓ یہ سُن کر جوش میں آ گئے اور کہا کہ اس نے مسلمانوں کے ساتھ خیانت کی ہے اور آنحضرتؐ سے اُس کی گردن مارنے کی اجازت چاہی۔ مگر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ یہ اہل بدر سے ہے جن کے واسطے معافی ہے۔ حضرت عمرؓ اپنے ارادے سے باز رہے۔ ابو سفیان نے آنحضرتؐ کی اس تیاری کی خبر سُن کر عہدنامہ کی تجدید کرنی چاہی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ اس کے نہایت مخالف تھے [4] اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی اس درخواست کو منظور نہ فرمایا کیونکہ ان کے خلاف عہد ظلم سے درگزر کرنا ناممکن تھا ؛

آنحضرتؐ ماہ رمضان ۸ھ ہجری مقدس میں اپنے لشکر کے ساتھ مکہ کو روانہ ہوئے۔ حضرت عباسؓ عمّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راستہ میں آنحضرتؐ کو آ ملے اور دین حق کا اقرار کیا اور اسلام لائے ابو سفیان نے

---

[1] ازالۃ الخفا بروایت ابا یزید بن اسلم
[2] ازالۃ الخفا و مناہج النبوت جلد دوم صفحہ ۴۷۸
[3] ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفا
[4] ازالۃ الخفا

جب دیکھا کہ قریش پر ضرور لشکر کشی ہوگی تو خود آں حضرتؐ کے پاس حاضر ہونے کا ارادہ کیا اور مسلمانوں کے لشکر کثیر کو دیکھ کر اور بھی حواس باختہ ہوا۔ مسلمانوں میں کوئی اُس کی شفاعت کی حامی نہیں بھرتا تھا۔ حضرت عباسؓ نے اُسکی سفارش کرنی منظور کی اور آنحضرتؐ کے پاس لیکر چلے۔ حضرت عمرؓ کو جو اس حال میں دیکھا اور وہ تمام ایذائیں جو اُس کے ہاتھوں سے مسلمانوں کو پہونچی تھیں یاد کر کے طیش آنا ضروری تھا۔ اُسے دیکھکر للکارا اور کہا کہ اے خدا کے دشمن خدا کا شکر ہے بغیر عہد و پیمان کے تجھ پر قابو[51] گیا اور بھاگ کر رسول اللہ کی طرف چلے۔ حضرت عباسؓ جو اس واقعہ کو بیان کرتے ہیں کہتے ہیں کہ میں بھی رسول اللہ کی طرف بھاگا اور چونکہ میں خچر پر سوار تھا حضرت عمرؓ سے پہلے پہنچ گیا[52]۔ حضرت عمرؓ جب پہنچے تو کہا کہ یا رسول اللہ آج ابو سفیان پر بغیر کسی عہد و پیمان کے قابو مل گیا ہے۔ مجھے اجازت دیں کہ اُسکی گردن اُڑا دوں[53]۔ میں نے کہا (حضرت عباسؓ کہتے ہیں) یا رسول اللہ میں نے اُسکو امان دی ہے۔ غرض نتیجہ تو یہ ہوا کہ ابو سفیان نے پکا پکا اسلام کا اقرار کر کے اور اپنی حفاظت اور امن کا اقرار لیکر مکہ کو واپس چلا گیا اور مسلمانوں نے آخر مکہ کو فتح کر کے خدا کے اُس سب سے پہلے گھر کا جس کو دنیا میں سب سے اوّل خدائے واحد کو پہچاننے اور پکارنے والے کے بزرگ اور مقدس اور مبارک ہاتھوں نے بنایا تھا اور جس کے کہ صرف وہی مستحق تھے قبضہ حاصل کر لیا۔ آنحضرتؐ کوہ صفا پر بھی رونق افروز ہوئے اور دعا کے لیئے ہاتھ اُٹھائے اور شکرانۂ نعمت بجا لائے اور اسی جگہ بیٹھ گئے۔ حضرت عمرؓ آنحضرتؐ کی خدمت میں کھڑے تھے اور قریش میں سے جو لوگ بیعت کرنے آتے تھے اُن کو بیعت کراتے تھے۔ اسی طرح مردوں اور بعد ازاں عورتوں نے بیعت کی[54]۔

اسی طرح حضرت عمرؓ اور باقی مشہور لڑائیوں حنین اور طائف اور تبوک وغیرہ میں شریک تھے حنین میں فوج کی ابتری اور پریشانی کے وقت آنحضرتؐ کے پہلو میں ثابت قدم کھڑے تھے۔ تبوک کی لڑائی میں اپنا نصف مال سامان لشکر کے واسطے نذر کیا۔ سریہ ذات السلاسل میں عمرو بن عاص کی امداد کو بھیجے گئے۔ غرض اپنی خدمات میں ممتاز اور جلیل تھے۔ ایک سریہ اُن کے نام سے مشہور ہوا[55]۔ آں حضرت نے بعض دفعہ دوسرے سرداروں مثلاً ابو عبیدہ بن جراح اور عمرو بن العاص حتی کہ اسامہ بن زید کے ساتھ بلکہ ماتحت کر کے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کو بھیجدیا۔ مسلمان مورخ بعض اوقات اسکو تعجب سے دیکھتے ہیں۔ مگر اوّل تو اس سے اُن کی بزرگی اور امتیاز میں کچھ فرق نہیں آتا تھا بلکہ اُن کی تجربہ کاری اور معاملہ فہمی سے فائدہ اُٹھانا مقصود ہوتا تھا اور عجب نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی خیال ہو کہ جو مساوات اور برادری اسلام

---

۵۱ ازالۃ الخفا
۵۲ ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفا
۵۳ مناہج النبوت صفحہ ۵۸۲
۵۴ مناہج النبوت صفحہ ۵۲۶

اس خدمت عظمیٰ کے خوش نصیب شرکا میں قائم کی تھی وہ سب کے دل میں تازہ ہے اور کوئی کسی قسم کا خیال اُس کو اُن کے دلوں سے محو نہ کردے۔ آنحضرتؐ نے حضرت عمرؓ کو مدینہ کے صدقات پر عامل بنا دیا تھا خود اُن سے بھی روایت ہے کہ رسول اللہ نے مجھے عامل مقرر کیا اور مواجب دینا چاہے مگر میں نے عرض کیا کہ مجھ سے جو زیادہ محتاج ہو اُسکو یہ بخشیں[۱]۔ درحقیقت حضرت عمرؓ ایک ایسے کام کے واسطے جس میں کچھ سختی اور مضبوطی درکار ہو نہایت ہی موزون تھے۔ زکوٰۃ اور صدقات کا دینا لوگوں کو گراں گزرتا ہی تھا اور وصول کرنے کے واسطے ایک ذی رعب شخص کی ضرورت تھی جو ایک ایسے ضروری کام میں مراعات اور تساہل کو عمل میں نہ لائے۔ حضرت عمرؓ جس مضبوطی کے ساتھ کام کرتے تھے وہ حضرت عباسؓ اور خالد بن ولید اور ابن جمیل کے زکوٰۃ نہ دینے اور آنحضرتؐ کے پاس شکایت گزرنے کے واقعہ سے بخوبی ظاہر ہے۔ خود آنحضرت صلعم فرمایا کرتے تھے کہ "میری اُمت میں سے ابوبکرؓ میری اُمت پر زیادہ مہربان ہے اور اللہ کے کام میں عمرؓ زیادہ قوی ہے[۲]" درحقیقت یہ حضرت عمرؓ کا ایک مخصوص وصف تھا۔

حضرت عمرؓ کی نسبت اُس زمانہ کے مشہور واقعات جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت اور مصاحبت میں گزرا ہے غالباً ناکافی نہیں لکھے گئے ہیں۔ ان تمام حالات سے صاف طور پر جو کچھ اُن کی نسبت مستنبط ہوتا ہے وہ اُن کی عزت اور رعب اور ہیبت اور شان و شوکت اور جلال شجاعت اور دلیری اور بہادری اور جرأت اور توانائی اور مصائب اور تکالیف کے ساتھ صبر اور رضامندی اور اپنے حال پر قناعت اور غیرت اور حمیت اور دین اسلام اور بانیٔ اسلام کی محبت اور مودت نہیں بلکہ ایک فدائیانہ عشق اور اسلام کی نصرت اور حمایت کا اور خدا کے احکام کی اطاعت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی تعمیل کا جوش اور اسی قسم کے اوصاف اور عادات ہیں اور اِن کے ساتھ ہی ایک خاص عادت اور خاصۂ طبیعت وہ سختی اور درشتی ہے جو کسی دوسری خصلت سے کم ممتاز نہیں ہے شاید وہ کسی کو اُن کے تمام قابل رشک اور بےنظیر اوصاف سے کچھ جدا گانہ معلوم ہو مگر یہ ایک غلطی کا نتیجہ ہوگا۔ خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ اگر ہم اس کو سختی اور درشتی کہیں تو ساتھ ہی یہ کہنا پڑے گا کہ وہ انصاف سے متجاوز اور انصاف کے خلاف اور اُن کے مستحکم نتیجے اور اعتقاد اور ضروری مصلحت کے مخالف نہیں تھی تمام واقعات پر غور کرنے سے یہی امر ظاہر ہوگا۔ درحقیقت ہم اُس کو سختی اور درشتی اس واسطے کہتے ہیں کہ اُس کے ساتھ ہی ہماری آنکھوں کے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رحم اور کرم اور مروت اور کریمانہ رعایت اور بخشش کو پیش کیا جاتا ہے۔ ورنہ بجائے خود وہ رائیں اور ارادے حضرت عمرؓ کے عین انصاف اور عدل ہوتے تھے۔ قیدیان بدر کے قتل کرنے کی جو رائے حضرت عمرؓ نے دی تھی اُسکی نسبت سر ولیم میور لکھتا ہے کہ "حضرت عمرؓ نے جو مجسم سخت انصاف اور عدل تھے

---

[۱] ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء

[۲] ازالۃ الخفا باب سلوک و تصوف حضرت عمرؓ

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے قتل کر دینے کی رائے نہایت اصرار سے دیتے تھے[1] وہ ایسے سخت برتاؤ اور سختی کی رائیں جو مبنی بر انصاف ہوتی تھیں اس لیئے دیتے تھے کہ کفار کی ہیبت شکستہ ہو ان کے دلوں میں اسلام کا رعب اور ہیبت پیدا ہو اور اسلام کی نصرت اور غلبہ ظاہر ہو اور ایسے بدکردار اور ظالم لوگوں کو ان کی بدی اور شرارت کی جائز سزائیں ملتی دیکھکر دوسرے لوگوں کو عبرت اور نصیحت ہو اور پھر کسی کو ایسے فعل کے کرنے کی جرأت نہ ہو۔

مسلمانوں کے ساتھ اگر اس قسم کے سلوک کی کوئی مثال ہے تو وہ بھی ان کے عقیدے کے رو سے عین مصلحت اور دوراندیشی پر مبنی ہے۔ مثلاً ابوہریرہ کی حدیث کا واقعہ کہ وہ ابوبکرؓ اور عمرؓ ایک دن آں حضرت صلعم کی خدمت میں بیٹھے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم درمیان سے اٹھکر باہر چلے گئے اور آپ کے دیر کرنے سے سب متردد ہوئے اور ابوہریرہ حضرت کو تلاش کرنے نکلے۔ جب آنحضرتؐ ملے تو ابوہریرہ سے کہا جو تجھے اس باغ کے پیچھے ملے اور لا الٰہ الا اللہ پر یقین رکھتا ہو اسکو بشارت دے کہ وہ جنتی ہے۔ حضرت عمرؓ ان کو سب سے پہلے ملے اور ان سے ماجرا بیان کیا۔ انہوں نے ایک دوہتڑ ان کی چھاتی میں مارا اور لوٹاکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئے اور کہا کہ لوگ اسپر بھروسہ کر کے عمل کرنا چھوڑ دیں گے۔

اگر یہ روایت صحیح ہے تو مصلحت مبنی سے خالی نہیں ہے۔ درحقیقت حضرت عمرؓ کی کسی اس قسم کی رائے کو خیرہ نظر سے دیکھنا گویا انصاف پر مبنی پر الزام لگانا ہے۔ علاوہ اس کے ایک بڑی حکمت اور مصلحت اس قسم کی منصفانہ مگر سخت برتاؤ کرنے کی رائیں دینے سے جن پر درحقیقت بہت کم عمل کیا گیا۔ یہ تھی آنحضرت صلعم کی طبع کریم اور رحیم کے سامنے اس معاملہ کے دوسرے پہلو پر بھی غور کرنے کا موقع ملتا تھا اور اس سے کوئی نقصان نہیں عاید ہوتا تھا۔ خود حضرت عمرؓ نے ایک خطبہ میں جو ان کی طرف منسوب کیا جاتا ہے کہ انہوں نے زمام خلافت اپنے ہاتھ میں لینے کے دن فرمایا یہ کہا کہ میں سنتا ہوں کہ لوگ میری شدت سے ہیبت میں آگئے ہیں اور میری سختی سے ڈرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی اور ابوبکر کی حکومت میں عمرؓ ہمپر سختی کرتا تھا۔ جس نے یہ کہا سچ کہا۔ میں رسول اللہ کے ساتھ ایک غلام اور خدمتگار کے مانند تھا۔ ان کی نرمی اور مہربانی اس درجہ کی تھی کہ اس صفت میں ان کو کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ خدا نے انکے ناموں میں ان کو رؤف اور رحیم بھی نام دیئے تھے۔ اور میں ننگی تلوار کی طرح تھا جس کو وہ درمیان میں رکھتے تھے یا کام میں لاتے تھے[2] الخ"۔

اگر یہ قول حضرت عمرؓ کا نہ بھی ہو۔ تاہم جس نے کہا ہے بڑی دانشمندی اور معاملہ فہمی اور واقفیت سے

---

[1] لیف اوف محمد مؤلفہ سر ولیم میور صفحہ ۲۴۰۔ [2] ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء حکایات سیاست فاروقی۔

کہا ہے۔

حضرت ابوبکرؓ کی رائے سے بڑھکر کوئی عمدہ فیصلہ اس بارے میں نہیں ہوسکتا۔ کہ جب اُنھوں نے عبدالرحمٰن بن عوف سے حضرت عمرؓ کو اپنے بعد خلیفہ مقرر کرنے کے امر میں مشورہ لیا تو اُنہوں نے اس ارادے کو پسند کرنے کے ساتھہ ہی حضرت عمرؓ کی درشتی طبیعت کی طرف اشارہ کیا جس کے جواب میں حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ "اُس کی سختی اس وجہ سے تھی کہ میں زیادہ نرمی اور رحم کرتا تھا۔ میں نے غور سے دیکھا ہے کہ جب میں کسی کے ساتھہ سختی کرتا تھا تو عمرؓ اُس کی سفارش کرتا تھا اور اگر زیادہ نرمی کرنے لگتا تو وہ سختی کی طرف مائل ہوتا تھا۔ جب وہ خود والیٔ امور ہوگا تو اُس کی درشتی طبیعت جاتی رہیگی"۔

اور جبکہ ہم حضرت عمرؓ کی خودمختار خلافت کے زمانہ میں اُن کی اس خاص طبیعت اور عادت میں ایک بہت بڑا تغیر اور انقلاب پاتے ہیں تو اِن اقوال کی صحت پر یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں دیکھتے اگرچہ پوچھو تو حضرت عمرؓ کی نسبت اُن کی اس قسم کی طبیعت اور رواؤں کو ایک منصفانہ اور پُرمصلحت سختی قرار دینے کیواسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دلچسپ اور ناطق فیصلہ کے روبرو کسی بحث کی ضرورت نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے جیسا کہ قیدیان بدر کے فیصلہ کے موقع پر فرمایا تھا کہ" ابوبکرؓ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت عیسٰےؑ کی مانند ہیں جو رحم کے وکیل تھے اور عمرؓ نوحؑ اور موسٰیؑ سے مشابہ ہیں جو انصاف کے وزیر تھے[۱]"۔

باایں ہمہ اس میں شک نہیں کہ حضرت عمرؓ کی ابتدائی طبیعت کی شہرت اور پچھلے واقعات کے اثر اور حق گوئی سے جسکی نسبت خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ" عمرؓ کہتا ہے اگرچہ کڑوا ہو اور حق کہنے سے اُس کا کوئی دوست نہیں ہا[۲]" اُن کا رعب اور خوف اور ہیبت سب کے دلوں میں بیٹھہ گئی تھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بھی ایسے موقعوں پر اُنہیں کو یاد فرماتے تھے اور اس قسم کے واقعات بھی بیان ہوتے ہیں مثلاً ایک دن اُمہات المومنین ازواج مطہرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھہ کسی بات پر جھگڑ رہی تھیں اور بلند آواز سے باتیں کر رہی تھیں۔ اسی اثنا میں حضرت عمرؓ آنحضرت صلعم کی طرف گئے اور دروازے پر جاکر اندر آنے کا اذن طلب کیا۔ حضرت عمرؓ کی آواز سُن کر سب کی سب بھاگ کر پردے میں چلی گئیں۔ جب حضرت عمرؓ اندر گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مُسکراتے ہوئے پایا۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ خدا ہمیشہ آپ کو ہنستا ہوا دکھائے حضور کس بات پر ہنس رہے ہیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ مَیں اس بات پر تعجب سے ہنس رہا ہوں کہ یہ عورتیں میرے سامنے تو شور کررہی تھیں مگر جب تمہاری آواز سُنی تو بھاگ کر پردہ میں چلی گئیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اُن کو آواز دیکر کہا کہ اے اپنی دشمنو۔ تم مجھہ سے ڈرتی ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں خوف کرتی ہو

---

[۱] اَنلس اوف خلافت مؤلفہ سر ولیم میور ۱۲ [۲] لیف اوف محمد مؤلفہ سر ولیم میور صفحہ ۳۴۴ و تاریخ الخلفا سیوطی وغیرہ

[۳] تحفۃ المومنین ۱۲

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ ہاں تمہاری سختی کے سبب سے تم سے ڈرتی ہیں۔ اور تم سے تو شیطان بھی ڈرتا ہے کہ جس راستہ تم چلتے ہو شیطان اُس راستہ سے نہیں گزرتا[۵۱]۔ اسیطرح ایک دن ایک حبشی لڑکی دف لیئے ہوئے آنحضرتؐ کے سامنے آئی اور کہا کہ میں نے منت مانی تھی کہ جب آپ غزوہ سے بخیر واپس آوینگے تو آپ کے سامنے دف بجاؤں گی اور گاؤں گی۔ چنانچہ وہ دف بجانے اور گانے لگی۔ اسی اثنا میں حضرت ابوبکرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ آگئے اور وہ بدستور بجاتی رہی۔ بعد ازاں حضرت عمرؓ آئے تو اُن کو آتا دیکھ کر دف کو اپنے نیچے رکھکر ڈر کے مارے خاموش اُس پر بیٹھ گئی۔ آنحضرتؐ نے مسکرا کر فرمایا کہ اے عمرؓ تجھ سے شیطان بھی ڈرتا ہے[۵۲]۔" اور بھی اس قسم کے واقعات ہیں کہ مثلاً ایک دن آنحضرتؐ نے مکان کے قریب کچھ شور وغل کی آواز سُنائی دی۔ آپ نے دیکھا تو ایک عورت اُچھل کود رہی تھی اور لوگ اُس کے گرد تماشا دیکھنے کو جمع ہوئے تھے۔ آنحضرتؐ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ یہ تماشا دیکھو اور وہ دیکھنے لگیں اتنے میں کہیں سے حضرت عمرؓ آگئے۔ تماشہ دیکھنے والے سب لوگ اُن کو دیکھ کر بھاگ گئے اور حضرت عائشہؓ بھی ہٹ گئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "میں دیکھتا ہوں کہ حضرت عمرؓ سے جن اور انس اور شیاطین سب ڈرتے اور بھاگتے ہیں[۵۳]۔" حضرت علی علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ "حضرت عمرؓ کا شیطان اُن کو خطا کا حکم کرنے سے ڈرتا ہے[۵۴]۔"

اس قسم کے تمام واقعات جو بیان ہوئے ہیں جن میں حضرت عمرؓ نے ایسی رائیں دی ہیں جن کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل نہیں فرمایا بلکہ رحم اور رعایت کو عمل فرمایا ہے یہی وہ تمام واقعات ہیں جو خصوصیت سے مورخین اور راویوں نے بیان کر دیئے ہیں۔ ورنہ اس زمانہ دراز کی رفاقت اور مصاحبت میں جبکہ وہ آنحضرتؐ کے ساتھ ہمدم اور ہمساز تھے اور تمام امور صلاح اُمّت اور فلاح مسلمانان اور انتظام دنیا میں صلاح کار اور شریک و حقدار تھے۔ حضرت عمرؓ ایک مشیر باتدبیر اور وزیر دانشمند کے مانند تھے اُن کی رائے سب سے زیادہ صائب ہوتی تھی۔ آنحضرتؐ کی حدیث میں ہے کہ "خدا نے حق کو عمرؓ کے دل اور زبان پر جاری کیا ہے۔" اور فرمایا کرتے تھے کہ "عمر میرا مشیر ہے[۵۵]۔" حضرت علی علیہ السلام کا قول ہے کہ عمرؓ اگر کوئی بات کہتے تو قرآن اُس کی تصدیق میں نازل ہوتا[۵۶]۔" عبداللہ ابن عمرؓ کا قول ہے کہ "اگر اصحاب رسول اللہؐ کسی امر میں مختلف الرائے ہوتے اور اختلاف حضرت عمرؓ کے ساتھ ہوتا تو حضرت عمرؓ کی رائے کے مطابق قرآن نازل ہوتا[۵۷]۔" حضرت علیؓ کا ایک یہ قول بھی

---

۵۱ بخاری۔ مسلم۔ مشکوۃ۔ باب مناقب حضرت عمرؓ
۵۲ ترمذی۔ مشکوۃ
۵۳ ترمذی۔ مشکوٰۃ
۵۴ ازالۃ الخفا باب تصوف وسلوک حضرت عمرؓ
۵۵ تحفۃ المحبین بروایت ابونعیم
۵۶ ازالۃ الخفا باب تصوف وسلوک
۵۷ ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفا باب تصوف وسلوک

ہے کہ "ہماری بہنوں کی یہ رائے تھی کہ سکینہ عمرؓ کی زبان پر بولتی ہے۔ یعنی اُن کی رائیں اور قول طمانیت اور تشفی بخش ہوتے ہیں۔ غرض جب حضرت عمرؓ کی اعلیٰ صوابت رائے اور فضل دانشمندی اور عقل اور ذہانت اور حسن قوائے دماغی کا جو بجائے خود ملکۂ نبوت کا ایک جزو ہیں اس سے بڑھکر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ اُن کی بہت سی رائیں احکام الٰہی اور منشائے ایزدی کے موافق ہوئی ہیں اور وہ حضرت عمرؓ کی "موافقات" کہلاتی ہیں۔ شمار اُن کا بعضوں نے بیس تک بیان کیا ہے مگر زیادہ مشہور مقام ابراہیم کو مصلّے بنانا اور عورتوں کے پردے کا حکم حضرت عمرؓ کی رائے کے موافق نازل ہوئے ہیں[۵۱]۔ وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِن وَرَاءِ حِجَابٍ۔ قیدیان بدر کے بابمیں ہم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے کو موافقات میں سے نہیں سمجھتے ۔

عبداللہ بن اُبی بن سلول جو نہایت سخت منافق تھا جب مر گیا تو اُس کے بیٹے نے آنحضرت کو نماز جنازہ پڑھنے کے واسطے کہا۔ حضرت عمرؓ مانع آئے اور کہا کہ ایسے منافق کی نماز جنازہ نہیں پڑھنی چاہیئے آنحضرتؐ نے نہ مانا اور اُٹھ کھڑے ہوئے۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ میں اُچھل پڑا اور اس کے منافقانہ اقوال اور افعال کو بہت زور سے بیان کیا۔ مگر آنحضرت صلعم نے اسپر بھی مُسکرا کر فرمایا کہ اے عمرؓ ہٹ جا لیکن میں باز نہ آیا۔ آخر آنحضرتؐ نماز جنازہ پڑھنے کو تشریف لے گئے جب واپس آئے تو سورہ براۃ کی یہ آیتیں نازل ہوئیں[۵۲]۔ وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِّنْهُم مَّاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِ وَهُمْ فَاسِقُونَ ۔

حضرت عمرؓ کہتے ہیں میں حیران تھا کہ اتنی جُرأت اُس روز مجھمیں کیونکر پیدا ہوئی ۔

شراب کی حُرمت کا حکم حضرت عمرؓ کی رائے کے موافق نازل ہوا ہے۔ وہ حرمت شراب کے نہایت خواہاں تھے۔ اس کے بعد جب یہ آیت نازل ہوئی يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ۔ الآیۃ۔ تو اسپر بھی اُن کی تشفی نہ ہوئی اور خدا سے دُعا مانگتے رہے کہ خدایا شراب کے بارے میں ہمارے واسطے حکم شافی نازل کر۔ اُس کے بعد یہ آیت يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنتُمْ سُكَارَىٰ الآیۃ نازل ہوئی مگر اسپر بھی حضرت عمرؓ کا اطمینان نہ ہوا اور آخر یہ آیت يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ (الآیۃ) نازل ہوئی حضرت عمرؓ نے جب سُنی تو کہا کہ خدایا اب ہم اپنے مطلب کو پہنچ گئے۔ اسی طرح اذن لیکر کسی کے گھر میں داخل ہونے کا حکم حضرت عمرؓ کی رائے کے موافق نازل ہوا ہے[۵۳]۔

جب یہ آیت نازل ہوئی "وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن طِينٍ" اور حضرت عمرؓ نے سُنی تو اُن کے مونھ سے یہ نکل گیا "فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر یہی فرمایا کہ

---

۵۱ ازالۃ الخفا باب موافقات و تاریخ الخلفا سیوطی وغیرہ ۵۲ ازالۃ الخفا باب موافقات
۵۳ ازالۃ الخفا باب موافقات

"اے عمرؓ تو قرآن میں زیادتی کرتا ہے" مگر اس کے بعد یہی آیت نازل ہوئی۔ اسی طرح آیت "من کان عدوا لجبریل ومیکال" الخ میں حضرت عمرؓ کے الفاظ کے ساتھ توافق واقع ہوا۔

اسی سے حضرت علیؓ کہا کرتے تھے کہ "ہم قرآن میں عمرؓ کی رائے سے رائے اور کلام سے کلام پاتے تھے[51]"۔ اسی قسم کی اور روایتیں بھی ہیں جن سے حضرت عمرؓ کی صائب رائے اور پختگی دماغ معلوم ہوتی ہے۔ نیز جن موقعوں پر بھی ان کی رائے اور ان کا مشورہ ایسا ہی مفید اور مناسب ہوا تھا جیسا کہ ایک دن ایک لڑائی کے موقع پر اصحاب رسول اللہ کے پاس کھانے پینے کی اشیاء ختم ہو گئیں اور جب بھوک سے بیتاب ہوئے تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر اپنے اونٹوں کو ذبح کرنے کی اجازت مانگی۔ آنحضرتؐ کا ارادہ اجازت دیدینے کا تھا حضرت عمرؓ نے روکا اور کہا کہ یا رسول اللہ اگر ہم اپنی سواریوں کو ذبح کر دینگے تو بھوکے اور پا پیادہ دشمن سے لڑینگے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ تمہاری کیا رائے ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ بعض لوگوں کے پاس کھانے کو بالکل نہیں رہا اور بعض کے پاس تھوڑا بہت موجود ہے۔ سب کو حکم دیا جائے کہ اپنا تھوڑا بہت بچا ہوا کھانا اور پانی لیکر جمع ہوں۔ سب کو ایک جگہ اکٹھا کر کے شریک ہو کر کھا لیں۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے ایسا ہی کیا اور حضرت عمرؓ کی تدبیر ایسی کارگر ہوئی کہ کوئی شکایت باقی نہ رہی۔ تمام چھوٹے بڑے امور میں جن میں آنحضرتؐ وحی سے حکم اور ہدایت نہیں پاتے تھے حضرت عمرؓ سے مشورہ کرتے تھے جیسا کہ شام کی لڑائی کی نسبت آنحضرتؐ نے حضرت عمرؓ[52] سے ایک دن دریافت کیا تھا کہ تمہاری کیا رائے ہے۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ اگر خدا کا حکم ہوتا تو تم سے صلاح لینے کی کیوں ضرورت ہوتی[53]۔ لیکن اگر سچ پوچھو تو حضرت عمرؓ کی روشن خیالی اور خوبی رائے اور پختگی دماغ کے ثبوت میں اس قسم کے دلائل پیش کرنے کی کچھ بھی ضرورت نہیں ہے جبکہ خود آنحضرت صلعم کا یہ ارشاد موجود ہے کہ "دوسری امتوں میں محدث ہوتے تھے اگر میری امت میں کوئی محدث ہے تو عمرؓ ہے[54]"۔ اور سب سے بڑھ کر آنحضرت صلعم کا یہ قول کہ "اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر خطابؓ ہوتا[55]"۔ یہی مطلب ایک دلچسپ پیرایہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک خواب کی تعبیر سے بیان فرمایا کہ "سوتے میں میرے پاس ایک دودھ کا پیالہ بھرا ہوا لایا گیا۔ میں نے جب سیر ہو کر پی لیا تو بچا ہوا عمر خطابؓ کو دیدیا[56]"۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ "ابوبکر اور عمر (رضی اللہ تعالے عنہم) میرے وزیر ہیں جس امر میں وہ دونوں متفق ہوں گے میں مخالفت نہیں کروں گا"۔

حضرت عمرؓ کو جو قرب اور یگانگت اور بے تکلفی اور محبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک کے ساتھ

---

۵۱ ازالۃ الخفا باب موافقات — ۵۲ ازالۃ الخفا باب موافقات

۵۳ دی سراسین مؤلفہ گلین ومناہج النبوت — ۵۴ ازالۃ الخفا

۵۵ ترمذی۔ مشکوٰۃ۔ ازالۃ الخفا — ۵۶ بخاری۔ مسلم۔ مشکوٰۃ

تھی وہ تمام واقعات سے بخوبی ظاہر ہو چکی ہے۔ اور بھی واقعات اس قسم کے ہیں کہ مثلاً اکثر آپ گفتگو میں فرمایا
کرتے تھے کہ "میں نے اور ابوبکرؓ اور عمرؓ نے فلاں کام کیا اور میں نے اور ابوبکرؓ اور عمرؓ نے فلاں کام کیا اور
میں اور ابوبکرؓ اور عمرؓ فلاں راستہ گئے اور میں اور ابوبکرؓ اور عمرؓ یہ بات چاہتے ہیں[۵۱]" ایک دن حضرت ابوبکرؓ اور
عمرؓ آنحضرتؐ کے سامنے آئے تو دیکھ کر فرمانے لگے کہ "یہ دونوں بمنزلہ میری شنوائی اور بینائی کے ہیں[۵۲]"
حضرت عائشہ صدیقہؓ بیان کرتی ہیں کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بے تکلف کچھ جسم کھولے ہوئے گھر میں
بیٹھے تھے اتنے میں حضرت ابوبکرؓ آگئے اور اذن حاصل کر کے اسی حال میں چلے آئے اور پھر حضرت عمرؓ آئے
اور وہ بھی اسی حالت میں چلے آئے۔ بعد ازاں حضرت عثمانؓ آئے تو آنحضرتؐ نے اپنے کپڑے درست کر لیے[۵۳]
انسؓ کا قول ہے کہ آنحضرتؐ جب مسجد میں تشریف لاتے تھے تو صحابہؓ میں سے کسی کو جرأت نہ ہوتی تھی کہ آنکھ
اٹھا کر دیکھیں۔ مگر ابوبکرؓ اور عمرؓ دونوں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھتے تھے اور مسکراتے تھے[۵۴]
اور آنحضرتؐ ان دونوں کی طرف دیکھ کر مسکراتے تھے۔ وحی کے لکھنے کی سب سے بڑی ذمہ داری کا کام حضرت
حضرت ابوبکرؓ عمرؓ۔ عثمانؓ اور علیؓ کیا کرتے تھے[۵۵] ابہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ادب اور تعظیم
اور اطاعت اور فرماں برداری جو ان کا ایمان تھا ان کے خمیر میں داخل تھا۔ بارہا حضرت عمرؓ آنحضرتؐ کے ساتھ
کسی امر میں اختلاف کرنے پر آنسوؤں سے گھٹنوں بیٹھ کے روتے تھے[۵۶] ایک دن جب بنو تمیم نے آنحضرتؐ سے
عرض کیا کہ ان پر کوئی سردار مقرر کیا جائے تو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ میں انتخاب میں اختلاف ہو گیا
اور جھگڑتے ہوئے بلند آواز سے باتیں کرنے لگے۔ اسی پر جب یہ آیت یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْا
اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ الخ نازل ہوئی تو حضرت عمرؓ نے قسم کھالی کہ آنحضرتؐ کے
روبرو کبھی بلند آواز سے باتیں نہ کروں گا[۵۷]۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب خاص کی عزت اور امتیاز
ان کو ہر وقت اپنے قریب رکھنے کے خیال سے ان کو باہر کسی مقام پر نہیں بھیجتے تھے۔ ایک دفعہ آپ نے
دور دراز ممالک میں قاصد بغرض تبلیغ پیغام حق بھیجنے تجویز کیے اور بھیجے تو لوگوں نے کہا کہ حضرت ابوبکرؓ اور
عمرؓ کو کیوں نہیں بھیجتے تو آپ نے فرمایا کہ وہ دین کے آنکھ اور کان کے بمنزلہ ہیں اور میں ان کا اتنا کم محتاج نہیں
ہوں کہ علیحدہ کر دوں[۵۸]۔ آنحضرت صلعم کی تکالیف دیکھ کر ان کے دل کراہتے اور پیچ و تاب کھاتے تھے۔ مثلاً ایک دن
جب آنحضرتؐ اپنے ازواج مطہرات سے ناراض ہوئے تھے اور حضرت عمرؓ نے کہا تھا کہ آنحضرت خوش ہوں

---

۵۱ بخاری۔ مسلم۔ مشکوٰۃ
۵۲ ترمذی۔ مشکوٰۃ
۵۳ مسلم و مشکوٰۃ
۵۴ ترمذی و مشکوٰۃ
۵۵ ازالۃ الخفا
۵۶ ازالۃ الخفا و مناہج النبوت
۵۷ مناہج النبوت صفحہ ٦۴٢
۵۸ ازالۃ الخفا

تو اپنی بیٹی حفصہؓ کی گردن ماردوں۔ حضرت عمرؓ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ دیکھا کہ تہمد باندھے بوریئے پر پڑے ہیں اور بوریئے کی تیلیاں جو جو بدن میں چبھی ہیں تو نشان پڑ پڑ گئے ہیں۔ پھر جو حضرت عمرؓ کی نگاہ طاقوں پر پڑی تو دیکھا کہ ایک طاق میں کوئی آدھ سیر کے قریب جو ہیں ذرا سا پنیر دھرا ہے اور پھر پاس پانی کا ایک شکنیزہ لٹک رہا ہے اور یہی کل سامان ہے۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ "یہ تکلیف اور بے سامانی دیکھ کر مجھ سے رہا نہ گیا اور میں بے اختیار رو دیا[۱]"

حضرت عمرؓ کی دل سے بڑی خواہش کوئی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں اُن کے سامنے شہید ہوجائیں اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کو "شہید" سے ملقب اور ممتاز فرمایا اور اکثر شہید کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ مثلاً جب آپ ایک دفعہ پہاڑ پر کھڑے ہوئے حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ ساتھ تھے پہاڑ ہلا تو آپ نے فرمایا کہ "جبل تجھ پر نبیؐ اور صدیق اور شہید کے سوا کوئی نہیں"۔ اسی قسم کی اور بھی روایتیں ہیں؛

حضرت عمرؓ اور ایسے ہی حضرت ابوبکرؓ کے فضائل ومناقب میں بے شمار حدیثیں کتب احادیث میں منقول اور مندرج ہیں مگر اکثر اُن میں سے وضعی معلوم ہوتی ہیں مثلاً رویا قلیب کی حدیث وغیرہ بعض میں اُن میں یہ ظاہر کرنا مقصود ہوا ہے کہ آنحضرتؐ کے بعد حضرت ابوبکرؓ اور ان کے بعد حضرت عمرؓ کا خلافت کیلئے حق تھا۔ بعض میں حضرت ابوبکرؓ کا اپنی خلافت میں آنحضرتؐ کی کامل پیروی کے ساتھ عمل کرنا اور پھر حضرت عمرؓ کا اُسی کام کو اُسی طرح بڑے پیمانہ پر کرنا بیان ہوا ہے مگر یقینی یہ حدیثیں اُس وقت وضع کی گئی ہیں جبکہ ان کے ممدوح اور موضوع اس دنیا سے رُخصت ہو چکے تھے۔ ہماری رائے میں تو جیسا کہ ہم دیباچہ میں بیان کرچکے ہیں ایسی کوششیں فضول اور بیکار تھیں اور ہم حیران ہیں کہ کیا ضرورت تھی اُن مستغنی الفضائل والمناقب بزرگانِ دین کی زندگیاں ایسی صورت میں و اس طریق سے بیان کرنے کی جو سرتاج اور فخر تھے اُس گروہ اور جماعت کے جن کی نسبت خود خدا نے فرمایا تھا:

كنتم خير امة اخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر وتؤمنون بالله ؛

اور پھر فرمایا۔

فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَأُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَأُوذُوا فِي سَبِيلِي وَقَاتَلُوا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَأُدْخِلَنَّهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ثَوَابًا مِّنْ عِندِ اللَّهِ وَاللَّهُ عِندَهُ حُسْنُ الثَّوَابِ ؛

---

[۱] مناہج النبوت وغیرہ

اور پھر فرمایا :-

وَالسَّابِقُونَ الْاَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْاهُمْ بِاِحْسَانٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا ؛

اور پھر فرمایا :-

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ الخ ؛

اور پھر فرمایا :-

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ؛

غرض جن کی تعریف خود باری تعالیٰ نے فرمائی ہو اور اُن کے فضائل بیان کیئے ہوں وہ کسی دوسرے کی حمایت اور سفارش کے کیا محتاج ہو سکتے ہیں؟

زعشق ناتمام ما جمالِ یار مستغنی است
بہ آب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روئے زیبا را

اب ہم اُس زمانہ کے قریب پہنچتے جاتے ہیں جبکہ وہ آسمان رحمت الٰہی کے آفتاب اور فیض یزدانی کا شاہ رحمت اللعالمین (روحی فداک یا رسول اللہ) اس ناپائدار دُنیا سے جسکو اُنہوں نے خداوند کریم کی اعلیٰ سے اعلیٰ نعمتوں اور بخششوں سے مالا مال کر دیا تھا رُخصت ہونیوالے تھے اور وہ بزرگ ستارے جو اُس آفتاب عالمتاب کی روشنی سے روشن ہوئے تھے اپنی مبارک روشنیوں کے ساتھ اِس دنیا میں فیض ربانی کی برکتوں کو جاری رکھنے کے واسطے اکیلے رہجانیوالے تھے ؛

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دسویں سال ہجرت میں مکہ تشریف لیجانے اور حج ادا کرنے کا ارادہ کیا جو سب سے آخری حج ہونے کے سبب سے حجۃ الوداع کہا جاتا ہے۔ حضرت عمرؓ حجۃ الوداع میں موجود تھے اور اُن تمام مواعظ سے فیض یاب ہوئے جو آنحضرت نے اپنی اُس بے نظیر تقریریں جو دُنیا میں یادگار رہے فرمائے۔ حج سے واپس جا کر بہت زمانہ نہ گزرا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیمار پڑ گئے اور ضعف و بیماری دن بدن بڑھتی گئی حضرت عمرؓ پاس تھے اور اس کیفیت کو دیکھکر دیوانہ ہوئے جاتے تھے آخر دنیا کیواسطے وہ ماتم کا دن آن پہنچا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اِس دُنیا سے سدھارے۔ مدینہ میں وہ قیامت کا دن تھا مگر حضرت عمرؓ کا حال سب سے ابتر تھا۔ اُن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نعش مبارک دیکھکر بھی یقین نہیں آتا تھا کہ آنحضرت انتقال فرما گئے ہیں۔ دیوانہ وار لوگوں میں دوڑتے تھے اور سُن کو بھی اِسی بات کا یقین دلاتے تھے کہ حضرت زندہ ہیں۔ مغیرہ جو پاس کھڑا تھا اُس نے حضرت عمرؓ کو اُن کی غلطی کا یقین دلانے کی بیفائدہ کوشش کی۔ اُنہوں نے اُس کو بھی

جھڑک دیا اور کہا کہ تو جھوٹ بولتا ہے اور شیطان نے تجھے بہکایا ہے پیغمبر خدا وفات نہیں پائیں گے جب تک کہ ایک منافق اور کافر بھی باقی ہوگا۔ تمام لوگ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر سُن کر صحن مسجد میں جمع ہوئے تھے حضرت عمرؓ کی مجنونانہ اور پُرجوش بلند آواز اور کلمات سے انہیں کی طرف متوجہ ہو گئے اور اُن کو گھیرا کھڑے ہو گئے۔ وہ اپنی اُسی دُھن میں ویسی ہی تقریر کرتے گئے اور یہی کہتے گئے کہ لوگ جھوٹ کہتے ہیں آنحضرت وفات پا گئے ہیں۔ تم اس پر ہرگز یقین نہ کرنا۔ حضرت موسیٰ کی طرح وہ اپنے خدا کے پاس گئے ہیں اور پھر واپس آئیں گے۔ جو کہے گا کہ وہ فوت ہو گئے میں اُس کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے جائیں گے۔ اسی اثنا میں حضرت ابوبکرؓ اس پر الم خبر کو سُن کر آئے اور حضرت عمرؓ کی مجنونانہ باتیں سُنکر آپ گزر گئے اور پھر واپس آکر مسجد میں لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ یہاں حضرت عمرؓ بدستور اپنے جوش اور از خود رفتگی میں لوگوں میں کھڑے ہوئے تقریر کر رہے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ اے عمرؓ چُپ ہو جاؤ اور خاموش بیٹھ جاؤ لیکن حضرت عمرؓ نے اس ممانعت کی بھی کچھ پرواہ نہ کی اور اپنی وُہی باتیں کرتے رہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے مجمع کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے ہیں اور خدا نے کیا اُن کو نہیں فرمایا تھا کہ "انک میّت وانّھم میّتون" اور فرمایا "ما جعلنا لبشر من قبلک الخلد افائن مت فھم الخالدون"۔ اور پھر یہ آیت پڑھی "وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل افائن مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم الخ تا انک میّت وانّھم میّتون"۔

قرآن کے الفاظ کے حضرت عمرؓ کے کانوں پر پڑنے سے گویا وہ نیند اور بیہوشی سے بیدار ہو گئے اُن کا اپنا قول ہے کہ "جب یہ آیات میں نے حضرت ابوبکرؓ سے سُنیں مجھ پر ہیبت طاری ہوئی اور اعضا پر لرزہ پڑ گیا۔ مجھ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وفات پانے کا یقین ہو گیا اور میں گر گیا"۔

خلافت کے واسطے حضرت ابوبکرؓ کا انتخاب۔ اندرونی خطرناک بغاوتیں۔ خلافت میں حضرت عمرؓ کا دخل آغاز فتوحات

اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی آنحضرتؐ کی تدفین اور تکفین کی فکر میں تھے اور اُس المناک جُدائی کے صدمہ کو ایک دو ہی گھنٹے گزرے تھے اور اُس ماتمی دن کی ابھی شام بھی نہ ہوئی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ جو کہ بقول سر ولیم میور کے "یہی دو شخص تھے جن پر اسلام کی آیندہ قسمت کا مدار اور انحصار تھا[۵۱]" وہیں مسجد میں موجود تھے جبکہ ایک شخص بھاگا ہوا ان کے پاس آیا اور آکر خبر دی کہ اعیان مدینہ سقیفہ بنی ساعدہ میں اِس غرض سے جمع ہوئے ہیں کہ اپنے میں سے ایک شخص کو اپنے لیئے سردار منتخب کریں۔ درحقیقت مدینہ میں جو منافقانہ عنصر موجود تھا اس نے قومی مساوات اور رقیبانہ حقوق کی آڑ میں اہل مدینہ کو اتنی جلدی اِس امر پر برانگیختہ کر دیا کہ اپنے میں سے ایک سردار اپنے واسطے منتخب کریں اور قریش اور مہاجرین اہل مکہ کے بارِ حکومت کو اپنے کندھوں سے اُتار دیں اور سعد بن عبادہ کو جو بنی خزرج کا سرگروہ تھا انہوں نے موسوم بھی کر دیا تھا۔ بقول سر ولیم میور کے "وقت نازک تھا اور اسلام کا آیندہ اتفاق و اتحاد معرضِ خوف و خطر میں تھا[۵۲]" حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اِس خبر کو سُن کر ایک لمحہ بھی ضایع نہ کیا اور موقع پر پوچھنے کے واسطے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ایک تیسرا رفیق عبیدہ بن جراح راستہ میں اُن کے ساتھ ہو لیا۔ انصار میں سے دو شخص جو اُسی مجمع میں سے آرہے تھے راستہ میں اِن اصحاب ثلٰثہ کو ملے اور دوستانہ طریق سے اُن کو اُس خطرے

---

[۵۱] کتاب اَنلس اوف ارلی خلافت (مؤلفہ سر ولیم میور صفحہ ۲)

[۵۲] اَنلس اوف ارلی خلافت مؤلفہ سر ولیم میور صفحہ ۲

کی طرف جس میں وہ اپنے آپ کو ڈال رہے تھے مطلع کیا۔ مگر اُس بھاری خوف کے مقابلہ میں ایسے خطرے کا خیال اُن کو روک نہیں سکتا تھا۔ انصار نے ابھی سعد کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی تھی کہ یہ تینوں صحاب ثقیفہ میں پہنچ گئے[51] سب انصار نے اُن کو دیکھا تو کہنے لگے کہ تم مہاجر ہو اور تمہارا بڑا فخر ہے۔ لیکن ہم نے بھی بہت رنج اُٹھایا ہے اور چاہتے ہیں کہ اپنے میں سے ایک امیر مقرر کریں[52]۔ حضرت عمرؓ جن کا چند ساعت پہلے کا جوش بھی ابھی کم نہیں ہوا چاہتے تھے کہ اس کے جواب میں تقریر کرنے کو کھڑے ہوں مگر حضرت ابوبکرؓ نے اُن کی تند مزاجی اور سخت گوئی سے ڈر کر اُن کو روک دیا اور خود تقریر کرنی شروع کی اور نہایت متانت اور سنجیدگی سے کہا کہ ہر ایک لفظ جو انصار نے اپنی تعریف میں کہا ہے وہ درست اور صحیح ہے لیکن نسبی شرافت اور رُعب و دبدبہ میں قریش سب سے افضل ہیں اور سوائے اُن کے عرب کسی کی اطاعت میں سر نہ جھکائے گا۔ اس پر انصار نے کہا کہ اچھا یوں ہونے دو کہ ایک امیر تم میں سے ہو اور ایک ہم میں سے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ دُور رہو۔ ایسا کبھی نہ ہوگا۔ دو امیر ایک جگہ نہیں رہ سکتے۔ انصار اور سعد کی طرف سے حباب مباحثہ کرنے کھڑا ہو گیا اور رنج اور غصہ کے الفاظ زبان پر آنے لگے حضرت عمرؓ اُس سے خفا ہوئے اور کہا کہ خدا تجھے غارت کرے۔ اُس نے بھی ایسے ہی الفاظ کہے۔ حضرت ابوبکر گھبرائے کہ اس غصہ اور غضب سے معاملہ دگرگوں نہ ہو جائے اور آگے بڑھکر انصار کو خطاب کر کے کہنے لگے کہ یہ دو آدمی تمہارے سامنے کھڑے ہیں (حضرت عمرؓ اور ابوعبیدہ کی طرف اشارہ کیا) ان دونوں میں سے جس کو تم چاہتے ہو منتخب کرلو اور اُس کے ہاتھ پر بیعت کرو۔ حضرت عمرؓ نے نہایت بلند آواز سے جس سے تمام مجلس گونج اُٹھی کہا کہ نہیں۔ رسول اللہ تمہارے لیئے پہلے ہی سے امامت کا حکم دے چکے ہیں تو ہی ہمارا امیر ہے اور مجھ سے افضل ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے اسکے جواب میں کہا کہ "تو مجھ سے زیادہ قوی ہے"۔ اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے کہا کہ "تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد خیر الناس یعنی سب آدمیوں سے بہتر ہے"۔ حضرت ابوبکرؓ نے اس کے جواب میں کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سُنا ہے کہ عمرؓ سے اچھے کسی شخص پر آفتاب نہیں طلوع ہوا[53]۔ مگر حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کا ہاتھ لیکر اُس پر بیعت کی۔ اُن کی بلند آواز نے مسلمانوں کے دلوں کو گویا ہلا دیا تھا[54]۔ اور حضرت ابوبکرؓ کے فضائل یاد دلا دیئے تھے۔ اب اُن میں بھی ایک جنبش پیدا ہوئی اور بیعت کرنے کے واسطے بڑھنے لگے[55]۔ حباب نے بنی خزرج کو برگشتہ کرنے کی پھر کوشش کی مگر بنی اوس کے بیعت کر لینے سے بنی خزرج بھی اُنکی تقلید کر لینے پر مجبور ہوئے اور وہ پُرخطر ہنگامہ فرو ہو گیا۔

[51] اُنلس اوف ارلی خلافت مؤلفہ سرولیم میور صفحہ ۴ و کتاب رائیز اینڈ ڈی کلاین اوف خلافت (خلافت کا عروج و زوال) مؤلفہ سرولیم میور صفحہ ۲ ۔
[52] تاریخ طبری فارسی نسخہ ۴۳۵ ۔
[53] اُنلس اوف ارلی خلافت مؤلفہ سرولیم میور صفحہ ۴ و ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء باب مآثر حضرت صدیقؓ
[54] لیف اوف محمد مؤلفہ سرولیم میور صفحہ ۵۱۴
[55] لیف اوف محمد مؤلفہ سرولیم میور صفحہ ۵۱۴

اسی اثناء میں آنحضرت صلعم کے غسل اور تکفین سے فراغت ہو چکی تھی اور رات نے دن کے کاموں پر پردہ ڈالدیا۔ اگلے دن صبح کو جب لوگ مسجد میں جمع ہوئے تو حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ اُن کی ملاقات کیواسطے نکلے حضرت عمرؓ نے کھڑے ہو کر اس عظیم مجمع کو خطاب کیا اور کہا کہ اے لوگو کل جو کچھ میں نے تم سے کہا وہ صحیح نہیں تھا اور وہ خدا کی کتاب اور اسکے وعدہ کے خلاف تھا میں تو اپنی اس خواہش کے خیال سے کہتا تھا کہ پیغمبر خدا ابھی اور زیادہ دنوں تک ہم میں رہے اور اپنی زبان مبارک سے ہمکو نصیحت اور ہدایت کرتے لیکن خدا نے اُن کو ہمارے درمیان سے اپنے پاس بلا لینا پسند کیا ہے۔ مگر خدا کا کلام جو خدا نے ہماری ہدایت کیواسطے اپنے رسول کو عطا کیا ہے وہ ہمارے پاس موجود ہے۔ اُسپر عمل کرو اُسکو اپنا ہادی بناؤ اور تم گمراہی میں نہ پڑو۔ اور اب خدا نے تمہارے امور کے انتظام کو اس شخص کے ہاتھوں میں سپرد کیا ہے جو ہم سب سے افضل اور بہتر ہے۔ جو خدا کے رسول کا رفیق اور اس وقت کا جبکہ وہ غار میں تھے ایک ہی ساتھی ہے۔ اُٹھو اور اسکے ہاتھ پر بیعت کرو[51] پس لوگ سب طرف سے آ نکلے اور حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر عوام الناس نے بروز سہ شنبہ چودھویں ربیع الاول سنہ ۱۱ ہجری مقدس مطابق ۹۔ جون سنہ ۶۳۲ء کو بیعت کی۔ بنی خزرج میں سے سعد نے بیعت نہیں کی تھی اور قریش میں سے حضرت علی علیہ السلام نے تامل سے بیعت کی بعض کہتے ہیں چالیس روز بعد اور بقول بعض چھ ماہ بعد اور یہی عام روایت ہے کہ حضرت فاطمہؓ کی وفات پر جو آنحضرت صلعم سے چھ ماہ بعد واقع ہوئی حضرت علیؓ نے دل سے بیعت کا اظہار کیا۔ سر ولیم میور اس روایت کو محض بے بنیاد خیال کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کے بیعت نہ کرنے پر اُن کے مکان کو آگ لگا دینے کی دھمکی دی ہو اور اسیطرح طلحہ اور زبیر کے بیعت نہ کرنے کی روایت کو نہیں مانتے ہیں[53]۔

آنحضرتؐ کی تدفین مبارک سے فارغ ہو کر جس موقع پر کہ حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ نے نہایت پُر درد جوش کے ساتھ دعائیہ کلمات[52] کہے سب سے پہلے جس کام کا حضرت ابوبکرؓ کو خیال آیا وہ اسامہ بن زید کو سرحد شام پر اُس غزوہ کے واسطے بھیجنے کا تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخر وقت میں تجویز ہوا تھا اور جملہ اصحاب کو یعنی حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو بھی اس کے ساتھ جانے کا حکم ہوا تھا حضرت ابوبکرؓ نے خلافت کے دوسرے روز علم اُٹھایا اور اسامہ کے ہاتھ میں دیا اور لوگوں کو اُسی طرح اُس کے ساتھ جانے کا حکم دیا۔ مدینہ کو چاروں طرف خطرات دھمکیاں دے رہے تھے اور ایسے وقت میں اپنی تمام قوت کو شہر سے جدا کر دینا اور دور بھیجدینا اور شہر کو بے پناہ چھوڑ دینا نہایت پُر خطر تھا اور اسامہ کے زیر حکم جنگ کرنا بھی لوگوں کو ناگوار تھا۔ لشکر جمع ہو کر تیار ہو گیا مگر حضرت عمرؓ کو اُنہوں نے کہا کہ ایسے نازک وقت کے اندیشہ اور ہمارے عذرات کو حضرت ابوبکرؓ کے سامنے

---

[51] لیف اوف محمد مؤلفہ سر ولیم میور صفحہ ۵۱۵
[52] اُنلس اوف ارلی خلافت حاشیہ صفحہ ۶
[53] لیف اوف محمد مؤلفہ سر ولیم میور صفحہ ۵۱۸

پیش کرکے اس ارادہ سے باز رہنے کی اُن کو ترغیب دیں۔ حضرت عمرؓ نے بہت اصرار سے کہا مگر حضرت ابوبکرؓ نے نہ مانا۔ خطرے کے خیال اور اسامہ کی سرداری کے عذرات کا ایک ہی جواب تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تجویز کے سامنے وہ کچھ نہ سنیں۔ لشکر نے کوچ کیا۔ حضرت عمرؓ بھی اُس میں شریک تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کو کم سے کم اُن کا اپنے سے علیحدہ کرنا گراں گزرا۔ وہ بھی لشکر کو وداع کرنے ساتھ جا رہے تھے اُسامہ سے کہا کہ "اگر تمہاری رضا ہو تو عمرؓ میرے ساتھ شہر کو لوٹ جائیں تا کہ اُن سے قوت اور مشورہ حاصل کروں"[1]۔ اِسامہ نے اجازت دیدی ۔

مدینہ کے لیئے جو ایک بڑا خطرہ باقی تھا اُس کا وقت آن پہنچا۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں بدکاروں نے پیغمبری کا دعویٰ کرنے کا ایک نیا شوشہ نکال لیا تھا۔ اسود بن عیسی کی اِس بدکاری کی سزا نے ابھی یمن کے ہنگامہ کو فرو نہیں کیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر نے ایسے مفسدوں کو اور زیادہ گرم کردیا۔ مسیلہ کذاب اور طلیحہ دو قوی غنیم اور کھلم کھلے مخالف تھے۔ باقی عرب بگڑ بیٹھنے کیواسطے زکوٰۃ دینے سے انکار کرنے کا بہانہ ڈھونڈھ رہا تھا ۔

عمالِ صدقات و زکوٰۃ خوف کے مارے بھاگے آتے تھے اور غدر و بغاوت کی متوحش خبریں لا رہے تھے ۔

عمرو بن العاص نے جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع سے یہاں سے مختلف اطراف کی طرف قاصد بھیجے تھے عمان کی طرف بھیجا تھا واپس آکر تمام وسط عرب کے بغاوت اور زکوٰۃ دینے سے انکار کرنے پر آمادہ ہونے کی خبریں سُنا کر اور بھی متردد اور پریشان کردیا۔ عمرو بن العاص مدینہ پہنچکر اپنے دوستوں کی ایک جماعت میں بدل شکن اور مشوش حالات بیان کر رہے تھے کہ حضرت عمرؓ آن پہنچے۔ اُن کے آنے پر سب خاموش ہوگئے۔ مگر حضرت عمرؓ تاڑگئے اور کہنے لگے کہ "میں خیال کرتا ہوں کہ تم اعراب کی طرف سے جو خطرہ ہوگیا ہے اُس کا ذکر کر رہے تھے"۔ جب اُنہوں نے اقرار کیا کہ اس ہی ذکر کر رہے تھے تو حضرت عمرؓ نے اُن کو قسم دی کہ ان خبروں کو مشہور کرکے لوگوں کو بد دل نہ کریں اُن کے بھی دل بڑھائے اور کہا کہ "تم اس کا کچھ خوف مت کرو۔ واللہ میں اس سے نہیں ڈرتا ہوں جو تم عربوں کے ہاتھ سے اٹھاؤ گے بلکہ اُس سے ڈرتا ہوں جو اعراب تمہارے ہاتھ سے اٹھائینگے۔ اگر قریش کی جماعت تنہا ایک غار میں بھی گھسے گی تو اعرابی وہاں بھی اُن کی پیروی کرینگے اور پیچھے چلینگے۔ وہ ایک کم حیثیت جھیڑ ہے پس تم خدا سے ڈرو اور اُن کے خوف کو دل میں جگہ نہ دو"[2] ۔

اَب اِن شورشوں اور ہنگاموں کی خبریں پے در پے مدینہ پہنچنے لگیں۔ حضرت ابوبکرؓ کو گو اسامہ کو تمام لشکر کے ساتھ باہر بھیجدینے کا افسوس ہوتا ہو مگر اسکو اُنہوں نے کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیا اور بڑی ہمت قدمی سے

---

[1] اُنلس اوف ارلی خلافت صفحہ ۹

[2] اُنلس اوف ارلی خلافت حاشیہ صفحہ ۱۲ ۔

شہر کی حفاظت میں مصروف رہے۔ باغی قومیں مدینہ کے گرد جمع ہوگئیں۔ طلیحہ کا بھائی فوج لیکر اُن کی مدد کو آن پہنچا۔ باغیوں نے حضرت ابوبکرؓ سے زکوٰۃ معاف کر دینے کی درخواست مان لینے پر صلح کرنی چاہی مگر حضرت ابوبکرؓ نے نہایت درشتی سے اس کا جواب دیا۔ اعراب اِس موقع پر شہر کی کمزوری کو تاڑ گئے اور اُن کا حوصلہ اَور بھی بڑھ گیا تھا۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ نے بھی خاص اصحاب کی مدد سے کوئی دقیقہ احتیاط اور حفاظت کا باقی نہ چھوڑا۔ شہر کے لوگوں کو ہر وقت مسلح رہنے اور پھرنے کا حکم دیا۔ پہلے دن کی لڑائی میں تو کچھ فیصلہ نہ ہوا بلکہ مسلمانوں کو کامیاب ہو کر پھر ہٹ جانا پڑا۔ دوسرے روز حضرت ابوبکرؓ خود مقابلہ کو نکلے اور اس خطرے سے کامل نجات پا کر شہر کو لوٹے۔ اقوام عرب پر اس فتح کا عمدہ اثر ہوا اور اُسامہ بھی لشکر کے ساتھ مدینہ میں واپس پہنچ گئے۔ اسلئے کو شہر کی حفاظت پر چھوڑ کر حضرت ابوبکرؓ دوبارہ فوج لیکر اِن باغی اقوام کو جو کچھ دُور جا پڑی تھیں بھگانے اور منتشر کرنے کے واسطے خود نکل کھڑے ہوئے اور اُن کو اور اُن کی جمعیت کو شکستہ کر کے واپس آئے باغی اقوام طلیحہ کے ساتھ جا کر ملگئیں اور مسیلمہ کی قسمت میں اسلامی دنیا کے اُس بے نظیر سپالار خالدؓ سیف اللہ کے قوی اور زبردست اور ہیبت ناک ہاتھوں سے سزا پانا لکھا تھا وہ اپنے کردار کی سزا کو پہنچے اور باقی بغاوتیں بھی دوسرے دلیر اور بہادر سرداران اسلام کے ہاتھوں فرو ہوگئیں اور ملک میں امن قائم ہوگیا۔ اِن واقعات میں سے مالک بن نویرہ کا واقعہ بیان کرنے کے لائق ہے۔ مالک قبیلۂ بنی تمیم کا رئیس تھا۔ زکوٰۃ دینے سے انکار کر کے آمادہ پیکار ہوگیا تھا۔ خالد بنی اسد اور دوسرے قبائل کو مغلوب کر کے بنی تمیم کی طرف بڑھا۔ اکثر قبائل نے آکر اطاعت قبول کر لی۔ مالک نے اپنی کمزوری معلوم کر لی تھی اور سجاحہ کے علیحدہ ہو جانے سے جو ایک مشہور عورت پیغمبری کی مدعیہ اور لشکر کشیہ کے ساتھ مالک کے ساتھ شریک تھی اور اب مسیلمہ کذاب سے شادی کر کے اُسکے ساتھ جا ملی تھی مالک کا دل چھوٹ گیا اور اطاعت کر لینے کے سوائے کوئی چارہ نہ دیکھا۔ اُسکے اطوار مخالفانہ رہے تھے مگر خالد اُس کی طرف بڑھا جا رہا تھا گو حضرت ابوبکرؓ کا کوئی حکم صریح اس بارے میں نہ تھا اور اسی سبب انصار اس حملہ سے متفق نہ تھے۔ غرض خالد کے پہنچتے ہی مالک کی جمعیت شکستہ ہوگئی اور مالک اپنی بیوی اور چند آدمیوں کے ساتھ آسانی سے گرفتار کر کے مُسلمانوں کے لشکر میں لایا گیا۔ اُس نے اقرار کیا کہ مَیں مسلمان ہوں مگر اثناء گفتگو میں خالد کے سلوک کی نسبت اُس کے مونھ سے نکل گیا کہ تمہارے صاحب (آنحضرتؐ سے مراد ہے) نے کبھی ایسا حکم نہیں دیا تھا۔"

خالد نے بھڑک کر جواب دیا کہ "وہ ہمارے صاحب تھے اور تیرے صاحب نہ تھے۔" بعض مورخین کے مطابق یہ ہے کہ اُسی وقت خالد کے اشارے سے ضرار نے مالک کی گردن اُڑا دی[1] اور بعض کا قول ہے کہ صبح تک اُن کو مہلت دی گئی اور حفاظت میں رکھے گئے۔ سردی کی رات تھی خالد نے حکم دیا کہ "اُن کو کپڑے

[1] طبری فارسی نسخہ صفحہ ۴۴۴۔ ہسٹری اوف سرسینس مؤلفہ اوکلی ۳۵

"اڈھادو" مگر یہ ایک ذو معنی لفظ تھا۔ کنعانی زبان میں اسکے معنی یہ تھے کہ "مار ڈالو"۔ ضرار نے جسکی حفاظت میں یہ لوگ تھے سب کو مع مالک کے تہ تیغ کر دیا۔ خالد شور و غل سن کر وہاں پہنچا مگر ان کا کام تمام ہو چکا تھا اسنے سوائے اس کے کچھ نہ کہا کہ "خدا کی مرضی کو کون روک سکتا ہے"۔ مالک کی بیوی لیلی نہایت حسین اور جمیلہ عورت تھی خالد نے وہیں اس سے نکاح کر لیا۔ یہ واقعہ ایسا نہ تھا کہ خلیفہ وقت کے سامنے پیش نہ ہو۔ ابو قتادہ انصاری جس نے خالد کے روبرو بھی نہایت سختی سے مزاحمت اور شکایت کی تھی مالک کے بھائی متمم کو لیکر مدینہ پہونچا اور حضرت عمرؓ کے روبرو قسم کھائی کہ مالک مسلمان تھا اور اسکے لشکر سے اذان کی آواز سنی گئی تھی اور زکوۃ دینے کو آمادہ تھا (حضرت ابو بکرؓ نے یہی نشان مسلمان کا مقرر کیا تھا) حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکرؓ کے سامنے یہ معاملہ پیش کیا اور آپکی قطعی رائے تھی کہ خالد نے ایک مسلمان کا ناحق خون کیا ہے اور اس خون کا بدلہ لیا جانا چاہیئے مگر حضرت ابو بکرؓ سیف اللہ کو نیام میں کرنا پسند نہیں کر سکتے تھے۔ تاہم خالد طلب ہوا اور مدینہ میں پہنچکر سیدھا مسجد کی طرف حضرت ابو بکرؓ کے پاس گیا۔ حضرت عمرؓ اسکو دیکھکر اٹھ کھڑے ہوئے۔ اُس کا گریبان پکڑ لیا اور کہا کہ اے دشمن خدا تو نے کیوں ایک مسلمان کو قتل کیا اور اسکی عورت سے نکاح کر لیا۔ خالد کا جواب خاموشی تھی۔ حضرت ابو بکرؓ کے پاس پہنچکر اس نے تمام واقعہ بیان کیا۔ حضرت ابو بکرؓ کا اطمینان ہو گیا اور سوائے اسکے کہ مالک کی عورت کو میدان جنگ ہی میں نکاح کر لینے پر ملامت کی اور کچھ کہنا سننا نہ کیا خالد کے لوٹتے ہوئے اسکے متکبرانہ کردار سے حضرت عمرؓ نے معلوم کر لیا کہ حضرت ابو بکرؓ نے اُس کا عذر تسلیم کر لیا ہے متمم اپنے دعوی پر اڑا رہا اور اپنے بھائی کے واقعہ کو نہایت دردناک اشعار میں نظم کر کے سناتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے کبھی خالد کی بیگناہی کو نہ مانا اور اس بات پر اصرار کرتے رہے کہ لشکر کی سرداری سے اسکو معزول کر دیا جائے۔ مگر حضرت ابو بکرؓ ہمیشہ یہی جواب دیتے تھے کہ خالد سے حکم کے سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے سیف اللہ بے گناہ ہے[1]۔

مالک کا واقعہ نہ شاعروں کی قلم نے چھوڑا ہے نہ مورخوں کی نگاہ نے۔ بعض نے تو یہاں تک بیان کیا ہے کہ مالک نے اپنے قتل کا حکم پاکر خالد کی نگاہوں اور اپنی بیوی کے حسن و جمال کیطرف دیکھا تو کہا کہ میری موت کا بھید اس میں ہے۔ اس کا حسن میری جان لے رہا ہے۔ خالد نے کہا کہ نہیں تیرا کفر تیری جان کا دشمن ہے۔ گو اس قسم کی روایتیں صحیح نہ ہوں مگر خالد کے مالک کی عورت سے اسی وقت نکاح کر لینے سے اس کے قتل بے گناہ پر ایک ایسا قوی شبہ پیدا ہوتا ہے کہ مٹائے سے نہیں مٹ سکتا۔ کم سے کم ایسی بیدردی سے اس قسم کے آشوب ناک واقعات کے درمیان میں نکاح کا خیال کرنا ایک مسلمان سپہ سالار کے وقار اور روش کے خلاف تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عمرؓ کی رائے جو ابتدا میں خالد کو معزول کرنے کی نسبت قائم ہو چکی تھی

---

[1] اینلس آف ارلی خلافت مؤلفہ سر ولیم میور صفحہ ۲۴

آخر تک ویسی ہی رہی ؛

یمامہ کی لڑائی میں جو اس واقعہ کے بعد خالد اور مسیلمہ کذاب کے درمیان ہوئی تھی مسلمانوں کو اگرچہ مسیلمہ کی چالیس ہزار مضبوط فوج پر فتح حاصل ہوئی اور اس فتنۂ عظیم کے فرو کرنے میں کامیابی ہوئی مگر اسقدر نقصان اٹھانا پڑا کہ مسلمانوں کی تاریخ میں سب سے پہلا اتنا بڑا خونخوار حادثہ تھا۔ بارہ سَو جانوں کا نقصان ہوا جن میں تین سَو مہاجرین اور تین سو انصار تھے۔ خاص اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے جنہوں نے شربت اجل پیا انکی تعداد چالیس سے کم نہ تھی۔ زید بن خطاب حضرت عمرؓ کے بھائی اور ابو حذیفہ انہیں اصحاب میں تھے۔ زید نے اگرچہ بہت بہادری دکھاکر جان دی اور مسلمانوں کی فتح میں اُن کا کچھ کم حصہ نہ تھا مگر حضرت عمرؓ کو نہایت رنج ہوا۔ مدینہ میں کوئی گھر نہ تھا جس سے رونے کی آواز نہ آتی ہو۔ مگر خالد نے اس میدان جنگ کو بھی اپنی عروسی اور نکاح کی یادگار بنانے میں تامل نہ کیا۔ مجاعہ ایک سردار بنی حنیف کا جو خالد نے پکڑ رکھا تھا اُسکو کہا کہ اپنی بیٹی مجھے نکاح میں دیدے۔ اُس نے کہا صبر کر۔ ایسی جلدی کرنے سے میری اور خلیفۂ وقت کی نظروں میں حقیر ہو جاؤ گے۔ مگر خالد نے اسکو مجبور کیا اور اُس نے ناچار نکاح کر دیا[۵۱]۔ ایک روایت میں ہے کہ خالد نے ہزار درھم کا بین دیا اور اُس وقت تک غنیمت تقسیم نہیں ہوئی تھی۔ خالد کی عروسی کی رات تھی مگر لشکر میں بہت آدمی بھوکے سوئے ہوئے تھے۔ زیاد بن عمرو نے تین شعر لکھکر اسی شکایت میں حضرت عمرؓ کے پاس بھیجے جو حضرت ابوبکرؓ کے سامنے پڑھے گئے[۵۲]۔ گو یہ روایت اس درجہ تک صحیح نہ ہو مگر اس میں شک نہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے بھی خالد کی اس بے اعتدالی کو تسلیم کیا اور نہایت رنج اور غصہ سے خالد کو نامہ لکھا جس کے حرفوں سے خون ٹپکتا تھا۔ اُس میں لکھا کہ تجھے اتنی فراغت ہے کہ ا کہ عروسی کرے اور بیت المال میں فساد کرے۔ بارہ سَو مسلمانوں کا خون تیرے سامنے گرا ہے جو ابتک خشک نہیں ہوا ہے۔ خالد پر جو اس نامہ کا اثر ہوا وہ اسیقدر تھا کہ اُس نے کہا کہ "یہ عمرؓ کا کام ہے"[۵۳]۔ حضرت ابوبکرؓ آمادہ ہوگئے تھے کہ خالد کو معزول کر کے واپس بلالیں مگر کسی مصلحت سے وہ اپنے ارادہ کو پورا نکر سکے ؛

حضرت ابوبکرؓ کے زمانۂ خلافت میں حضرت عمرؓ صرف اُن کے مشیر اور صلاح کار ہی نہیں تھے بلکہ خلافہ کے ساتھ امور خلافت کے انجام دینے میں شریک مساوی تھے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ حضرت ابوبکرؓ برائے نام خلافت کرتے تھے اور درحقیقت تمام کام کو حضرت عمرؓ ہی انجام دیتے تھے تاہم غلط نہ ہوگا۔ سر سید احمد خان صاحب کا قول ہے کہ "حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانۂ خلافت تو شمار نہیں کرنا چاہیئے۔ کیونکہ درحقیقت وہ زمانہ بھی حضرت عمرؓ ہی کی خلافت کا تھا اور وُہی بالکل دخیل اور منتظم تھے"[۵۴] ؛

سر ولیم میور کا قول ہے کہ "حضرت ابوبکرؓ کو حضرت عمرؓ کے مشورہ اور صلاح پر اسقدر بھروسا اور اعتماد

---

[۵۱] اُنلس اوف ارلی خلافت صفحہ ۴۶

[۵۲] طبری فارسی نسخہ

[۵۳] طبری فارسی نسخہ

[۵۴] تصانیف احمدیہ جلد اوّل صفحہ ۴۷ ؛

تھا اور اُن کا فیصلہ (سوائے چند خاص حالتوں کے) اُن کے نزدیک اتنا وزن رکھتا تھا کہ اُن کو خلافت اور حکومت میں شریک کہا جا سکتا ہے[۵۱]۔"

اِن اقوال کی تشریح ایک واقعہ سے بخوبی ہو سکتی ہے کہ ایک دن حضرت ابوبکرؓ اصحاب کی ایک جماعت کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ مگر حضرت عمرؓ اُن میں موجود نہ تھے۔ عیینہ بن حصین اور اقرع بن حابس دو شخص حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئے اور عرض کی کہ ہمارے مسکن کے قریب کچھ بنجر اور ناقابل زراعت زمین پڑی ہے ہم چاہتے ہیں کہ اُس میں تردد کر کے زراعت کریں۔ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے مجلسی اصحاب سے مشورہ کیا۔ اُنہوں نے کہا کہ کچھ مضائقہ نہیں۔ پس ان کو ایک سند اس مضمون کی دیدی گئی جس پر اصحاب موجودہ میں سے کئی آدمیوں کی تصدیق اور دستخط ثبت ہوئے۔ حضرت عمرؓ چونکہ وہاں موجود نہ تھے اور اُن کے دستخط کرانا ضروری تھے وہ اُس کاغذ کو لیکر حضرت عمرؓ کی طرف گئے۔ حضرت عمرؓ اُس وقت اونٹوں کو تیل مل رہے تھے۔ اُنہوں نے جب جا کر کیفیت بیان کی تو کہا ذرا صبر کرو میں فارغ ہو کر پڑھوں گا اور اگر جلدی ہے تو تم پڑھکر سُنا دو۔ اُنہوں نے پڑھا۔ حضرت عمرؓ نے سُن کر کاغذ ہاتھ میں لے لیا۔ اور لکھے ہوئے کو تھوک سے مٹا دیا۔ وہ دونوں نہایت برآشفتہ ہوئے اور حضرت ابوبکرؓ کے پاس پہونچے۔ کہنے لگے کہ "تو امیر ہے یا عمرؓ"؟ حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا کہ نہیں تو ہی امیر ہے" اسی اثنا میں حضرت عمرؓ بھی پہنچ گئے اور حضرت ابوبکرؓ سے اس معاملہ میں بحث کرنے لگ گئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے آخر یہ کہا کہ "میں پہلے ہی سے کہتا تھا کہ خلافت کے کام کے واسطے تو مجھ سے زیادہ قوی ہے۔ مگر تو نے مجھے مجبور کیا تھا[۵۲]" حضرت عمرؓ کا یہ اختلاف ایک بہت بڑی مصلحت پر مبنی تھا جو آیندہ بیان ہوگی ؛

سر ولیم میور اس واقعہ کو دوسری طرح بیان کرتا ہے کہ زبرقان اور اقرع دو سرداروں نے حضرت ابوبکرؓ سے بحرین کا عُشر جمع کرنے کی عاملی کی سند اس شرط پر حاصل کر لی کہ اس کام کے دیانت داری سے انجام پانے کے وہ خود ذمہ دار ہونگے۔ یہ سند حضرت عمرؓ کو دکھلائی گئی۔ اُنہوں نے غصہ ہو کر جس کا سبب ظاہرا یہ تھا کہ اقرع منافق رہ چکا تھا اُسکو پھاڑ ڈالا۔ طلحہ جس کی وساطت سے یہ معاملہ ہوا تھا حضرت ابوبکرؓ کے پاس پہنچا اور جا کر سوال کیا کہ "تو امیر ہے یا عمرؓ"؟ حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا کہ "عمرؓ۔ گر میری اطاعت لازم ہے"۔ سر ولیم میور لکھتے ہیں کہ اس واقعہ سے معلوم ہو سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ کا خلافت میں کس درجہ تک دخل اور اثر تھا[۵۳]۔ حضرت ابوبکرؓ خود کہا کرتے تھے کہ "خاص اصحاب اور حضرت عمرؓ کو نہ صرف اُن کے پاس ادب کے لحاظ سے کسی کام اور حکومت پر باہر نہیں بھیجتے بلکہ خلافت کے کام میں وہ اُن کے دست و بازو ہیں[۵۴]۔ اُسامہ کے ساتھ تمام اصحاب کو

---

[۵۱] اَنلس آف ارلی خلافت صفحہ ۱۲۳   [۵۲] ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفا حصہ دوم صفحہ ۱۹۵

[۵۳] اَنلس آف ارلی خلافت حاشیہ صفحہ ۵۰   [۵۴] اَنلس صفحہ ۱۹

بھیجدیا تھا مگر حضرت عمرؓ کے مدینہ میں رہنے کی اسامہ سے اجازت لے لی تھی۔ غرض حضرت ابوبکرؓ کی دو سالہ خلافت کی کامیابی میں حضرت عمرؓ کا کچھ استحقاق نہیں ہے۔ وہ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت میں اُن کے مقرر کئے ہوئے مدینہ کے قاضی بھی تھے گو کام کچھ نہ تھا مگر اسلام میں وہ سب سے پہلے قاضی تھے اور اس عہدہ کو اُنکے سبب سے یہ عزت اور فخر حاصل ہے ؛

حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کا پہلا سال تو اندرونی بغاوتوں کے فرو کرنے اور فتنہ و فساد کے رفع کرنے اور نفاق و کُفر کی آگ بجھانے میں گزر گیا۔ جب اِن کی طرف سے اطمینان حاصل ہوا تو سب سے پہلا خیال اُن دلوں میں جو نورِ اسلام سے منوّر اور روشن ہوئے تھے سوائے اس کے کیا پیدا ہو سکتا تھا کہ اُن کے ملک کے اطراف و جوانب میں جو قومیں اور جو ملک کُفر و ضلالت کی تاریکی میں خستہ و خراب پڑے ہوئے تھے اُن کو بھی اُس مبارک روشنی کی چمک دکھائیں ورا اُن تمام مذموم عیوب اور بُرائیوں سے جن میں وہ پھنس گئے تھے نکالکر خدا کی اس سب سے بڑی رحمت اور نعمت کی طرف رہنمائی کریں۔ اسلام کے دائرے کو جیسا کہ مشیت ایزدی کا ارادہ ہو چکا تھا وسیع کریں اور اس کلمہ دین کو دنیا کے اطراف میں مشتہر اور شایع کر کے منشاء ایزدی کو پورا کریں شمال و مغرب میں اگرچہ سرحد شام کی اقوام کی بدعہدی اسلامی ہتھیاروں کی دعوت کر رہی تھی اور شمال و مشرق میں بطائح عیسائی عرب قوام سے نظر آگے نہیں بڑتی تھی مگر حقیقت ایران اور شام کے کسرائے ایران و قیصران روم کی سلطنتیں جو مشرق اور مغرب میں دُو بڑی اور دو ہی بڑی سلطنتیں تھیں علم اسلام کے واسطے مقدوم ہو چکی تھیں وہ اپنے وقت میں اپنی بزرگی اور شان و شوکت میں آسمان کے ستارہ ست ہو کر چکی تھیں۔ مگر اب ظلم اور تاریکی اور دنیا کی منتخب بُرائیوں کا مسکن اور مفاد تھیں اور قانون الٰہی کے رُو سے ہی اُن کا استحقاق اُس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت مرحوم اور مغفور کو پہنچتا تھا جن کے انعاموں میں اُس سب سے بڑی نعمت الٰہی کے ساتھ لازم و ملزوم ہونے کے سبب وعدہ کی گئی تھیں۔ تھوڑا ہی عرصہ پہلے کسریٰ ایران اور قیصر روم ایک دوسرے کے مقابلہ میں اپنی قوتوں اور زوروں کو جنگ کی ترازو میں تول چکے تھے اور قیصر روم نینوا کے میدان میں ایران سے بازی جیت چکا تھا اور اپنے پلّہ کو بھاری کر لینے کا فخر حاصل کر چکا تھا۔ اس کے بعد ایران میں جو بدعملی پھیل گئی تھی اُس کے دَورے سے نجات حاصل کرنے کے لئے اور قیصر جس خوابِ غفلت میں سو گیا تھا اُس سے بیدار ہونے کے واسطے اُن ہاتھوں کا انتظار کر رہے تھے جو ان سے بہت دُور نہیں تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ کی جزوی فتوحات کو حضرت عمرؓ کے زمانہ کی فتوحات کو مکمل کرنے اور سلسلۂ فتوحات کے قابل فہم بنانے کے واسطے بیان کرنا ضرور ہے۔ اور ویسے بھی حضرت عمرؓ کا حق ہے کہ اُس زمانہ کی فتوحات اُن کے تذکرہ میں اُس اختصار کے ساتھ جو ہمنے بالعموم اختیار کیا ہے بیان کیجاویں ؛

مثنیٰ بن حارث سوادمیں مُسلمانوں کی طرف سے کام شروع کر چکا تھا مگر اُسکے مقابلہ میں جو فوجیں جمع ہو رہی تھیں اُن کیواسطے وہ اپنی اکیلی جمعیت کے ساتھ کافی نہ تھا۔ پس سنہ ۱۲ ہجری کے شروع میں خالد اور عیاض

بن غنم اپنی جزوی فوجوں کے ساتھ عراق کی طرف روانہ ہوئے۔ خالد کا کام سواد بن مثنیٰ کے ساتھ اُبلہ سے گزر کر حیرہ میں پہونچنے کا تھا اور عیاض دومۃ الجندل سے ہوتا ہوا حیرہ میں پہنچنے والا تھا۔ خالد کے قوی اور ناقابلِ مزاحمت بازوؤں کے ساتھ اُسکی کامیابی ایسی دمساز تھی کہ اُس سے مقابلہ کرنا جانے خود بھی اور شکست کی دلیل تھی۔ خالد نے اُبلہ کے سردار ہرمز کو جو کسریٰ ایران (شاہ ایران) کا نام نہاد نائب تھا۔ اسلام خراج یا جنگ کا پیغام بھیجا۔ ہرمز ایسے عجیب پیام سے اگرچہ چونکا اور کسریٰ کے پاس اس کی خبر بھیجی مگر عربوں کی ایسی خفیف فوج کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہوا جنگ کیواسطے نکل کھڑا ہوا اور آراستہ فوجوں کے درمیان میں خالد کو اپنے مقابلہ میں مبارزہ کیواسطے طلب کیا۔ خالد اُس بلیتن قوی جوان سے اکیلے دست بدست لڑنے کے واسطے نکلا۔ ہرمز نے اگرچہ فریب سے کمین میں آدمی بٹھا رکھے تھے مگر خالد نے پچھاڑ کر اُس کا کام تمام کردیا اور اُس کا سر کاٹ کر لشکر عجم میں پھینک دیا۔ دونوں لشکروں میں بڑے خروش کی لڑائی ہوئی مگر عجمی شکست کھا کر بھاگ نکلے اور اپنا مال اسباب جس میں ہرمز کا ایک مرصع تاج بھی تھا اور ایک ہاتھی مسلمانوں کیواسطے چھوڑ گئے جس کا خمس مع تاج اور ہاتھی کے مدینہ بھیجا گیا [51]

شاہ ایران نے ہرمز کی عرضی پہنچنے پر ایک بڑی فوج ایک شاہزادہ کے ماتحت اُسکی امداد کو بھیجی مگر وہ بھی شکست کھا کر پسپا ہوگئی۔ اب شاہ ایران کے کان کھڑے ہوئے اور عربوں کے مقابلہ کے واسطے اپنی سلطنت سے عربوں یعنی بکر وغیرہ کی ایک فوج بھرتی کرکے ایک مشہور جرنیل بہمن کے زیر حکم مسلمانوں کے مقابلہ میں بھیجی۔ مگر اُسکی قسمت بھی پہلی فوجوں سے کچھ اچھی نہ تھی۔ خالد کو پے در پے فتوحات حاصل ہو رہی تھیں۔ لیس کی لڑائی میں اُس نے ایک زیادتی بھی کی کہ قسم کھائی تھی کہ فتح حاصل کرکے دشمن کے خون سے دریا بہاؤں گا۔ اور اپنی قسم کو پورا کرنے کے واسطے لڑائی کے قیدی بہت سے قتل کرڈالے مگر ان روایتوں میں جس قدر مبالغہ ہے اُسکو سر ولیم میور بھی نہیں مانتے [52]۔ اب حیرہ کا راستہ صاف ہوگیا تھا۔ خالد نے بڑھکر محاصرہ کرلیا۔ حیرہ بابل کے مغرب کی جانب دشت شام کے کنارے پر ایک عربوں کی جداگانہ بستی تھی اور برائے نام اُسکو فارس کے ساتھ تعلق تھا۔ وہاں کا بادشاہ کسریٰ ایران کا نائب کہلا کر عراق عرب پر حکومت کرتا تھا۔ تیسری صدی عیسوی کے شروع میں عیسائی اپنے مذہبی عمال کے مظالم سے تنگ آکر حیرہ کے عربوں کے پاس پناہ گزین ہوئے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے کچھ عرصہ بعد حیرہ کا بادشاہ عیسائی ہوگیا تھا۔ شہر نہایت مضبوط اور بڑا عالی شان تھا اور اسی کا خالد نے محاصرہ کیا تھا ؏

اہل حیرہ بے بادشاہ عرصہ تک محصور رہے۔ مگر آخر جزیہ دینا منظور کرکے صلح کرلی۔ مسلمان حسب دستور

---

[51] دی خلافت اٹس رائیز ڈیکلائین اینڈ فال (عروج و زوال خلافت) مؤلفہ سر ولیم میور صفحہ ۵۲

[52] دی خلافت (عروج وزوال خلافت) مؤلفہ سر ولیم میور صفحہ ۵۵

اُن کی اور اُن کے شہر کی حفاظت کے ذمہ دار ہوئے۔ اُن کے مذہب سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا۔ وہ اپنے آبائی دین پر عیسائی رہے[1]۔ حیرہ کو خالد نے اپنا صدر مقام قرار دیا اور ایک سال تک رہا ‎+

حیرہ سے فارغ ہو کر خالد نے انبار اور عین التمر کو فتح کیا اور عجم کی فوج اور عرب کی بنی بکر اور بنی عجل اور بنی تغلب کے ملے ہوئے لشکروں کو بڑی بہادری سے مغلوب کیا۔ انبار کو صلح پر چھوڑ دیا اور عین التمر کی لڑائی میں عقبہ ایک عرب سردار کے سر کو خالد نے بڑھ کے اپنی بغل میں دبا لیا اور کھینچکر گھوڑے پر سے اُٹھا کر اپنے لشکر میں لے آیا۔ جو دشمن کی شکست کا دیباچہ تھا ‎+

خالد اور عیاض ایک ہی وقت میں حیرہ پہنچنے کے واسطے چلے تھے خالد تو توقع سے زیادہ کام کر چکا تھا مگر عیاض، دومۃ الجندل میں دشمن کا محاصرہ کیئے ہوئے نہایت ناکام پڑا ہوا تھا۔ جب اُسکی طرف سے نا اُمیدی ہوئی تو خالد کا موتھ تکنا پڑا۔ خالد نے اپنے ایک بہادر افسر قعقاع کو حیرہ پر مقرر کیا اور دوسرے مقامات مفتوحہ کی سپردگی کر کے ریگستان میں سے گزر کر دومۃ الجندل کو روانہ ہوا اکیدر اور جودی دومۃ الجندل کے سردار تھے۔ بنی کلب اور بنی غسان بن کا سردار جبالا عیسائی بادشاہ والئی بصریٰ تھا اور عرب کے قبائل اُن کی امداد کو جمع تھے۔ خالد کی آمد سُن کر عرب کے چھکے چھوٹ گئے۔ بقول سر ولیم میور کے "خالد کی آمد نے صورت حال کو تبدیل کر دیا۔ اُس کا نام ہی فوج کا بُرج تھا"[2]

اکیدر نے پہلے سے خالد کے قوت بازو دیکھ چکا تھا اور اُسکے ہاتھوں قید ہو کر مدینہ گیا تھا بہت خوف زدہ ہو کر ہتھیار چھوڑ دینے کا ارادہ کیا مگر راستہ ہی میں پکڑا گیا۔ جودی اور اُسکے مددگاروں کے ساتھ سخت لڑائی ہوئی۔ شکست کھا کر سب بھاگ گئے۔ جبالا بصریٰ کو فرار ہو گیا۔ خالد نے تیسری دفعہ میدان جنگ پر جودی کی بیٹی سے شادی کی مگر حیرہ کی خبروں نے اُسے اطمینان سے نہ بیٹھنے دیا۔ قبائل عرب اور بنی تغلب خالد کی غیر حاضری کو غنیمت سمجھکر چھیڑ چھاڑ کرنے لگ گئے تھے۔ خالد طوفان کی طرح واپس پہنچا اور اُس کا آنا ہی اُسکی شکست کی دلیل تھی۔ یہ شکستہ فوجیں جمع ہو کر مقابلہ کے واسطے قلعوں میں اُڑ اُڑ بیٹھتی تھیں مگر خالد قضا کی طرح اُن کے پیچھے تھا۔ بہت سی لڑائیاں اُن سے لڑا اور اُن کو شکستیں دیں جن میں سے حافراور خصوصاً فراض کی لڑائی مشہور ہے ‎+

اب کوئی دشمن ظاہر امیداُن میں نہ رہا۔ خالد کو ایک اور بے احتیاطی کی سوجھی۔ ذالحج کا مہینہ تھا۔ خالد کو حج کرنے کا خیال آیا۔ فوج کو چھوڑ کر بغیر راہ نما اور بدرقہ کے ریگستان سے گزرتا ہوا بلا اطلاع مکہ پہنچا۔ اور ویسے ہی بلا شناخت حج کر کے لوٹ گیا۔ حضرت عمرؓ نے آخر اس امر کو معلوم کر لیا اور خالد کی بے احتیاطی پر ملامت کی ‎+

---

[1] دی خلافت صفحہ ۵۷

[2] دی خلافت الخ صفحہ ۶۱ ‎+

شام

حدود اعراق اور سواد کو چھوڑ کر ہم شام کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ سب سے پہلی فوج خالد بن سعید کے ماتحت شام کو بھیجی گئی تھی حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ خالد بن سعید کو سردار بناکر بھیجنے کے مخالف تھے مگر حضرت ابوبکرؓ نے نہ مانا اور اُسی کو بھیجا۔ ابتدا میں تو اُسکو کسی قدر کامیابی حاصل ہوئی۔ مگر دور نکل جانے سے گھبرایا اور مدد مانگی۔ اُسی زمانہ میں جنوبی عرب کی بغاوتیں فرو کرکے مسلمانوں کے لشکر مدینہ کو واپس پہنچ رہے تھے انکو عکرمہ اور ذوالکلاع حمیری کے ماتحت خالد بن سعید کی مدد کو بھیجا گیا۔ اس کے بعد ولید اور عمرو بن العاص کو بھی سرحد شام کی طرف روانہ کیا گیا۔ ولید خالد کے ساتھ شریک ہونے اور عمرو بن العاص فلسطین کے جنوب میں کام کرنے کے واسطے ؞

خالد بن سعید ملک کے اندر پہنچ جانے پر اُس حتیاط کو جس کی اُس کو ہدایت کی گئی تھی بھول گیا اور بڑھتے ہوئے مرج پر شکست کھا کر بھاگ نکلا۔ حضرت ابوبکرؓ کو حضرت عمرؓ کی رائے کے خلاف اپنے اس انتخاب پر افسوس ہوا اور نئی فوج چار سے سرداروں کے ماتحت شام کو روانہ کی۔ شرحبیل بن حسنہ کو ولید کی جگہ جو خالد بن سعید کے ساتھ شکست کھانے میں شریک تھا بھیجا۔ وہ شکستہ اور پراگندہ فوج کو جمع کرکے اور ساتھ لیکر سب سے آگے بڑھا۔ یزید بن سفیان اور ابو عبیدہ بن جراح اور عمرو بن العاص باقی تین مستقل افسر تھے اور حدود شام پر مختلف اطراف و امصار یعنی اردن۔ دمشق اور فلسطین پر پڑے ؞

شام کی اس فوج میں ایک خصوصیت یہ تھی کہ اس میں کم سے کم ایک ہزار اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شریک تھے۔ خاص اصحاب میں سے سو سے کم نہ ہونگے اور تین سو اہل بدر میں سے تھے۔ اُن کی خاص عزت اور توقیر یہ تھی کہ جس کے ماتحت وہ چاہیں کام کریں اور اُن کا وصف یہ تھا کہ بلا خیال رتبہ کے جسکے ماتحت کام کرتے تھے نہایت تابعداری اور جانفشانی سے کرتے تھے۔ عکرمہ پہلے سے شام میں تھا۔ یہ پانچوں افسر جابجا اپنا کام بہت استقلال سے کر رہے تھے ؞

ان کی کامیابیوں کو اور افواج شام کی شکستوں کی پے درپے خبروں نے آخرکار ہرقل کو ڈرا دیا اور اُس خواب غفلت سے جسمیں وہ ایران کو جیت کر پڑا ہوا تھا بیدار کر دیا۔ حمص میں آکر ایک بہت بڑی فوج چار حصوں میں اس تند حملہ کے روکنے کے واسطے روانہ کی۔ سب سے بڑا حصہ جو تعداد میں نوے ہزار تھا اپنے بھائی تھیوڈرک کے ماتحت روانہ کیا۔ مسلمان بھی ایسی کثیر فوج کی خبروں سے چونکے اور اپنی منقسم طاقتوں کو یکجا کرینگے۔ حضرت ابوبکرؓ نے بھی آخر اسی امر کو پسند کیا اور ہدایت کی کہ سب اکٹھے ہوکر دریائے یرموک کے کناروں پر جو بحر گلیلی کے مشرق میں دمشق اور بصریٰ کے درمیان واقع ہے اور جو قدرت نے سب سے بڑا

میدان کارزار اور شام کی قسمت کا فیصلہ کرنے کا مقام مقرر کیا تھا آ ٹھہریں۔ یونانیوں یعنی اہل شام نے بھی اپنی مصلحت کے خیال سے اپنی افواج کو ایک جا اکٹھا کر لیا اور بلکہ مسلمانوں کے مقابلے میں واسن کوہ میں جا پڑے۔ باہم لڑائی شروع ہو گئی مگر بلا نتیجہ۔ اسی طرح دو ماہ گزر گئے اور فوجیں ایک دوسرے کے مقابلہ میں پڑی رہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نہایت متردد تھے اور آخر کار حضرت عمرؓ کے مشورے سے یہ قرار پایا کہ خالد بن ولید کے فتحمند بازوں سے کام لیا جائے اور اُسکی خدمات فی الحال عراق سے شام کو تبدیل کر دی جائیں۔ جب خالد کے نام حکم لکھا گیا کہ شام کے مسلمانوں کی فوج بیدل ہے خالد اُن کی امداد کیواسطے جائے۔ نصف فوج مثنیٰ کے زیر حکم عراق میں چھوڑ جائے اور نصف اپنے ساتھ لیجائے۔ احتیاط کیواسطے بہت تاکید کی گئی خالد کو جو اپنی نسبت حضرت عمرؓ کی طرف سے بدظنی کا خیال تھا اس حکم کو اُسپر محمول کیا اور کہا کہ عمرؓ میرے ہاتھوں سے عجم کی فتح نہیں چاہتا۔ مگر یہ غلط خیال تھا۔ درحقیقت مسلمانوں کی ضرورت خالد کو شام میں پکار رہی تھی۔ حیرہ سے یرموک کو سفر کرنا بھی کوئی آسان کام نہ تھا۔ بڑا کٹھن راستہ اور بیابان ریگستان صحرائے شام سامنے پڑا تھا۔ ایک اور مشکل یہ تھی کہ اگر سیدھا شمالی راستہ سے جاتا تو راستہ میں اہل شام کے ساتھ لڑائی میں رک جانے اور یرموک جلدی پہنچنے سے بچھڑ جانے کا خوف تھا۔ نو ہزار فوج ساتھ تھی اور سب کو لیکر پہنچنا تھا۔ منتخب فوج کو ساتھ لیکر اور باقی کو پیچھے آنے کے واسطے چھوڑ کر خالد دوبارہ اُس ریگستان بیابان کو طے کر کے نفد کے راستہ دومۃ الجندل میں پہنچا۔ وہاں سے بصریٰ قریب تھا مگر مزاحمت کے خوف سے تدمور کے راستہ کے خشک اور بے آب ریگستان کا سفر اختیار کیا۔ درحقیقت اس ریت کے بے پایان سمندر کو طے کر کے نکلنا اُسی شیر نیستان شجاعت اور ہزبر بیشۂ جلادت و تہور کا کام تھا اور جس حکمت سے یہ منزلیں طے کیں ایک حیرت انگیز افسانہ کا مضمون ہیں کہ اونٹوں کو پانی پلا کر اُن کے مونھ باندھ دیئے اور راستہ میں اُن کے پیٹ چاک کر کے اُس پانی سے گھوڑوں اور اونٹوں کو زندہ نکال کرلے گئے۔ چند ہی ہفتوں میں اس مہینوں کے راستہ کو طے کر کے ۱۳ھ ماہ جمادی الاوّل کے شروع میں تدمور میں دمشق سے سو میل شرق کی طرف جا نکلا اور یکبارگی حملہ کر کے شہر کے حواس باختہ لشکر کو فتح کر لیا اور حوران سے ہوتا ہوا مسلمانوں کے لشکر سے جا ملا[۱]۔ اور حضرت ابوبکرؓ کو مطلع کر دیا

[۱] شام کے آغاز فتوحات سے لیکر جنگ اجنادین تک روایات اور تاریخ میں نہایت اختلاف ہے۔ اوکلے اور اروِنگ وغیرہ انگریزی مؤرخ جن میں کاسن ڈی پرسی وَل اور گبن مورخ اعظم بھی شامل ہیں جو فتوح شام واقدی کے مترجم اور پَیرو ہیں خالد کا اُسی زمانہ میں جبکہ مسلمانوں کی فوج نے شام میں کام شروع کیا تھا آنا اور بصریٰ کی فتح میں شرحبیل کو مدد دینا اور بصریٰ کا فتح کرنا اور اس کے بعد دمشق اور اجنادین اور کئی اور لڑائیوں کے بعد جنگ یرموک کا حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں واقعہ ہونا اور حضرت ابوبکرؓ کی وفات کو اس پہلے فتح دمشق کے زمانے میں بیان کیا ہے۔ مگر دوسرے معتبر مورخ مثلاً سر ولیم میور اور گلبن وغیرہ جو طبری اور ابن اثیر اور ابن خلدون وغیرہ کے معتقد اور خوشہ چین ہیں وہ بصریٰ کا

حضرت ابوبکرؓ بھی اس اثنا میں نئی فوجیں بھرتی کر کے بھیجتے رہتے تھے۔ اب مجموعی تعداد مسلمانوں کے لشکر کی چھتیس ہزار تک پہنچ گئی تھی۔ مگر یونانیوں کی فوج بڑھتے بڑھتے اڑھائی لاکھ تک شمار میں خیال کیجاتی تھی۔ جزوی اور بے نتیجہ لڑائیوں میں جو ایک مہینہ تک ہوتی رہیں خالد نے ایک بڑا سقم پایا۔ کہ مسلمانوں کی فوج کا ایک سپہ سالار تھا۔ جُدا جُدا افسروں کے ماتحت اور اپنی اپنی مصلحت سے کسی فیصلہ تک نہیں پہنچنے دیتا تھا۔ خالد نے یہ سقم افسروں کے سامنے بیان کیا اور کہا کہ ہر ایک شخص کو باری باری سے فوج کی اعلیٰ حکومت پر ایک ایک دن کے لیے مقرر ہو کر ایک انتظام کے نیچے فوج کو مجموعی قوت سے لڑانا چاہیئے۔

اس تجویز کو سب نے منظور کیا اور خالد نے پہلے دن اعلیٰ افسری اپنے ہاتھ میں لیکر نہایت مناسب انتظام کیا۔ فوج کو چالیس دستوں میں تقسیم کر کے دلیر افسروں کے ماتحت منقسم کیا اور ان پر ممتاز افسر مقرر کیے۔ یہ انتظام نہایت وقت پر ہوا کیونکہ یونانی بھی ایک آخری فیصلہ کے خیال سے سخت سے سخت حملہ کی تیاری کر رہے تھے اور ایک ایسے جمِ غفیر اور عددِ کثیر کے ساتھ بڑھے کہ میدان کے اطراف میں اندھیرا چھا گیا۔ اسی اثنا میں خالد کے پاس مدینہ سے ایک قاصد نامہ لیے ہوئے پہنچا جسکو خالد نے سرسری نظر سے پڑھکے ترکش میں ڈال دیا اور قاصد کو خاموش رہنے کے لیے ہدایت کر کے فوج کا مدینہ کی خیر و عافیت اور کمک کے پیچھے آنے کی خبر سے اطمینان کر دیا۔

لڑائی جس سختی اور خونریزی کے ساتھ ہوئی اُسکو تفصیلاً بیان کرنا بہت مشکل ہے۔ مسلمان افسروں نے اور خصوصاً عکرمہ اور قعقاع اور خالد کے بہادر عزیز اور ہم مزاج ساتھی بے دھڑک ضرار نے وہ بہادریاں اور جانبازیاں دکھلائیں کہ چشم فلک نے بھی بہت کم دیکھی تھیں۔ خالد کی دلیرانہ ثابت قدمی اور آزمودہ کاری نے آخر میدان جیت لیا۔ لڑائی کی سختی کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ یونانیوں کے ایک لاکھ کشتوں سے میدان اور خندق بھری پڑی تھی۔ مسلمانوں کو بھی یہ فتح بہت گراں نصیب ہوئی۔ تین ہزار آدمیوں نے شربتِ مرگ چکھا اور بے شمار زخمی ہوئے۔ ابوسفیان کی آنکھ میں تیر لگا اور ضرار سخت زخمی ہوا۔ عکرمہ اور اُس کا باپ زخموں سے جاں بر نہ ہوئے۔ اہل شام بے حساب غنیمت مسلمانوں کے واسطے چھوڑ گئے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

کے واقعہ کا کہیں ذکر نہیں کرتے اور واقعات کو اسی ترتیب سے بیان کرتے ہیں جو کہ ہم بوجہ اُن کے معتبر ہونے کے بیان کر رہے ہیں۔ بعض مؤلفوں مثلاً شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس غلط واقعات سے یرموک کی لڑائی کا دو دفعہ ہونا خیال کیا ہے مگر یہ غلط ہے۔ بہرحال یہ واقعات کی تقدیم تاخیر ہے اور واقدی کی نسبت جس کے واقعات گو جیسا کہ واشنگٹن ارونگ کی رائے ہے صحیح ہوں افسانوں میں بیان کرنے کے واسطے زیادہ موزوں ہیں۔ یہی ترتیب معتبر ہے۔ مؤلف ۱۲

جن میں تیس ہزار ریشمی سراپردہ تھے۔ ہر ایک سپاہی کا حصہ پندرہ سو دینار سے کم نہ تھا۔ اس فتح کا جو اثر ہوا بقول سر ولیم میور کے "یونانیوں کی فوج کی ہیبت ناک قسمت نے دربار شام اور اہل شام کو خوف سے متوحش اور بے کل کر دیا۔ شام کی قسمت کے فیصلہ پر گویا مُہر لگ گئی تھی۔ اب ایک کمزور اور ضعیف مخالف کے بغیر مقابلے کو کچھ نہ رہا تھا۔[1]"

فتح کی تاریخ ۱۳ھ ہجری میں ماہ رجب کا سنبہ کا روز مطابق ۳۰ ع ستمبر ۶۳۴ عیسوی تھی۔

---

[1] دی خلافت الخ صفحہ ۴۷۔

چوتھا باب

حضرت عمرؓ کی خلافت حضرت ابوبکرؓ کی وفات حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا استخلاف اور انتخاب۔ فتوحات ایران شام مصر

خالد کو جو نامہ میدان جنگ میں مدینہ کے قاصد نے دیا تھا اور اُس نے پڑھکر اپنی ترکش میں ڈالدیا تھا اُسپر حضرت عمرؓ کی مُہر تھی کیونکہ حضرت ابوبکرؓ کی وفات کی اُس میں خبر تھی۔ مگر خالد نے ایسے نازک وقت میں بڑی دُور اندیشی سے کام لیا اور اس وحشت ناک خبر کو لشکر میں مشتہر نہ کیا۔

حضرت ابوبکرؓ جب بستر علالت پر ناتوان ہوگئے تو حضرت عمرؓ کو انہوں نے نماز میں امامت کیواسطے کہا جو حضرت عمرؓ کی آئندہ خلافت کی نسبت حضرت ابوبکرؓ کے خیال کا صاف اشارہ تھا۔ حضرت عمرؓ کو اپنا خلیفہ اور جانشین مقرر کرنے کا خیال حضرت ابوبکرؓ کا کوئی نیا خیال نہیں تھا وہ تو گویا ابتدا ہی میں اسکا فیصلہ کر چکے تھے۔ البتہ باقاعدہ طور پر اسکو مشتہر کرنے کا خیال حضرت ابوبکرؓ کو اُسی وقت ہونا چاہئے تھا جب وہ زندگی سے مایوس ہوئے۔ اُنہوں نے اپنی رائے کو اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید سے مستحکم کرنے کے واسطے عبدالرحمان بن عوف سے مشورۃً پوچھا کہ میں عمرؓ کو اپنے بعد خلیفہ مقرر کرنا چاہتا ہوں تیری کیا رائے ہے۔ اُس نے اس ارادے اور حضرت عمرؓ کی نہایت تعریف کی۔ مگر اُن کی درشتیٔ طبیعت کی طرف اشارہ کیا جس کے جواب میں حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ " یہ اُس کی سختی اور درشتی اس سبب سے ہے کہ میری طبیعت میں نرمی اور رحم زیادہ ہے۔ جب والیٔ اُمور ہوگا تو یہ طبیعت اُسکی بدل جائیگی میں نے بہت غور سے دیکھا کہ اگر میں کسی شخص پر غصہ ہوتا تھا تو وہ اُسکی طرف سے سفارش کرتا تھا۔ اور اگر میں کسی کے ساتھ زیادہ نرمی کرتا تھا تو وہ سختی کی طرف مائل ہوتا تھا"[1]۔ حضرت عثمانؓ سے جب رائے لی گئی تو اُنہوں نے بھی اس رائے کی تائید کی

---

[1] انلس اوف ارلی خلافت صفحہ ۱۱۷ و طبری ۱۲

اور کہا کہ "جو کچھ عمرؓ میں مخفی اور پوشیدہ ہے وہ اس سے جو ظاہر ہوتا ہے بہت بہتر ہے۔ اُسکا نظیر اور مساوی ہم میں موجود نہیں ہے[1]۔"

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اسی مضمون کی وصیت لکھوائی اور انصار و مہاجرین کو بلا کر اس کا مضمون اُن میں مشتہر کیا اور سب کی عام رضامندی اور خوشنودی کے ساتھ اس مبارک تقریب کو ختم کیا صرف طلحہ بن عبداللہ نے اُس جماعت میں سے اس رائے کی مخالفت کی اور کہا کہ "عمرؓ کے ہاتھ سے لوگ جس سختی میں تھے اُسکو جانتے ہو اور آج اُسکو خلیفہ مقرر کرتے ہو۔ خدا کے سامنے اس کا کیا جواب دو گے۔ حضرت ابوبکرؓ یہ سن کر جوش غضب سے بھڑک اُٹھے اور کہا کہ مجھے اُٹھاؤ اور نہایت غصہ سے طلحہ کو جواب دیا کہ "تو مجھے خدا کا نام لیکر ڈراتا ہے خدا کی قسم جب میں خدا کے سامنے جاؤں گا تو کہوں گا کہ میں نے بہترین خلق کو تیری خلق پر خلیفہ کیا ہے[2]۔" طلحہ کی اس مخالفت کی وجہ درحقیقت یہ نہ تھی کہ وہ سب سے الگ حضرت عمرؓ کے استخلاف میں کوئی نقص دیکھتا تھا بلکہ نفسانیت اور دعویٰ خلافت کے ذاتی حوصلہ پر یہ بات کہلا رہے تھے۔ خود حضرت ابوبکرؓ کے الفاظ سے جو انہوں نے حضرت عمرؓ کو اس کے بعد وصیت کرتے ہوئے فرمائے ظاہر ہے کہ "ان لوگوں کو میں تیرے خلاف پاتا ہوں جن کے اپنے پیٹ پھولے ہوئے ہیں اور آنکھیں لگ رہی ہیں" حضرت ابوبکرؓ کا آخری کام حضرت عمرؓ کو بلا کر وصیت کرنے اور نرمی اور حلم کی طرف مائل ہونے کی تاکید کرنے کا تھا۔ اُن کے رحلت فرمانے کی تاریخ اکیس جمادی الثانی ۱۳ھ ہجری بروز دوشنبہ مطابق ۲۲۔ اگست ۶۳۴ء تھی۔ باوجود اس صریح اور قطعی استخلاف کے لوگوں سے حضرت عمرؓ کے ہاتھ پر بیعت کرانے کی ضرورت سمجھی گئی اور تین دن تک تمام شہر اور گرد و نواح نے بیعت کی[3]۔"

فتوحات

حضرت عمرؓ کا سب سے پہلا کام لوگوں کو اپنی آیندہ خلافت کی طرف سے اطمینان دلانے کے بعد عراق کے واسطے نئی فوج تیار کرنے کا تھا۔ مثنیٰ خالد کے عراق سے رخصت ہونے اور خود مختار سپہ سالاری حاصل کرنے کے بعد دس ہزار لشکر عجم کو جو ہرمز کے ماتحت میدان کو خالد سے خالی پانے کے حوصلہ پر ایران کے نئے بادشاہ شہریار کے حکم سے بڑھا تھا بابل کے میدان میں شکست فاش دیچکا تھا۔ اور ایرانیوں کی اس نئی فوج کی ہاتھیوں کی صف کو شکستہ کرنے کی بہادری اور حکمت میں نام پاچکا تھا۔ مگر مثنیٰ نے اپنی قلیل فوج اور جمعیت کو ایران کے آیندہ حملوں کا مقابلہ کرنے اور فتوحات پر قدم جمائے رہنے کے واسطے کافی نہ سمجھکر مدینہ سے بڑی تاکید سے

---

[1] اُنس اوف ارلی خلافت صفحہ ۷۰ و طبری [2] اُنس اوف ارلی الخ صفحہ ۱۱۵ و طبری صفحہ ۲۶۸
[3] اُنس الخ صفحہ ۱۲۵

کمک مانگی تھی۔ جب جواب میں دیر ہوئی تو اُس نے رفع تردد کے واسطے خود مدینہ پہنچنے کا ارادہ کیا اور پہنچکر حضرت ابوبکرؓ کو بستر علالت پر پایا تھا۔ گو اُن کی بیماری کے سبب سے دیر ہو گئی تھی مگر حضرت ابوبکرؓ اس ضرورت کی طرف سے بیفکر نہیں تھے۔ اُنہوں نے حضرت عمرؓ کو بلا کر سخت تاکید کی کہ میرے بعد تمہاری خلافت کا سب سے پہلی ساعت کا پہلا کام عراق کے واسطے فوج تیار کرنا اور بھیجنا ہوگا اور حضرت عمرؓ نے اُن کے ارشاد کو پورا کرنے کے وعدے سے اطمینان دلا دیا تھا۔

پس حضرت عمرؓ کا سب سے پہلا کام ایک نئی فوج تیار کرنے کا تھا لیکن بقول سر ولیم میور کے ایرانیوں کی قوت کا کچھ ایسا رعب لوگوں پر چھا گیا تھا کہ کوئی آمادہ نہیں ہوتا تھا[۱]۔ مگر ممکن ہے اور اصلیت بھی یہی معلوم ہوتی ہے کہ خالد کے اقبالمند اور فتحمند سایہ کے لشکر عراق سے اُٹھ جانے سے لوگوں کے دل نہیں جمتے تھے۔ وہ ایک شخص ہزاران ہزار فوج کے برابر تھا اور اُس کا وجود ہی کامیابی کی ضمانت تھی۔ غالباً اسی بے دلی کے سبب لوگ منظور نہیں کرتے تھے جس کی غلطی سے یہ تعبیر کیجاتی ہے کہ خالد کے عہدہ سپہ سالاری سے معزول کردینے کی وجہ سے لوگ دل شکستہ ہوگئے تھے اور نہیں مانتے تھے[۲] لیکن یہ ایک بے اصل خیال معلوم ہوتا ہے کیونکہ جب بعد میں لوگ تیار بھی ہوئے تو شام کی فوج میں بھیجے جانے کی درخواست کرتے تھے اور عراق کی مہم میں جانا قبول نہیں کرتے تھے۔ اس سے ظاہر ہے کہ خالد کے ساتھ شام میں کام کرنے سے خوش تھے مگر اُس کے بغیر عراق کو مثنیٰ کے ماتحت کرنے کے واسطے جو اگرچہ دلیری اور بہادری میں وہ بھی یکتا تھا اور بقول سر ولیم میور کے دنیا کے سب سے بڑے جنگ آور اور نامور سپہ سالاروں میں جگہ پانے کا مستحق ہے[۳]۔ مگر ایک قبیلہ اعراب میں سے تھا اور قریش کی شرافت اُس کے جوہر ذاتی کے ساتھ شریک نہ تھی نہیں جانا چاہتے تھے۔ بہرحال خود مثنیٰ نے بھی لوگوں کو تحریک کی اور آخرکار ابو عبید بن مسعود طائف کا ایک دلیر شخص اُٹھ کھڑا ہوا اور لوگ بھی جوق جوق آنے لگے۔ جب ہزار آدمی کا ایک دستہ تیار ہو گیا تو ابو عبید کو اس سبب سے کہ وہ پہلا شخص تھا جس نے آمادگی ظاہر کی تھی قریش اور انصار پر ترجیح دی اور اُسی کو افسر مقرر کرکے مثنیٰ کے پیچھے جو جلدی پہنچنے کے واسطے واپس چلا گیا تھا روانہ کیا۔ ابو عبید کو اجازت دی گئی کہ اقوام عرب میں سے جو لوگ بوجہ برگشتگی اور نفاق اختیار کرلینے کے گو وہ بعد میں تائب ہو چکے تھے اب تک فوج میں نہیں بھرتی کیئے جاتے تھے اب لشکر میں شریک کرلیے۔

اسی اثنا میں ایران میں کئی انقلاب ہو چکے تھے۔ شہریار کے مرنے پر کشت و خون کے بعد بوران یا توران دخت بنت کسرے پرویز رستم بن فرخ زاد ایک نامی بہادر شخص کی حمایت سے جس کو اُس نے خراسان سے

[۱] دی خلافت الخ صفحہ ۸۷

[۲] طبری صفحہ ۴۶۹

[۳] دی خلافت الخ صفحہ ۹۶

طلب کیا تھا تخت حاصل کرنے میں کامیاب ہوئی اور رستم کو سپہ سالار اور مختار مقرر کیا جس کا سب سے پہلا کام مسلمانوں کو حدود ایران سے باہر کرنے کی کوشش کرنے کا تھا۔ اُسکی دلیری اور سرگرمی اور حوصلہ افزائی فی الواقع بہت کام کرگئی۔ لڑائی کیواسطے بڑے بڑے دہقان اُٹھ کھڑے ہوئے اور عرب کی حکومت کو تمام ملک نے اپنے کندھوں سے اُتار دیا اور مثنیٰ کو حیرہ چھوڑ کر مدینہ کے راستہ پر خفان میں ابو عبید کے انتظار میں ٹھہرنا پڑا۔ رستم نے جابان اور نرسی نامی دو لشکروں کے ساتھ حیرہ اور کسکر پر قبضہ کرنے اور مسلمانوں سے لڑنے کے واسطے بھیجدیا۔ ابو عبید کے ساتھ راستہ میں اقوام عرب میں سے بہت لوگ شریک ہوگئے اور انکی بھیڑ بھاڑ کو ساتھ لانے میں دیر ہوگئی۔ جب خفان میں پہنچا تو وہ ایک روز مستا کر مجموعی فوج کو جابان کے مقابلہ کے واسطے میدان میں لایا اور اُسکو شکست دیکیا ڈالا اور پھر کسکر کی طرف بڑھکر نرسی کو جس کے ساتھ جالینوس ایک دوسرا افسر آٹھ ہزار فوج سے شریک ہوا تھا شکست دی اور ایک عارضی اطمینان کا موقعہ دیکھا۔

ان شکستوں سے بھڑک کر رستم نے ایک مشہور اور جنگجو افسر بہمن کے ماتحت ایک کثیر شکر جو تیس ہزار سے کم نہ تھا مسلمانوں کے مقابلے کے واسطے روانہ کیا اور درفش کاویانی کو کھول کر اُسکے سپرد کیا۔ دریائے فرات کے کنارے پر لشکر آن پڑا اور مسلمانوں کی فوج دریائے عبور کر کے دوسری جانب پہنچی ہوئی تھی۔ ابو عبیدہ نے ایک پُر خطا دلیری کی کہ باوجود لشکر کی مخالفت اور ممانعت کے دریا کے اس پار جا کر لڑنا قبول کیا جہاں زور آزمائی اور پیچھے ہٹنے کے لیئے کافی جگہ ہی نہتھی۔ مسلمانوں کی فوج دس ہزار سے کم تھی۔ اور ایرانی فوج کو ہاتھیوں سے بہت تقویت تھی جن میں ایک بہت بڑا سفید ہاتھی بھی تھا۔ مسلمانوں نے ہاتھیوں کی صف کا مقابلہ کر کے قریباً بھگا دیا تھا کہ ابو عبیدہ نے اکیلے تلوار لیئے ہوئے سفید ہاتھی پر مقابلہ کیا۔ کوئی ضرب کاری نہ لگی اور ہاتھی نے سونڈ سے پکڑ کر پاؤں سے کچل ڈالا۔ پے در پے افسر مارے گئے اور مسلمانوں کو بھاگنے سے روکنے کے واسطے دریا کا پُل کاٹ دینے سے مسلمانوں کو بھاگنے کا راستہ نہ رہا اور دریا میں کود کود کر بہ گئے۔ مثنیٰ جو اس وقت بطور ایک ماتحت افسر کے کام کر رہا تھا اس حال کو معلوم کر کے برشفتہ ہوا مگر غلطی لاعلاج تھی۔ شیر دل مثنیٰ نے اس وقت بڑی جاں بازی کا کام کیا۔ جھنڈا پکڑکر ایرانیوں اور مسلمانوں کی فوج کے درمیان چند دلیروں کے ساتھ کھڑا ہوگیا اور پکارا کہ جب تک مسلمانوں کی فوج سلامت پار نہ اُتر جاوے گی یہاں سے نہ ہٹوں گا[۱] پُل کی مرمت کا حکمدیا اور سپاہ کو کہا کہ اطمینان سے اُترو۔ اپنے آپ کو ضائع نکرو میں تمہاری حفاظت کروں گا[۲] اسی حال میں مثنیٰ کو ایک ایرانی سپاہی کے نیزے نے بے طرح زخمی کر دیا مگر وہ جوانمرد اُسیطرح کھڑا رہا اور مسلمانوں کو اطمینان سے پار اُتار دینے کی کوشش کرتا رہا۔ مگر پُل کے درست ہونے سے پہلے بہت سے لوگ دریا میں کود کے جانیں کھو چکے تھے۔ آخر جب بقیہ فوج گزر گئی تو مثنیٰ خود اُس پار آیا اور پُل کو

[۱] دی خلافت الخ صفحہ ۹۰ و طبری ٭ [۲] دی خلافت الخ صفحہ ۹۰ ٭

کاٹ کر بہمن کا راستہ بند کر دیا دریا میں کود کر چار ہزار سے کم جانیں ضائع نہ ہوئی تھیں۔ نئی فوج میں سے دو ہزار آدمی بھاگ گئے اور مثنیٰ صرف تین ہزار فوج کے ساتھ رہ گیا۔ بہمن کو دربار ایران کے تنے فساد کے سبب ٹوٹ جانا پڑا اور مسلمانوں کو اپنی جمعیت فراہم کرنے کا موقع مل گیا۔ اس شکست کا نام واقعہ جسر (پل) ہے جو ماہ شعبان ۱۳ ہجری میں واقع ہوا۔

حضرت عمرؓ نے ان ناشاد نبردوں کو بڑے تحمل و سنجیدگی کے ساتھ سُنا۔ بھاگی ہوئی فوج کو جو مدینہ پہنچی بہت تسلی دی۔ اس شکست نے سوائے اسکے کہ اُن کو اپنی مساعی کے دو چند کرنے کے واسطے برانگیختہ کرے اور کچھ نہ کیا۔ بڑی سرگرمی سے نئی فوج تیار کرنے میں مصروف ہوئے۔ جوق جوق فوج اکٹھی ہونے لگی۔ بھاگے ہوئے سپاہی بھی واپس جانے کو تیار ہو گئے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں ایک بڑی فوج جریر بن عبداللہ کے ماتحت روانہ کر کے مثنیٰ کو اطلاع دی گئی۔ مثنیٰ ایک آدھ لڑائی لڑ چکا تھا اور کامیابی اس کی طرف مائل معلوم ہوتی تھی۔ جریر کے نزدیک پہنچنے کی خبر سُن کر مثنیٰ ایرانیوں کی ایک بہت بڑی فوج سے مقابلہ کرنے کے واسطے جو ایک لاکھ تعداد میں زیر حکم مہران بن بازان بڑھی آ رہی تھی ایک منزل آگے بڑھا۔ حضرت عمرؓ نے بہت کچھ احتیاط سے لڑنے کی تاکید کی تھی۔ بویب پر عجم کی فوج سے مقابلہ ہوا۔ مثنیٰ نے اپنے سپاہیوں کے خوب خوب دل بڑھائے اور فوج کو بڑی لیاقت سے آراستہ کیا۔ شروع لڑائی میں تو مسلمانوں کی فوج کے ایک بازو کے پاؤں اُکھڑتے معلوم ہوتے تھے مگر مثنیٰ کی تحملانہ دانشمندی نے اُن کے دل بڑھا کر پھر جما دیا۔ سخت حملہ سے آخر ایرانیوں کے مونہہ پھر گئے اور بھاگنے لگے۔ مہران مارا گیا۔ مسلمانوں نے پُل کاٹ دی تھی اور ایرانی بھاگنے کی راہ نہ دیکھ کر پھر مسلمانوں سے دوچار ہو گئے۔ مثنیٰ کو اس غلطی پر افسوس بھی ہوا کہ اپنے ہاتھوں پھر لڑائی مول لی جس میں ایرانی زندگی سے مایوس ہو کر اور جان سے ہاتھ دھو کر ٹوٹ پڑے۔ کُشت و خون کا بازار گرم ہوا۔ ایرانیوں کے کُشتوں کے پُشتے لگ گئے بقول سر ولیم میور کے "مُسلمانوں کی ایک مُٹھی بھر فوج نے اُس عظیم لشکر کو تباہ کر دیا۔ شاید اسقدر خون ریزی اسلامی تاریخ میں کسی اور جنگ میں نہیں ہوئی۔ زمانہ دراز تک مقتولوں کی ہڈیاں اُس میدان کی مٹی میں ملا کیں" مُسلمانوں کا بھی کچھ کم نقصان نہیں ہوا۔ دو ہزار آدمی مارے گئے۔ مثنیٰ کو اپنے دلیر اور بہادر بھائی مسعود کا ماتم کرنا پڑا۔ ایک بڑی غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آئی جس میں غلہ کے انبار اور مویشی تھے۔ اس جنگ میں ایک خصوصیت یہ ہے کہ مسلمانوں کی طرفداری میں عیسائی قبائل بھی ایرانیوں کے ساتھ لڑ رہے تھے اور اُن کی بہادری نے بھی بہت کام کیا تھا یہ سب آخری بڑی فتح تھی جو مثنیٰ کو حاصل ہوئی کیونکہ اس لڑائی کے بعد وہ صرف چند ماہ تک زندہ رہا۔ جنگ جسر میں جو کاری زخم اُسکو لگا تھا اُس نے بہت دنوں تک جینے نہ دیا۔ اور چونکہ قریش اُس کے ماتحت کام کرنا اپنی شرافت

---

٥١ دی خلافت الخ صفحہ ٩١

٥٢ دی خلافت الخ صفحہ ٩١

٥٣ طبری صفحہ ٢٧٢٣

کے فخر سے منظور نہیں کرتے تھے جریر کی شکایت پر عراق میں ایک نیا سپہ سالار مقرر ہوا ؛

سر ولیم میور اس امر کا افسوس کرتا ہے کہ مسلمان مورخوں نے مثنیٰ کی بہادری اور سپہ گری کی بہت کم قدر کی ہے۔ حالانکہ "اُس زمانہ کے اسلامی سپہ سالاروں میں سے صرف ایک سپہ سالار ہے وہ دوسرے درجہ پر ہے خالد کی حیرت افزا چستی اور تیزی اور تعجب انگیز عزم بالجزم اس میں نہ تھا مگر زور اور سرگرمی اور فنون جنگ میں اُس سے کم نہ تھا۔ بلا امتیاز اور بغیر ضرورت سختی اور جبر اس سپہ سالار اعظم کے مانند وہ نہیں کرتا تھا اور کسی فتح کو اپنی کسی ذاتی خواہش کے پورا کرنے میں استعمال نہیں کرتا تھا۔ اسی کے تہور اور مستقلانہ شجاعت سے جنگ جسر سے مسلمانوں کا فوج کا حصہ بچکر نکل آیا۔ عیسائی قبائل سے امداد لینا اور اپنے معاملہ میں شریک کرنا اسی کا کام تھا اُس کے کئی دفعہ کے تنزل کو خلافت نے مہنگا خریدا کیونکہ ایک دفعہ اسی سے عراق سے اسلام کے پاؤں اکھڑ گئے تھے۔ لیکن حضرت عمرؓ کی نسبت اُس کی وفاداری اور جان نثاری میں کچھ فرق نہیں آتا۔ اس زمانہ کے اس خیال نے کہ ایک گمنام قوم کا اعرابی قریش اور اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حکومت کرے حضرت عمرؓ کے واسطے مشکل کر دیا کہ اُس عہدے پر اسکو برقرار رکھیں۔ لیکن تعجب ہے کہ اسلامی مورخوں میں سے جو نامور بہادران اسلام کی عزت کے خواہاں ہیں کسی نے اُس اپنے زمانہ کے ممتاز اور نامور شخص کے تنزل پر افسوس نہیں کیا اور نہ اسکو وہ رتبہ دیا ہے جس کا وہ مستحق تھا حالانکہ وہ دنیا کے سب سے بڑے سپہ سالاروں میں جگہ پانے کا مستحق ہے[۵]۔"

شام

شام میں ہم مسلمانوں کے فتحمند لشکر کو یرموک کے کناروں پر اُس خونخوار جنگ کے بعد اپنے مقتولوں کو دفن کرنے اور مجروحوں کا علاج کرنے اور بے شمار غنیمت کے تقسیم کرنے میں مصروف چھوڑ آئے ہیں ؛

حضرت عمرؓ کا پہلا کام افواج شام کی نسبت اُن کا ایک مستقل سپہ سالار مقرر کرنا تھا چنانچہ اُنہوں نے ابو عبیدہ بن جراح "امین الامت" کو سپہ سالار اعظم مقرر کیا اور خالد اور دوسرے عہدہ داروں کو اُن کے ماتحت کام کرنے کا حکم دیا۔ یہ حکم اُس پہلے نامہ کا مضمون ہو جو خالد کو میدان جنگ میں ملا تھا یا دوسرے کا۔ اور نامہ ابو عبیدہ کے نام ہو یا خالد کے مگر مورخین نے اس واقعہ کو ایک قابل بحث امر بنا دیا ہے۔ عام مقولہ یہ ہے کہ خالد کو شام کی سپہ سالاری اور امارت سے معزول کر کے ابو عبیدہ کو اُس کی جگہ مقرر کیا گیا مگر اسکو کوئی ثابت نہیں کر سکتا کہ خالد اس سے پہلے سپہ سالار اعظم یا امیر شام مقرر ہو چکا تھا۔ حضرت ابو بکرؓ کے حکم کا مضمون شام میں مسلمانوں کی فوج کی مدد کرنا اور فارغ ہو جانے پر عراق کو واپس چلے جانے کا وعدہ تھا۔ ابن خلدون کی

۵؎ اینالز آف ارلی خلافت صفحہ ۱۴۰ و دی خلافت الخ صفحہ ۹۵ و ۹۶

رات میں خالد سپہ سالار اعظم مقرر ہو چکا تھا۔ مگر یہ رائے خلاف واقعہ ہے کیونکہ تمام مورخ اس امر پر متفق ہیں کہ یرموک کی لڑائی میں خالد کی موجودگی کے زمانہ میں بھی ایک ماہ تک تمام سرداران فوج اپنے اپنے لشکر کے ساتھ جدا جدا کام کرتے رہے تھے اور آخر یہی ایک سبب کمزوری اور ناکامی کا خیال کیا گیا تھا اور باری باری سے اعلیٰ حاکم اختیار کرنے کے انتظام پر خالد پہلے دن سپہ سالار ہوا تھا اور حضرت عمرؓ کو حکم کے لکھنے کے وقت یہ امر بھی معلوم نہیں تھا کیونکہ اس انتظام سے پہلے حضرت ابوبکرؓ کا انتقال اور قاصد مدینہ سے نامہ لیکر روانہ ہو چکا تھا۔ حضرت عمرؓ کے نامہ کے الفاظ سے جو معزولی کا مضمون پیدا ہوتا ہے وہ غالباً عراق کی سپہ سالاری سے معزولی تھی کیونکہ خالد عراق میں سپہ سالار اعظم تھا اور یہاں شام میں ابوعبیدہ کے ماتحت کام کرنے اور شام ہی میں رہنے کا فیصلہ دیا گیا تھا۔ اس سے بڑھکر جو اختلاف روایات اور تاریخوں میں ہے مثلاً یہ کہ یہ خبر اور انتظام فتح دمشق کے بعد ہوا یا کہ ابوعبیدہ کو اس مضمون کا نامہ یرموک ہی میں مل گیا تھا لیکن خالد کی دلشکنی کے خیال سے اس نے فتح دمشق تک اسکو ظاہر نہیں کیا کسی طرح صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ اب یہ بات کہ حضرت عمرؓ کے اس انتظام سے اعلیٰ درجہ کی دور اندیشی۔ حسن تدبیر۔ شکر گذاری کی قابلیت۔ انصاف پسندی اور مصلحت بینی۔ خدا ترسی اور بنی نوع کی ہمدردی کا مادہ جو خدا نے ان کو عطا کیا تھا ظاہر ہوتا ہے۔ خالد دلیر اور بہادر اور جنگجو تھا ایسا کہ اپنا نظیر نہیں رکھتا تھا۔ مگر بد احتیاط اور بے خوف بھی نہایت درجہ کا تھا اس کے ہاتھ سے جبر اور انصاف میں کوئی تمیز نہیں رہتی تھی۔ اسکی زیادتیاں اور بے اعتدالیاں بارہا ثابت ہو چکی تھیں۔ حضرت عمرؓ کی عدل اور انصاف سے بھری ہوئی تیز نگاہوں نے اسکی حرکات اور برتاؤ کو بہت غور سے دیکھا تھا اسکو مطلق العنان اور آزاد چھوڑ دینا دانستہ انصاف سے چشم پوشی کرنا تھا۔ پس نہایت تدبیر سے کام لیا گیا کہ اسکو ابوعبیدہ کے ماتحت مقرر کیا گیا خالد کی بہادری اور قوت بازو اور شجاعت بھی کام آگئی اور جس بے اعتدالی کا اس کی طرف سے اندیشہ تھا وہ بھی رفع ہو گیا۔ ابوعبیدہ گو اس درجہ کے دلیر اور مرد میدان تھے مگر مسن اور نہایت تجربہ کار اور حلیم و انصاف پسند اور با مروت طبیعت کے بزرگ تھے اور ان کے با اعتدال برتاؤ کی طرف سے کامل اطمینان تھا۔ یہ خیال ہی غلط ہے کہ ابوعبیدہ کی ماتحتی میں کام کرنا خالد کے واسطے کسی دلشکنی یا ہتک کا باعث ہو سکتا تھا۔ ابوعبیدہ شرفائے قریش اور اصحاب کبار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں بہت سے خاص فضائل سے ممتاز ہو چکے تھے اور وہ "امین الامت" کے معزز لقب سے ملقب ہو چکے تھے۔ اور ان کا رتبہ اصحاب خاص کی نگاہوں میں اس درجہ کا تھا کہ حضرت ابوبکرؓ نے ثقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت عمرؓ اور ابوعبیدہؓ کی نسبت کہا تھا کہ ان دونوں میں سے ایک کو خلیفہ منتخب کر لو۔ اور حضرت عمرؓ نے اپنی وفات سے پہلے جب اپنا جانشین مقرر کرنے کا مشورہ کیا تو فرمایا تھا کہ اگر ابوعبیدہ زندہ ہوتے تو ان کے سوائے کسی کو مقرر نہ کرتا[1]۔

---

[1] طبری صفحہ ۲۱۵۱۔

پس ایسے بزرگ رتبہ کے شخص کے ماتحت کام کرنا خالد کو کسی طرح ناگوار نہیں ہو سکتا تھا اور نہ ہوا اور حقیقت
یہی وجہ خالد کو عراق میں واپس نہ بھیجنے کی تھی کیونکہ جس حال میں اُسکو خود مختار اور مطلق العنان سپہ سالار اور امیر مقرر
کرنا منظور نہ تھا تو سرداران فوج میں سے عراق اور شام میں صرف ابو عبیدہ ہی اس رتبہ اور پایہ کے شخص تھے
کہ خالد اُن کے ماتحت خوشی سے کام کرتا۔ خالد کی اِس اطاعت اور تابعداری اور اس تنزل سے کسی قسم کا
دل پر ملال نہ لانے اور اُسی جوش اور سرگرمی سے کام کرنے کی تعریف کیجاتی ہے۔ ہم بھی اسکو تسلیم کرتے ہیں
مگر کہتے ہیں کہ یہ اسلام کا ایک کرشمہ ربانی تھا۔ اگر سچ پوچھو تو خالد کے اس تنزل سے اُس کے سپہ سالاری کے
عہدے میں ابو عبیدہ کے ماتحت ہونے سے کوئی فرق سوائے اس کے نہیں آیا کہ اُسکی بے احتیاطی کے
راستہ میں ایک روک کھڑی کر دی گئی ورنہ فوجی اختیارات میں تو گویا وہی سپہ سالار رہا۔ سر ولیم میور کا قول ہے
کہ "ابو عبیدہ نے جو خالد کی بے نظیر اور عدیم المثال جنگی قابلیت اور ہنرمندی کو جانتا تھا اور خود ایک حلیم
اور نرم طبیعت رکھتا تھا اور جنگجو نہ تھا بڑی دانائی اور فیاضی سے خالد سے کہا کہ اُس کی ہدایات کے مطابق
عمل کرے گا اور پوری فرمانبرداری کرے گا۔ خالد نے اپنی شکایات سے قطع نظر کر کے اپنی بہترین لیاقتوں
کو ملک کی خدمت میں صرف کیا اور باوجودیکہ اُس کا تنزل عمل میں آیا مگر درحقیقت مسلمانوں کا بڑا سپہ سالار
شام میں وہی تھا"

مسلمانوں نے یرموک کے میدان سے فارغ ہو کر اور ایک دستہ فوج یرموک میں عرب کے ساتھ
خط وکتابت کے سلسلہ کو محفوظ اور جاری رکھنے کی غرض سے چھوڑ کر شمالی ممالک کی جانب رُخ کیا۔ راستہ
میں معلوم ہوا کہ یونانیوں کی شکست اور پراگندہ فوج کے سپاہی فلسطین میں جمع ہو کر ایک مضبوط لشکر بن گیا
ہے۔ حضرت عمرؓ سے اسکی کیفیت عرض کر کے اُن کے حکم کے مطابق لشکر دمشق کو بڑھا اور اس جمع شدہ
فوج کے روکے رکھنے کے واسطے ایک مضبوط دستہ فوج روانہ کر دیا گیا۔ دمشق شام میں ایک نہایت
مضبوط اور عالی شان شہر ہی نہیں تھا بلکہ اُسکو دنیا میں سب سے پرانا شہر ہونے پر جو زمانے کے انقلابوں
سے بچ رہا تھا فخر تھا۔ قیصر نے مسلمانوں کے پہنچنے سے پہلے ایک بڑی فوج سے شہر کو اور مضبوط کر دیا اور
خود حمص میں اور فوجیں تیار کرنے اور جابجا بھیجکر مسلمانوں کی قوت کو اُن سے لڑنے میں مصروف اور منقسم
کر دینے کی غرض سے بیٹھ رہا مگر مسلمانوں نے ان تمام فوجوں کی نسبت سوائے اسکے کہ جہاں کہیں وہ تھیں
اُن کو وہیں روک دینے کی کوشش کی اور کچھ نہیں کیا اور اپنی اصلی قوت محاصرہ دمشق میں مصروف کر دی
دمشق پہنچکر یونانیوں کی کثیر فوج کو شکست دی جو مجبور ہو کر قلعہ بند ہو گئی اور مسلمان محاصرہ کر کے پڑ رہے۔
شہر ایسا مضبوط تھا کہ مسلمانوں کی کوئی کوشش شہرپناہ کے توڑنے میں کامیاب نہ ہوئی مگر مسلمانوں
کا لشکر بہ ثابت قدمی سے شہر کو گھیرے ہوئے تھا۔ مغربی جانب ابو عبیدہ تھے اور مشرقی طرف خالد
گاہ بگاہ صبح شام لڑائیاں اور معرکہ آرائیاں ہوتی تھیں جن کی کیفیتیں ہومر کے رزمیہ افسانوں سے کچھ کم نہیں تھیں

مگر ہم اُن کے بیان کرنے کے واسطے نہیں ٹھہر سکتے ۔

اہل دمشق قلعہ شہر میں اس خیال سے بڑے اطمینان سے کے ساتھ محصور تھے کہ موسم سرما کی غیر معمولی سردی اس آوارہ لشکر کو شہر کے دروازوں سے بھگا دے گی مگر مسلمانوں نے اس قدرتی دشمن کا بھی بڑے استقلال سے مقابلہ کیا اور ایک قدم پیچھے نہ ہٹے ۔ نئے موسم گرما نے اُن کی رگوں میں تازہ جوش خون پیدا کیا اور بڑی سرگرمی اور شدت سے محاصرت کے کام میں مشغول ہوئے ۔ اب دمشق کی اُمیدیں مایوسی کی ہوائیں اُڑنے لگیں ۔ خالد بڑی تیز اور بے صبر نگاہوں سے موقعہ کو تاک رہا تھا ۔ ایک رات لشکر شہر کو کسی مذہب کی خوشی میں مصروف اور غافل دیکھکر ابو عبیدہ کو اطلاع کرکے اور یکبارگی ہلہ کی تجویز کرکے خندق کو تیر کر اور کمندیں ڈال کر مسلمانوں کو شہر میں پہنچا دیا ۔ دروازوں کے کھلنے اور " اللہ اکبر " کے نعرہ بلند ہونے کی دیر تھی ۔ تمام لشکر مسلمانوں کا جا پڑا ۔ خالد کی خونخوار تلوار نہ رکتی اگر یونانی اس اثنا میں ابو عبیدہ سے صلح اور معاہدہ کرکے امان نہ پا چکے ہوتے ۔ شہر موسم گرما ۱۴ ہجری میں فتح ہو گیا اور معاہدہ میں نصف مال و اسباب مسلمانوں کو دینا ٹھہرایا اور ہر ایک گھر سے ایک دینار اور زراعتی زمین سے ایک تعداد غلہ کی مقرر ہوئی [۵]۔

اس عرصہ میں شرحبیل بن حسنہ اور ابو الاعور نے بڑی بہادری سے اپنی دس ہزار فوج کے ساتھ یونانیوں کی کثیر فوج کو روکے رکھا ۔ ابو عبیدہ کا اب ارادہ تھا کہ دمشق سے سیدھا حمص کو بڑھکر خود ہرقل پر حملہ کرے مگر حضرت عمرؓ نے منع کیا کہ جب تک یونانیوں کی فوج عقب میں ہے آگے نہیں بڑھنا چاہیئے ۔ پس یزید بن ابی سفیان کو دمشق کی حکومت پر چھوڑ کر مسلمانوں کا لشکر فلسطین کی طرف ہٹا اور یرموک کو دوبارہ عبور کرکے فحل میں جا ٹھہرا ۔ جہاں یونانیوں کی اسی ہزار فوج سے مقابلہ ہو گیا ۔ یونانیوں نے کھلے مقابلے سے ہراساں ہو کر چاہا کہ دھوکا دیکر غفلت میں مسلمانوں کو دبا لیں ۔ مگر شرحبیل کو انہوں نے اپنے سے زیادہ ہوشیار پایا جو رات کو بھی آمادہ پیکار اور فوج کے ساتھ تیار رہتا تھا ۔ آخر یونانیوں کو شکست ہوئی اور سردار فوج مارا گیا خالد اور آتش مزاج ضرار کی بہادریوں اور جانبازیوں نے کچھ کام نہ کیا ہوگا ۔ مسلمانوں کا لشکر اس فتح اور غنیمت کے حاصل کرنے کے بعد حمص کی طرف بڑھنے کے ارادہ سے دمشق کو لوٹ آیا اور چونکہ کوئی بڑا خطرہ سامنے نہ تھا خالد کے دستہ فوج کو جو عراق سے ساتھ لایا تھا حضرت ابوبکر کی خواہش کے مطابق عراق کو واپس کر دیا گیا ۔ اور یزید اور معاویہ اور شرحبیل اور عمرو بن العاص اپنی اپنی فوجوں کے ساتھ بڑی کامیابی سے مسلمانوں کے فتوحات کو وسیع کر رہے تھے ۔ ذو الکلاع حمیری اپنے حمیر کے مضبوط دستہ فوج کے ساتھ دمشق کو شمال کی طرف سے کسی حملہ سے بچانے کے واسطے پڑا ہوا تھا ۔ اب چونکہ کسی حملہ کا اندیشہ نہ رہا تھا حمص کو جاتے ہوئے

---

[۵] طبری صفحہ ۲۱۶۸ ۔

لشکر کے ساتھ شریک ہوگیا۔ یونانیوں کے لشکر نے دمشق پر ایک آخری حملہ کرنے کا موقع پاکر دو فوجیں جن میں سے ایک کا سردار تھیوڈور ہرقل کا بھائی تھا بڑھیں۔ مگر یزید اور خالد کے تیز طوفان کی طرح پہنچنے والے لشکر نے گھیر کر یونانیوں کی فوج کو پاش پاش کر دیا اور دوسری فوج کو ابو عبیدہ نے بھگا دیا اور اس حصہ میں پھر جمع ہونے کے لائق نہ چھوڑا۔ حمص کے راستہ میں بعلبک کو فتح کرتا ہوا مسلمانوں کا لشکر بغیر کسی اور مزاحمت کے حمص میں پہنچ گیا جہاں سے ہرقل انطاکیہ کو چلا گیا تھا۔ حمص کے محاصرہ میں بھی مسلمانوں کو ایک عرصہ دراز تک مصروف رہنا پڑا۔ حمص نے بھی دمشق کی طرح بڑی مضبوطی سے مقابلہ کیا اور عرصہ تک مسلمانوں کو محاصرہ میں تھکایا۔ مسلمانوں سے لڑنے میں وہ بھی سردی کے موسم سے مدد لیتے تھے۔ تمام موسم مسلمان محاصرہ کیئے رہے اور لڑتے رہے مگر رومیوں کے پژمردہ دل موسم گرما آنے پر بھی ٹھنڈے ہی رہے اور آخر ہار کر صلح کی درخواست کی۔ خالد اگرچہ صلح کرنے پر راضی نہ تھا مگر ابو عبیدہ نے معمولی شرائط پر صلح کر لی ؛

عبادہ کو حمص میں متعین کر کے مسلمانوں کا لشکر شمال کو بڑھتا اور متعدد چھوٹے بڑے شہر فتح کرتا گیا خالد نے بڑھکر قنسرین پر یونانیوں کی فوج کو ایک شکست فاش دی۔ حلب اور قیساریہ بھی فتح ہو گئے اور ابو عبیدہ نے انطاکیہ کی طرف رخ کیا جو شمالی شام میں ایک عالی شان شہر اور دنیا کے بڑے دارالخلافوں میں کچھ کم مشہور نہ تھا۔ یونان کی شکستہ فوجیں وہاں جمع ہوگئی تھیں اور جیسا کہ ضروری تھا ایک بڑی سخت لڑائی ہوئی یونانیوں کا آخری چارہ صلح کر لینے اور مسلمانوں کی قوت کے سایہ میں پناہ لینے کا تھا۔ ہرقل انطاکیہ چھوڑ کر یکے دیگرے وہ جس شہر میں گیا آخر اسکو وہ بھی چھوڑ دینا پڑا۔ کیونکہ خالد اٹل قضا کی طرح اسکے پیچھے تھا اور فتوحات کو بڑھاتا چلا جاتا تھا۔ ہرقل آخر کار شام سے مایوس ہوگیا اور حسرت کی نگاہوں سے دیکھتا ہوا اور ملک کو خیر باد کہتا ہوا ۵ھ ہجری میں قسطنطنیہ میں جا مقیم ہوا۔ شام کا ملک دریائے فرات سے ساحل سمندر تک فتح ہو گیا تھا اور تمام رعایا مسلمانوں کی باجگزار اور پناہ خواہ ہوگئی تھی ؛

اسی اثناء میں عمرو بن العاص اور شرحبیل نے فلسطین کے بہت سے شہر فتح کر لیئے تھے اور ویسی ہی کامیابی سے اس مغربی صوبہ کو زیر کرتے جا رہے تھے۔ بطریق ارطفول نے جو فلسطین کا حاکم تھا اپنی مضبوط فوج کے دو حصہ کیئے۔ ایک یوروشلیم کی حفاظت کے واسطے چھوڑا اور دوسرا حصہ جو پچاس ہزار سے کم نہ تھا ساتھ لیکر مسلمانوں سے زور آزمائی کرنے کے واسطے اجنادین پر آپڑا۔ اجنادین کی لڑائی جو جنگ یرموک کی طرح نہایت سخت لڑائی تھی ویسے ہی فلسطین کی قسمت کا فیصلہ کرنیوالی تھی۔ ارطفول شکست کھا کر اور اپنی قسمت کا فیصلہ کر کے یوروشلیم کو بھاگ گیا اور عمرو بن العاص ایلیا کے تمام شہر فتح کرتا ہوا یوروشلیم تک پہنچ گیا ارطفول اجنادین پر شکست کھا کر ہمت ہار چکا تھا اور خوف زدہ ہو کر مصر کو بھاگ گیا۔ یوروشلیم کے مقدس بطریق نے لڑائی کی تاب نہ لاکر صلح کر لینے اور شہر کو مسلمانوں کو حوالہ کر دینے کی خواہش کی مگر اس شرط پر کہ خود حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ شرائط صلح مقرر کرنے کے واسطے

وہاں آویں[1] - حضرت عمرؓ اس کی اطلاع پاکر تیار ہو گئے - اگرچہ اصحاب نے اس ارادے کی مخالفت کی مگر انہوں نے نہ مانا اور یوروشلیم کو روانہ ہوئے اور سیدھے جابیا میں پہنچے - یہ سب سے پہلا موقع تھا کہ خلیفۂ عرب نے حدود عرب سے باہر قدم رکھا ہو - ابو عبیدہ یزید اور خالدؓ ان کو ملنے کے واسطے آئے اور بعد ازاں بطریق یوروشلیم کی طرف سے ایک سفارت شرائط صلح مقرر کرنے کے واسطے آئی۔ صلحنامہ مرتب کرکے اور دستخط کرا کے بطریق کے پاس لے گئے - اس نے بھی منظور کیے اور یوروشلیم اور رملہ کے دروازے کھول دیئے گئے - عمرو بن العاص اور شرحبیل بھی اب فراغت اور اطمینان حاصل ہونے پر حضرت عمرؓ کے پاس آئے جن کو ساتھ لیکر حضرت عمرؓ یوروشلیم کی طرف روانہ ہوئے اور اس مقدس مقام کو دیکھکر ۱۵ھ ہجری میں ہی مدینہ واپس آگئے اور اصحاب مدینہ کو نہایت خوشی ہوئی - حضرت عمرؓ کے اس مشہور سفر کے اور واقعات اور جو پُر مروت برتاؤ اور پُر لطف سلوک انہوں نے عیسائیوں کے ساتھ کیا اور جس کے بیان کرنے میں عجیب غریب غلطیاں کی گئی ہیں آیندہ اپنے موقع پر بیان ہوں گے ؛

عراق و عجم

ایشیائی روم کی فتح کو مکمل دیکھکر اب ہمکو عراق و عجم کے سب سے بڑے جنگ و جدال کے حالات میں سے گزرنے کے واسطے پیچھے جانا پڑتا ہے - ہم ماہ رمضان ۱۳ھ ہجری میں مثنیٰ کو بویب کی فتح کے نتائج اکٹھا کرنے میں مصروف چھوڑ آئے ہیں - مداین دار الخلافت ایران میں انقلاب کا ابھی خاتمہ نہیں ہوا تھا - ایرانیوں نے اپنی ہی شکستوں کو رستم اور اپنی نئی ملکہ کی کمزوری سے منسوب کیا اور ورثائے ذکور میں سے کسی شہزادے کو تخت ایران پر بٹھانے کی فکر میں ہوئے اور آخر یزدجرد نامی ایک شہزادہ مل گیا اور تخت نشین کیا گیا۔ اکیس برس کے نوجوان شہزادے کے گرد اس کے امرا اور اعیان و اراکین سلطنت بڑی وفاداری اور سرگرمی سے جمع ہوئے اور بقول سر ولیم میور کے ان کی پرانی سلطنت کی آگ کسی قدر ان میں مشتعل ہوگئی - فوجیں جمع کی گئیں اور سواد کے شہروں پر پھر قبضہ کر کے شہروں کو مضبوط کر دیا گیا - رعایا بھی اپنی قدیم سلطنت کی طرف راغب ہوگئی اور جہاں جہاں مسلمان تھے ان کو قتل کرنا شروع کیا - اور بہت سے مسلمان مار ڈالے - مثنیٰ کو ماہ ذیقعدہ ۱۳ھ میں ایک دفعہ پھر حسب ہدایت ہٹ کر دریائے فرات کے اس پار جا ٹھہرنا پڑا - حضرت عمرؓ کے پاس اس نے

---

[1] ایک روایت اس قسم کی ہے کہ بطریق بیت المقدس نے کہا کہ یوروشلیم اس شخص کے ہاتھوں فتح ہوگا جسکے نام میں تین حرف ہوں گے - ان کی کتب قدیم سے یہ امر معلوم ہوا تھا - سر ولیم میور کہتے ہیں کہ گو یہ ایک عجیب روایت ہے مگر ممکن ہے کہ اسکی کچھ اصلیت ہو مگر ہماری رائے میں اتنا بھی نہیں ہے - کسی ضرورت سے یہ روایت وضع کی گئی ہے جس کی نسبت کئی قیاس کیے جاسکتے ہیں - مؤلف ۱۲

امداد اور فوج کے واسطے ایک ضروری عرضی بھیجی اور اپنی پُر خطر حالت بیان کی۔ حضرت عمرؓ نے نہایت دلیری سے اس خطرے کا مقابلہ کیا۔ خود رستم کے فوج ایران کا سپہ سالار ہونے اور آور تمام جنگ آزما مشہور سرداروں کے ساتھ ایک عظیم لشکر لیکر مسلمانوں کے مقابلہ میں بڑھنے کی خبریں پہنچ چکی تھیں۔ عراق میں مسلمانوں کے پاؤں جمنے اس سبب سے مشکل تھے کہ ایران کا دارالخلافت مدائن جو تمام قوت کا مرکز تھا اس طرف سے قریب تھا۔ حضرت عمرؓ چاہتے تھے کہ ایک بڑے معرکہ میں اُن کی قوت شکستہ کردیں اور جانتے تھے کہ مدائن کے فتح ہونے تک تمام کوششوں اور فتحوں کا نتیجہ نقصان دہ ہوگا۔ پس آپ نے ارادہ کیا کہ بذات خود میدان جنگ میں جائیں اور لشکر کی سپہ سالاری کریں۔ اپنے خاص اصحاب سے اپنے اس ارادے کا ذکر کیا اور مشورہ لیا۔ سب نے اس ارادے کی مخالفت کی اور نہایت اصرار سے منع کیا۔ آخر یہ قرار پایا کہ نئی فوجیں ایک نئے سپہ سالار کے ماتحت بھیجی جائیں۔ چنانچہ سپاہ اکٹھا ہونے لگی اور پہلا دستہ چار ہزار فوج کا سعد بن ابی وقاص کے ماتحت جو تمام فوج کا سپہ سالار اعظم مقرر کیا گیا تھا بھیجا گیا اور مثنیٰ اور جریر کو اُس کے ماتحت کام کرنے اور اُسکی اطاعت کرنیکی ہدایت کی گئی ۔

سعد مکہ میں بچپن ہی میں مسلمان ہوا تھا اور اب اُس کی عمر چالیس برس کی تھی۔ سیاہ فام اور پست قد مگر دلیر اور بہادر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے وقت میں تمام عرب میں یگانہ تیرانداز تھا۔ حضرت عمرؓ نے اسکو ضروری ہدایات اور رحم اور تلطف کرنے کی نصیحت کر کے روانہ کیا اور متعاقب برابر فوجیں بھیجنے کا وعدہ کیا اور برابر فوجیں بھیجتے رہے۔ طلیحہ اور عمرو بن معدی کرب بنی اسد اور زبید کے لشکروں کے سردار ہو کر گئے جن کی نسبت حضرت عمرؓ نے لکھا تھا کہ "ان میں سے ہر ایک ہزار آدمیوں کے برابر ہے"۔ اشعث الکندی اپنے قبیلہ کی فوج کے ساتھ اسیطرح اور فوجیں اور قبائل عرب بھیجے گئے۔ مشہور یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے عرب میں کوئی جنگ آور شاعر اور مقرر اور سردار نہ چھوڑا جو اس فوج کی امداد کیواسطے نہ بھیجدیا ہو۔ اس طرح پر سعد کے پاس بیس ہزار فوج جمع ہوگئی اور بعد میں جب شام کی فوج اُس سے آملی تھی تو کل تعداد تیس ہزار تھی۔ غرض اپنی فوج کو ساتھ لیئے ہوئے حیرا سے پندرہ بیس میل جنوب کی طرف مثنیٰ کی فوج سے جاملا مگر افسوس کہ مثنیٰ کا ماہ صفر ۱۴ھ ہجری مقدس میں انتقال ہو چکا تھا اور اسلامی لشکر کے نئے سردار کے واسطے یہ قول وصیت چھوڑ گیا تھا کہ "دشمن سے حدود صحرا پر جنگ کرے"۔ سعد کو اُسکی وفات کی خبر سن کر نہایت رنج اور افسوس ہوا۔ اُسکے بھائی کی تسکین کی اور مثنیٰ کی وصیت کے موافق تھوڑا آگے بڑھکر قادسیہ کے میدان میں خیمہ زن ہوا جو نام کہ دنیا کی تاریخ میں ایک سلطنت کی قسمت کا فیصلہ کرنیوالے جنگ کا مقام ہونے کے واسطے شہرت پانے والا تھا۔ سعد ایک عمدہ موقع پر لشکر کو ٹھہرا کیا اور ایک نئی ترتیب سے آراستہ کر کے دشمن کے انتظار میں بیٹھ رہا۔ فوج ایران کا سپہ سالار رستم بھی یہی انتظار کی چال چلنا چاہتا تھا مگر یزدجرد بے صبر ہو رہا تھا اور رستم کو آگے بڑھنے کے واسطے تاکیدی حکم دیا ۔

سعد اور حضرت عمرؓ کے درمیان خط و کتابت کا سلسلہ جاری تھا۔ حضرت عمرؓ نے سعد سے اُس علاقہ

اور مقام کی کیفیت دریافت کی۔ سعد نے اپنے لشکر اور قادسیہ کے محل کی تفصیلاً کیفیت بیان کی۔ حضرت عمرؓ کا اس کیفیت سے اطمینان ہوگیا اور اسکو خبرداری اور اسی جگہ انتظار کرنے کو لکھا اور لکھا کہ سب سے پہلے یزدجرد (یا یزدگرد) کو دعوت اسلام کرنی چاہیئے۔ درحقیقت یہ کلیۃً دستور اور قاعدہ تھا اور شام اور عراق وغیرہ میں مسلمان سردار اسکی برابر پابندی کرتے رہے ہیں کہ سب سے پہلے دعوت اسلام کرتے تھے اور دوسرا موقعہ جزیہ قبول کرنے کا دیتے تھے۔ ان کے منظور نکرنے کی حالت میں ہتھیار اٹھانے تک نوبت پہنچتی تھی مگر یہ سلوک سپاہی شہر سے کیا جاتا تھا۔ یہ ایک نئی بات تھی کہ اس زمانہ میں ایک شاہنشاہ کو دعوت اسلام کی گئی۔ مسلمانوں کے لشکر سے چودہ مشہور آدمی جن میں نعمان بن مقرن المزنی۔ اور بشیر بن ابی حازم اور عدی بن سہیل اور مغیرہ بن شعبہ اور اشعث الکندی وغیرہ تھے منتخب کرکے یزدجرد کے پاس بھیجے گئے۔ انہوں نے بادشاہ کے سامنے پیش دعوت اور قبول اسلام۔ جزیہ یا جنگ کا پیغام پہنچایا۔ یزدجرد نے نہایت حقارت سے عربوں کو ایک ناچیز قوم اور برش و مار کھانیوالی اور ریشم شتر پہننے والی اور ایک ننگے بیابان ملک کے گھوڑے کے آوارہ لوٹیرے کہا اور کہا میں تمکو ایک لقمہ دوں گا اور تم راضی ہوکر لوٹ جاؤ گے۔ مسلمان سفیروں نے بڑی متانت سے اس کا جواب دیا کہ آپ سچ کہتے ہیں۔ ہم مفلس اور بھوکے ہیں۔ لیکن خدا ہمکو دولت اور طمانیت بخشے گا۔ آپنے اب تلوار کو پسند کیا ہے اور وہی ہمارے درمیان فیصلہ کردیگی۔ بادشاہ ان الفاظ سے بھڑک اٹھا اور کہا کہ اگر تم قاصد نہوتے تم سب کو قتل کروا دیتا۔ اور ایک مٹی کا ڈھیلا منگوا کر ان کے سامنے رکھدیا کہ اسکو اٹھائے ہوئے شہر کے دروازے سے نکل جاؤ۔ عاصم اسے اٹھا کر اسی طرح لیئے ہوئے قادسیہ پہنچا اور سعد کے سامنے رکھکر کہا کہ لے خدا نے تجھکو ایران کی زمین دی ہے ۔

رستم اب زیادہ انتظار نہیں کرسکتا تھا۔ ہاتھی اور سوار اور پیادہ فوج حشرات الارض سے بھی زیادہ اسکے پاس جمع ہوچکی تھی۔ بعضے اسکی تعداد دو لاکھ اندازاً بتلاتے ہیں اور بعض ایک لاکھ بیس ہزار بیان کرتے ہیں جسکے ہزار رستم کے ماتحت جالینوس۔ ہرمز اور مہران اور فیروزان وغیرہ ایران کے منتخب سپہ سالار تھے۔ باوجود اس قوت و قوی فوج کے رستم کے دل پر مسلمانوں کا خوف اور ہیبت طاری تھی اور آہستہ آہستہ اس خیال سے بڑھتا تھا کہ مسلمان سامان رسد سے تنگ ہوکر منتشر ہوجاوینگے۔ غرض اسی طرح تین چار مہینے گزار کر نجف سے گزر کر مسلمانوں کی فوج کے قریب پہنچا اور دریا کے مقابل طرف مقیم ہوا۔ مسلمانوں کی فوج اس انتظاری اور بیکاری سے تنگ آگئی تھی اور بڑی مشکل سے سعد اُن کو روکے ہوئے تھا۔ غنیم کی فوج کے قریب پہنچنے سے بقول سر ولیم میور ایسے اس طرح مضطرب ہوئے جس طرح کہ "ایک شیر اپنی کمین میں خونخوار جست سے حملہ کرنے کے وقت ہوتا ہے۔" رستم کی رضامندی سے مسلمانوں کے تین قاصد ربعیہ۔ حذیفہ اور مغیرہ اسکے پاس گئے اور قبول اسلام اور جزیہ یا جنگ کا پیام اسکو پہنچایا مگر تلوار ہی کو قبولیت کی عزت حاصل ہوئی۔ سعد تو اپنی جگہ سے جہاں پہلے روز خیمہ زن ہوا تھا حرکت نہیں کرتا تھا۔ رستم کو دریا عبور کرنا پڑا اور تمبو وں اور اپنے تمام لشکر کے ساتھ گزر آیا۔ دریا کے

کنارے پر ایک سنہری تخت بچھا کر جہاں سے جنگ کے میدان کو دیکھ سکے اُسپر جلوہ افروز ہوا ٭

مُسلمانوں کی فوج اپنے سپہ سالار کو نہ دیکھکر حیران اور شاکی ہوئی - مگر سعد بیمار تھا اور گھوڑے پر نہیں بیٹھ سکتا تھا - آخر فوج کے درمیان آکر اُسکو آراستہ کیا اور اُن کے دل بڑھانے کی ہر ایک تدبیر عمل میں لایا دوپہر کے بعد لڑائی شروع ہوئی اور مبارزہ او دست بدست لڑائی سے آغاز ہوا غالب اور عاصم اور عمر بن معدی کرب نے بڑی بہادری سے اپنے رقیبوں کو مارا - غالب اپنے رقیب ہرمز کو جو شاہزادوں میں سے تھا زندہ پکڑ لایا اور سعد اُسکے تاج کے سعد کے پیش کر دیا - رستم نے اس پہلی بدشگونی سے بے لطف ہو کر ہاتھیوں کے بڑھانے کا حکمدیا - ایرانیوں کا بڑا بھروسہ انہیں مہیب حیوانوں پر تھا جن پر جھنڈیں اور ہودوں سے بلندی پر بلندی چڑھائی ہوئی تھی - اِن رواں قلعوں کو دیکھکر عرب کے گھوڑے ڈرنے اور بدکنے اور بھاگنے لگے اور لشکر میں ہلچل اور پریشانی پیدا ہوئی - بنی اسد نے بڑھکر حملہ کو اپنے پر لیا مگر کچھ فائدہ نہ ہوا - آخر سعد نے عاصم کو کہا کہ جس طرح بن پڑے اس خطرے سے نجات پانی چاہیئے - بہادر عاصم فوراً بنی تمیم کے ہوشیار تیراندازوں کی ایک جماعت کے ساتھ بڑھا - مہاوتوں اور سواروں کو چن چن کر گرادیا اور بڑی بہادری سے زیربند کاٹ کر ہودوں کو گرادیا - ہاتھی بے مہاوتوں کے بھاگے اور اس آفت سے نجات ہوئی - رات کی تاریکی نے میدان کارزار پر پردہ ڈالدیا اور فوجیں ہٹ کر اپنے اپنے خیموں میں آن پڑیں ٭

دوسرے دن صبح مقتولوں اور مجروحوں کی تدفین اور خبرگیری میں گزری لڑائی شروع ہونے تک دن کے کئی گھنٹے گزر چکے تھے - پہلے دن کی لڑائی نے مُسلمانوں کے دلوں کو کچھ تقویت نہ دی تھی مگر اِس وقت ایک امدادِ غیبی نے اُن کے دل بڑھا دیئے ٭

شام سے جنگ فحل کے بعد جو خالد کی عراق کی فوج قعقاع کے ماتحت عراق کو واپس بھیجی گئی تھی مسلمانوں کے لشکر سے نظر آنے لگی - فوج کا بڑا حصہ تو قعقاع ہاشم کے ماتحت پیچھے چھوڑ آیا تھا کہ سہولت سے پہنچے - صرف ایک ہزار فوج اُس کے ساتھ تھی جس کو اُس نے سَو سَو کے دستوں میں فاصلہ سے میدان میں پہنچنے کو کہا - ان دستوں کے یکے بعد دیگرے "اللہ اکبر" کے نعرے بُلند کرتے ہوئے آنے نے وہی کام کیا جو دس ہزار فوج کی آمد کر سکتی تھی - مُسلمانوں کے دل جس قدر بڑھتے تھے ایرانیوں کے دل اُسیقدر ڈوبے جاتے تھے - قعقاع نے سیدھا میدان جنگ کی طرف رُخ کیا - سعد اور اپنے دوستوں سے ملتا ہوا دونوں لشکروں کے بیچ جا کھڑا ہوا - ذوالحاجب جس نے واقعہ جسر (پل) میں مُسلمانوں کو شکست دی تھی اور ابو عبید کو قتل کیا تھا قعقاع سے مبارزہ کیواسطے نکلا - قعقاع نے اپنے دشمن کو پہچان لیا اور کہا کہ آج ابو عبید اور اپنے مقتولوں کا بدلہ لُوں گا - اور پہلے ہی وار میں اُس کا کام تمام کر دیا - ایرانی فوج کے دلیر پے در پے بڑھتے اور قعقاع اور اُس کے ساتھیوں کے ہاتھ سے مارے جانے لگے - ہاتھیوں کے سازکی مرمت نہیں ہوئی تھی اور وہ اُس روز میدان میں نہیں لائے گئے تھے - ایرانیوں کے سواروں کی فوج کے پانوں اُکھڑ گئے اور رُستم بڑی مشکل سے بچا

تاہم پیادہ فوج اُستوار رہی اور نہایت سخت لڑائی ہوئی۔ دس ہزار ایرانیوں اور دو ہزار مُسلمانوں کی لاشیں میدان میں تھیں۔ رات نے اس خوں ریزی کے کھیل کو بند کر دیا ؛

تیسرے دن کی صبح کا پہلا اندوہناک کام مجروحوں کو عورتوں کی خبر گیری میں سپرد کرنا اور مقتولوں کو میدان سے اُٹھانا تھا۔ ایرانیوں کی فوج کے دل اپنے اُن مُردوں سے جو میدان جنگ میں پڑے ہوئے تھے اور اُن کے اُٹھانے اور دفن کرنے کی کسی کو فکر نہ تھی کچھ اچھے نہ تھے۔ لڑائی شروع ہونے کو تھی کہ شام کی بقیہ فوج ہاشم کے ماتحت آن پہنچی اور میدان سے گزرتی ہوئی سیدھی دشمن کی صفوں کو چیر کر دریا کے کنارے تک پہنچ گئی اور مُسلمانوں نے خوشی کے نعروں کے ساتھ واپس آئی۔ یزدجرد نے جس کے پاس ہر ساعت کی خبریں پہنچ رہی تھیں نئی محافظ فوج بھی فوج ایران کی مدد کیواسطے بھیج دی۔ ہاتھی مُسلمانوں کو اپنی کوششوں کی طرف سے پھر مایوس کرنے لگے تھے۔ سعد نے قعقاع کی طرف اشارہ کیا جو اپنی شجاعت اور دلیری میں ایسا نام پا چکا تھا کہ گویا فتح اُسی کے نام ہونے والی تھی۔ صرف مبارزے میں تیس بہادر ایرانیوں کو قتل کر چکا تھا۔ پس قعقاع اور عاصم اور ایک جماعت دلیر مُسلمانوں کی اس خطرناک کام کے واسطے بڑھی۔ قعقاع نے بڑے سفید ہاتھی کو ایک آنکھ میں برچھا مارا اور آنکھ بے کر دیا۔ قعقاع کو اُس نے سونڈ سے اُٹھا کر پرے پھینک دیا۔ ایک دوسرا بڑا ہاتھی بھی اندھا کر دیا گیا۔ دونوں ہاتھی لشکر کے درمیان میں چیخیں مار کر دوڑنے لگے۔ ایرانیوں کی فوج کی صفیں چیرتے ہوئے نکل گئے اور باقی تمام ہاتھی بھی اُن کے پیچھے بھاگ گئے۔ تھوڑی دیر تک تو فوجیں اس تماشا کو دیکھتی رہیں مگر پھر لڑائی شروع ہو گئی اور تاریکی ہو جانے تک رہی ؛

اندھیرا ہو جانے پر لڑائی بند ہو گئی۔ سعد نے عمرو بن معدی کرب اور طلیحہ کو اپنی فوج کی پشت کی حفاظت کرنے کے واسطے بھیجدیا۔ ایک ساعت کی ساعت لشکروں نے آرام لیا تھا کہ بعض عرب سردار اپنے قبائل کے نام و نسب کو ایرانیوں کے ڈرانے کے واسطے پکارنے لگ گئے۔ اس حرکت نے جس کی پہلے سعد کو خبر نہ تھی دونوں فوجوں میں لڑائی شروع کرادی۔ سعد کو تمام رات سوائے شور و غل کی آواز کے اور کچھ سُنائی نہ دیا اور رات بھر دُعا مانگنے میں مصروف رہا۔ صبح کے آفتاب نے بھی دونوں فوجوں کو برابر کی لڑائی میں مصروف دیکھا۔ قعقاع پھر اُٹھ کھڑا ہوا اور کہا کہ ایک سخت حملہ دشمن کا کام تمام کر دے گا۔ جیت اُن کی ہوتی ہے جو آخر تک ثابت قدم رہیں۔ چوبیس گھنٹوں میں سپاہیوں نے آنکھ نہیں جھپکی تھی اور اب مُسلمان گویا تازہ دم حملہ کرنے کے واسطے اُٹھے۔ اس حملہ نے ایرانیوں میں مقابلہ کی تاب نہ چھوڑی۔ فوج کے دونوں بازوؤں کے پاؤں اُکھڑنے لگے۔ ایک سخت حملہ نے اُن کے مرکز کو بھی ہلا دیا اور سپاہی بھی بھاگے ؛

رستم کے تخت کا سامنا کھل گیا اور بے پناہ ہو گیا۔ ایک تند گرم ہوا نے اُسکے چھتر کو اُڑا کر دریا میں پھینکدیا رستم بھاگا اور ایک لدے ہوئے اُونٹ یا خچر کے نیچے پناہ لی۔ ہلال بن علقمہ ایک مسلمان نے اُس کا تنگ کاٹ دیا اور اُس کا بوجھ اُسکی کمر پر گر گیا۔ نیچے سے کھسک کر نکلا اور دریا میں غرق ہونے کے ارادے سے

کود پڑا۔ مگر ہلال نے دیکھ لیا اور پیچھے کود کر اسکو کھینچکر نکال لیا اور اُس کا سر کاٹ کر اُس کے تخت پر کھڑے ہو کر اعلان کردیا۔ فوج کی رہی سہی ہمت بھی ٹوٹ گئی اور دیوانہ وار بھاگنے لگے۔ ہرمزان اور فیروزان نے اپنی اپنی فوج کے دستوں کو مسلمانوں کے پہنچنے سے پہلے دریا سے عبور کرادیا۔ جالینوس کی فوج کا تھوڑا حصہ گزرنے پایا تھا کہ پل کا بند ایرانیوں کی اُس پار کی فوج نے شاید تعاقب سے بچنے کے واسطے کاٹ دیا۔ جالینوس نے فوج کو اکٹھا کرکے مقابلہ کرنے کی بےفائدہ کوشش کی اور خود بھی مارا گیا۔ تمام میدان مقتولوں کی لاشوں سے بھر گیا لاکھ سے کم آدمی قتل نہیں ہوئے تھے۔ پہلے دو دنوں میں اڑھائی ہزار مسلمان قتل ہوئے تھے اور تیسرے دن اور رات میں چھ ہزار مقتول شمار میں آئے۔ ایرانیوں کے نقصانِ جان اور مال کا حساب کرنا بے فائدہ ہے قادسیہ کی شکست نے اُن کی تمام سلطنت کی قسمت کا فیصلہ کردیا تھا اور وہ مسلمانوں کی تھی۔ اس عظیم جنگ کے پہلے تین دن ارماث اغواث اور عماس کے نام سے اور آخری رات حریر کے نام سے بعض خاص مناسبتوں کے لحاظ سے موسوم کیے گئے ہیں ؛

سنہ ۱۴ ہجری کے رمضان مہینہ میں جنگ ہوا۔ حضرت عمرؓ نے جس طرح پر اس عظیم اور بے نظیر فتح کی خبر کو سُنا وہ بھی ایک دلچسپ واقعہ ہے۔ جس قدر زمانہ اس لڑائی کی تیاری اور جنگ میں صرف ہوا وہ اپنی نظیر آپ ہی تھا۔ تمام ملک بڑی تشویش اور شوق سے اُس کا نتیجہ معلوم کرنے کا منتظر تھا۔ حضرت عمرؓ ہر صبح مدینہ سے باہر آکر اس خیال سے کہ کوئی قاصد خبر لیکر آجائے بیٹھا کرتے تھے۔ آخرکار ایک صبحکو ایک قاصد آتا ہوا نظر آیا اور حضرت عمرؓ کے سوال پر اُس نے جواب دیا کہ "خدا نے مسلمانوں کو فتح اور ایرانیوں کو شکست نصیب کی ہے" حضرت عمرؓ بلاشناخت اُس کے ساتھ ساتھ شہر کو چلتے گئے اور تمام کیفیت لڑائی کی پوچھ لی۔ مدینہ میں جب داخل ہوئے تو لوگ حضرت عمرؓ کے گرد جن کے ساتھ قاصد دوڑا چلا آرہا تھا مبارکباد دینے کے واسطے جمع ہوگئے تب قاصد نے پہچانا اور نادم ہوکر کہنے لگا کہ "یا امیرالمومنین آپ نے پہلے مجھے کیوں نہ معلوم ہونے دیا" حضرت عمرؓ کا مختصر اور سادہ جواب یہ تھا "بھائی یہی بہتر ہے" یہ متانت اور سنجیدگی اور وقار اور تحمل اور فراخ حوصلگی اور دنیا سے استغنا اور بے پروائی تھی اُس شخص کی جس کے سامنے بقول سر ولیم میور کے "اُس وقت قیصر اور کسریٰ کی بھی کوئی حقیقت نہیں تھی ؛

سعد کچھ زمانہ تک حضرت عمرؓ کے حکم کے موافق قادسیہ میں ٹھہرا رہا۔ جب بالکل تندرست ہوگیا تو آخر سنہ ۱۶ ہجری میں تیسری دفعہ حیرا پر قبضہ کرنے کے واسطے بڑھا۔ ایران کی فوج مقابلہ کرتی اور شکستیں کھاتی ہوئی پیچھے ہٹتی جاتی تھی۔ ہاشم نے اُن کو پے در پے شکستیں دیکر فرات سے دجلہ تک کا میدان صاف کردیا۔ ڈرملہ قادسیہ کی فتح نے مداین کا راستہ صاف کردیا تھا۔ عظیم الشان شہر جو صدیوں سے ایران کا دارالسلطنت تھا دریائے دجلہ کے دونوں کناروں پر بغداد کی آبادی سے پندرہ میل نیچے پر واقعہ تھا۔ دائیں جانب کا شہر سکندر اعظم اور اُس کے جانشینوں کا پایۂ تخت رہ چکا تھا اور مقابل کا شہر کسرائے ایران کا موسم سرما بسر

کرنے کا مقام تھا کیانی ایران کی یادگاروں کا مدفن شان اور شوکت میں بابل سے بھی بڑھا ہوا تھا مسلمان
مداین کی طرف بڑھے مگر ملکہ پوران کی رگوں پر ایک دفعہ پھر خون نے جوش مارا اور اپنی تمام قوت کو جمع کر کے مسلمانوں
کے مقابلہ میں لے آئی مگر ہاشم نے ایسی فاش شکست دی کہ نقصان اُٹھا کر بھاگ گئے سوائے اس کے چارہ نہ دیکھا اور
مسلمانوں کا لشکر مغربی مداین کی دیواروں تک پہنچ گیا۔ کئی مہینوں تک محاصرہ رہا اور ایرانی آخری دفعہ بلا ارادہ
مقابلہ کے واسطے اور مقابلہ کرنے کو نکلا کئے۔ مگر محاصرہ ایسی سختی سے کیا گیا کہ آخر یزدجرد نے مسلمانوں کے پاس ایک
قاصد بھیجا اور کہا کہ دجلہ کے مشرق کے ملک کو اگر چھوڑا جائے تو تمام مغربی جانب کا ملک رضامندی سے
دیدیتا ہوں مگر یہ منظور نہ کیا گیا۔ ایرانی اس عرصہ میں مغربی شہر کو خالی کر کے شرقی حصہ میں چلے گئے اور مسلمان
بلا مزاحمت مغربی حصہ میں داخل ہو گئے۔ مغربی اور مشرقی حصہ کے درمیان میں دریا واقعہ تھا اور کشتیاں وغیرہ
سب ایرانیوں کے قبضہ میں دریا کے اُس طرف تھیں۔ کچھ عرصہ انتظار کر کے اور دریا کا ایک مقام سے پایاب ہونا
معلوم کر کے اگرچہ دریا طغیانی پر تھا سعد نے پار اترنے کا خطرناک ارادہ کیا۔ ایک فوج کے چند حصہ کر کے پہلے
حصہ کو عاصم کے ماتحت دریا میں گھوڑا ڈال دینے کو کہا۔ ایرانی سامنے سے حملہ کرنے کے واسطے آئے مگر عاصم کی
بہادری نے ایسی نازک حالت میں بھی اُن کے موتھ پھیر دیئے۔ پہلے دستہ کا سلامت اُس کنارے پہنچنا تھا
سعد باقی لشکر کے ساتھ دریا میں کود پڑا اور اُس کنارے پر پہنچ گیا۔ ایرانی بدحواس ہو کر بھاگے۔ یزدجرد پہلے ہی
سے حلوان کی طرف خزاین اور اسباب جو لیجا سکا لیکر بھاگ گیا تھا۔ اب مدائن کے مالک مسلمان تھے۔ سنہ ۱۶ھ
ماہ صفر کا مہینہ تھا۔ وہ ایوان اور وہ محل۔ وہ عالیشان مکانات۔ وہ کوشکیں اور باغات۔ وہ خزائن اور عیش و عشرت
کے بے حد و پایان اسباب۔ نہریں اور چشمہ دیکھکر سعد کو خداوند تعالیٰ کا فرمان یاد آیا۔

كم تركوا من جنّٰت وعيون۔ وزروع ومقام كريم۔ ونعمة كانوا فيها فكهين۔ كذالك
واورثنها قوماً آخرين۔ فما بكت عليهم السماء والارض وما كانوا منظرين۔

ترجمہ۔ "کتنے چھوڑ گئے باغ اور چشمے اور کھیتیاں اور گھر خلصے اور آرام جس میں تھے باتیں
بناتے اسیطرح اور وہ سب ہاتھ میں ڈالا ہم نے ایک اور قوم کے اور پھر نہ رویا اُن پر آسمان اور زمین اور
نہ ملی ڈھیل اُن کو۔"

غنیمت جو مداین میں جمع کی گئی وہ حد اور اندازے سے باہر تھی اور عدد و شمار میں نہیں آسکتی تھی۔
خزانے۔ زر و جواہرات۔ سونے اور چاندی کے ذخیرے۔ جامہ ورسلاح اور فرش۔ قعقاع نے ایک اُونٹ یا خچر
پکڑی تھی جسپر کسریٰ کا تاج اور زرہ اور جوشن اور خود اور ساعدیں اور ساقیں زرین جواہر نگار اور پیراہن
مروارید سے بنا ہوا جس میں دو مروارید کے بعد ایک پارہ یاقوت سُرخ کا تھا۔ اور جامہ ہائے زربفت حضرت
داؤدؑ اور حضرت سلیمان کی تلواریں اور نو اور مرصع تلواریں دنیا کے مشہور شاہنشاہوں کی تھیں۔ غرض
اس بے شمار خزانہ کا شمار اس طرح بھی پورا نہ ہو سکا کہ ایک سونے کا پورے قد کا گھوڑا جسکی آنکھوں اور

دانتوں کی جگہ جواہرات لگے تھے اور چاندی کا اونٹ ملا۔ عطر۔ صندل۔ عنبر۔ مشک اور کافور کے خم اور انبار ملے۔ ایک فرش سر بسر مرصع تین سو گز لمبا اور ساٹھ گز چوڑا جس کو دستانی کہتے تھے ملا۔ جسپر زمرد اور یاقوت اور جواہرات سے باغ اور روشیں بنی ہوئی تھیں۔ یہ فرش اور تمام خوشبوئیں اور خمس غنیمت کا حضرت عمرؓ کے پاس بھیجدیا گیا اور باقی لشکر میں تقسیم کیا گیا جو ایک بڑا مشکل کام تھا۔ ساٹھ ہزار سواروں میں سے ہر ایک کو بارہ ہزار درہم حصے میں آئے۔ حضرت عمرؓ نے غنیمت کو تقسیم کرنے کے بعد فرش شاہی کو کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کرکے بانٹا۔ حضرت علیؓ کے حصے کے ٹکڑے کی قیمت بیس ہزار درہم تھی۔ یاد رہے کہ کلی اختصار کے ساتھ ہم یہ حالات لکھتے ہیں ؛

سعد نے مدائن کو اپنا صدر مقام بنایا۔ محلات اور مکانات مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے۔ شاہی محل میں خود ٹھہرا اور ایوان شاہی کو مسجد قرار دیا جس عالی شان مکان میں کہ عراق میں سب سے پہلی نماز جمعہ پڑھی گئی۔ مسلمانوں کی فوج نے بہت عرصہ آرام نہ کیا تھا کہ ایرانیوں نے ایک نئی کوشش فوج کے جمع کرنے کی کی اور جلولا کے قلعے میں اکٹھے ہوئے۔ سعد نے یہ سن کر حضرت عمرؓ سے اجازت لیکر ہاشم اور قعقاع کو بارہ ہزار فوج کے ساتھ روانہ کیا۔ عرصہ تک قلعہ کا محاصرہ رہا۔ کیونکہ حلوان سے تازہ کمکوں سے قلعہ مضبوط ہوتا جاتا تھا۔ آخر ایک طوفانی دن قعقاع نے خطرناک دلیری کرکے کوٹتی ہوئی فوج کے ساتھ بڑھکر ایک دروازہ پر قبضہ کر لیا۔ لڑائی سخت ہوئی۔ چنانچہ بروایت کہتے ہیں کہ ایرانی ایک لاکھ لاشیں چھوڑ گئے۔ یزدگرد کو اب حلوان میں ٹھہرنے کی تاب نہ تھی شکست فوج کے بقیہ کے ساتھ اپنے شمالی دارالخلافہ رے کو بھاگا اور قعقاع نے حلوان کی فوج کو شکست دیکر اس پر بھی قبضہ کر لیا۔ سعد کا ارادہ رے کی طرف بڑھنے کا تھا مگر حضرت عمرؓ نے احتیاطاً اسی وقت بڑھنے سے منع کیا۔ شرقی ایران اور عراق کے درمیان جو پہاڑ تھا اس کو فی الحال اپنی فتوحات کی حد قرار دینے اور اسیطرف رہنے کی ہدایت کی ؛

اب مسلمانوں کا کام عراق عرب پر کما حقہ اپنا تسلط پھیلانے اور مفتوحہ حدود کے اندر رعایا کو مطیع فرمان کرنے اور اسی قسم کا تھا۔ مگر ان حدود میں جو خلل انداز ہو اس سے جنگ کرنا لازمی تھا۔ ہرمزان کا ایک بیٹا فوج لیکر حلوان کے جنوب کی طرف ماسندان تک بڑھ آیا مگر شکست کھا کر مارا گیا اور ماسندان اور شروان فتح ہو گیا۔ جزیرہ عراق اور شام کا درمیانی صوبہ اہل شام اور عیسائی اعراب قوام کو بغاوت کے واسطے جمع ہونے کو جگہ دے رہا تھا اور انطاق حاکم صوبہ اپنی قوت بڑھا رہا تھا۔ سعدؓ نے حضرت عمرؓ سے یہ کیفیت عرض کی۔ انہوں نے عبداللہ بن المعتمر کے ماتحت فوج بھیجدینے کا حکم دیا۔ قلعہ تکریت میں جو مدائن سے سو میل اوپر دریا کے کنارے پر ایک شہر تھا انطاق مع مددگار اقوام کے پڑا ہوا تھا۔ مسلمانوں کی فوج پہنچنے پر محصور ہو گیا۔ مسلمانوں نے چالیس روز تک محاصرہ رکھا۔ عرب اقوام نے مسلمانوں سے صلح کر لی اور باقی فوج نے لڑائی میں شکست کھائی۔ انطاق کے مارے جانے سے موصل بھی فتح ہو گیا۔ اور سعدؓ حضرت عمرؓ کے حکم سے ہیت اور قرقیسیا کو بھی فتح کر لیا تھا گویا جزیرہ کے دونوں دریاؤں کے بیچ کے جنوبی حصہ پر قبضہ ہو گیا۔

حضرت عمرؓ کو اس وقت غور کرنے سے معلوم ہوا کہ عراق پر مسلمانوں کا تسلط محفوظ اور مضبوط نہیں ہو سکتا جبتک کہ خلیج فارس کے سرے سے اس کے مشرقی کوہستانی علاقہ تک ملک فتح نہ ہو جائے پس سعد کی رائے سے عتبہ بحرین کی فوج کے ساتھ مع عرفجہ کے ابلہ کی طرف بڑھنے کے واسطے بھیجا گیا۔ یہ تجارتی شہر شکست کھا کر مفتوح ہو گیا۔ تب ایرانیوں نے دریا کے مشرقی کنارے پر لشکر جمع کیا اور متعدد لڑائیوں کے بعد اس کے منتشر کرنے میں کامیابی ہوئی جن میں سے ایک لڑائی میں مسلمان عورتوں کا ایک عجیب واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے ایک نازک وقت میں عجیب طرح سے اپنی فوج کی مدد کی کہ اپنے دوپٹوں کے جھنڈے بنا کر میدان جنگ میں جا پہنچیں جسکو دشمن نے مسلمانوں کی ایک تازہ فوج کی آمد سمجھا اور اپنی جگہ چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ آخر ایک سخت لڑائی میں مسلمانوں کو تمامی فتح حاصل ہوئی تھی اور عراق پر مسلمانوں کا تسلط ہو گیا تھا۔ تاریخوں کے اعتبار سے یہ واقعات آگے پیچھے لکھے گئے ہیں۔ مثلاً جلولہ کی فتح ماہ ذیقعدہ سنہ ۱۶ ہجری میں ہوئی۔ سندان موسم گرما سنہ ۱۶ ہجری میں فتح ہوا۔ ہت اور کرکیسیا سنہ ۱۶ ہجری میں اور یہ شاتہ العرب کا صوبہ سنہ ۱۴ ہجری میں فتح ہوا ؛

درحقیقت فتح مدائن کے بعد فوج کشی کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روک دیا تھا اور عرصہ تک اپنی حدود سے باہر مسلمانوں کے ہتھیار نہیں گئے تھے۔ جنوبی عراق کے مشرق میں ایران کا جنوبی مغربی صوبہ اہواز واقع تھا۔ علا ابن الحضرمی جو آن حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے بحرین کا خود مختار حاکم تھا اس نے سعد کی ناموری کے رشک سے حضرت عمرؓ کی بلا اجازت مشرق کی طرف چھیڑ چھاڑ شروع کر دی اور اصطخر پر بڑھا اور نادانی سے شکست کھا کر دشمن کے درمیان میں گھر گیا۔ حضرت عمرؓ اس حال کو معلوم کر کے علاء سے ناراض ہوئے مگر اس کی مدد کرنی ضروری تھی۔ عتبہ کے نام حکم ہوا جو بارہ ہزار فوج کے ساتھ بصرہ (بصرہ اور کوفہ اس وقت آباد ہو چکے تھے) سے روانہ ہوا اور بڑی مشکل سے علار کی فوج کے ساتھ ملکر دشمن کو شکست دیکر ہٹا دیا اور بصرہ کو لوٹ آیا۔ عتبہ کی فوج نے اگرچہ بہت شہرت حاصل کر لی تھی اور حضرت عمرؓ نے اسکو تحسین اور آفرین کی تھی مگر علاء کی شکست نے ایرانیوں کو پھر حوصلہ دلایا اور ہرمزان جو اہواز کا حاکم ایران کے شاہی خاندان میں سے ایک مشہور بہادر شخص تھا اور جنگ قادسیہ وغیرہ میں فوج ایران کا افسر تھا مسلمانوں کی حدود میں بڑھکر مقامات پر حملہ کرنے لگ گیا۔ ان حملوں کے روکنے کے واسطے مسلمانوں کو فوج کشی کرنی پڑی۔ ہرمزان نے پہلی شکست کھا کر سنہ ۱۸ ہجری میں اہواز مسلمانوں کے حوالہ کر دیا۔ دوسری شکست رام ہرمز پر کھائی اور اسپر بھی سنہ ۱۹ ہجری میں مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا اور ہرمزان نے تنگ ہو کر اپنے آپ کو مسلمانوں کے حوالہ کر دیا کہ اسکو حضرت عمرؓ کے پاس اسکی نسبت فیصلہ کرنے کے واسطے بھیجا جائے ؛

پس ہرمزان کو بند میں اپنے مفسدوں کا جواب دینے کے واسطے حضرت عمرؓ کے پاس مدینہ بھیجدیا گیا۔ مسلمانوں کی فوج نے اس کے بعد سوس کو جو ایک نہایت قدیم اور مضبوط شاہی شہر تھا اور جسمیں

حضرت دانیالؑ کی قبر تھی ایک عرصہ کے محاصرہ کے بعد فتح کرلیا اور اُسکے قرب و جوار کا علاقہ بھی فتح ہوگیا۔
ان فتوحات کی تاریخوں میں اختلاف ہے۔ روایتیں سنہ ۱۶ سنہ ۱۹ بلکہ سنہ ۲۰ ہجری بھی بیان کرتی ہیں۔

شام میں بغاوت

حضرت عمرؓ کے چھٹے سالِ خلافت سنہ ۱۸ ہجری میں شمالی شام میں جزیرے کے عیسائیوں کی باغیانہ تدبیروں سے ایک آخری اور نہایت سخت کوشش مسلمانوں کے غاشیہ اطاعت کو اپنے کندھوں سے پھینکدینے کی کی گئی۔ مسلمانوں کا اگرچہ بلاد مفتوحہ کی حدود کے اندر مضبوطی سے تسلط ہوچکا تھا مگر سمندر کی طرف مغربی بندرگاہ اور صحرائے شام کے مشرقی کنارے کی قومیں پورے طور پر مطیع نہ ہوئی تھیں۔ جزیرے کے لوگ بھی گو بہت سے قلعہ سعد کے آگے سر جھکا چکے تھے لیکن اعراب کی خانہ بدوش اور آوارہ گرد قومیں اپنے آپ کو کسی کا مطیع نہ سمجھتی تھیں اور اکثر عیسائی اقوام درمیان میں ایسی پڑی تھیں جو مدد کیواسطے ایران و اہل روما کی طرف تک رہی تھیں۔ یونانیوں کی بحری قوت بھی اس وقت تک محفوظ تھی۔ قیصاریہ کھلم کھلا اُن کی مدد کے واسطے آمادہ تھا۔ غرض اہل جزیرہ اور دوسرے عناصر بغاوت نے قیصر سے مدد چاہی اور اُس نے سمندر کے راستہ سے مدد بھیجنے کا وعدہ کیا۔ پس باغی اقوام نے بے شمار تعداد میں جمع ہوکر حمص کو گھیر لیا۔ اسی سبب سے اس واقعہ کو واقعہ حمص الاخری کہتے ہیں۔ اور قیصر نے بندر اسکندریہ سے انطاکیہ پر فوج بھیجی۔ ابو عبیدہؓ حمص میں حاکم تھے۔ حضرت عمرؓ کو اس مفسدہ کی جو درحقیقت مسلمانوں کی حکومت کو ایک اندیشناک دھمکی دے رہا تھا اطلاع دی۔ خالد کو قنسرین سے بلالیا۔ یزید بن ابی سفیان کو دمشق سے اور معاویہ کو قیصاریہ سے طلب کیا مگر دشمن کی جمعیت اتنی زیادہ اور مضبوط تھی کہ اس قلیل فوج پر اعتماد نہیں ہوسکتا تھا۔ اور مدینہ سے مدد آنے کا انتظار کرنا پڑا۔ حضرت عمرؓ نے سعد کو حکم دیا کہ قعقاع کو ایک مضبوط اور بڑی فوج کے ساتھ فوراً حمص کی مدد کیواسطے بھیجدے۔ اور رقہ، جزیرہ اور نصیبین پر بھی فوجیں بھیجے۔ مفسدوں کی طاقت کو تقسیم کرنے کی کوشش کرے۔ اسی اثنار میں یونانیوں کی فوج انطاکیہ میں پہنچ گئی تھی۔ انطاکیہ نے اس فوج پر اپنے دروازے کھولدیئے اور مسلمانوں سے باغی ہوگیا۔ قنسرین اور حلب بھی بغاوت پر پورے آمادہ ہوگئے۔ غرض بغاوت اور مخالفت کا ابر گہرا ہوکر چھا گیا اور تردد اور اندیشہ بڑھ گیا۔ ابو عبیدہؓ نے اپنے اصحاب سے مشورہ لیا۔ سب سے بڑے اور نڈر خالد کی اکیلی رائے جنگ کرنے کی تھی۔ مگر باقی سب مدد آنے تک حمص میں انتظار کرنے کی صلاح دیتے تھے۔ ابوعبیدہ کی محتاط طبیعت نے اسی کو ترجیح دی اور حمص میں محصور رہنا پسند کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی یہی حکم دیا مگر اُن کو اس بغاوت سے بقدر اندیشہ ہوا کہ خود مدینہ چھوڑ کر فوج کے ساتھ شام کو روانہ ہوئے جہاں وہ خود میدان میں پہنچنا چاہتے تھے اور جابیہ تک پہنچ ہی گئے۔ اسی اثنار میں سعدؓ نے جو حضرت عمرؓ کے حکم سے بلاد موصل کے شہروں پر چڑھائی کردی تھی اُس سے اعراب اور عیسائیوں کو اپنے گھروں کا نہایت خطرہ ہوا اور شام میں یونانیوں کا

ساتھ چھوڑ چھوڑ کر بھاگنے لگے۔ ابوعبیدہ اس موقعہ کو غنیمت سمجھکر قلعہ سے نکل کھڑے ہوئے اور قعقاع کے پہنچنے سے پہلے ہی دشمن کو شکست فاش دیکر منتشر کر دیا۔ حضرت عمرؓ یہ خبریں سنکر خوش ہوئے اور جابیہ سے مدینہ کو پھر آئے۔ سعد کی ہمت اور تیز دستی پر بھی آفرین کی ؛

قیصر کی یہ سب سے آخری کوشش تھی کہ مسلمانوں کو شام سے نکال دے مگر مستعدین سے ان کا مقسوم اور حق کون چھین سکتا ہے۔ نتیجہ اس بغاوت کا یہ ہوا کہ مسلمان چوکنے ہو گئے اور جزیرہ تمام تر اسکی انتہائی حدود تک فتح ہو گیا۔ ایشیائی کوچک میں بھی عیاذہ کے سپاہ لارانہ انھوں نے فتوحات کو کامل کر دیا۔ تمام چھوٹے بڑے شہر فتح ہو گئے اور آرمینیا میں مسلمانوں کا تسلط ہو گیا۔ عمرو بن العاص نے معاویہ کی مدد سے آخرکئی سال کے محاصرہ کے بعد قیساریہ کی فتح کو مکمل کر کے شام کو مسلمانوں کے قبضہ میں ایسا محفوظ کر دیا کہ اب کوئی اندیشہ کسی قسم کا نہ رہا ؛

فتح مصر

وبا اور قحط کے سال سے تو گویا مسلمانوں کے ہتھیار کند کر دیئے تھے۔ جب اس بلا سے نجات ملی تو مشرق کی طرف ایران میں اور مغرب میں مصر کی جانب مسلمانوں کے قدم بڑھنے لگے۔ عمرو بن العاص قیساریہ کی فتح کے بعد فلسطین میں جس پر وہ پورا تسلط بٹھا چکا تھا بیکاری کے سبب شیر کی طرح پنجرہ میں بیقرار تھا اور اپنے چاروں طرف فتوحات کے لیئے میدان کے واسطے دیکھ رہا تھا۔ حضرت عمرؓ سے پچھلے سفر شام میں (جس کا ذکر آیندہ ہوگا) بغرض بطریق فلسطین ارطبون کا تعاقب کرنے وغیرہ کے بہانہ سے مصر کی طرف قدم بڑھانے کی اجازت چاہی تھی جس کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس وقت گو پختہ طور سے نہیں مگر منظور کر لیا تھا ؛

مصر اہل روما کے زیر حکومت سب سے بڑا سرسبز اور زرخیز ملک تھا اور قسطنطنیہ کی گویا وہی پرورش کرتا تھا۔ سکندریہ مصر کا دارالخلافہ اہل روما کی سلطنت میں دوسرے درجہ کا شہر تھا۔ مصری باشندوں کے علاوہ اہل روما اور یونانیوں اور اہل عرب اور قبطیوں اور عیسائیوں اور یہودیوں کی آبادی اور بہت آمد و رفت تھی۔ شہر کی شان و شوکت جب سے وہ آباد ہوا ہے کبھی کم نہیں ہوئی۔ جہازوں کا گویا ایک جنگل اس کے بندرگاہ پر موجود رہتا تھا جو اس کی روزافزوں تجارت کا ثبوت تھا۔ اور گو اہل روما کی سلطنت کا ایک حصہ تھا مگر ان کی حکومت کو بار سمجھنے لگا تھا۔ عمرو بن العاص ۱۹ھ یا ۲۰ھ ہجری میں[1] (جسکی ٹھیک تاریخ معین نہیں کی جا سکتی) حضرت عمرؓ کی متردد اجازت

---

[1] تاریخوں میں اتنا اختلاف ہے کہ ۱۶ھ ہجری سے لیکر ۲۵ھ ہجری تک کے مختلف سال بیان کیئے جاتے ہیں۔ قریب تاریخ رکھنے کا خیال قحط کے سال میں عمرو بن العاص کا مصر سے غلہ سے مدد دینے کا ہے اور دور رکھنے کا ۲۵ھ ہجری میں یونانیوں کے سکندریہ کو چھڑانے کی کوشش کا ہے مگر ہم ۱۹ھ یا ۲۰ھ ہجری کو معتبر سمجھتے ہیں۔ مؤلف

لیکر فلسطین سے مصر کو روانہ ہوا اُس کی ساری فوج اُس وقت چار ہزار سے زیادہ نہ تھی۔ حضرت عمرؓ کا ارادہ اس وقت تسخیر مصر کا پہلے بھی مستحکم نہ تھا اور اس قلت فوج سے زیادہ متردد ہو کر عمرو بن العاص کو واپس آجانے کا حکم بھیجا مگر اُس نے زیادہ بڑھجانے کا بہانہ پاکر اپنے اس ملخواہ ارادہ سے باز آنا پسند نہ کیا۔ حضرت عمرؓ نے اس صورت میں قلت فوج کے اندیشہ کی طرف سے مطمئن ہونے کے واسطے زبیر بن العوام کو اور فوج دیکر پیچھے سے بھیجا جس سے عمرو بن عاص کی فوج مضبوط ہوگئی اور بعض نامور اہل جنگ اور بہادر بھی فوج میں شامل ہو گئے ؏

عمرو بن العاص مصر میں اریش سے داخل ہوا اور قرما کے قلعہ کو فتح کر کے بائیں طرف رُخ کیا اور صحرا کو گزر کر دریائے نیل کی سب سے شرقی شاخ پر پہنچ گیا اور اُسی کے ساتھ ساتھ شمالی مصر کی طرف روانہ ہوا۔ راستہ میں اُس نے کئی لشکروں کو جو اُس کو روکنے کے واسطے بڑھے تھے شکست دی جن میں سے ایک لشکر کا سردار ارطبون سفرور بطریق فلسطین تھا جو شکست کھا کر مارا گیا۔ مصر کے اس بالائی حصہ کا حاکم مقوقس قبطی تھا۔ عمرو بن العاص زبیر کی فوج ساتھ جو اب اُسکے پاس پہنچ گئی تھی شہر مصر (ممفس قاہرہ کے قریب ایک بڑا شہر تھا) کے نزدیک پہنچ گیا۔ جاثلیق جو وہاں کا حاکم تھا اُس نے اسلامی پیغام کا جواب دینے کے واسطے تین روز کی مہلت حاصل کی جس کے گزرجانے پر ایک سخت لڑائی ہوئی۔ قبطیوں کی فوج نے مُسلمانوں کو اپنی قوت کا قائل کردیا تھا مگر آخر شکست کھاکر حصار شہر میں محصور ہو گئے اور خوب جان گئے کہ جنہوں نے قیصر اور کسریٰ کو اپنے ملکوں اور سلطنتوں سے بے دخل کر دیا ہے اُن کا مقابلہ کرنا ہمارا کام نہیں ہے۔ شہر پر ایک سخت حملہ کیا گیا جس میں زبیر نے حیرت انگیز شجاعت سے دیوار پر زینہ لگا کر فوج شہر میں پہنچا دی تھی مگر اسی اثنا میں مقوقس کے قاصد صلح کی درخواست لیکر پہنچ گئے اور شرائط صُلح طے ہوجانے پر شہر چھوڑ دیا گیا۔ یونانیوں اور اہل نیوبیا نے بھی ایسی ہی شرائط پر صُلح خرید لی۔ گو یونانی اپنی مفتوحہ قوم کے ساتھ ہم رتبہ ہو کر رہنے کو ناپسند کرکے ساحل سمندر کی طرف بھاگ گئے ؏

عمرو بن العاص نے اب سکندریہ کی طرف بڑھنے کی جلدی کی تاکہ سکندریہ کو کمک پہنچنے سے پہلے وہاں پہنچ جائے اور راستہ میں کئی لشکروں کو جو اُس کا راستہ روکنے کے واسطے بڑھے تھے شکست دیکر بھگا دیا اور شہر کی دیواروں کے نیچے جا کھڑا ہوا ؏

شہر بہت مضبوط تھا اور سمندر کی طرف سے کمک حاصل کر سکتا تھا مگر محاصرہ نے بہت طول کھینچا کیونکہ ہرقل قیصر روم ۲۰ہجری (فروری ۶۴۱ء) میں مر گیا اور شہر کا ایک حصہ حملہ کر کے فتح ہوچکا تھا۔ مقوقس نے کمک سے نااُمید ہوکر اور مقابلہ کی تاب نہ دیکھکر پہلی قسم کی جزیہ دینے کی شرائط پر حضرت عمرؓ کی منظوری سے صلح کرلی اور امن وامان قایم ہوگیا ؏

گمر عمرو بن العاص کی بے چین اور جنگجو طبیعت نے اُسے آرام سے نہ بیٹھنے دیا اور مغرب کی طرف
اپنی فتوحات کو بڑھاتا ہوا چلا گیا۔ یہاں تک کہ بارقا کو فتح
کرکے طرابلس تک پہنچ گیا ؏

تسخیر ایران

ہرمزان جب قید ہوکر مدینہ پہنچا اور مسلمان ہوکر مسلمانوں کا وظیفہ خوار بن کر مدینہ میں رہ گیا۔ اس نے اور دیگر لوگوں نے ایران کی بغاوتوں اور چھیڑ چھاڑ کا سبب حضرت عمرؓ کے ذہن میں یہ امر بٹھا دیا کہ جب تک شاہ ایران اور اسکی قوت اور ملک باقی ہے مسلمانوں کو اپنی حدود میں چین سے نہ بیٹھنے دیگا اور ایسی حالت میں ایرانیوں کی نئی مخالفت اور مسلمانوں پر حملہ کرنے کی تیاری نے اس رائے کو پایۂ ثبوت تک پہنچا دیا۔ حضرت عمرؓ اب مجبور ہوگئے کہ صرف ایرانیوں کی مدافعت ہی پر کفایت نہ کریں بلکہ اپنے پہلے خیال کے خلاف فتوحات کو بڑھا کر ایرانیوں کو مسخر کر کے آیندہ حملوں کے لائق نہ چھوڑا جائے ۔

یزدجرد نے اس وقت کسی معمولی حملہ کی تیاری نہیں کی تھی۔ اسکو مسلمانوں کے ایک عرصہ تک جنبش اور آگے بڑھنے کے ارادے سے کوئی حرکت نہ کرنے سے خیال ہوگیا تھا کہ قادسیہ اور مداین کی فتح کو غنیمت سمجھکر اسپر کفایت کر بیٹھے ہیں اور بڑے اطمینان کے ساتھ ایک بڑے خیال کے پورا کرنے میں مصروف تھا۔ درحقیقت اسکو ایک عمدہ موقع اور اپنی حالت درست کر لینے کے واسطے فراغت مل گئی تھی لیکن اصطخر وغیرہ کے مغلوب ہو جانے سے پھر ڈر گیا اور اسکو اپنے ارادے میں جلدی کرنی پڑی۔ اس نے ایک بڑی سے بڑی کوشش حملہ آوروں کو ملک بدر کرنے کے واسطے شروع کی تھی۔ اور صوبہ داروں اور سرداروں سے ہر ایک جگہ سے فوج جمع کر رہا تھا اور اپنی سلطنت کی انتہائی حدود تک ہر ایک شہر اور قریہ سے فوج اکٹھی کر لی جو بے شمار تعداد میں کوہ دماوند کے نیچے میدان میں جمع ہوئی وہ ایک لاکھ پچاس ہزار تعداد میں فیروزان کے زیر حکم مسلمانوں کے مفتوحہ حدود کی طرف بڑھی۔ اس فوج کشی کی خبریں بجلی کی طرح کوفہ میں پہنچیں۔ اور سعد نے اس اٹھتے ہوئے طوفان کے سوانح حضرت عمرؓ کے گوش گزار کئے۔ خبریں ایسی دہشت ناک بن بن کر پہنچ رہی تھیں کہ معاملہ کے نازک ہو جانے میں کوئی شبہ نہ رہا مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ جانے سے اُن کے کس قدر زمانہ کی محنتیں اور جانبازی کی کوششیں برباد ہو جاتیں تمام فتوحات ہی ہاتھ سے نکل جاتیں بلکہ کوفہ اور بصرہ بھی جو اسلامی نوآبادیاں تھیں کھو بیٹھتے ۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ جیسے کہ پہلے بڑے بڑے خطرناک موقعوں پر انہوں نے ارادہ کیا تھا اب بھی بذات خود جانے کو تیار ہونے لگے مگر پہلی قسم کے ہی دلائل نے اُن کو ایسے ارادے کے ترک کرنے پر مجبور کیا نعمان بن مقرن کو اہواز سے بلا کر کوفہ اور بصرہ کی حفاظت کے واسطے کچھ فوج چھوڑ کر باقی فوجیں اُس کے ماتحت روانہ کر دی گئیں سوس کی فوج کو اصطخر کی ایرانی فوج کو اپنے ساتھ مصروف رکھنے اور شاہی فوج سے جا ملنے سے روکنے کا کام سپرد کیا گیا۔ نعمان نے حلوان میں پہنچکر جاسوسوں سے خبر منگوائی۔ اور معلوم ہوا کہ دشمن نہاوند کے میدان میں مقیم ہے اور وہاں تک راستہ صاف ہے۔ پس کوچ کر کے اُس مشہور میدان جنگ میں دشمن سے

دوبدو جاکر ٹھہر گئے۔ مسلمانوں کی فوج دشمن کی فوج کے پانچویں حصے کے برابر یعنی تیس ہزار تھی۔ مگر اکثر جنگ آزمودہ بہادر اس میں شامل تھے۔ دو روز تک کم و بیش لڑائی ہوتی۔ ایرانیوں کو ایک بڑی حمایت یہ تھی کہ اپنی پناہوں سے جب چاہتے نکلکر جنگ کرتے اور پھر لوٹ جاتے۔ کچھ دنوں تک اسی طرح لڑائی جاری رہی اور مسلمان تنگ آگئے۔ طلیحہ کی رائے سے مسلمانوں نے پیچھے ہٹ کر دشمن کو پناہگاہ سے نکال لینے کی تدبیر کی مسلمانوں کے پیچھے ہٹتے ہی ایرانی حملہ کرکے اُن پر آن پڑے۔ مسلمان تو یہی چاہتے تھے لوٹ کر سامنے ہوگئے اور ایک سخت لڑائی شروع ہوئی جس میں نعمان مارا گیا۔ مگر آخر فتح مسلمانوں کو نصیب ہوئی۔ ایرانی تیس ہزار لاشیں میدان جنگ میں چھوڑ کر بھاگے مگر مسلمانوں نے تعاقب کرکے اسی ہزار اور قتل کر ڈالے فیروزان سپہ سالار ایران بھاگتا ہوا راستہ بھول گیا اور پکڑ کر مار ڈالا گیا۔ اس فتح سے ہمدان پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا اور خزانہ اور قیمتی جواہرات جو حفاظت کے واسطے رکھ دیے گئے ہوئے تھے مسلمانوں کے ہاتھ آگئے دو ڈبیوں میں ایسے بیش بہا جواہرات تھے جن کی قیمت کا اندازہ نہیں ہو سکتا تھا۔ حذیفہ نے غنیمت تقسیم کرکے خمس اور دو ڈبیا حضرت عمرؓ کے پاس بھیجیں۔ حضرت عمرؓ نے اُن جواہرات کو لشکر میں تقسیم کرنے کے واسطے بھیج دیا جو چالیس لاکھ درہم کو بکے یعنی یہ کہ اُن کی قیمت سے ہر ایک سوار کو چار ہزار درہم حصے میں آئے۔ عراق عجم کے سرداروں اور دہقانوں نے جزیہ دینا منظور کرکے مسلمانوں کی اطاعت قبول کرلی نہاوند کی لڑائی سنہ ۲۱ ہجری کا واقعہ ہے۔

ہمدان جس نے فتح عہد صلح کیا تھا مکرر فتح ہوگیا۔ مسلمانوں کی فوج مختلف حصوں میں تسخیر ایران کے واسطے اطراف و جوانب میں بھیج دی گئی۔ شہر کے بعد شہر اور صوبہ کے بعد صوبہ فتح ہوگیا۔ نعمان کی موت کا حضرت عمرؓ کو نہایت رنج ہوا اور اُس کے بھائی نعیم بن المقرن کو سپہ سالار مقرر کرکے بھیجا۔ یزدجرد کا غرور اُس کو خلافت کے سامنے سر جھکانے سے روکتا تھا اور حضرت عمرؓ نے مُلک کی تسخیر کا ارادہ کرلیا تھا۔ جب کاسپین کی جنگ جو قومیں رستم کے بھائی اسفندیار کے ماتحت رے کی حفاظت کے واسطے جمع ہوئیں جو ایران کا ایک شاہی شہر تھا اور بادشاہ وہاں مقیم تھا۔ نعیم ان کے مقابلہ کے واسطے بڑھا اور ایک دوسرے عظیم جنگ میں (سنہ ۲۲ ہجری) فاش شکست دیکر رے پر قبضہ کرلیا۔ اسفندیار آذربائیجان کو بھاگ گیا جہاں وہ پھر شکست کھاکر قید ہوگیا۔ یزدجرد رے سے اصفہان کو بھاگا۔ لیکن جب مسلمانوں نے بڑھکر اصفہان کو فتح کرلیا تو کرمان کو جا پہنچا۔ جب وہاں بھی نہ ٹھہر سکا تو مرو میں پناہ لی اور وہاں سے خاقان چین اور ترکوں کی مدد کا طالب ہوا۔ لیکن آخرکار ترکوں کو بھی یزدجرد کو ساتھ لیے ہوئے پیٹھ دکھانی پڑی۔ مسلمانوں نے تمام سلطنت کے حصوں کو یکے بعد دیگرے فتح اور مطیع کرلیا۔ قومس۔ جرجان۔ طبرستان۔ فارس۔ کرمان۔ مکران۔ سجستان۔ خراسان۔ آذربائیجان۔ ابواب وغیرہ یکے بعد دیگرے فتح ہوگئے اور ایران کی انتہائی حدود تک جن کے مشرق میں ہندوستان اور شمال میں ترکوں اور زمانہ حال کے روسیوں کی

پانچواں باب

سیاست و اِنتظامِ سلطنت

زمانۂ جاہلیت میں اگرچہ عرب کے شمالی اور مشرقی اور جنوبی اطراف و اضلاع میں صدیوں سے ایک باقاعدہ سلطنت کی صورت تھی مگر عربُ الحجر اور عرب الوادی یعنی مغربی صوبہ حجاز اور ریگستانی عرب میں کوئی خاص سلطنت مسلّم نہیں تھی۔ اور مسٹر پالمر کا یہ قول اُنہیں پر صادق آتا تھا کہ "اگر اُن کی گورنمنٹ کی نسبت پوچھا جائے تو درحقیقت وہ کوئی گورنمنٹ نہیں رکھتے تھے۔ سب سے اچھی نسل کا اور سب سے بہادر شخص قبیلہ کا سردار تسلیم کرلیا جاتا تھا اور وہ اُن کو میدانِ جنگ میں لیجاتا تھا مگر وہ اُن پر کوئی ذاتی اختیار اور تفوّق سوائے شجاعت اور فیاضی کی تعریف کے جو وہ حاصل کرتا تھا نہیں رکھتا تھا[1]"۔ بنو اجرہم کی پادشاہی کے دوگزرے ہوئے وقتوں میں گو حجاز بھی پادشاہی سلسلہ کا مطیع فرمان رہا ہو مگر جیسا کہ مسٹر سیل کا قول ہے "بنو اجرہم کے بعید خلل کردینے کے بعد زیادہ صدیوں تک سلطنت ایک پادشاہ کے ہاتھ میں نہیں رہی بلکہ قبائل کے سرداروں میں تقسیم ہوگئی۔ قریباً اسی طریقے سے جیسے کہ آج ریگستانی عرب حکومت کیئے جاتے ہیں[2]"۔ مکہ میں گو قریش کی شرافت کا رُعب و اثر تھا اور ایک قسم کی حکومت اُن کو حاصل تھی مگر اُس کا تعلق مذہبی اُمور سے بڑھکر بہت کم تھا اور اہل مکہ کی حالت گو مستقل یکجا رہایش اور کعبہ کی پرستش کے میلوں اور مجمعوں کے سبب سے کسی قدر صلاح یافتہ تھی مگر عام طور پر اصول تمدن اور معاشرت میں خانہ بدوش بدّوؤں سے کچھ ممیّز نہ تھی[3]۔ مثلاً گورنمنٹ کی نسبت سر ولیم میور کا قول ہے کہ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اسلام سے پہلے مکہ میں کوئی گورنمنٹ اِس لفظ کے عام مفہوم کے مطابق نہ تھی۔ کوئی ایسے اعلیٰ اختیارات موجود نہیں تھے جن کا کہ حکم قانون سمجھا جاتا۔ ہر ایک جُداگانہ قبیلہ ایک جمہوری حکومت تھا اور مجموع قبائل کی رائے اگر وہ کسی امر میں متفق ہوتے بمنزلہ شاہی قانون کے ہوتی تھی۔ عام رائے کا کوئی خاص مظہر

---

[1] مسٹر پالمر کا انگریزی ترجمہ قرآن دیباچہ جلد اوّل صفحہ ۱۱ [2] دیباچہ ترجمہ قرآن از مسٹر سیل صفحہ ۹
[3] لیف اوف محمدؐ مؤلفہ سر ولیم میور دیباچہ صفحہ ۱۹ ء

ثبوت کہ تقسیم کامل صحت اور مراتب حقوق کے موافق کی گئی اس سے بڑھکر اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ عرب کی وہ تنو
اور زباں دراز قومیں اور قبائل اور افراد اس سے رضامند ہو گئے اور کسی کو کوئی وجہ شکایت اور ناراضی کی نہ تھی
اُن کا منصفانہ برتاؤ اور دستور ہی اس قسم کا تھا۔ وہ صرف اوروں کے ساتھ ہی انصاف نہیں کرتے تھے بلکہ
اپنی ذات کے ساتھ سب سے بڑھکر انصاف بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ اپنی حق تلفی روا رکھتے تھے۔ جب تقسیم مال اور
تعین وظیفہ کے واسطے مراتب اور حقوق کا فیصلہ کرنے لگے تو عبد الرحمن بن عوف نے جو بزرگ اور اہل الرائے
قریش میں سے تھے یہ رائے دی کہ اپنی ذات کو سب پر مقدم قرار دیں یا یہ کہ اپنے سے شروع کریں۔ اور یہ رائے
کچھ نامناسب اور انصاف کے خلاف نہیں تھی۔ کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہ تو سبقت اسلام کے لحاظ
سے زیادہ پیچھے تھے اور نہ فوجی خدمات میں جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کی گئیں کسی سے کم تھے
اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرب اور تعلق میں سب حاضرین سے بڑھا ہوا تھا۔ یہی تو یہی دلیل کافی تھی کہ وہ
اُن کے خلیفہ اور اُمت کا انتخاب تھے۔ مگر اُنہوں نے اس رائے کو ناپسند کیا اور کہا کہ میں اپنے نفس کو اسکی
مناسب جگہ پر رکھونگا اور اپنی ذات اور اپنے قبیلہ کو قریش میں بہت دور آخر کی طرف رکھا اور کسی کی شکایت
اور ناراضمندی پر اسکو بھی چھوڑنے پر تیار رہے۔ مثلاً ابو عبیدہ بن جراح نے جب شکایت کی تو اُسے کہا کہ تمکو
بھی میری طرح قانع ہونا چاہیئے لیکن اپنی قوم سے تجھکو خود فیصلہ کرنے کا اختیار ہے اگر وہ تجھکو مقدم بنانا چاہینگے تو
مجھے کچھ عذر نہ ہوگا۔ لیکن اگر تم قبول کرو تو میں اپنے اور اپنی قوم بنی عدی سے تمکو مقدم کر سکتا ہوں۔ اپنے
بیٹے عبد اللہ پر اسامہ بن زید کو ترجیح دی اپنے بیٹے کے تین ہزار درھم سالانہ مقرر کیئے اور اسامہ بن زید کے چار ہزار
عبد اللہ نے شکایت کی کہ اسامہ کا باپ میرے باپ سے افضل نہیں تھا اور نہ اسامہ مجھ سے۔ پھر اُسکو ایک ہزار زیادہ
کیوں دیا گیا۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ اسامہ کا باپ تیرے باپ سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو بہت
پیارا تھا۔

غرض مراتب اور حقوق میں بنی ہاشم سب سے افضل اور مقدم قرار دیئے گئے جن میں حضرت علیؓ اور حضرت
عباسؓ تھے۔ اور پھر بنی مطلب اور عبد شمس اور نوفل اور بنی اسد عبد العزیٰ اور عبد الدار اور بنو زہرہ اور بنی تیم اور
مخزوم اور سہم اور جمح اور عدی بن کعب اور بنی عامر بن لوی وغیرہ اُن کے مناسب مدارج اور مراتب کے لحاظ
سے قرار دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابتیوں میں اُمہات المومنین ازواج مطہرات اور اُن کے دوسرے
اقربا کو مقدم قرار دیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارہ ہزار درھم یا دوسری امہات المومنین کے مانند ہر ایک
کے دس ہزار درھم سالانہ وظیفہ مقرر کیا گیا۔ امام حسنؑ اور امام حسین علیہم السلام کا اہل بدر کے برابر پانچ پانچ ہزار سے
لیکر چوبیس ہزار تک بیان کیا گیا ہے مگر بارہ ہزار صحیح معلوم ہوتا ہے۔

اہل بدر کے واسطے پانچ پانچ ہزار مقرر کیئے اور اہل بدر کے بیٹوں کے دو دو ہزار۔ اور حدیبیہ اور
بیعت رضوان میں جو شریک تھے اُن میں سے ہر ایک کے واسطے چار چار ہزار۔ انصار میں سے ہر ایک کے

چار چار ہزار مقرر کیئے۔ بغاوت اور مفسدہ کے فرو کرنے میں جو شریک ہوئے تھے اُن کے تین تین ہزار شام اور عراق میں جنھوں نے جنگ کیئے تھے اُن کے دُو دُو ہزار۔ قادسیہ اور یرموک کی لڑائی میں جو موجود تھے اُن کا ایک ایک ہزار۔ نامور بہادروں کو اُن کی دیرینہ او موجودہ خدمات کا لحاظ کر کے پانچ پانچ سَو سے دو دو سَو تک زاید دیئے گئے۔ اسی طرح مراتب کے لحاظ سے بعض مہاجرین و انصار کے دُو دُو ہزار مقرر کیئے۔ اہل مکہ اور بعض لوگوں کے آٹھ آٹھ سَو مقرر ہوئے۔ اور مہاجرین اور انصار کے مراتب کے لحاظ سے اُن کی عورتوں کے چھ چھ سَو سے لیکر دُو سَو تک مقرر کیئے۔ قبائل اعراب کے وظائف بھی اسی طرح مختلف تھے اور علیحدہ علیحدہ ہر ایک قبیلہ کا دفتر اور دیوان تھا۔ مثلاً حمیر کے فوجی اور دیہاتی امیروں کے واسطے سات۔ آٹھ۔ نو ہزار کے درمیان وظائف مقرر تھے۔ وظائف کے تقرر میں اُن بڑے تین اُصولوں کے سوا۔ ئے اُن کی ضروریات اور کنبوں اور اسی قسم کے اَور امور کا بھی لحاظ کیا جاتا تھا۔ یہ وظائف اور تنخواہیں سلسلۂ وراثت میں موروثی تھے۔ اور اسی طرح جو انعام میدان جنگ میں کسی خاص شجاعت اور بہادری کے کام کے واسطے دیا جاتا تھا وہ بھی موروثی ہوتا تھا؂

عورتوں کے واسطے عام طور پر مردوں کے حصّہ کا ایک دسواں مقرر کیا گیا۔ بیویوں بیواؤں اور بچوں کے جُداگانہ وظائف تھے۔ ایک بچہ جس روز پیدا ہوتا تھا درج رجسٹر ہو جاتا تھا۔ او سَو درہم (بعض روایتوں میں دس درہم) سے لیکر ترقی عمر کے ساتھ وظیفہ بڑھتا چلا جاتا تھا۔ اوّل اوّل میں تو یہ دستور تھا کہ بچہ کا وظیفہ اُس وقت سے مقرر ہوتا تھا جب اُس کا دودھ چھُڑایا جاتا تھا۔ یعنی جب بچہ کے کسی خفیف عارضہ سے ضائع ہو جانے کا خوف کم ہو جاتا تھا۔ مگر اس دستور کو تبدیل کر کے نوزائیدہ بچہ کا وظیفہ مقرر کرنے کا قاعدہ مقرر کیا۔ اس تبدیلی کی وجہ ایک دلچسپ واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک رات حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک قافلہ کی حفاظت کے واسطے عبدالرحمان کو ساتھ لیکر خود گئے اور رات بھر جاگتے اور عبادت کرتے رہے۔ اسی اثنا میں حضرت عمرؓ نے ایک بچہ کے رونے کی آواز سُنی اور دریافت حال کے واسطے اُس طرف گئے۔ بچہ کو اُس کی ماں کے پاس روتے ہوئے دیکھکر اور یہ کہکر چلے آئے کہ اسے چُپ کرا۔ تھوڑی دیر میں پھر وُہی رونے کی آواز آئی اور پھر جا کر چُپ کرانے کو کہہ آئے تیسری دفعہ جب گئے تو اُس عورت کو کہا کہ مَیں تجھے اچھی ماں نہیں دیکھتا۔ اُس نے جواب دیا اے بندۂ خدا تو نے مجھے کیوں تنگ کیا ہے۔ مَیں تو اُس سے دودھ چھوڑانا چاہتی ہوں اور اس کا عادی بناتی ہوں۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ ایسا کیوں کرتی ہے۔ اُس نے جواب دیا کہ جب تک بچہ کا دودھ نہ چھُڑایا جائے عمرؓ وظیفہ نہیں مقرر کرتا۔ اُسکی عمر پوچھی تو معلوم ہوا کہ چھ مہینہ کی ہے۔ یہ سُن کر اُسکو صرف اتنا کہا کہ جلدی نہ کر اور چلے آئے صبحکو نماز پڑھکر جب فارغ ہوئے تو اُس بچہ کے رونے کی آواز اُسی طرح آرہی تھی۔ فرمانے لگے کہ "عمرؓ بہت ہی بُرا ہے جس نے مسلمانوں کی اولاد کتنی ہی مار ڈالی ہوگی" اور منادی کرنے کے واسطے حکم دیا اور فصلات میں

؂ انلس اوف دی خلافت صفحہ ۲۲۸ بہ سند بلاذری ۱۲

نہیں تسلیم کیا جاتا تھا اور ہر ایک قبیلہ کسی ایسے امر سے جُدا رہنے اور انکار کرنے کی آزادی رکھتا تھا جس پر کہ دوسرے قبائل نے اتفاق کیا ہو اور کوئی شخص اپنے ہموطنوں کی متفق رائے سے اتفاق کرنے کے واسطے اپنے قبیلہ سے بڑھکر اتفاق کرنے کا پابند نہ تھا۔[1]

غرض زمانۂ جاہلیت میں کوئی خاص سلطنت وہاں موجود نہیں تھی تمام چھوٹے بڑے امور میں ہر ایک قبیلہ کا سردار قبیلہ کی رائے سے فیصلہ کرتا تھا اور وُہی قانون ہوتا تھا۔ جنگ و جدل کے امور میں جو اکثر درپیش رہتے تھے تلوار اُن کی منصف ہوتی تھی اور اُس سادہ زندگی کے سیدھے اور سادہ امور کسی قانون اور آئین کی ضرورت نہیں ظاہر کرتے تھے۔ پس اِس طوائف الملوکی کے زمانہ میں اگر اُسکو طوائف الملوکی کا زمانہ کہا جا سکے کوئی خاص سلطنت نہ تھی اور اسی سبب سے کوئی آئین یا ضابطہ یا قانون یا حکومت اور مُلک کا انتظام کرنے کے واسطے کسی قسم کے اصول معیّن اور مشخص نہ تھے۔

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا کام اُمورِ دُنیوی میں انتظام کرنا نہ تھا۔ اُن کا پاک منصب (**روحی فداک یارسول اللہ**) اِس سے بہت بلند اور اعلیٰ تر تھا اور دنیا کی حکومت اور سلطنت سے اُن کو کچھ تعلق نہ تھا صرف ایسے دُنیوی امور کی طرف وہ توجہ فرمانے والے تھے جن کا تعلق دین کی اشاعت۔ حفاظت اور استحکام اور فرض رسالت کے انجام دینے سے تھا۔ مگر عرب کے قدیم دستور کے موافق اُن کی بزرگی اور روحانی بادشاہت اور علوِ خاندانی نے مُسلمانوں کے دُنیوی امور کا بھی آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو مرجع بنا دیا اور حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی طرح وقتاً فوقتاً مُسلمانوں کے اِس قسم کے امور پر بھی اُن کو توجّہ فرمانی پڑی اور اِس سے امور میں فیصلہ کرنے اور معاملات میں برتاؤ کی نظیریں پیدا ہو گئیں۔ مگر جناب سرور کائنات حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دُنیوی امور سے اِس درجہ تک اپنی بے تعلقی ثابت فرمائی کہ انتظام امور دنیا کے واسطے کسی شخص کو اپنا جانشین موسوم کرنے سے بھی دریغ فرمایا۔ گو اخلاق کی عام تعلیم ہر ایک قسم کے انتظام کا اصول تھی مگر براہ راست کوئی ضابطہ یا آئین یا دستور امور مُلکداری کا مرتب نہیں کیا گیا تھا۔

حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کا قلیل زمانہ اندرونی بغاوتوں کے فرو کرنے اور کسی قدر سرحدوں پر قدم بڑھانے میں گزر گیا۔ نہ اسقدر فرصت ہوئی اور نہ اسکی ضرورت ہی معلوم ہوئی کہ کسی قسم کے خاص ضوابط و قانون کے تیار کرنے کی طرف توجّہ کیجاتی۔ مثلاً اُن کے زمانہ خلافت میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قاضی مُقرر ہوئے تھے۔ مگر سال بھر میں دو سے زیادہ مقدمات فیصلہ کرنے کے واسطے اُن کے سامنے پیش نہ ہوئے۔ لشکر اکٹھا کرنے کے واسطے اسلامی فرائض یاد دلائے جاتے تھے غنیمت کے چار حصّے لشکر میں تقسیم ہو کر پانچواں حصّہ یا خمس جسقدر آتا تھا ضروری اخراجات پورے کر کے مُسلمانوں میں مساوی طور پر تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ اندازاً دو لاکھ درھم

---

[1] لیف اوف محمد مؤلفہ سر ولیم میور دیباچہ صفحہ ۹

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں آئے اور خرچ اور تقسیم کر دیئے گئے۔ پہلے سال میں قریب دس دس اور دوسرے سال میں بیس درہم حصہ میں آئے۔ اُن کی وفات پر بیت المال میں ایک دینار جو لپٹا ہوا رہ گیا تھا ملا۔ غرض حضرت ابوبکر کا زمانۂ خلافت بھی نہایت سادہ دستورات سے گزر گیا ؛

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی خلافت کے پہلے سالوں میں تو لشکر کشی کے کام میں زیادہ تر مصروف رہے مگر جب فتوحات کو دن بدن وسعت ہوئی اور عرب کی خلافت میں سلطنتوں کی سلطنتیں شامل ہونے لگیں اور غنیمت کے سوا جزیہ اور مال گزاری وغیرہ کی آمدنیوں سے بیت المال بھرنے لگا تو حکمرانی اور ملکداری کے وہ سادہ قواعد کافی نہیں ہو سکتے تھے۔ پس حضرت عمرؓ کو ایک مقنن اور آئین نگار اور مدبر منتظم اور ایک بڑی وسیع سلطنت کی تمام قسم کی ذمہ واریوں کا کام کرنا پڑا۔ یا یوں کہو کہ اُن بے نظیر قابلیتوں کو جو خدا نے اُن کو بخشی تھیں کام میں لانے کا موقعہ ملگیا ؛

سب سے پہلا نیا کام اُن کے دیوان اور دفتر کو بیان کرنا چاہیئے جو بیت المال اور خزانہ اور تنخواہوں اور روزینوں کا ایک باقاعدہ انتظام اور اہتمام تھا۔ بیت المال کی آمدنی کو جب افزونی ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مال کے تقسیم کرنے میں ایک معین اور مستقل دستور کے ایجاد اور داخل کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ اُنہوں نے اپنے اصحاب سے مشورہ کیا اور کہا کہ مال کے تقسیم کرنے کے بارے میں میری رائے حضرت ابوبکرؓ کی رائے سے مختلف ہے۔ میں بیت المال میں خزانہ کو جمع کرنا اور ہر ایک شخص کا سالانہ وظیفہ اور تنخواہ مقرر کرنا چاہتا ہوں اور جن اصول پر وہ تقسیم کے اِس نئے دستور کو مبنی کرنا چاہتے تھے وہ بیان کیئے۔ وہ خیال درحقیقت ایک ایسا عظیم الشان اور پُر مشکلات تھا کہ صرف وہی شخص جس کی وسعت دماغ نے اُسکو پیدا کیا تھا اُسے پورا کر سکتا تھا۔ مسلمانوں کے مراتب حقوق کے موافق اُن پر مال تقسیم کرنے اور اُن کی تنخواہیں مقرر کرنے کے تین اصول قرار دیئے گئے[ل]

اوّل۔ اسلام لانے میں سبقت۔

دوم۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرب اور تعلق۔

سوم۔ فوجی خدمات۔

تمام قبائل عرب اور ہر ایک قبیلہ کے ہر ایک فرد اور ملک عرب کے ہر ایک مسلمان متنفس خانہ نشین بوڑھے شخص سے لیکر نوزائیدہ بچہ تک ہر ایک کی تنخواہ مقرر کرنا اور اُس کا باقاعدہ تحریری حساب رکھنا بقول سر ولیم میور کے ایک ایسا کام تھا جو انسان کے کرنے کے کاموں سے بڑھکر تھا اور پھر ان مقررہ اصولوں کے موافق اُن کے مراتب حقوق کا فیصلہ کرنا ایک ایسی باریک بین نظر کا کام تھا جو ہر ایک کو نہیں نصیب ہو سکتی۔ اور اِس بات کا

ل انلس اوف ارلی خلافت صفحہ ۲۲۹ ؛

اور کسی سے کم نہیں لینگے ۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ نہیں میں شرافت نسبی کے لحاظ سے نہیں دیتا ہوں بلکہ اسلام لانے میں سبقت کے لحاظ سے مقرر کرتا ہوں ۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ "یہ ٹھیک ہے" ۔ اور اس لاجواب دلیل کے سوا کسی دلیل سے اُن کا اطمینان نہیں ہو سکتا تھا ۔ قبائل کے باہمی حسد کے سوا اور بہت سے خطرناک اسباب تھے مثلاً اقوام عرب اور اصحاب یعنی اہل مکہ و مدینہ کے درمیان جو رقابت تھی اور دوسرے بنی ہاشم و بنی اُمیہ اور دوسرے سائل قریش میں جو قبیلانہ خیالات تھے اور جس حسد نے کہ رفتہ رفتہ پختہ ہو کر خلافت کے وجود ہی کو خطرے میں ڈال دیا تھا لیکن جس کو کہ عمرؓ کے مضبوط ہاتھوں نے روک دیا اور دبا دیا تھا اُس وقت روحانی امتیازات کو معیار حقوق قرار دینے سے دور کر دئے گئے ۔

اصل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس درجہ کے اریک بینی و حق شناسی انصاف و دیانت سے حقوق کا تصفیہ کیا تھا کہ اُس پر کوئی حرف نہیں کہہ سکتا تھا اور اگر کوئی ناواقفیت سے اعتراض کرتا تھا تو اُن کے جواب سے اُس کا پورا اطمینان ہو جاتا تھا ۔ مثلاً عمر بن سلمہ کو جب ایک ہزار زیادہ دیا تو محمد بن عبد اللہ بن جحش نے کہا کہ کیا ہمارے باپ اُس کے باپ جیسے نہ تھے ۔ تو آپ نے جواب دیا کہ یہ ایک ہزار اُسکی ماں اُم سلمہ کے لحاظ سے زیادہ دیئے گئے ہیں اگر تیری ماں بھی ام سلمہ جیسی ہو تو تجھے بھی ایک ہزار زیادہ دیدوں اسی طرح جب طلحہ بن عبد اللہ نے بھائی عثمان کے اہل مکہ کے ساتھ آٹھ سو مقرر کیئے اور نضر بن انس کے دو ہزار مقرر کیئے تو طلحہ نے شکایت کی ۔ حضرت عمرؓ نے اُسے بتایا کہ اس کا باپ اُحد کے دن مجھے میدان جنگ میں ملا تھا اور کہتا تھا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں تو خدا تو زندہ ہے جو نہیں مرے گا اور بڑھ کر مقابلہ کیا اور شہید ہو گیا طلحہ اس جواب کو سُن کر خاموش ہو گیا ۔

آیندہ نئے وظائف ہمیشہ مقرر ہوتے رہتے تھے اور اُن میں اضافہ ہوتا تھا ۔ اور بھی بعض دلچسپ روایتیں کتابوں میں مندرج ہیں ۔ مثلاً ایک دن حضرت عمرؓ نے لبید بن ربیعہ کو کہا کہ مجھے اپنے اشعار سنا اُس نے کہا کہ جب سے مجھے خدا نے سُورہ بقر اور سُورہ آل عمران سکھلا دی ہے میں نے شعر پڑھنا چھوڑ دیا ہے حضرت عمرؓ جو طرز جاہلیت کی شاعری کے نہایت مخالف رہتے تھے اس سے خوش ہوئے اور اس کا وظیفہ دو ہزار سے اڑھائی ہزار کر دیا ۔ گو یا وہ بھی فیاضی کرتے تھے اور انعام بخشتے تھے مگر اُن کو جو دین اور مذہب میں پکے اور کوئی قابل ستائش امر کرتے تھے ۔ اس قسم کے انعاموں سے گویا دوسرے لوگوں میں ایسی عمدہ مثال کی تقلید کرنے کی ترغیب ہوتی تھی ۔

بیت المال میں خمس غنیمت کے سوا زکوٰۃ اور عُشر اور جزیہ اور مالگزاری اراضی زراعت کی آمدنی تھی اور علاوہ اس کے ممالک مفتوحہ کی جاگیرات خالصہ کی آمدنی داخل بیت المال ہوتی تھی ۔ مصارف میں فوج اور دیوانی اور دوسرے متعدد قسم کے انتظامات اور رفاہ عام اور فلاح خواص و عوام کے کاموں کا خرچ بیت المال سے اول لیا جاتا تھا اور بچت کو تقسیم کر دیا جاتا تھا ۔ مسلمان آسودہ حال اور دولتمند ہو گئے تھے اور شاید سیوطی کے

ہیں قول ہیں کہ خیرات دینے کے واسطے تلاش کرنے سے کوئی لینے والا نہ ملتا تھا بہت مبالغہ نہو۔ آپ بھی حضرت عمرؓ یہ کہا کرتے تھے کہ اگر میں زندہ رہا تو سب سے کم وظیفہ والے شخص کو اوّل درجہ کی تنخواہ والے سے ملا دوں گا۔ تمام آمدنی جس قدر کہ ہوتی تھی اُسی وقت خرچ ہو جاتی تھی۔ اور حضرت عمرؓ کو اس امر کے دیکھنے سے خوشی اور فخر ہوتا تھا[1]؎

کُل خراج اور آمدنی کا تخمینہ بتانا بہت مشکل ہے۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ کے مفتوحہ ممالک میں سے چند مشہور اضلاع حلوان۔ اہواز۔ فارس۔ کرمان۔ مکران۔ خراسان۔ جرجان۔ قومس۔ رے۔ طبرستان۔ دربان و نہاوند۔ ہمدان۔ بصرہ و کوفہ کے درمیانی اضلاع ماسبدان۔ شہرزور۔ موصل۔ آذربائجان۔ جزیرہ مع اضلاع فرات۔ قنسرین۔ دمشق۔ اردن فلسطین کا خراج خلیفہ ہارون الرشید کے وقت میں دو ارب اور بائیس کروڑ درہم کے قریب تھا[2]۔ اور متاع علاوہ تھا۔ اور مصر یمن اور حجاز سے قریب چھبیس ہزار دینار خراج آتا تھا[3]۔ اس پچھلے تین صوبوں کے خراج میں سے تو حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بہت کم آتا ہوگا اور مذکورہ بالا اضلاع اور دوسرے مفتوحہ امصار و دیار سے بھی بیبا باقاعدہ خراج نہیں آتا تھا۔ اگرچہ خلفاء عباسیہ کے زمانہ میں بھی آمدنی کی شقیں بھی خراج اور عشر اور جزیہ اور زکوٰۃ ہی تھیں جو حضرت عمرؓ کے وقت میں معین ہو چکی تھیں۔ مگر تمام ممالک مفتوحہ میں اُس کا رواج نہیں ہوا تھا اور عاملوں کو براہ راست ضروری مصارف نکال کر بچت کو بیت المال میں بھیجنے کا اختیار تھا۔

فوج کا انتظام درحقیقت سب سے مقدم اور اس عظیم الشان تدبیر دیوان کا اصول تھا۔ عرب کی اصلی جنس اور متاع مسلمانوں کے یہی سپہ رک دست و بازو تھے جن کے معاوضہ میں دنیا کو حاصل کیا تھا اور آئندہ حاصل کرنے اور حاصل کئیے ہوئے کو اپنے قبضہ اور حفاظت میں رکھنے کا جن پر بھروسا تھا۔ بس سب سے زیادہ اہم اور ضروری انتظام فوج کا انتظام تھا اور در اصل یہی انتظام حضرت حضرت عمرؓ کی خلافت کا وہ بے نظیر کارنامہ ہے جس کو دنیا ہمیشہ تعجب اور حیرت کی نگاہ سے دیکھا کرے گی۔

تمام عرب کے وظائف اور تنخواہیں اور روزینہ مقرر کر کے اُن کو ضروریات زندگی کی طرف سے بالکل فارغ البال اور بے فکر کر دیا گیا تھا۔ زراعت اور تجارت کی نہ اُن کو ضرورت تھی اور نہ اجازت تھی۔ اُن کا کام اور پیشہ ہتھیار اُٹھانا اور میدانِ جنگ میں کام کرنا تھا۔ فوجی خدمت کرنے کے واسطے وہ مجبور تھے۔ کوئی عذر اور حیلہ قابل سماعت نہ تھا۔ دیوان کا وظیفہ خوار در اصل خلافت کی فوج کا سپاہی تھا۔ وظیفہ خوار عورت سپاہی کی بیوی اور سپاہی کی ماں تھی۔ نوزائیدہ بچہ جس روز سے وہ درج فہرست ہوتا تھا وہ عرب کی فوج کا سپاہی ہوتا تھا۔ ایسا

---

[1] الفاروق از علی خلافت صفحہ ۲۲۹

[2] المامون حصہ دوم صفحہ ۱۳ و ۱۴

[3] المامون حصہ دوم صفحہ ۱۳ و ۱۴

لکھ بھیجا کہ کسی بچہ کا دودھ نہ چھڑایا جائے - ہم اوّل ہی سے اُس کا وظیفہ مقرر کر دینگے[1]۔

عرب کے خون کو غلامی سے آزاد کر دیا - کوئی عرب غلام نہیں بنایا جاسکتا تھا[2]۔ پہلے کے جو غلام تھے اُن کے بھی وظائف مقرر تھے - اور اِس سلسلہ کو عرب سے باہر غیر عرب مسلمانوں تک جنہوں نے اسلامی اغراض میں شرکت اختیار کی تھی بڑی فیاضی کے ساتھ وسیع کیا گیا - مثلاً ایرانی امیروں اور دہقانوں اور لوگوں کا جو خوزستان میں مسلمانوں کی فوج کے ساتھ شریک ہو گئے ہزار درہم سے دو ہزار درہم تک وظیفہ مقرر کیا گیا[3] اسیطرح جو اسلام اختیار کر کے اُسی پر منحصر ہو گئے اُن کو بھی عطیہ سے محروم نہیں رکھا گیا - مثلاً ہرمزان کو دو ہزار درہم[4] سالانہ وظیفہ دیا گیا - اگر سچ پوچھو تو اسلام نے جو برادری اور اخوت کی تعلیم دی تھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُس مبارک تعلیم کی عملاً تعمیل کر کے دکھا دی - سر ولیم میور نے غیر اقوام کو ان وظائف سے جو برادری اور اخوت کے خیال کو غیر اقوام تک وسیع کرنے سے دریغ کرنے پر اعتراض کیا ہے - مگر افسوس ہے کہ مورخ مذکور نے یہ قیاس کرتے وقت ان اصولوں کو جن پر وظائف کی بنا رکھی گئی تھی نظر انداز کر دیا ہے - سبقت اسلام تقرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور فوجی خدمات - یہ استحقاق کس قدر لوگوں کو حاصل تھے جن کو حق سے محروم رکھا گیا - یہ معترض نے نہ بتایا کہ عام طور پر کس قدر مسلمان غیر اقوام کے محروم رکھے گئے - تعجب ہے کہ معترض اپنی کتاب انلس اوف ارلی خلافت کے صفحہ ۲۲۵ کے نوٹ کو لکھکر بھی جس میں اُس نے خود لکھا ہے کہ جس قدر ایرانی مسلمان خوزستان کی فوج میں شامل ہو گئے اُن کے ویسے ہی وظائف مقرر کیے گئے - اس اعتراض کو قلمبند کرتا بھول گیا - اصلیت یہ ہے کہ غیر ممالک میں اوّل تو اسلام اسقدر شائع نہیں ہوا اور جس قدر مسلمان ہوئے وہ غیر مسلمان اقوام کی طرح اپنے پیشوں اور اپنے کاموں میں رضامند اور قانع رہے - خطرناک فوجی خدمت کو نہ انہوں نے پسند کیا اور نہ وہ مجبور کیے گئے - لیکن بعض نے جو فوجی خدمت کو پسند کیا اور مسلمانوں کے ساتھ شریک ہوئے

---

[1] ازالۃ الخفا باب حکایات گشت [2] انلس اوف خلافت صفحہ ۲۲۳ [3] انلس اوف ارلی خلافت نوٹ صفحہ ۲۲۵ و ۲۲۶

[4] درہم چاندی کا اور دینار سونے کا سکہ تھا - درہم کو اکثر لوگوں نے ۲½ ماشہ کا بیان کیا ہے جس کے حساب سے درہم کی قیمت ہمارے سکہ رائج الوقت میں ۴ر سے کچھ زیادہ ہوتی ہے - سپرنگر نے جو حساب کیا ہے اُسکی رو سے درہم کی قیمت انگریزی سکہ میں چھ پنس سے آٹھ پنس تک بیان کی ہے - اگر پونڈ دس روپیہ کا شمار کیا جائے تو درہم کی قیمت وہی ۵ر کے قریب ہوگی دینار کی قیمت پندرہ فرنیک یا گیارہ شلنگ سے کچھ زیادہ سپرنگر نے لکھی ہے - پونڈ دس روپیہ کا شمار کر کے ہمارے سکہ میں دینار کی قیمت پانچ روپیہ سے کچھ زیادہ ہوتی ہے - علامہ شبلی نے دینار پانچ روپیہ کا اور درہم چار آنہ کا بیان کیا ہے المامون جلد دوم - صفحہ ۱۹ - اہل شام کے حساب میں سونے کو چاندی سے ۱۴½ کو ایک کی نسبت تھی - مسلمانوں میں ۸ یا ۹ بلکہ ۷ کو ایک لی جو بعد میں ۱۰ یا ۱۲ کو ایک کی نسبت تک بڑھ گئی - صوبجات شام اور مغربی جزیرے کا سکہ سونے کا تھا اور ایران اور بابل کا چاندی کا - (دیکھو لیف اوف محمد مؤلفہ سر ولیم میور صفحہ ۲۱۲ حاشیہ) مؤلف ۱۲

اُن کے علاوہ قدر مراتب وظائف مقرر کیئے گئے معترض کی آنکھوں کے سامنے تعصب کا اندھیرا معلوم ہوتا ہے ورنہ ایسی بات نہ تھی کہ اعتراض کو گنجایش ہی تھی ؏

اِس عظیم الشان تجویز کو مستقل طور پر رائج کر دینے کے واسطے دفتر مرتب کرنا پڑا جس کا نام دیوان رکھا گیا اور وظائف کے حساب اور فہرستیں تیار کی گئیں - اعلٰے مراتب کے قبائل اور لوگوں کا حساب رکھنا تو کچھ مشکل نہ تھا مگر لکھوکھا عام اقوام عرب اور اُن کے قبائل اور کُنبوں کی فہرستیں اور حساب لکھنا جو فوجی کام اختیار کرنے کے واسطے ہر روز سیل رواں کی طرح اُمڈے ہوئے چلے آتے تھے بقول سر ولیم میور کے ایک ایسا کام تھا جو انسان کے کرنے کا نہ تھا - مگر قبائل کی ترتیب اور افواج کی باقاعدہ تقسیم اور بندش سے اس کام میں کسی قدر سہولیت پیدا ہو گئی - ہر ایک قبیلہ یا شاخ قبیلہ کے لوگ اپنے اپنے جُدا جُدا دستوں اور حصّوں میں تقسیم ہو کر لڑتے تھے - فہرستوں کی ترتیب بھی اسی کے موافق ہو گئی اور ہر ایک متنفس اپنے اپنے قبیلہ میں درج فہرست ہو کر شمار میں آگیا - اِس بات کا بتانا مشکل ہے کہ دیوان کی فہرستوں کے شمار اعداد میں کہاں تک پہنچے ہوں گے - مگر صرف کوفہ اور بصرہ نو آباد شہروں کی آبادیاں سے جو بقول سر ولیم میور کے ڈیڑھ لاکھ اور دو لاکھ تک پہنچ گئی تھیں[ف۱] - اس کے شمار کا اندازہ کیا جا سکتا ہے - سر ولیم میور نے ایک سرسری اندازہ کیا ہے کہ حضرت عمرؓ کی وفات سے پہلے تقریباً پانچ لاکھ عرب حدود عرب سے باہر ایران - مصر شام وغیرہ میں کام کر رہے تھے[ف۲] - مُلک کی اندرونی وظیفہ خوار آبادی کو ملا کر اِس کام کی عظمت اور مشکلات اور اُس کے کرنے والے کی ہمت پر قیاس کیا جا سکتا ہے - عقیل بن ابی طالب اور مخرمہ بن نوفل اور جبیر بن مطعم کو ان فہرستوں کے لکھنے کے واسطے منشی مقرر کیا گیا تھا اور عبداللہ بن ارقم تحویلدار بیت المال خزانچی تھا جس کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کہا کرتے تھے کہ اگر دوسروں کی مانند تجھکو کچھ سبقت حاصل ہوتی تو میں کسی کو تیرے پر مقدم نہ کرتا ؏

سر ولیم میور نے دیوان کی کیفیت لکھنے کے بعد اس پر کئی ریمارک کیئے ہیں جن میں سے ایک جیا اس عنوان سے کہ حضرت عمرؓ کے اِن اصولوں نے قبائل عرب کے باہمی مخالفت کے خیالات کو مٹا دیا لکھا ہے اسکا درج کرنا مناسب نہ ہوگا - وہ لکھتا ہے کہ ایک بڑی قوم کو اپنے فتوحات اور اُن کی آمدنیوں - خراج اور غنیمت کو پہلے اُخوت کے اُصولوں پر مساوی طور پر اُس کے بعد جنگی قابلیتوں اور روحانی امتیازات کے موافق اپنے درمیان تقسیم کرتے دیکھنا ایک ایسا نظارہ ہے جس کا نظیر دنیا میں موجود نہیں ہے - اِس تدبیر کا خیال بجائے خود نہایت عُمدہ تھا - اس کے سوا کسی اَور طریقے سے قبائل عرب کے باہمی رقیبانہ حسد کے خیالات کو دُور کر دینا ممکن ہی نہیں تھا - صفوان و سہیل اور دوسرے شرفائے قریش نے جو فتح مکہ تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک نہ ہوئے تھے کسی سے کم وظیفہ لینے سے اوّل انکار کیا اور کہا کہ ہم اپنے سے زیادہ شریف کسی کو نہیں دیکھتے

ف۱ انلس اوف دی ارلی خلافت صفحہ ۱۹۶

ف۲ انلس اوف دی ارلی خلافت صفحہ ۲۳۰

انتظام سے عرب کی فوج کا ایک مستقل اور استمراری انتظام کر دیا گیا صرف اُسی زمانہ میں نہیں بلکہ اگر وہ انتظام جیسا جاری رہنے کے واسطے بنایا گیا تھا اور عرب کی اقبالمندی کے زمانہ تک جاری رہا اگر اور ہزاروں برس بھی جاری رہتا تو نئی فوجوں کے بھرتی کرنے اور نئے لشکروں کے برپا کرنے کی کبھی فکر اور ضرورت پیش نہ آتی۔ سر ولیم میور صاحب لکھتے ہیں کہ "اسلام کی آمدنی خراج کو اس طرح پر اُس جنگی قوم کا ورثہ بنا دینے سے اُن کی جنگی طبیعت اور جوش کو قائم کر دیا گیا اور خلافت کی فوج کی صورت میں اُن کی خدمت اور ملازمت مستقل اور استمراری ہو گئی۔ اگرچہ اُن کی بیکاری اور آرام کے زمانہ میں ہنگاموں اور فتنوں کا باعث ہوتیں مگر با اینہمہ وہ اسلام کی پشت و پناہ اور اُس کی فتوحات اور خلافت کے قیام کا راز تھیں۔ اس طرح پر وہ جنگی قوموں کے فتح کرنے اور اسلام کا شاہیر کرنے کے مقدس کام کے واسطے علیحدہ کر دی گئی اور اُس وقت بھی بلند مذہبی ولولے کسی قدر کم ہو گئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی پیش بینی اور تدبر کی وجہ سے عربوں کے جنگی جوش ایک متحد اور متفق قوم کی صورت میں کئی پشتوں تک پورے طور پر قایم رہے۔ وہ کل قوم گویا ایک فوج تھی جو ہر وقت حرکت میں رہا کرتی تھی۔ چھاؤنیاں اُن کے گھر تھے نہ کہ شہر اُن کا کام جنگ اور لشکر تھا۔ غرض کہ عرب ایسے مسلح اور مستعد قوم ہو گئے تھے جو پشت با پشت تک ملک گیری کے لیئے ایک لحظہ کے نوٹس دینے پر تیار اور حملہ کرنے کے لیئے مستعد ہو جایا کرتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہی مقدم الشان اصول تھا جس کی بنا پر وہ اہل عرب کو زراعت کرنے اور اطراف میں آباد ہونے اور گھر بنانے کی اجازت نہیں دیتے تھے اور معلوم ہوتا ہے کہ یہ خیال اُن کا نیا نہیں تھا بلکہ بہت پرانا تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں ... جو سند زمینداری کی لے کر پھاڑ ڈالی تھی اُس کی وجہ کی نہیں یہی خیال تھا کہ اُس وقت ... کرتا تھا ... تھا۔ اپنے زمانہ خلافت میں تو وہ علانیہ طور پر اس خیال کے پابند رہے اور کسی کو زراعت اور آبادی ... ہونے دیا۔ شام اور عراق میں لوگوں نے نہایت خواہش سے پایا اور اصرار بھی کیا مگر حضرت عمر نے نہ مانا۔ مصر میں اور اسی طرح دوسرے ممالک میں تاکیدی حکم بھیجتے تھے کہ اہل فوج قطعاً زمینداری اور کاشت نہ کرنے پائیں۔ اس حکم کے خلاف ایک شخص نے کاشت کی تو آپ نے اُسکو پکڑ بلایا اور نہایت سخت سزا دینی چاہی لیکن اُس نے قطعی توبہ سے اپنا قصور معاف کرالیا[1]۔ جہاں کہیں فوجی چھاؤنیاں قایم ہوتی تھیں اسی خیال کی بنا پر وہاں لوگوں کو پکے گھر بنانے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ گھاس پھوس کے کچے گھر بنا کر رہنے کا حکم تھا۔ اگر کوئی پکا گھر بنا بھی لیتا تو اُسکو گروا دیتے تھے۔ غرض کوئی قول و فعل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اس کے متعلق ایسا نہ تھا جو اسی اصول اور خیال پر مبنی نہ ہو اور اسی سے یہ اصول ایسے احکام اور مضبوطی کے ساتھ قایم ہو گیا کہ صدیوں تک جب تک عربوں کو اُس کے چھوڑنے پر مجبور نہ کیا گیا اُن سے نہ چھوٹ سکا۔

[1] المامون حصہ دوم صفحہ ۱۸۔

اس اصول کے اختیار کرنے سے جسقدر کہ اسلامی اغراض کی کامیابی مقصود تھی اسیقدر غیر اقوام کے زمینداروں اور کاشتکاروں اور رعایا کے ساتھ اُن کے حقوق کی حفاظت سے فیاضی کا برتاؤ مقصود تھا۔ کسی مُلک کی رعایا کو برباد کرنے کی تدبیر اس سے بڑھکر کوئی نہیں ہوسکتی کہ اُن کو اپنے املاک زمینداری و حقوق کاشتکاری سے محروم اور بے دخل کردیا جانے۔ حضرت عمرؓ کی خلافت میں جو اسلام نے بے شمار احسانات ممالک مفتوحہ کی، رعایا پر کیئے اُن سب میں بڑا احسان یہی تھا۔ غرض اس ایک اصول میں ایسی دو بڑی عظیم الشان مصلحتیں مخفی تھیں اسکی تفصیلی بحث کو آیندہ بیان کرنے کا موقع ملیگا ؛

فوج کے انتظام کے متعلق ایک بڑی دانشمندی کا کام جابجا چھاؤنیاں مقرر کرنے کا تھا اور چھاؤنیاں ایسی ضروری اور موقع کی جگہ بنائی گئیں کہ اُن کے مقرر کرنے کا مقصود اُنہیں سے بخوبی حاصل ہوسکتا تھا مصر عراق اور ایران وغیرہ صوبوں میں آٹھ مرکز اس قسم کے قایم کیئے گئے اور ہر ایک میں جنگ کی فوج ضرورت کے وقت کام کرنے کے واسطے رکھی گئی۔ چار ہزار سوار ہر چھاؤنی میں رہتے تھے[1] اسیطرح پر چارہ اور غلہ اور سامان کا انتظام کیا گیا اور اس انتظام کا خرچ صوبہ کے خراج پر پہلا خرچ ہوتا تھا[2] ؛

گھوڑوں اور اُونٹوں کا ایک بڑا ذخیرہ نہایت کوشش سے جمع رکھتے تھے جو شخص خود اپنے واسطے انتظام نہ کر سکتا اُسکو گھوڑا دیتے اور عہد لیتے کہ دانستہ گم نہ کرے گا اور کمی خوراک سے ضایع نہ کردے گا لیکن اگر لڑائی میں مارا جانے تو وہ ذمہ دار نہیں ہوتا۔ اور سال بھر میں چالیس ہزار اونٹ سواری کے لیئے دیتے تھے[3] ؛

کُوفہ اور بصرہ در واقعہ بھی درحقیقت چھاؤنیاں تھیں اور اسی غرض سے مقرر ہوئی تھیں۔ مدائن کی آب وہوا کے خراب ہونے کے سبب سے سپاہیوں کی صحت میں فرق آیگا تھا۔ ایک دفعہ جب ایک جماعت اہل لشکر کی حضرت عمرؓ کے سامنے گئی تو اُنہوں نے اُن کے چہروں پر زردی اور کمزوری دیکھکر حیران ہوکر اسکا سبب پوچھا۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ مدائن شہر اور اُسکی آب ہوا عرب کی طبائع کے موافق نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ نے یہ سُن کر کسی ایسے صحت بخش اور موافق آب ہوا والے مقام کی تلاش کرنے کا حکم دیا کہ ریگستان کی ہوا وہاں سے گزرتی ہو اور قریب ہو اور عمدہ اور صاف پانی کے نزدیک ہو اور مدینہ اور اُس مقام کے درمیان کوئی دریا یا ایسی چیز حائل نہ ہو جو مدد کے فوراً وہاں پہنچنے کو روکتی ہو سعد بن ابی وقاص نے کنار ریگستان پر ہر ایک طرف تلاش و تجسس کی اور کُوفہ کے میدان سے بڑھکر بہتر کوئی مقام ان اوصاف سے متصف نہ پایا جو حیرا کے قریب اور دریا فرات کی غربی شاخ پر واقعہ تھا۔ حضرت عمرؓ نے بھی اس انتخاب کو پسند کیا اور لوگوں کو وہاں چلے جانے یا مدائن میں رہنے کا اختیار اور اجازت دی۔ لوگ گروہ کے گروہ وہاں جانے لگے۔ اور گھاس پھوس اور نرسل اور مٹی گارے سے مکان

---

[1] اینلس آف خلافت صفحہ ۲۳۱ [2] اینلس آف ارلی خلافت ۲۳۱
[3] ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفا جلد دوم باب سیاست فاروق اعظم

نا لینے کی اجازت دی۔ یہ ۱۷ھ ہجری کا سال تھا وہ اس بات کے نہایت مخالف تھے کہ مستقل رہائش کے واسطے وہاں پختہ اور دیرپا مکان بنائے جائیں۔ لیکن جب کئی دفعہ آتشزدگی کی وارداتیں ہوئیں اور مکان جل اٹھے تو آخر حضرت عمرؓ نے اینٹ سے پختہ مکانات بنانے کی اجازت دیدی اور لکھا کہ "یہ فوجی لشکرگاہ صرف مجاہدین کی رہائش گاہ ہے لیکن اگر تم وہاں زیادہ مستقل رہائش اختیار کرنا چاہتے ہو تو خیر اجازت ہے۔ مگر کوئی شخص تین سے زیادہ مکان نہ بنائے اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر سے زیادہ شان اور آراستگی رکھے"
اس حکم پر شہر از سرِ نو بنایا گیا اور بازاروں کو سیدھا کر کے باقاعدہ بنایا گیا۔ مرکز میں ایک بڑا چوک جامع مسجد کے واسطے رکھا گیا جہاں آخر ایک نہایت عظیم الشان مسجد بنائی گئی۔ تجارت کی منڈی کے واسطے ایک اور چوک رکھا گیا اور ہر ایک شخص کو اس کی ضرورت کے موافق زمین دی گئی۔

منڈی کے قریب سعد نے ایک عالی شان مکان اپنے رہنے کے واسطے بنوایا۔ حضرت عمرؓ نے جب سنا کہ سعد نے ایک قلعہ نما مکان بڑے دروازہ والا بنوایا ہے تو ناراض ہوئے اور محمد بن مسلمہ کو اس دروازے کے توڑ دینے کا حکم دیکر بھیجا اور سعد کو لکھا کہ "مجھے معلوم ہوا ہے کہ تو نے اپنے لیئے ایک محل بنوایا ہے جو تیرا قلعہ کہلاتا ہے اور اپنے اور لوگوں کے درمیان ایک بڑا دروازہ بنایا ہے۔ یہ تیرا قلعہ نہیں ہے بلکہ دوزخ کا قلعہ ہے۔ تجھے خزانہ کی حفاظت کے واسطے ایک محفوظ مکان درکار ہے مگر اپنے رہنے کے واسطے ایسا مکان ضروری نہیں ہے جو تیرے اور خلق اللہ کے درمیان آمد و رفت کو روکتا ہو۔ تجھ کو اسے گرا دینا چاہیئے۔"

بصرہ خلیج فارس سے اوپر دریا کے کنارے پر واقع ہے۔ ان نواح میں بھی حضرت عمرؓ اس علاقہ فتح ہونے کے بعد فتوحات کی حفاظت اور انتظام اور کسی مخالفانہ حملہ کی مدافعت کے واسطے ایک فوجی مقام قائم کرنا چاہتے تھے۔ پہلے تو ابلہ کے کھنڈروں پر مسلمانوں نے کچھ گھر بنائے اور وہیں رہنے لگے مگر سمندر کے قریب کے سبب سے آب و ہوا موافق نہ تھی۔ کئی دفعہ رد و بدل ہوا آخر بصرہ کا پر فضا مقام پسند کیا گیا۔ اور عتبہ بن غزوان نے قریباً اسی زمانے میں جب کوفہ بنا ہوا تھا اجازت لیکر اسی وضع پر کچے سے پکے گھر بنائے۔ دونوں شہروں کو معافیات اور اراضیات وقف دی گئیں مگر چونکہ کوفہ کی آمدنی زیادہ تھی وہ رونق اور آبادی میں بصرے سے بڑھا رہا۔[1]

ایک دوسرے مؤرخ کوفہ اور بصرہ کی آبادی اور رونق کی کیفیت کو اس طرح لکھتے ہیں۔ کہ "کوفہ اسلام کی وسعت اور تمدن کا گویا دیباچہ تھا۔ اہل عرب کی روزافزوں ترقی کے لیئے عرب کی مختصر آبادی کافی نہ تھی۔ اس ضرورت سے حضرت عمرؓ نے سعد بن ابی وقاص کو جو اس وقت حکومتِ کسریٰ کا خاتمہ کر کے مدائن میں اقامت گزین تھے خط لکھا کہ "مسلمانوں کے لیئے ایک شہر بساؤ جو ان کا دارالہجرت اور قرارگاہ ہو"۔ سعد نے

[1] علامہ شبلی کی کتاب سیرۃ النعمان صفحہ ۲۳۔

کوفہ کی زمین پسند کی سنہ ۱۷ ہجری میں اسکی بنیاد کا پتھر رکھا گیا اور معمولی سادہ وضع کی عمارتیں تیار ہوئیں - اسی وقت عرب کے قبائل ہر طرف سے آکر آباد ہونے شروع ہوئے یہاں تک کہ تھوڑے دنوں میں وہ عرب کا ایک خطہ بن گیا - حضرت عمرؓ نے یمن کے بارہ ہزار اور نزار کے آٹھ ہزار آدمیوں کے لیئے جو وہاں جاکر آباد ہوئے تھے روزینہ مقرر کر دیئے - چند روز میں جمعیت کے اعتبار سے کوفہ نے وہ حالت پیدا کی کہ جناب فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوفہ کو "رمح اللہ" "کنز الایمان" - "جمجمۃ العرب" فرمایا کرتے تھے اور خط لکھتے تو اس عنوان سے لکھتے تھے - "الی راس اہل الاسلام" "الی راس العرب" - حضرت علی علیہ السلام نے اس شہر کو دار الخلافت قرار دیا - صحابہ میں سے ایک ہزار پچاس شخص جن میں چوبیس وہ بزرگ تھے جو غزوۂ بدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے وہاں گئے اور انہوں نے سکونت اختیار کرلی - ان بزرگوں کی بدولت ہر جگہ حدیث و روایت کے چرچے پھیل گئے تھے اور کوفہ کا ایک ایک گھر حدیث و روایت کا درس گاہ بن گیا تھا ؛

بصرہ بھی اسی مقدس خلیفہ کے حکم سے آباد ہوا تھا اور وسعت علم اور اشاعت حدیث کے اعتبار سے کوفہ کا ہمسر تھا - یہ دونوں شہر مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی طرح علوم اسلامی کے دار العلم خیال کیئے جاتے تھے - سفیان بن عیینہ جو ائمہ حدیث میں شمار کیئے جاتے ہیں اکثر فرماتے تھے کہ مناسک کے لیئے مکہ - قرأت کے لیئے مدینہ اور حلال و حرام فقہ کے واسطے کوفہ ہے ؛

کوفہ اور بصرہ کی رونق اور آبادی کی ترقی درحقیقت تعجب انگیز تھی - تھوڑے ہی زمانہ میں آبادی کی نوبت لاکھوں تک پہنچ گئی اور ان نو آباد شہروں میں سلطنت کے دعویداروں کی قسمتوں کے فیصلہ ہونے لگے ؛

سر ولیم میور نے جو ریمارک کوفہ اور بصرہ پر کیا ہے وہ پڑھنے کے لائق ہوگا کہ "کوفہ اور بصرہ کو جو اپنی بنا میں ایسے عدیم المثال تھے خلافت اور خود اسلام کی قسمتوں پر حیرت انگیز اثر حاصل تھا - آبادی کا بڑا حصہ جزیرہ نما سے آیا اور خالص عرب کی نسلوں سے جو قبائل مع اپنے کنبوں کے ایران کے شکار کے واسطے عراق عرب کی طرف سیلاب دریا کی طرح امڈ کے چلے آتے تھے وہ خصوصاً ان دونوں شہروں میں آباد ہوتے تھے - کوفہ میں یمن اور جنوب کے قبائل زیادہ تر آباد ہوتے تھے اور بصرہ میں شمال کے بہت جلد وہ دو بہت بڑے اور پر رونق شہر ہوگئے جن میں سے ہر ایک میں دو لاکھ اور ڈیڑھ لاکھ متنفس سے کم نہ ہوں[1] گے - اسلام کے ادب - مذہب اور ملکی معاملات پر باقی تمام اسلامی دنیا کا اثر نہ تھا جتنا کہ ان دو شہروں کا تھا - جنگی خدمت گاہ بگاہ کرنی پڑتی تھی اور باقی وقت

---

[1] یہ آبادی کا شمار مورخ مذکور نے بلاذری کے قول سے اخذ کیا ہے جو اس نے ۵۰ ہجری میں زیاد کے وقت میں کوفہ میں اسی ہزار سپاہی اور ایک لاکھ بیس ہزار کنبوں اور بصرہ میں ساٹھ ہزار سپاہی اور اسی ہزار کنبوں کے موجود ہونے کی لکھی ہے - سر ولیم میور کی اپنی رائے یہ ہے کہ تمام غیر اقوام وغیرہ کی آبادی ملکر ہر ایک شہر میں تین لاکھ سے کم نہ ہوگی - مؤلف ۱۲

بیکاری میں گزرتا تھا۔جس کو وہ امور تمدن سے جوڑ توڑ کے مشوروں میں گزارتے تھے اور وقت کے معاملات پر بحث کرتے وقت وہ گزشتہ ایام کی طرف جا نکلنا بہت پسند کرتے تھے اور لڑی ہوئی لڑائیوں کو پھر پھر لڑتے تھے جس سے روایت کا سلسلہ اور اختلاف پیدا ہوا ہے۔لیکن یہ مباحثے بعض اوقات قبائل کی باہمی رقابت اور خانگی بدنامیوں تک پہنچ جاتے تھے۔رفتہ رفتہ لوگ فتنہ انگیز اور فسادی ہو گئے اور یہ دونوں شہر مفسدہ اور ہنگامہ کی جگہ ہو گئے ؛

یہ فتنہ جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دانشمند اور مضبوط ہاتھوں سے رو کے اور دبائے ہوئے تھے کمزور خلفاء کے وقت میں برانگیختہ ہو گئے اور اسلام کے اتفاق اور یکجہتی کو چیر ڈالا اور تکلیف و مصیبت کے دن سامنے آ گئے ؛

قاہرہ بھی اسی طرح بنا کر آباد ہوا ہے۔مصر کو فتح کرکے عمرو بن العاص سکندریہ کو اپنا صدر مقام قرار دینا چاہتا تھا مگر حضرت عمرؓ نے لشکر سے اتنی دور اور ایسے مقام پر رہنا جس کے راستہ میں دریا کی کئی شاخیں حائل ہوں نا پسند کیا۔اس لیئے وہ شمالی مصر کو واپس آ گیا۔عربوں کی ایک جماعت دریائے نیل عبور کرکے مغربی جانب مقام غزیہ پر بیمار۔حضرت عمرؓ نے اس شرط پر وہاں رہنے کی اجازت دی کہ ایک مضبوط قلعہ فوج کی حفاظت کے واسطے بنا لیا جائے۔فوج کا صدر مقام ممفس کے قریب مقرر کیا گیا جہاں فسطاط (فستات) کے نام سے جس کے معنی لشکر گاہ کے ہیں ایک چھاونی قایم ہو گئی اور تھوڑے ہی عرصہ میں وہ عظیم الشان شہر پیدا ہو گیا جو قاہرہ کے نام سے مصر کا دارالسلطنت ہے۔عمرو بن العاص نے وہاں ایک عظیم الشان مسجد کی بنا رکھی جو اب تک اُن کے نام سے مشہور ہے ؛

غرض حضرت عمرؓ کے فوج اور ملک کے پُرحکمت اور شایستہ انتظام سے جو عجائبات پیدا ہوئے اُن میں سے کوفہ و بصرہ اور قاہرہ بھی تھا ؛

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک مستقل اور مستحکم انتظامی اصول عموماً اور فوج کی نسبت خصوصاً عرب کی سادہ طرز معاشرت اور سادگی عادات قائم رکھنے کا تھا۔جیسے کہ وہ عربوں کے ممالک غیر میں آباد ہونے یا جاگیر پیدا کرنے کے مخالف تھے ویسے ہی وہ اُن کے اپنی سادگی اور سادہ طرز معاشرت چھوڑ کے دوسرے ممالک کی عادات اختیار کرنے کے عیش و عشرت میں پڑ جانے کے خوف سے سخت مخالف تھے ؛

فوج کے انتظام کے بعد صیغہ مال۔دیوانی خراج محاصل اور محصولات وغیرہ کا انتظام تھا۔کوئی شخص دنیا میں اس حیرت ناک امر کو تعجب کے بغیر نہ سنیگا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دس سالہ خلافت کے زمانہ میں جو ممالک اور صوبے فتح ہو گئے تھے اُن کا مجموعی رقبہ ہمارے وسیع ملک ہندوستان کے رقبہ کے قریب قریب ہوگا اور اگر عرب کا رقبہ بھی اُس میں شامل کر لیا جائے تو روس کو خارج کرکے باقی تمام یورپ کے رقبہ سے زیادہ ہوگا اتنی بڑی سلطنت کا جو اسقدر جلد فتح ہوئی انتظام کر لینا کوئی آسان کام نہ تھا۔اور ہم یہ نہیں کہتے حضرت

عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کما حقہٗ انتظام کر لینے میں کامیاب ہوئے بلکہ یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ جو اصول نظم و نسق کے اُنہوں نے اختیار کیے تھے اُس سے بہتر اور شائستہ اصول ہو سکتے تھے یا نہیں۔ حضرت عمرؓ کا اپنے کام پر اختیار تھا مگر وقت پر اختیار نہیں تھا۔ اُن کو صرف اس بنیاد کے قایم کرنے کی مہلت ملی جس پر کہ اسلامی سلطنتوں کی عظیم الشان عمارتیں بنائی گئیں۔ اگر اُن میں کوئی نقص تھا تو وہ اُس بنیاد سے تجاوز کر جانے کا تھا۔

فتوحات کے عقب میں ممالک مفتوحہ کا سِوِل یعنی دیوانی انتظام تھا۔ اس قسم کے انتظام کے واسطے تقسیمِ ملک کی ضرورت تھی مگر کوئی نئی تقسیم زیادہ تر نہیں کی گئی۔ اُنہیں اضلاع اور صوبجات میں جن میں کہ وہ پہلے تقسیم تھے اُن کو منقسم رہنے دیا اور ہر ایک شہر میں جو صوبہ یا ضلع کا صدر مقام تھا عمّال مقرر کر کے بھیجے۔ یہ عمّال عموماً چار قسم کے تھے۔ ایک امیر جس کے متعلق انتظام کُل امورِ ریاست اور فوج کا انتظام تھا۔ دوسرا قاضی جو انفصال مقدمات اور عدالت کا کام کرتا تھا۔ تیسرا تحویلدار جس کی سپردگی میں خزانہ رہتا تھا۔ چوتھے وہ عُلماء جو مذہب کی تلقین اور وعظ کی غرض سے بھیجے جاتے تھے۔ اُن کے اپنے اپنے کام علیحدہ علیحدہ تھے اور ہر ایک اپنے کام کے واسطے جوابدہ تھا اس طرح پر عہدوں اور اختیارات کو تقسیم کیا اور بڑی دانشمندی کا کام عام انتظامی و مالی اختیارات اور عدالت کا جُدا کر دینا تھا جس کی ضرورت پر اس شائستگی کے زمانہ میں بھی معقول بحثیں پیش کیجاتی ہیں ۔۔

مُلک کا باقاعدہ بندوبست شروع کیا۔ عثمان بن حنیف اور حذیفہ بن یمان کو پیمایش کرنے کے کام پر مقرر کیا۔ سواد کے کُل اضلاع کی پیمایش تین کروڑ ساٹھ لاکھ جریب ہوئی۔ اسیطرح پر عراق و شام تک اس سلسلہ کو وسعت دی اور ایک باقاعدہ اصول اور شرح کے موافق خراج اور مال گزاری مقرر ہوئی۔ یہ شرحیں حیثیت اراضی کے موافق مختلف تھیں[۱]۔ مگر عام شرحیں لگان کی حسب ذیل تھیں :-

نخلستان	فی جریب یعنی پون بیگہہ کچّہ	۱۰ درھم	(بعض روایات میں پانچ درھم)
انگور۔	”	”	۱۰ درھم۔
نیشکر۔	”	”	۶ درھم
گیہوں۔	”	”	ایک درھم ایک صاع غلّہ (پونے چار سیر)
جَو۔	”	”	ایک درھم و صاع غلّہ
رُوئی۔	”	”	۵ درھم

مصر کا خراج فی جریب ایک دینار مقرر ہوا اور عمرو بن العاص نے جو مصر کے امیر تھے یہ عہد لکھدیا کہ اس شرح سے کبھی زائد نہ لیا جاوے گا۔ اس لحاظ سے مصر کا بندوبست استمراری سمجھنا چاہیے ۔ ان

---

[۱] ازالۃ الخفا باب سیاست فاروق اعظم ۱۲

شہروں میں بھی اکثر کمی اور تبدیلی ہوتی رہتی تھی[1]۔ گبن یورپ کا مورخ اعظم اس انتظام کے ذکر میں لکھتا ہے کہ "ایران کا انتظام آدمیوں، مویشیوں اور زمینوں کی پیداوار اور پھلوں کے عملی حساب اور پیمائش پر رکھا گیا۔ خلافت کا یہ قابل یادگار کام جس سے خلیفوں کی ہوشیاری اور خبرداری معلوم ہوتی ہے ایسا تھا کہ ہر زمانہ کے حکیم اور فلاسفر اس سے سبق اور ہدایت حاصل کر سکتے تھے"[2]۔

مال تجارت پر محصول مقرر کیا گیا۔ یہ محصول مسلمانوں سے زکوٰۃ کی مختلف شرحوں سے لیا جاتا تھا۔ ذمیوں سے پانچ روپیہ فی صدی کے حساب سے اور حربیوں سے دس روپیہ فی صدی کی شرح سے لیکن زکوٰۃ کی طرح یہ محصول سالانہ ہوتا تھا اور سال میں اسی مال پر پھر محصول نہیں لیا جاتا تھا اگر غلطی سے لیا جائے تو واپس کر دیا جاتا تھا۔ ان محصولوں کے وصول کرنے کے واسطے ایک جدا عملہ مقرر تھا جن میں بصرہ کی سمندر کی پیداوار کا محصول وصول کرنے والے عمال بھی شامل ہیں۔

جزیہ صلح اور ذمہ داری حفاظت کا ٹیکس تھا۔ اسکی مختلف شرحیں تھیں مگر چار درہم ماہوار سے زیادہ نہیں لیا جاتا تھا۔ عام شرحیں ایک درہم اور دو درہم ماہوار تھے۔ لیکن بیس برس سے کم اور پچاس برس سے زیادہ عمر والوں اور عورتوں اور مفلوج معطل العضو، نابینا، مجنون، مفلس یعنی جس کے پاس دوسو درہم سے کم، عموماً سب کو معاف تھا۔

سر ولیم میور نے پراونشل اور سول اڈمنسٹریشن کو نہایت اختصار سے ان الفاظ میں بیان کر دیا ہے کہ "فتوحات کے پیچھے سول (دیوانی) انتظام کیا گیا۔ عراق عرب میں نہروں کو جال کی طرح پھیلا دینے کا کام ہاتھ میں لیا گیا۔ دجلہ اور فرات کے بند اور پشتے جو زمانہ دراز سے فراموش ہو گئے تھے اُن کا انتظام دو جدا جدا خاص افسروں کے سپرد کیا گیا۔ شام اور عراق کی ایک ایک کھیت کی پیمائش کی گئی اور ریاست اور رعایا کی دونوں قسم کی اراضی پر ایک معین اور یکساں قاعدہ کے موافق لگان مقرر کیا گیا۔ عراق میں دہقانوں یا بڑے جاگیرداروں کی نیابت سے جیسا کہ ساسانیوں کے وقت میں دستور تھا پولیس اور خراج کے انتظام میں مدد لی گئی"[3]۔

غرض ملک کی آبادی اور سرسبزی اور امن و آسائش کو ترقی دینے کے واسطے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا گیا۔ "جو لوگ اپنی زمینوں اور املاک کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے اُن کے واپس بلانے کے واسطے حکم بھیجا اور ایک خفیف اور معتدل خراج مقرر کر کے اُن کو اپنی زمینوں اور املاک میں ذمیوں کے نام سے نہایت پختگی سے آباد کر دیا"[4]۔

اہل عرب کی درخواستیں شام اور عراق کی زمینیں ضبط کر کے اُن کو دی جانے کی نامنظور کیں[5]۔ "انکی

---

[1] المامون حصہ دوم صفحہ ۱۹
[2] ہسٹری اوف سراسینس مؤلفہ گبن و اوکلی صفحہ ۶۴
[3] انلس اوف خلافت صفحہ ۲۳۰
[4] انلس اوف خلافت صفحہ ۱۹۴
[5] انلس اوف دی خلافت صفحہ ۱۹۵

ناراضی بھی گوارا کرلی مگر صحرائے شام کے کناروں سے لیکر ایران کے سلسلۂ کوہ تک کسی ایک ٹکڑۂ اراضی کی فروخت وغیرہ منع کردی گئی۔ اس طرح پر اصلی مزارعین اور رعایا کے واسطے دوگونہ حفاظت کا انتظام ہوگیا جو کسی صورت میں بھی اپنی زمینوں اور املاک[۱] سے خارج نہیں کیئے جاتے تھے۔ پس ملک اپنے اصلی کاشتکاروں کے ہاتھ میں رہ کر اور پرورش پاکر سبز اور زرخیز اور مستقل خراج کا ذریعہ ہوگیا"[۱]

آبپاشی کے کام کو اعلیٰ شائستگی کی دانشمندی سے نہایت سرگرمی سے ترقی دی گئی جو ترقی زراعت کا اصول اور جزو تھی ٭

فتوحات کی وسعت اور فوج کشی کو کئی دفعہ روک کر امن و آبادی اور زراعت کے کام میں مصروف ہونے کا حکم دیا۔ ہرمزان کو جب ایک دفعہ شکست دیکر سردار لشکر عرب نے اس کا تعاقب کرنے اور سامنے کے ملک پر قبضہ کرلینے کی اجازت چاہی تو حضرت عمرؓ نے اجازت نہ دی اور حکم دیا کہ آبپاشی کے وسائل اور کام کی درستی اور ترقی اور خوزستان کی قابل زراعت زمینوں کی نوآبادی اور زراعت کرانے میں مصروف ہوں[۲]۔ تمام علاقہ میں نہروں کو جال کی طرح پھیلا دیا[۳]۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہا کرتے تھے کہ "غنیمت سے خراج اچھا ہے[۴]" یعنی فتوحات کی جانب توجہ کرنے سے زیادہ ضروری زراعت اور آبادی اراضی میں مصروف ہونا ہے ٭

تجارت کی ترقی کے واسطے بھی ایسے ہی آزادانہ اور شائستہ اصول اختیار کیئے گئے۔ غیر ممالک کے باشندوں یعنی اہل حرب یا حربیوں کو اپنے ممالک مفتوحہ میں آنے اور آزادی سے تجارت کرنے کی اجازت دی اور ان کی حفاظت کے خود ذمہ وار ہوئے۔ مثلاً اہل منبج نے اسی غرض سے درخواست بھیجی تو انکو منظور کرکے اجازت دیدی[۵]"

پولیس[۶] اور ڈاک[۷] و فینانس کی ضروریات کا مناسب انتظام کیا۔ سر ولیم میور خالصہ جاگیرات کو بیت المال میں شامل کرنے کی وجہ یں لکھتے ہیں کہ "نہروں کے اس عظیم سلسلہ کی ضروریات اور ڈاکخانہ اور دوسری قسم کی خدمات کا خرچ آمدنی خراج پر تھا"[۸]

رفاہ عام کے کام بھی نہایت شائستہ اصولوں پر اختیار کیئے گئے۔ کعبہ کے احاطہ کی وسعت زیادہ کردی اور حرم کے نشانوں کی تجدید کی گئی اور بڑے چوک کی تعمیر کی ابتدا کی گئی جو تمام اقوام کے عبادتگاہ ہونے کے لائق ہو[۹]۔ جو مکانات احاطہ کعبہ کے بہت قریب تھے اور ساتھ مل گئے تھے ان کا معاوضہ دیکر اٹھوا دیا گیا[۱۰] ٭

---

[۱]	انلس اوف خلافت صفحہ ۱۹۵	[۲]	انلس آف دی خلافت صفحہ ۲۵۱
[۳]	〃 〃 ۱۳۰	[۴]	〃 〃 ۲۴۳
[۵]	ازالۃ الخفا باب سیاست	[۶]	〃 〃 ۲۳۰
[۷]	انلس اوف دی خلافت صفحہ ۱۹۵	[۸]	ازالۃ الخفا و انلس اوف دی خلافت صفحہ ۲۶۳
[۹]	〃 〃 ۱۶۳	[۱۰]	انلس اوف دی خلافت صفحہ ۲۶۲ ٭

مکہ سے لیکر مدینہ تک سڑک پر سایہ اور پناہ کا انتظام کرایا گیا۔ اور حاجیوں اور مسافروں کے ٹھہرنے کے واسطے مکانات تعمیر کرائے گئے[۵۱]۔ جہاں جہاں کنوئیں موجود تھے اور بھر گئے تھے یا بند ہو گئے تھے اُن کو صاف کرایا گیا اور جہاں پانی نہ تھا وہاں کنوئیں کھدوا دیئے گئے[۵۲] اور تمام کنوئیں اور چشمہ قریب کے قبائل کی ذمہ داری میں سپرد کر دیئے گئے۔

مسجد نبوی کو زیادہ فراخ کر دیا گیا اور اس میں فرش بچھانے کا انتظام کیا۔ سڑکیں اور راستہ نکالے گئے اور آمد و رفت کے وسائل کو ترقی دی گئی۔ نئے شہر اور مکانات تعمیر آباد کرائے گئے۔ نہریں کھدوائی گئیں۔ دریاؤں پر پلیں بنائی گئیں۔ اور مسجدیں تعمیر کرائی گئیں۔ تب قریب چھبیس شہروں پر جو بقول ایک مورخ کے مع اپنے تواریخ اور ملحقات کے فتح ہوئے۔ چار ہزار مسجدیں تعمیر کرائی گئیں اور نو سو جامع مسجدوں کے محرابوں میں ممبر لکھوائے گئے[۵۳]۔

ایک بڑا عظیم الشان کام حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ کا بحر احمر اور دریائے نیل کے پانیوں کو ایک بہت بڑی نہر سے ملا دینے کا تھا جس سے مصر اور عرب کی باہمی تجارت میں بہت بڑی ترقی ہو گئی۔ انگریزی مورخ اس کی کیفیت اس طرح پر بیان کرتا ہے کہ "ایک قابل یادگار کام جو عمرو بن العاص نے سکندریہ سے فسطاط کو واپس آکر شروع کیا اُس سے مصر سے عرب کو غلہ بھیجے جانے کے وسائل نہایت سہل ہو گئے۔ قدیم زمانہ میں جو شمالی مصر میں دریائے نیل اور بحر احمر کے درمیان سوئیز پر آمد و رفت کا ذریعہ تھا اُسکی تجدید کر دی گئی۔ یہ بڑی نہر دریا کی سب سے مشرقی شاخ سے بلبیس کے قریب سے شروع ہو کر وادی تملات سے گزر کر اور تمسیہ کے قریب کھاری جھیلوں میں سے ہوتی ہوئی نہر سوئیز کے نچلے حصہ کے پاس بحر احمر سے جا ملی۔ قدیم اور جدید نہر کے مفصل حالات معلوم نہیں ہوتے۔ مگر اس میں کچھ شبہ نہیں کہ حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں قاہرہ سے عرب کے کناروں تک جہاز آتے تھے اور دونوں ملکوں کے درمیان باقاعدہ آمد و برآمد قایم ہو گئی تھی۔ خود خلیفہ نے مدینہ کے بندر ینبوع پر جاکر اپنی آنکھوں سے جہازوں کو وہ اسباب اُتارتے ہوئے دیکھا جو مصر کے میناروں کے سایہ کے تلے اُن پر لادے گئے تھے۔ یہ نہر اسّی برس تک جاری رہی اور پھر ریت اور مٹی سے بھر جانے سے چھوٹ گئی[۵۴]"۔

شمار تاریخ اور سنین کے واسطے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلامی سنہ ہجرت سے مقرر کیا جو سنہ ہجری کے نام سے اسلام کے ساتھ باقی رہیگا۔

---

[۵۱] ازالۃ الخفا باب سیاست و اُنلس اوف دی خلافت صفحہ ۲۶۳
[۵۲] ازالۃ الخفا باب سیاست
[۵۳] اُنلس اوف دی خلافت صفحہ ۲۶۳
[۵۴] ازالۃ الخفا بسند روضۃ الاحباب
[۵۵] اُنلس اوف دی ارلی خلافت صفحہ ۲۴۵

اس سے پہلے سالوں کا شمار مختلف طریقوں سے ہوتا تھا۔ اس میں باقاعدگی اور صحت پیدا کرنے کے واسطے سنہ ہجری مقرر کیا۔ ہجرت اگرچہ چوتھی ماہ ربیع الاول کو ہوئی تھی لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ماہ محرم کی پہلی تاریخ سے سال کا حساب شروع کیا جو اب تک بدستور رائج ہے ؛

غرض حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سلطنت اور خلافت کی بنا ایسے شایستہ اصولوں پر رکھی اور ایسے شایستہ اصول اختیار کیے کہ کوئی مہذب سے مہذب گورنمنٹ بھی اس سے بہتر اصول رکھنے کا فخر نہیں کرسکتی۔ قوانین کا بنانا۔ فوج کا انتظام۔ پولیس۔ اشاعت مذہب کی تدبیریں۔ ڈاک خانہ۔ باقاعدہ مالگزاری۔ انتظام ملک کے محکمے اور انصاف کی عدالتیں۔ رعایا کی خبرگیری۔ ارضی و سماوی آفات۔ قحط و وبا کا انتظام۔ یہی چیزیں ہیں جن پر ہر ایک مہذب سلطنت کی بنا ہے ؛

قانون اور عدالت کا ذکر ہم آیندہ کرینگے۔ لیکن اس باب کے ختم کرنے سے پہلے ہم اُن ناگہانی آفتوں قحط اور وبا کے انتظام کا ذکر کریں گے جس سے مقابلہ کرنے کے واسطے کسی سلطنت کی تاریخ میں اس سے بہتر نظیر نہیں پائی جاسکتی ؛

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا پانچواں سال قحط اور وبا کی دوگونہ آفات کے وبال سے تاریک ہوگیا۔ اس سال کو سال رمادہ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ غالباً اس وجہ سے کہ حجاز کی گرم اور خشک ہوا نے تپی ہوئی اور جلی ہوئی زمین کی مٹی اور خاک کو اُڑا کر آسمان کو گرد و غبار سے آلودہ کردیا تھا۔ جزیرہ نما کے شمالی نصف میں قحط اور خشکی اس شدت سے نمودار ہوئی کہ قدرتی روئیدگی کی سبزی اس طرح جلکر راکھ ہوگئی جیسے اُس کے اوپر آگ جلادی جاتی ہے۔ ریگستان کے وحشی اور جنگلی جانوروں کو بھوک اور شدت نے ایسا بھوکا اور مانوس کردیا تھا کہ سیدھے انسان کے پاس چارہ تلاش کرنے کو دوڑے آتے تھے۔ گلے اور ریوڑ جانوروں کے بھوک سے مرگئے یا ایسے دُبلے ہوگئے کہ پوست و استخوان کے سوا اُن میں کچھ نہ رہا جو انسان کی غذا کے کام آتا۔ بازار خالی اور ویران ہوگئے۔ لوگ محصور فوج کی تنگی کی آخری نوبتوں پر پہنچ گئے اور تکلیف اور مصیبت کی کوئی حد نہ رہی۔ قبائل اعراب کے طائفے مدینہ میں آکر جمع ہوگئے اور اُس مصیبت اور تکلیف کو اور بھی بڑھادیا[1] ؛

حضرت عمرؓ نے خواب و خورش اپنے پر حرام کرلی اور مسلمانوں کی خبرگیری اور اس مصیبت کو دفع کرنے کے واسطے کمر ہمت باندھ لی[2] ؛

بیت المال میں جو کچھ کہ تھا یا آتا تھا آخری درہم تک مساکین اور محتاجوں میں تقسیم کردیا جاتا تھا۔ اور جو لوگ غلہ کو بند رکھنے کا کام کرتے تھے اُن کو اس حرکت سے روک کر غلہ کی فروخت کرائی جاتی تھی۔ آسودہ

---

[1] آلمس اوف دی خلافت صفحہ ۲۳۲ [2] ازالۃ الخفا باب سیاست

کھانے سے انکار کیا اور کھانا منگوایا۔ اور اُس گوشت کو اپنے یرفا غلام کو کہا کہ فلاں گھر میں جو تنغ میں ہے جاکر دے آئیں وہاں نہیں گیا اور وہ بھوکے ہوں گے" لہ

اپنے بیٹے پر ایک دن کھیرا کھانے پر ناراض ہوئے اور گھوڑے کی سواری تک ترک کردی۔ قبائل اعراب کے اکٹھا ہو جانے سے ایک مدینہ کے کئی مدینہ بن گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا معمول ہوگیا کہ دن اور رات گھر گھر اور کوچہ کوچہ اور اعراب کی جماعتوں میں غلہ اور کھانا تقسیم کرتے ہوئے پھرتے اور اپنی ان تکلیفوں کو راحت سمجھتے۔ بے شمار واقعات اُن کی خدا ترسی۔ مخلوق کی محبت اور ہمدردی۔ رعایا کی خبرگیری اور غمخواری۔ اور اپنے فرائض کو ایک ایسے عجیب غریب طریقہ میں ادا کرنے کے بیان کیئے گئے ہیں۔ اور کتب سیر و تواریخ کے بہت سے صفحوں کا دلچسپ مضمون ہیں۔ مگر ہم ایک دو روایتوں پر اکتفا کریں گے۔

غالباً انہیں دنوں میں رات کو پھرتے ہوئے ایک گھر میں پہنچے جہاں سے بچوں کے رونے کی آواز آرہی تھی۔ دیکھا کہ ایک عورت چولہے پر ہنڈیا رکھے ہوئے بیٹھی اُس کے نیچے آگ جلا رہی ہے اور بچے اُس کے گرد رو رہے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے دروازے کے قریب ہو کر پوچھا کہ یہ بچے کیوں روتے ہیں۔ اُس نے جواب دیا بھوک سے۔ تو کہنے لگے کہ ہنڈیا آگ پر کیسی رکھی ہوئی ہے۔ اُس نے کہا کہ بچوں کے بہلانے کے واسطے اس میں پانی ڈال کر رکھ چھوڑا ہے کہ اسکو دیکھتے دیکھتے سو جائیں گے۔ یہ سُن کر حضرت عمرؓ کے آنسو نکل آئے اور روتے ہوئے بیٹھ گئے۔ پھر اُٹھکر بیت المال کی طرف بھاگے۔ اور ایک بوری کو اُس میں آٹا اور گھی اور چربی خشک کھجوریں اور کچھ کپڑے اور درہم ڈال کر بھر لیا اور اسلم اپنے غلام کو کہا کہ یہ مجھے اُٹھوا دے۔ اسلم نے کہا یا امیرالمومنین میں جو ساتھ ہوں میں اُٹھاؤں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ خدا کے سامنے اس کا میں جوابدہ ہوں میں ہی اُٹھاؤں گا۔ اسلم نے وہ بوجھا اُٹھوا دیا۔ اور اُسکو لیکر اُس عورت کے گھر پہنچے۔ خود ہی اُسکی ہنڈیا میں کھانا چڑھایا اور بیٹھکر آگ جلا کر پکایا۔ اسلم کہتا ہے کہ آگ پھونکنے میں اُن کی مبارک ریش دراز سے دھواں نکل رہا تھا۔ جب کھانا پک گیا تو اُن بچوں کو کھلا کر اور باقی غلہ وغیرہ اُن کو دیکر وہاں سے چلے آئے ؎۲

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہا کرتے تھے کہ فاروقؓ کی قبر پر خدا کی رحمت نازل ہو کہ سال رمادہ میں میں نے اُن کو دیکھا کہ ایک چرمی تھیلہ طعام سے بھرا ہوا اپنی پیٹھ پر اُٹھائے ہوئے جارہے ہیں ہاتھوں میں ایک برتن ہے جس میں زیتون ہے۔ اسلم بھی اُٹھانے میں اُن کے ساتھ شریک ہے۔ میں بھی اُن کے ساتھ ہو لیا۔ یہاں تک کہ ہم چشمۂ ضرار پر پہنچے۔ میں نے دیکھا کہ بنی محارب کے بیس خانہ بدوش وہاں اترے ہیں اُن کے آنے کا سبب پوچھا۔ اُنہوں نے اپنی بھوک اور محتاجی بیان کی۔ اُس وقت بوجھ کو اُتار کر زمین پر رکھا

اور اُن کے واسطے روٹی پکانے میں مصروف ہوگئے اور پکا کر کھلادی اور لباس اور طعام کے کچھ اونٹ منگواکر اُن میں تقسیم کر دیئے [۵۱]۔

یہ سلوک اُن کا رعایا اور غیر رعایا سب کے ساتھ برابر تھا۔ دُور دراز سے لوگ مزدوری اور تلاش معاش میں آتے تھے۔ اُن کو کھانا اور کپڑا دیا جاتا تھا اور قحط کے رفع ہوتے تک جب تک لوگ وہاں ٹھہرے رہے اُن کی ہمیشہ خبرگیری کرتے اور اُن میں پھر کر اُن کی حاجتوں کو رفع کر دیتے تھے۔ غرض نہایت جانفشانی اور مصائب برداری سے اپنی ذات پر تمام تکلیفیں گوارا کر کے لوگوں کی تکالیف کو رفع کرتے رہے۔ زیتون اور روٹی کے مدت تک کھانے اور دودھ گھی کے چھوڑ دینے سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا چہرہ فربہی تروتازگی اور روشن اور صاف رنگ زردی اور سیاہی سے بدل ہوگیا اور لاغر اور دُبلے ہوگئے [۵۳]۔

قحط کے بعد ۱۸ھ ہجری میں اُس سے بڑی بُری آفت وبائی نمودار ہوئی۔ یہ وبا شام میں پیدا ہوئی اور حمص اور دمشق وغیرہ مقامات میں جو اہل عرب کے صدر مقام تھے عربوں کی عزیز جانیں اس آفت ناگہانی کا شکار ہوگئیں اور ملک میں ویرانی اور تباہی پڑگئی۔ شام سے گزر کر صحرا سے گُزرتی ہوئی یہی وبا عراق میں پہنچی اور بصرے تک اپنے مہلک پنجوں سے شکار کر لیا۔ تمام طرف وحشت اور مصیبت گونج رہی تھی۔ اُس کے بے رحم حملوں کے سامنے چھوٹے اور بڑے خاص اور عام کی کوئی تمیز نہ تھی۔ حضرت عمر نے ابو عبیدہ کو مدینہ بُلا بھیجا۔ مگر انہوں نے مُسلمانوں کو اس مصیبت میں چھوڑ کر خود جان بچا کر چلا آنا منظور نہ کیا۔ ابو عبیدہ کا خط پڑھکر حضرت عمرؓ کو نہایت رنج ہوا اور آپ نے بذات خود شام میں جانے اور لوگوں کی مصیبت میں شریک ہونے اور اُس کا سبب معلوم کرنے اور اُس کے دفعیہ کی کوشش کرنے کا ارادہ کیا۔ اور مدینہ سے روانہ ہوئے۔ حوالی تبوک پر مقام سرغ پر ٹھہرے جہاں اصحاب اور دوسرے خاص لوگ آگے سے آن ملے اور نہایت اصرار سے یہ صلاح دی کہ امیرالمومنین وہاں ہی لوٹ جائیں حضرت عمرؓ نے آخر اس صلاح کو مان لیا اور مدینہ کو واپس چلے آئے۔ یہی وہ موقع ہے جبکہ بعض لوگوں نے حضرت عمرؓ سے کہا تھا کہ آپ خدا کے حکم سے بھاگتے ہیں۔ اور اُنہوں نے جواب دیا کہ "ہاں خدا کے حکم سے خدا کے حکم کی طرف بھاگتا ہوں [۵۲]"۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ گو خود چلے آئے مگر کیفیت دریافت کر کے ابو عبیدہ کو حکم دے آئے کہ وبائی شہروں سے تمام لوگوں سمیت اُٹھکر صحرا کے بلند اور مرتفع مقامات پر چلے جائیں۔ ابو عبیدہ اس حکم کے مطابق لوگوں کو لیکر حوران کی پہاڑیوں کی طرف روانہ ہوئے۔ ابو عبیدہ کا راستہ ہی میں وبا سے انتقال ہوگیا مگر حوران میں پہنچکر وبا جاتی رہی۔ اِس وبا سے جو نقصان ہوا وہ پچیس ہزار جانوں تک بیان کیا جاتا ہے [۵۴]۔ مدینہ کے گرد ونواح

---

۵۱ ازالۃ الخفا باب حکایات گشت۔ ۵۲ ازالۃ الخفا باب تصوف و سلوک۔ ذم الدنیا

۵۳ الفاروق خلافت صفحہ ۲۲۳ و ازالۃ الخفا ۵۴ طبری پانچہزار اور انگریزی مورخ پچیس ہزار لکھتا ہے

تباہی پھر گئی اور بہت سے مشہور اور معروف اور نامی اصحاب و اشخاص نے دار فانی سے انتقال کیا ۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ گو سفر شام سے روک دیئے گئے تھے مگر جو قلق اُن کو اِس بلائے بے درماں کے پیدا ہونے اور عظیم نقصان کرنے سے ہوتا تھا اُس نے اُن کو باز نہ رہنے دیا اور آخر ۱۸ ہجری میں شام کا سفر کیا اور مُلک کا انتظام کیا اور متوفّی اشخاص کے ترکوں کی بابت جو جھگڑے تھے اُن کا فیصلہ کیا۔ اِس سفر کی زیادہ کیفیت ہم آیندہ باب میں لکھینگے ۔

بعض مؤرخ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاص خاص کاموں کو جن کو سب سے پہلے اُنہوں نے ہی رواج دیا۔ اُن کی اولیات کے نام سے شمار کرتے ہیں ۔ مثلاً یہ کہ وہ پہلے ہیں جنہوں نے امیر المومنین لقب اختیار کیا اور پہلے ہیں جنہوں نے سنہ ہجری مقرر کیا اور بیت المال دیوان مقرر کیا ۔ غرض اُن کے بہت سے کام اولیات کے نام سے شمار کرتے ہیں لیکن سچ پوچھو تو اُن کے تمام انتظامی کام اُن کی اولیات ہیں کن کن کو شمار کیا جاوے ۔

چھٹا باب

ذاتی فرائض اور اُن کی بجا آوری

اِن تمام حالات اور واقعات سے جو بیان ہوئے ہیں اور ہونگے صاف ظاہر ہے کہ خلافت کا ہر ایک امر حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی ذات ہی سے متعلق تھا اور جس طرح پر وہ اپنے فرائض کو بجا لاتے تھے انسان کے واسطے سبق حاصل کرنے کے لیئے وہ سب سے عمدہ نظائر ہیں لیکن اس باب میں ہم اُن کے خاص ذاتی فرائض کے نام سے بعض واقعات اور امور کا ذکر کریں گے۔

سب سے بڑا اصول جس پر کہ اُن کے کاروبار کی بنا تھی اور جس کے کہ ہر وقت اور ہر حال میں پابند رہتے تھے وہ ہر ایک چھوٹے بڑے امر میں اصحاب سے مشورہ لینا تھا۔ بلا صلاح اور مشورہ کوئی کام نہیں کرتے تھے اور "شاورھم فی الامر" کے ایسے ہی پابند تھے جیساکہ ہونا چاہیئے تھا۔

"ہر ایک جمعہ کو نماز جمعہ سے فارغ ہو کر امیر المومنین تمام اہم تقررات اور ہفتہ بھر کے واقعات جماعت کے روبرو بیان کر دیتے تھے۔ اور یہی واقعات اور امور اور فیصلے عاملوں اور صوبوں کے امیروں کے پاس تحریری بھیجے جاتے تھے۔ وہ خود اُن کو بطور نظیر سمجھ کر اُن پر عمل کرتے تھے اور لشکر اور عامۃ المسلمین کے درمیان اُن کو اعلان اور مشتہر کر دیتے تھے۔ کوئی شخص شہر میں یا لشکر میں امور ملک سے ناواقف نہیں رہتا تھا۔ اور نہ کوئی شخص عوام الناس کی جماعت سے خارج نہیں سمجھا جاتا تھا[1]۔"

یہ وہ اصول ہیں جنہوں نے اُن کی خلافت کو جمہوری سلطنت اور دنیا کی بہترین گورنمنٹ کہلایا ہے۔

فوج اور لشکر کے انتظام اور اُسکی خبر گیری اور نگرانی کے حالات بیان ہو چکے ہیں۔ اہل عرب کی طرف ایسی ضروری ہدایتیں جاری کیا کرتے تھے کہ مثلاً اپنی اولاد کو تیرنا اور تیر چلانا اور سواری کرنا اور ایسی باتیں

---

[1] سپرٹ آف اسلام صفحہ ۲۴۱

تحمل اور تکالیف کا عادی ہونا سکھلاؤ۔ نیک اور مشہور شلیں اُن کے سامنے بیان کرو۔ نیک اشعار سکھلاؤ تاکہ عربوں کی کمان میں تیر رہیگا اور وہ گھوڑوں کی پیٹھ پر ہوں گے عزیز رہیں گے۔ گھوڑوں کو سدھاؤ اور اُن کو کام کرنے کے لائق اور دُبلے رکھو لے

سرداران لشکر اور افواج کو سخت تاکید کیا کرتے تھے کہ اپنے آپ کو خطرے میں نہ ڈالیں۔ اپنی فوج کی جانوں کو عزیز سمجھیں۔ احتیاط اور دوراندیشی سے لڑائی کریں۔ اسی سبب سے خالد سے ناراض ہوا کرتے تھے کہ وہ لڑائی میں بے احتیاط اور بے دھڑک تھا۔ آخر جو خالد سے ناراض ہوئے تو اس کا ایک یہ بھی سبب تھا کہ شام کے غدر کے وقت وہ ابوعبیدہ کو احتیاط چھوڑنے اور حمص سے باہر نکلکر دشمن سے لڑنے کی رائے دیتا تھا۔

غرض خطرے میں پڑنے اور کوئی ایسا کام اختیار کرنے سے جس میں خطرہ کا اندیشہ ہو بہت بچتے تھے اور جو کام ایک دفعہ خطرناک اور مضر ثابت ہوں دوبارہ اُن کو نہ ہونے دیتے تھے چنانچہ ۱۹ھ ہجری میں اُنہوں نے اکدفعہ جنگی جہاز تیار کرواکر بحر احمر میں ابی سینیا کی طرف ایک فوج اس غرض سے روانہ کی کہ مسلمانوں پر جو حملہ ساحل پر انکے کنارہ پر ہوتے تھے اُن کو روک دیا جائے۔ جہاز شکستہ ہوگئے اور مہم میں بہت ناکامی اور نقصان ہوا اور حضرت عمر نے عہد کرلیا کہ ایسا خطرناک کام دوبارہ نہ کرینگے۔

کسی ایک لڑائی کے فتح ہونے کے بعد فوج کو مہینوں اور بعض وقت سالوں تک باوجود اُن کے اصرار کے آگے بڑھنے اور حملہ کرنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ عموماً اُن کی لڑائیاں حملوں کے روکنے اور دشمن کو دفع کرنے کے واسطے ہوتی تھیں۔ لڑائی سے صلح کو زیادہ پسند کرتے تھے۔ اور ایک بڑی احتیاط یہ کرتے تھے کہ جب ایک ملک میں لڑائی ہوتی تھی تو دوسرے ملک میں جنگ کرنے کی اجازت نہیں دیتے تھے تاکہ ایک ہی وقت دو لڑائیوں میں مصروف ہوکر ایک دوسرے کی امداد کے ناقابل نہ ہوجائیں۔ اسی قسم کی احتیاطوں اور نگرانی کا نتیجہ وہ عظیم الشان کامیابی تھی۔ سپاہیوں کی درستئ اخلاق کے لحاظ سے یہ حکم دیا تھا کہ چار ماہ سے زیادہ کسی سپاہی کو لشکر میں رہنے کو مجبور نہ کیا جائے اگر وہ گھر آنے کی رخصت چاہے تو اجازت دیجائے۔

اُن کا ایک ممتاز اور مستقل اصول جو مسلمانوں کو عموماً اور اہل لشکر کو خصوصاً اپنی قدیم سادگی اور اسلامی ابتدائی سادہ دستورات معاشرت اور طرز زندگی قائم رکھنے کا تھا اُسکی نہایت عجیب و غریب اور دلچسپ طریقہ میں نگرانی کرتے تھے اور اپنے ضروری اور اہم فرائض میں اُسکو شمار کرتے تھے۔ وہ خوب جانتے تھے کہ جو عظیم الشان سلطنتیں ایک مُردہ جسم کی طرح اُن کو ملی ہیں وہ عیش و عشرت کے زہریلے سانپ کی کاٹی ہوئی ہیں اور یہی زہر قاتل اگر مسلمانوں میں اثر کرگیا تو رفتہ رفتہ خون مردانگی اُن کے جسم سے نچوڑ لے گا اور ایسے ہی مُردہ

لے ازالۃ الخفا باب کلمات

رہ جاویں گے۔ اسی اصول کے مطابق سب سے اوّل تو اپنی زندگی عجیب و غریب سادگی سے بسر کرتے تھے جس کے حالات آئندہ بیان ہوں گے۔ اور اُس کے بعد اپنے عمال اور عہدہ داروں کو سخت تاکید اس امر کی کرتے تھے اور اسکی خلاف ورزی کو اتنا بڑا جرم سمجھتے تھے کہ اُن کو امیری اور عمالی سے معزول اور برطرف کر دیتے تھے جیسا کہ بعض امیروں اور عمال کے حالات سے جو ہم لکھینگے معلوم ہوگا۔ عام طور پر بھی لوگوں کو ایسی غلطی کرنے پر نہایت تنبیہہ کرتے تھے اور اُن کی حقارت کرتے تھے۔ اس قسم کے بے شمار واقعات ہیں جن میں سے صرف ایک واقعہ بطور مثال کے ہم بیان کریں گے اور باقی بخوف طوالت چھوڑ دیں گے۔ گو بعض اور حالات سے اُن کی اس اصول کی پیروی واضح طور پر معلوم ہوگی۔

احنف بن قیس بیان کرتا ہے کہ "فتوحات عراق اور ایران کے زمانہ میں ہمکو عمدہ اور سفید پوشاکیں بھی دستیاب ہوئیں۔ جب ہم مدینہ کو آئے تو ہم انہیں پہن کر حضرت عمرؓ کے پاس گئے۔ حضرت عمرؓ نے ہماری طرف دیکھکر منہ پھیر لیا اور ہم سے ملنا اور گفتگو کرنا پسند نہ کیا۔ ہمکو یہ بُرا معلوم ہوا اور عبداللہ بن عمرؓ سے ہمنے شکایت کی۔ انہوں نے کہا اس کا سبب یہ تمہارا لباس ہے جس کو وہ پسند نہیں کرتے۔ ہم سب اپنے گھر گئے اور اُس لباس کو توڑ ڈالا اور معمولی کپڑے پہن کر حضرت عمرؓ کے پاس گئے۔ ہمکو دیکھکر حضرت عمرؓ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور ہم میں سے ہر ایک آدمی پر سلام کہا اور ہمکو گلے سے لگایا۔ گویا اس سے پہلے انہوں نے ہمکو دیکھا ہی نہیں تھا۔ جب ہمنے مال غنیمت اُن کے سامنے پیش کیا تو اُس کے تقسیم کرنے میں اُس میں سے ایک قسم کی لذیذ اور خوشبودار مٹھائی نکلی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُسکو چکھا اور ہماری طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے کہ "اے مہاجرین اور انصار کی جماعت یہ وہ طعام ہے جو بیٹے سے باپ کو اور بھائی سے بھائی کو قتل کرائے گا۔"

وہ مٹھائی کسی کو نہ دی اور آخر ایسے مسلمانوں کے بچوں میں تقسیم کرادی جو مہاجرین اور انصار میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شہید ہوئے تھے" [1]

سرداران لشکر اور عمال کو اس اصول کی پابندی کی ہمیشہ تاکید کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ ابو عثمان نہدی بیان کرتا ہے کہ "جب ہم عتبہ بن فرقد کے ساتھ آذربائیجان میں تھے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نامہ اس مضمون کا پہنچا کہ سب لوگ تہبند باندھیں چادر اوڑھیں اور جوتے پہنیں۔ اپنے باپ اسمٰعیلؑ کے لباس کو ضروری سمجھیں۔ عیش و عشرت اور عجمیوں کے لباس سے بچیں۔ دھوپ برداشت کرنے کے عادی رہیں۔ کیونکہ یہی عرب کا حمام ہے۔ سختی اٹھانے اور سخت اور موٹے کپڑے پہننے ضروری سمجھیں۔ کپڑے کو پُرانا ہونے تک پہنیں گھوڑے پر جست کرکے سوار ہونے اور نشانہ بازی کرنے کی مشق کرتے رہیں [2]"

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے اس خیال کو صرف مسلمانوں اور عربوں کی نسبت ہی پورا نہیں کرتے تھے

---

[1] ازالۃ الخفا تصوف وسلوک

[2] ازالۃ الخفا باب کلمات حضرت عمرؓ

کیا جو قوم اور تمدن ہے ... لوگوں کو بھی سادہ لباس میں دیکھنا اور اُن سے ملنا پسند نہیں کرتے تھے۔ ہرمزان جو
کے اسلامی ... ایک واقعہ بیان کرنے میں کہ ہرمزان گرفتار ہوکر مدینہ پہنچا تو اسکو حضرت عمرؓ کے سامنے پیش
کرنے کے واسطے لیکر چلے۔ حضرت عمرؓ کوفہ کی سفارت سے ملاقات کرکے جس میں انہوں نے صوبہ کے بہت
انتظام و کام کیا انجام پایا تھا تھکن سے بڑی مسجد ... میں درّہ ہاتھوں میں لیئے ہوئے فرش پر پڑکر سو رہے تھے۔
ہرمزان جب مسجد پہنچا تو ہرمزان نے پوچھا خلیفہ کہاں ہیں اور اُن کے محافظ اور پہرہ دار کہاں ہیں۔ حقیقت
کسرےٰ ایران کے عالی شان محلوں کے عادی ہیں جس کے دیکھنے کا وہ عادی تھا اس قوی تر عیوب کے گرد و پیش کے
سادہ سامان کو دیکھتا ایک عجیب نظارہ تھا۔ حضرت عمرؓ آواز سے چونک اٹھے اور معلوم کرکے کہ یہی کون شخص
ہے فرمانے لگے کہ حمد ہے اُس خدا کے لیئے جس نے تجھے اور تیرے جیسوں کو مغلوب کیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
نے حکم دیا کہ اس کا بیش بہا لباس اُتروا کر اور موٹے کپڑے پہنا کر اُن کے سامنے لایا جائے۔ تب اسی طرح درّہ
ہاتھ میں لیئے ہوئے انہوں نے اُسکو اُس کی غداری اور عہد شکنی پر ملامت کی۔ ہرمزان نے پانی مانگا۔ حضرت عمرؓ نے
پانی پلانے کا حکم دیا۔ اس نے کہا کہ میں ڈرتا ہوں کہ پانی پینے سے پہلے کوئی بے خبر مجھکو مار ڈالے۔ حضرت عمرؓ نے
جواب دیا کہ پانی پینے تک تیری جان سلامت رہیگی۔ ہرمزان نے یہ عہد لیکر پانی پیالہ سے گرا دیا اور کہا کہ میں تو اس طرح
اپنی جان بچانا چاہتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ "تیرا یہ دھوکا نہ چلے گا مسلمان ہونا یا زندگی سے
ہاتھ دھونا پڑیگا"۔ چنانچہ وہ مسلمان ہوا اور وظیفہ پاکر بڑی عزت کے ساتھ مدینہ میں رہا۔[51]

بیت المال کی حفاظت اور نگرانی اُن کے اپنے ذمہ تھی اور عجیب و غریب طریقہ سے اپنے اس فرض کو
پورا کرتے تھے۔ ایک دن احنف بن قیس رضی اللہ عنہ عرب کی ایک جماعت کے ساتھ عراق سے حضرت عمرؓ کے پاس
آیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ آپ ایک چادر کمر سے باندھے ہوئے بیت المال کے ایک گم شدہ اونٹ کی تلاش میں دوڑے
جاتے ہیں۔ نہایت گرمی کا وقت تھا۔ جب احنف کو دیکھا تو کہا کہ آؤ تھوڑی دیر تک اونٹ تلاش کریں اس میں بیوہ
اور یتیموں اور مسکینوں کا حق ہے۔ ایک آدمی اُن میں سے کہنے لگا کہ اے امیر المومنینؓ آپ بیت المال کے
نوکروں کو اونٹ تلاش کرنے کا حکم کیوں نہیں دیتے۔ کہنے لگے کہ مجھ سے اور احنف سے کون سا غلام اچھا کام
کرے گا۔ جو شخص مسلمانوں کا والی ہو اُس کے ذمہ ہی فرائض ہوتے ہیں جو ایک مالک کے اپنے نوکر کے ذمہ
سمجھتے ہیں۔[52]

ابی بکر انسی بیان کرتا ہے کہ ایک دن میں حضرت عمرؓ، عثمانؓ اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ
بیت المال میں گیا۔ حضرت عثمانؓ سایہ میں بیٹھ گئے۔ اور حضرت علیؓ اُن کے پاس کھڑے ہوگئے۔ حضرت عمرؓ
صدقہ کے اونٹوں کے رنگ اور دانت دیکھکر بتاتے تھے اور حضرت عثمانؓ لکھتے تھے۔ سخت گرمی کا دن تھا

---

[51] انگلش آف خلافت صفحہ ۲۵۴ [52] ازالۃ الخفا باب حکایات گشت

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دھوپ میں کھڑے ہوئے تھے۔ دو کالی چادریں اُن کے اوپر تھیں۔ ایک کمر میں باندھی ہوئی تھی۔ اور دوسری سے سر لپٹا ہوا تھا۔ حضرت علی رضہ نے حضرت عمر رضہ کو اس حال میں دیکھ کر قرآن مجید سے شعیب کی بیٹی کا قول "استاجرہ ان خیر من استاجرت القوی الامین" پڑھا اور حضرت عثمان رضہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ ہم میں یہ "قوی امین" ہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک غلام بیان کرتا ہے کہ ایک گرمی کے دن میں بھی حضرت عثمان رضہ کے ساتھ اُن کے ایک بالاخانہ میں مال وغیرہ کے سنوارنے کا کام کر رہا تھا۔ دفعۃً ایک آدمی پر نظر پڑی جو دو شتر بچے ہانکتے ہوئے لیے جا رہا ہے۔ زمین ایسی تپی ہوئی تھی کہ آدمی کے پاؤں کی کھال اُکھڑ جائے۔ حضرت عثمان رضہ نے دیکھکر کہا کہ یہ کون شخص ہے اور اس کو کیا ہوا ہے کہ ایسی شدت میں جا رہا ہے۔ تھوڑا ہوا نہیں کہ یہ شخص میری نگاہ سے چھپ گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک چادر سے سر باندھے ہوئے تھے دور سے پہچانے نہیں گئے۔ جب قریب آئے تو میں نے دیکھا کہ حضرت عمر رضہ ہیں۔ اور حضرت عثمان رضہ سے کہا کہ یہ تو امیرالمومنین جا رہے ہیں۔ حضرت عثمان رضہ نے کھڑکی سے منہ باہر نکالا گرمی کی لپٹ سے پھر اندر کر لیا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ برابر میں آئے تو ان سے پوچھنے لگے کہ ایسے وقت میں آپ کیوں گھر سے نکلے ہیں۔ اُنھوں نے جواب دیا کہ صدقہ کے اونٹ چرنے کو چلے گئے تھے اور دو شتر بچے پیچھے رہ گئے تھے میں نے چاہا کہ اُن کو چراگاہ میں چھوڑ آؤں۔ حضرت عثمان رضہ نے کہا آپ سایہ میں ٹھہریے ہم آپ کا کام کر دیں گے مگر وہ یہ جواب دیکر "آپ ہی سایہ میں رہیں" نکل گئے۔ حضرت عثمان رضہ بولے کہ جس نے "قوی امین" کو دیکھنا ہو وہ ان کو دیکھے[1]۔ اپنے ہاتھ سے بیت المال کے اونٹوں کو تیل ملتے تھے۔ ایک دن ایک شخص نے کہا کہ اپنے غلام سے یہ کام کیوں نہیں کراتے ہو تو کہنے لگے کہ خدا نے مجھے ان کا نگہبان کیا ہے اور مجھ ہی سے ان کا سوال ہوگا[2]۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ایک روایت ہے کہ اُنہوں نے ایک دن حضرت عمر رضہ کو ایک اونٹ کا پالان اُٹھائے ہوئے جنگل کی طرف جاتے دیکھا اور پوچھا کہ آپ کہاں جاتے ہیں۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ صدقہ کے اونٹوں میں سے ایک اونٹ الگ ہو گیا ہے اُس کی تلاش میں جاتا ہوں[3]۔

بیت المال کی حفاظت اور تقسیم میں اپنے اہل و عیال کے کسی زیادتی کے روادار ہونے کی نہایت احتیاط کرتے تھے۔ بحرین سے ایک دفعہ مشک آئی تو کہنے لگے کہ ایک عورت سے اسکو وزن کرانا چاہیے۔ اُن کی بیوی عاتکہ نے کہا کہ میں وزن کر دیتی ہوں۔ مگر اس خیال سے اُنہوں نے نہ مانا کہ اُس کے کپڑوں میں کچھ لگی رہ جائیگی[4]۔

---

[1] ازالۃ الخفا باب حکایات گشت
[2] طبری صفحہ ۵۱۲
[3] ازالۃ الخفا " " "
[4] ازالۃ الخفا باب حکایات گشت

شام سے ایک دفعہ جب زیتون آیا۔ پیالہ سے اُسکو تقسیم کیا۔ جب تقسیم ہوچکا تو پیالہ میں جو کسی قدر تیل رہ گیا وہ اُن کے ایک بیٹے نے پونچھکر اپنے سر کے بالوں کو مل لیا۔ حضرت عمرؓ نے جو دیکھا تو بہت خفا ہوئے اور کہنے لگے کہ تیرے بال مسلمانوں کے مال کی طرف بہت رغبت کرنیوالے ہیں۔ اُس کا ہاتھ پکڑے ہوئے حجام کے پاس لے گئے اور اُس کے سر کے بال منڈوا ڈالے [ل] ؛

ایک دن اُن کی ایک لڑکی نے جو بیت المال میں کھیل رہی تھی ایک درہم لیکر منہ میں ڈال لیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو معلوم ہوا تو اُٹھکر بھاگے۔ چادر بھی کندھے پر سے گر گئی۔ لڑکی روتی ہوئی گھر چلی گئی تھی۔ وہاں پہنچکر اُس کے منہ سے نکال کر لائے [ل] اور کہنے لگے کہ عمرؓ اور عمرؓ کی اولاد کا اتنا حق نہیں ہے جتنا اور مسلمانوں کا ہے۔ اسی طرح ایک دن ابو موسیٰ نے بیت المال کو صاف کرتے ہوئے ایک درہم پایا اور وہ حضرت عمرؓ کے ایک چھوٹے لڑکے کے ہاتھ میں کھیلنے کو دیدیا۔ حضرت عمرؓ کو جب معلوم ہوا تو ابو موسیٰ کو بھی ملامت کی اور درہم لوٹا دیا [۵۳] ؛

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے عبداللہ اور عبیداللہ نے چراگاہ میں اُونٹ چرائے اُن سے محصول میں نصف لے لیا [۵۴]۔ غرض ایسے عجیب طریقے سے اپنی حفاظت اور نگرانی کے فرائض کو ادا کرتے تھے ؛

مدینہ میں تو وہ امیر اور حاکم اور قاضی امام اور کوتوال۔ چوکیدار اور سپاہی اور پیادہ اور چٹھی رسان وغیرہ ہر ایک کا کام قریباً وہ خود ہی کرتے تھے۔ سعید بن مسیب اور ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن بیان کرتے ہیں کہ لوگوں کی حفاظت اور خبرگیری کی یہاں تک نوبت تھی کہ آپ خود اُن عورتوں کے پاس چلے جاتے تھے جن کے خاوند لشکروں میں گئے ہوئے تھے۔ اُن کے دروازے پر جاکر سلام کہتے اور پوچھتے کہ تمکو کسی چیز کی ضرورت ہو تو منگوالو میں خود بازار سے خرید دوں۔ تم خرید و فروخت میں دھوکا کھائی ہوگی۔ اُن کی ضرورت کی چیزیں معلوم کر کے اور اُن کے لونڈی غلاموں کو ساتھ لیکر بازار کی طرف چلے جاتے تھے۔ بازار میں جب پہنچتے تو لوگوں کی لونڈیوں اور غلاموں کا ایک لشکر اُن کے پیچھے ہوتا اور سب کو اُن کی ضروریات کی چیزیں خرید کر دیتے جو بہ سبب محتاجی کے خود نہیں خرید کرسکتے تھے اُن کو اپنے پاس سے خرید کر دیتے ؛

لشکروں سے جب قاصد چٹھیاں اور خطوط لیکر آتے تھے تو خود بنفسہ جاکر اُن کے گھروں میں خطوط پہنچا آتے تھے اور کہتے کہ تمہارے خاوند خدا کی راہ میں کام کر رہے ہیں اور تم رسول اللہ کے شہر میں ہو۔ اگر تمہارے پاس کوئی خط پڑھنے والا ہو تو بہتر ورنہ دروازہ کے قریب آجاؤ۔ میں پڑھکر سنا دوں گا۔ چلتے وقت یہ بھی بتا آتے کہ فلاں روز قاصد مدینہ سے روانہ ہوگا۔ اگر خط دینا ہو تو لکھ رکھنا۔ اُس روز پھر اُن گھروں میں جاتے قلم دوات اور کاغذ

[ل] ازالۃ الخفا باب حکایات گذشت

[ل] ازالۃ الخفا باب حکایات گذشتہ

[۵۳] " " " "

[۵۴] " " " "

ساتھ لیجاتے۔ جس نے خط لکھوا رکھا ہوتا اُس سے لے لیتے اور جو نہ لکھوا سکے ہوتے اُن کو خود لکھدیتے اور سب جمع کر کے روانہ کر دیتے [۵۱]۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مدت تک خود کوتوال اور چوکیدار کا کام بھی کرتے رہتے۔ دن کو امداد کے شہر میں اور رعیت کے درمیان گھومتے تھے اور نگرانی حفاظت اور خبر گیری کرتے تھے۔ اور اس کا کماحقہٗ انتظام کرنے کے واسطے امتحان کرتے تھے۔

مثلاً ایک رات گشت کرتے ہوئے ایک اعرابی کے پاس سے گزرے جو اپنے خیمہ کے باہر بیٹھا ہوا تھا اُس کے پاس اُس کا حال پوچھنے کے واسطے بیٹھ گئے کہ وہ شہر کی طرف کس ضرورت سے آیا ہے۔ اسی اثنا میں خیمہ میں سے رونے کی آواز سنی تو پوچھا کہ یہ کون روتا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ تمہارے پوچھنے کی کوئی بات نہیں۔ میری عورت کو دردِ زہ ہو رہا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کا یہ جواب سُن کر سیدھے اپنے گھر کو آئے اور اپنی بیوی اُم کلثوم سے کہا کہ کپڑے پہن کر میرے ساتھ چلو اور انہیں ساتھ لیکر اُس اعرابی کے پاس گئے اور اُس سے اجازت لیکر اُم کلثوم کو خیمہ کے اندر بھیجا۔ کچھ عرصہ کے بعد بچہ پیدا ہوا۔ اُم کلثوم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ یا امیر المؤمنین اپنے صاحب کو لڑکا پیدا ہونے کی خوشخبری دیجیئے۔ وہ اعرابی امیر المؤمنین رضہ کا نام سُنکر چونکا اور سامنے آ کر معذرت کرنے لگا۔ حضرت عمر رضہ نے کہا کچھ مضائقہ نہیں۔ تم صبح میرے پاس آنا۔ وہاں سے گھر چلے آئے اور صبح وہ شخص حاضر ہوا اور اُس کے لڑکے کا وظیفہ مقرر ہو گیا [۵۲]۔

عبدالرحمٰن بن عوف سے روایت ہے کہ ایک رات فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ میرے گھر میں آئے میں نے کہا کہ آپ نے مجھے کیوں نہ بلا بھیجا۔ تو فرمانے لگے مجھے خبر ملی ہے کہ اس وقت ایک قافلہ آ کر مدینہ کے باہر اترا ہے اور قافلہ والے لوگ سفر کی تکان سے بیہوش سو رہے ہیں۔ چلو ہم چل کے اُن کی حفاظت کریں۔ چنانچہ ہم جا کر ایک ٹیلہ پر چڑھ کر بیٹھ گئے اور صبح تک جاگتے رہے [۵۳]۔

اس شبانہ گشت سے بعض اوقات نہایت نتیجہ خیز باتیں پیدا ہوتی تھیں۔ مثلاً جب ایک دفعہ اسی طرح ایک قافلہ کی حفاظت کرنے کے واسطے گئے تو ایک عورت کے بچے کا دودھ چھڑانے کی کوشش کرتے میں بچے کو روتا دیکھکر اور اس کا سبب معلوم کر کے بچوں کے دودھ چھڑانے پر وظائف مقرر ہونے کی قید اٹھادی۔

اسیطرح ایک رات مدینہ میں پھر رہے تھے کہ ایک مکان سے ایک عورت کی آواز آئی جو یہ اشعار پڑھ رہی تھی:

وارقنی ان لا ضجیعا الاعبہ	تطاول ھذا اللیل تسری کواکب

[۵۱] ازالۃ الخفا حکایات سیاست — [۵۲] ازالۃ الخفا حکایات گشت

[۵۳] ازالۃ الخفا حکایات گشت

آج کی رات لمبی ہوگئی اور ستارے گھوم رہے ہیں۔ اور میں جاگ رہی ہوں کہ میرے
پاس میرا محبوب نہیں جس سے میں کھیلوں ؛

فواللہ لولا تخشی عواقبہ	لزعزع من ھذ السریر جوانبہ

خدا کی قسم اگر اس کی عاقبت کا خدا سے خوف نہ ہوتا۔ تو اس چارپائی کی طرفیں ٹوٹیں
ہل رہی ہوتیں ؛

مخافتہ ربی والحیا یصدنی	واکرم بعلی ان تنال مراتبہ

اپنے رب کا خوف اور حیا مجھے روکتا ہے اور اپنے خاوند کی تعظیم کرتی ہوں کہ
اُس کی جگہ کوئی اور ہو ؛

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں یہ بات کھٹک گئی اور تحقیق کیا کہ عورت خاوند سے
کب تک علیحدہ رہ سکتی ہے۔ آخر چار مہینہ حد مقرر کی اور سرداران لشکر کو لکھا کہ کسی آدمی کو چار ماہ سے زیادہ تک
نہ رکھیں اور اگر اجازت مانگے تو اجازت دیدیں ؛

اِس قسم کے واقعات رات کو گشت کرنے اور لوگوں کے حالات کو تفحص کرنے کے [illegible]
بہت سے ہیں۔ مگر صرف رات کی گشت ہی پر لوگوں کے حالات نہیں دریافت کرتے تھے۔ [illegible]
مدینہ میں رہنے کے واقعات کے علاوہ جیسا کہ خفاف بن ایمن غفاری کی لڑکی کے سامنے ملولہ [illegible]
ہے جو آیندہ بیان ہوگا۔ سفر میں بھی جہاں موقع ملتا رعایا کا حال دریافت کرتے تھے اور [illegible]
ایک دفعہ جب شام سے واپس آرہے تھے ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ اپنے ہمراہیوں سے [illegible]
لوگوں کا حال دریافت کرتے ہوئے پھر رہے تھے کہ ایک بڑھیا کے جھونپڑے میں داخل ہوئے اور اُس سے [illegible]
کرنے لگے۔ اُس عورت نے پوچھا کہ اس شخص عمرؓ کا کیا حال ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ وہ شام سے واپس آ
ہے۔ بڑھیا نے کہا کہ خدا میری طرف سے اُسے جزائے خیر نہ دے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے [illegible]
پوچھا کہ کیوں؟ اُس نے جواب دیا کہ جب سے وہ والئے ملک ہوا ہے مجھے کچھ وظیفہ اور عطیہ نہیں دیا۔ آپ نے
کہا کہ اُسکو تیرا حال کیونکر معلوم ہوتا کہ تو تنہا جنگل میں اِس مقام پر رہتی ہے۔ اُس نے جواب دیا کہ سبحان اللہ وہ
لوگوں میں گھومے اور میرا حال نہ جانے۔ خوف خدا سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آنسو نکل آئے اور اپنے
حال پر افسوس کرنے لگے اور اُس بڑھیا کو کہا کہ تو اپنی شکایت کو کتنی رقم کے عوض بیچنا چاہتی ہے۔ اُس نے جواب دیا!
اے بندۂ خدا مجھ سے کیوں ہنسی کرتا ہے۔ آپ نے جواب دیا مسخری نہیں کرتا سچ کہتا ہوں۔ ابھی یہ [illegible]
باتیں ہوتی رہیں آخر پچیس دینار مقرر ہوئے۔ اسی حال میں حضرت علیؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ آگئے اور السلام علیک
یا امیر المومنین" کہا۔ وہ عورت امیرالمومنین کا نام سُن کر چونکی۔ اور اپنے ہاتھ سر پر رکھکر پشیمان ہوئے لگی۔
حضرت عمرؓ نے کہا کوئی ڈر کی بات نہیں اور پچیس دینار اُسکو دیکر راضی کرکے چلے آئے لہ۔

لہ ازالۃ الخفا باب حکایات گشت ۱۲

اُن کی خلق اللہ کی محبت اور خبر گیری کرنے کی بعض مثالیں انتہائی مثالیں ہیں جن سے بڑھ کر کوئی خدمت دنیا میں نہیں ہو سکتی۔ ایک اندھیری رات کو وہ گھر سے نکلے اور طلحہ کہیں جاتے دیکھ کر اُن کے پیچھے ہو لیا۔ ایک گھر میں داخل ہوئے۔ تھوڑی دیر کے بعد نکلے اور ایک دوسرے گھر کے اندر چلے گئے۔ صبح کے وقت طلحہ اُسی گھر کی طرف گیا۔ گھر میں ایک بڑھیا اندھی اور اپاہج عورت تھی۔ اُس سے پوچھنے لگے کہ رات کو ایک شخص تیرے پاس کیوں آیا تھا۔ اس نے جواب دیا کہ اُس نے اتنی مدت سے مجھ سے عہد کیا ہوا ہے کہ اپنی معذوری کے سبب سے جو کام اپنا میں نہیں کر سکتی وہ کر دے۔ کوڑا اور نجاست گھر سے اُٹھا دے۔ طلحہ یہ سن کر خاموش چلا آیا واپس آتے وقت بڑا نادم ہوا [5] ۔

اسی طرح پر خلق اللہ کی خدمت اور خبر گیری کرنا اُن کی ہی خلافت کے زمانہ سے مخصوص نہ تھا پہلے بھی اس قسم کی نیکی کے کام وہ ہمیشہ کیا کرتے تھے۔ غرض ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں ایک رات کسی بیوہ عورت کی اسی قسم کی خبر گیری کو گئے تو حضرت ابوبکرؓ کو وہاں پایا [5] ۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے انصاف اور عدالت کی تو دھوم مچی ہوئی تھی۔ یہی اُن کا عظیم الشان وصف تھا جس کے سبب سے ان کو حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے "فاروق" کا پیارا اور بزرگ لقب ملا تھا اور جو کہ اُن کی ایک قسم کی قابلیت اور طبیعت کی بناء اور کام ہی اظہر من الشمس تھا۔ مسلمان و غیر مسلمان۔ رعایا۔ غیر رعایا۔ عزیز و بیگانہ ہر ایک کے ساتھ یہاں تک کہ اپنی ذات کے ساتھ اُن کے انصاف و عدالت کا یکساں خلق تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے واقعات ہم بیان کر چکے ہیں جن کی بناء پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فیصلہ تھا کہ "عمر حق کہتا ہے گو کڑوا ہو" اُن کے خلافت کے واقعات میں سے چند مشہور واقعات کا لکھنا کافی ہوگا۔

جبالہ کا واقعہ اسی قسم کے واقعات میں سے ہے جو غسان کا آخری بادشاہ اور قیصر روم کا برائے نام نائب و دمشق کے شمالی صوبہ کا خود مختار حکمران تھا۔ ابتداء فتوحات شام کے معرکوں میں جبالہ قیصر کی حمایت میں مسلمانوں سے لڑتا رہا۔ مگر آخر کار شاہنشاہ کے بھاگ جانے پر ابو عبیدہ کے پاس آکر مسلمان ہو گیا۔ اور نہایت تزک و احتشام کے ساتھ مدینہ میں آیا جہاں اُس کے خاندان کی شہرت کے سبب سے بہت کچھ عزت حاصل ہوئی اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ مکہ میں حج کرنے کے واسطے آیا۔ طواف کی حالت میں ایک غریب عرابی کا پاؤں اُس کے فاخرہ لباس پر اتفاق سے رکھا گیا جس سے اُس کا پاؤں لڑکھڑا گیا۔ متکبر بادشاہ نے غصہ میں آکر اُس مسلمان کے مُنہ پر تھپڑ مار دیا۔ اُس نے حضرت عمرؓ کے پاس جا کر فریاد کی اور جبالہ طلب ہوا

---

[5] ازالۃ الخفا باب حکایات گشت ۱۲

[5] انلس اوف خلافت صفحہ ۱۲۳ ۚ

جبالہ اس طلبی سے بہت حیران ہوا اور گھبرایا۔ جب حضرت عمرؓ کے سامنے پیش ہوا تو انہوں نے جرم کا اقرار کرنے پر اُس اعرابی سے ایک تھپڑ کھا لینے یا معاف کرانے کا سادہ فیصلہ صادر فرمایا۔ جبالہ نے متحیر ہو کر کہا کہ کیا یہ بیابان کا ناچیز اعرابی میری برابری کرے گا جو غسان کا پادشاہ ہوں۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ ہاں ایسا ہی ہوگا۔ کیونکہ مسلمان سب مساوی رتبہ رکھتے ہیں۔ معافی چاہنے کے بہانہ سے جبالہ اُس وقت چلا گیا اور رات کو بھاگ نکلا اور قسطنطنیہ میں جا پہنچا اور پھر عیسائی ہو گیا۔ اس کے بعد وہ پھر مسلمان ہوا ہو یا نہ ہوا ہو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عدالت اور انصاف کو اسیقدر واقعہ سے تعلق تھا[۵۱]

حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے اپنے بیٹے ابوشحمہ کو جس کا نام عبدالرحمان تھا شراب پینے اور زنا کرنے پر مارنے کا واقعہ اس قدر اختلاف کے ساتھ بیان ہوا ہے کہ اُس کی اصلیت کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ ابن عباس سے جو روایت منسوب کیجاتی ہے اگر صحیح ہو تو حضرت عمرؓ کو اس واقعہ کی اطلاع پہنچنا اور اپنے بیٹے سے عجیب طریقے سے اقرار کروانا اور پھر دُرّے لگوانا اور غلام کا یہ حکم سُن کر رونا۔ مگر حضرت عمرؓ کا دُرّے لگانے کے واسطے اُسے مجبور کرنا۔ لڑکے کا چیخنا اور بیتابی سے گر گر جانا۔ لوگوں کا اور خود حضرت عمرؓ کا رونا۔ لڑکے کا پانی مانگنا اور حضرت عمرؓ کا نہ دینا اور آخر آخری دُرّہ پر اُس کے دم کا نکل جانا ایک دردناک افسانہ کا مضمون ہے۔ مگر مختلف روایات کی اصلیت اس قدر معلوم ہوتی ہے کہ اُن کے ایک بیٹے عبدالرحمن المعروف ابوشحمہ نے مصر میں عمرو بن العاص کی حکومت میں اس قسم کا کوئی قصور کیا تھا وہاں اُس کو حد لگائی گئی ہو یا نہ لگائی گئی ہو۔ حضرت عمرؓ نے اُسکو مارا اور اس واقعہ کے کچھ عرصہ کے بعد وہ فوت ہو گیا[۵۲]

قدامہ بن مظعون پر جو ابن عمرؓ اور حضرت حفصہؓ کا ماموں تھا حد جاری کی۔ وہ حضرت عمرؓ کا ایسا قریبی رشتہ دار ہی نہیں تھا ایک معزز اور ذی رُعب آدمی اور بحرین کا عامل تھا۔ اُس کے شراب پینے کی شکایت ہوئی اور ابوہریرہؓ نے اُسکو مستی کی حالت میں دیکھنے کی شہادت دی۔ اُس کی عورت نے بھی شہادت دی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُسکو دُرّہ مارنے کا حکم دیا اور لوگ سب ایسا کرنے کے مخالف تھے کہ وہ بیمار تھے۔ حضرت عمرؓ اس عذر پر چند روز ٹھہر گئے۔ مگر تھوڑے دنوں بعد پھر اُسکو سزا دینے کا ارادہ کیا اور دُرّے مروا ہی دیئے۔ قدامہ حضرت عمرؓ سے ناراض ہو گیا اور اُن سے کلام کرنی چھوڑ دی۔ حضرت عمرؓ کو گو آخر اُسکو راضی کرنا پڑا مگر انصاف کی تعمیل سے اُن سے درگزر نہ ہو سکا[۵۳]

ایک یہودی اور ایک مسلمان کے درمیان تنازعہ ہو گیا اور مقدمہ حضرت عمرؓ کے سامنے پیش ہوا۔ یہودی سچا تھا اور حضرت عمرؓ نے اُس کے حق میں فیصلہ دیا۔ یہودی صفت و ثنا کرتا ہوا گیا[۵۴] اور حیران تھا کہ اُسکی

---

[۵۱] انلس ایف دی خلافت صفحہ ۲۰۲ ۔ و سیوطی وغیرہ
[۵۲] ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء باب تصوف و سلوک
[۵۳] ازالۃ الخفاء باب تصوف و سلوک
[۵۴] ازالۃ الخفاء باب الکلام الخلافت و القضا ۱۲

توقع کے خلاف ہوا کیونکہ مسلمان کی رعایت ہونے کا اُس کے دل میں خیال تھا۔

ایک دن آپ راستہ میں جا رہے تھے۔ ایک شخص کو ایک عورت سے باتیں کرتے ہوئے دیکھا بد اخلاقی کا شبہ ہوا اور اسکو دُرّہ سے ڈرایا۔ مگر بعد کو معلوم ہوا کہ وہ اُس عورت کا خاوند تھا۔ اپنے اس تعرض پر پشیمان ہوئے اور عبدالرحمان بن عوف کے سامنے افسوس کیا۔ اُس نے کہا کہ امیرالمومنین آپ اُس کے معلم ہوتے ہیں۔ آپ نے کچھ بیجا نہیں کیا۔ مگر حضرت عمرؓ کا اس سے بھی اطمینان نہ ہوا اور اُس شخص کے پاس جا کر دُرّہ اُس کے ہاتھ میں دیا اور کہا کہ تو اپنا بدلہ لے لے۔ مگر اُس نے تسلیم کیا کہ آپ کا حق تھا[۱]۔ اپنی ذات کے ساتھ انصاف کرنے کی یہ انتہائی مثال ہے۔

اسی طرح ایک دفعہ غلطی سے اُن کے ہاتھ سے یاسر بن ایاس ابن خلدہ کو رستہ سے ہٹاتے میں دُرّہ کا سرا لگ گیا تھا۔ کچھ زمانہ گزرنے کے بعد یاسر نے ایک دن حج کو جانے کی اجازت چاہی۔ حضرت عمرؓ نے اس کو اجازت دی اور چھ سو درہم لیکر اُس کے گھر گئے اور کہا کہ ایک دن دُرّہ میرے ہاتھ سے تمہارے پہلو میں لگا تھا۔ اُس کی معافی طلب کرتا ہوں کیونکہ یہ اُس کا قصاص ہے۔ یاسر نے کہا کہ امیرالمومنین وہ کچھ بات نہ تھی اور میں اُس کو بھول گیا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے کہا مجھ کو تو یاد ہے اور بھول نہیں سکتی۔ غرض اُس سے معافی لی اور حج کے خرچ کے واسطے چھ سو درہم اپنے پاس سے اُن کو دیئے[۲]۔

مقدمات کی تحقیق میں بڑے شائستہ اُصولوں کے ساتھ نہایت چھان بین کرتے تھے۔ شہادت کے جانچنے میں بڑی عمدگی سے عمل کرتے تھے۔ ایک شخص نے اپنی صفائی کا گواہ پیش کیا۔ حضرت عمرؓ نے بعد استفسار کے کہ نہ وہ اسکا ہمسایہ ہے نہ ہمسفر ہوا ہے اور نہ اُس سے لین دین کیا ہے اُس کی گواہی کو ناقابلِ اعتبار ٹھہرایا[۳]۔

مقدمات میں صلاح اور مشورہ کو نہایت احسانمندی سے قبول کرتے تھے اور یہ بھی اُن کے ہاتھوں سے بے انصافی نہونے کا ایک بڑا سبب تھا۔ مثلاً ایک دفعہ ایک حاملہ عورت کو سنگسار کرنے کا آپ نے حکم دیا۔ معاذ بن جبل نے کہا کہ اس کے پیٹ میں جو بچہ ہے وہ بھی اس حکم سے متاثر ہوگا۔ حالانکہ اُس سے آپ کو کچھ علاقہ نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالے عنہ نے اپنا حکم منسوخ کر دیا اور کہا کہ اگر معاذ نہ ہوتا عمرؓ ہلاک ہو گیا ہوتا[۴]۔

اسی طرح ایک دفعہ ایک عورت کے سنگسار کرنے کا حکم دیا۔ حضرت علی علیہ السلام نے کہا کہ مجنونہ نابالغ اور سوتے پر شرعاً تعزیر واجب نہیں ہے اور یہ مجنونہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا

---

[۱] ازالۃ الخفا باب تصوف وسلوک

[۲] طبری صفحہ ۲۱۵ و ازالۃ الخفا باب کلمات

[۳] ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفا باب تصوف سلوک

[۴] ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفا باب تصوف سلوک

حکم واپس لیا اور مشکور گزار ہوئے۔[۱]

غرض فیصلوں میں رائے و مشورہ دینے اور اُن کے فیصلہ پر نکتہ چینی کرنے کی عام اجازت تھی۔ انکی مجلس جوان اور بوڑھے قاریوں سے بھری رہتی تھی۔ اکثر اوقات اُن سے رائے لیتے اور کہا کرتے کہ کسی کو رائے دینے کی ممانعت نہیں ہے کیونکہ علم بوڑھا اور جوان ہونے پر موقوف نہیں ہے۔ یہ خداداد نعمت ہے جسکو چاہتا ہے دیتا ہے"۔[۲]

عوام النّاس کو جو خلیفۂ وقت کے ساتھ مساوات اور آزادی حاصل تھی اُسکی بہت رعایت کیجاتی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ ایک رات مدینہ میں پھر رہے تھے۔ ایک گھر سے گانے کی آواز سنی۔ دیوار کی راہ سے اُس گھر میں گئے۔ ایک مرد اور ایک عورت کو شراب پینے میں مشغول دیکھا۔ اُسے ملامت کرنے لگے۔ اُس نے جواب دیا کہ میں نے ایک جرم کیا ہے اور تم نے تین۔ خدا نے تجسس کرنے اور پس دیوار سے کسی گھر میں داخل ہونے اور کسی دوسرے کے گھر میں بلا اجازت جانے سے منع کیا ہے۔ آپ نے یہ تینوں کام کیئے ہیں حضرت عمرؓ نے کہا کہ اگر میں تجھ کو معاف کر دوں تو آیندہ اس فعل سے توبہ کرے گا۔ اُس نے اقرار کیا کہ امیرالمومنین پھر ایسی حرکت کبھی نہ کروں گا۔[۳] گویا ضابطۂ معین کے خلاف مجرم کو ماخوذ کرنا اُنہوں نے روا نہ رکھا اور مدعا بھی حاصل ہو گیا اسی قسم کے بہت سے واقعات بیان کیئے گئے ہیں۔ ہم بخوف تطویل نہ لکھینگے۔

آزادی درحقیقت اس درجہ کو پہنچی ہوئی تھی کہ حضرت عمرؓ کے روبرو اُن پر اعتراض کیا جاتا تھا اور وہ بڑے تحمل کے ساتھ سنتے اور داد دیتے تھے۔ ایک دن خطبہ پڑھتے ہوئے مہر کے زیادہ باندھنے کی ممانعت کی۔ ایک بڑھیا عورت اُٹھ کھڑی ہوئی اور آیت قنطاراً مقنطرۃ پڑھکر کہا کہ خدا جس چیز کو جائز اور مباح کرے تم کیونکر منع کرتے ہو۔ حضرت عمرؓ نے داد دی اور کہا کہ "کل النّاس افقہ من عمر حتی المخدرات"۔[۴]

ایک دفعہ غنیمت میں یمنی چادریں آئیں اور سب میں تقسیم ہوئیں۔ حضرت عمرؓ اُسی چادر کا پیراہن بنوا کر اور پہنکر خطبہ پڑھنے کو منبر پر کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ سنو اور مانو۔ یہ صدا پوری رفتار طے نہیں کر چکی تھی کہ سامعین میں سے ایک بول اُٹھا کہ نہ سنیں گے اور نہ مانیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا۔ آخر کیوں؟ اُسنے کہا کہ ایک چادر آپ کے حصہ میں آئی تھی۔ اس سے آپ کے بدن کا پیراہن کس طرح بن گیا۔ عبداللہ ابن عمرؓ نے کہا کہ جتنا کم تھا میں نے اپنی چادریں سے دیا تھا۔ تب وہ شخص یہ کہہ کر بیٹھ گیا کہ ہاں اب سنیں گے اور مانیں گے۔[۵]

---

[۱] ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفا باب تصوف و سلوک
[۲] ازالۃ الخفا باب احکام الخلافت والقضا
[۳] ازالۃ الخفا باب حکایات گشت
[۴] ازالۃ الخفا
[۵] المامون حصہ دوم صفحہ ۸۷

ہر زمانہ میں ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔ حضرت عمرؓ کے انصاف پر اثر ڈالنے کی کوشش کرنے کا ایک واقعہ بھی موجود ہے۔ انصار میں سے ایک شخص اونٹ کی ران حضرت عمرؓ کو تحفۃً دیا کرتا تھا۔ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے کسی کے ساتھ اُس کا مقدمہ پیش ہوا۔ کہنے لگا یا امیر المومنین میرے مقدمہ میں اس طرح انصاف کیجیے جس طرح اونٹ کی ران جُدا کی جاتی ہے۔ اُس کے کئی دفعہ کہنے سے حضرت عمرؓ ناراض ہوئے۔ مقدمہ کا فیصلہ تو اُس کے خلاف ہی ہوا۔ مگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے تمام عاملوں کو تحفہ تحائف لینے سے قطعی ممانعت کر دی[1]۔

اسی طرح ایک دفعہ کسی نے اُن کی ایک بیوی سے سفارش کرانی چاہی تو آپ نے اُسے جھڑک دیا اور کہا تو ایک کھلونا ہے تجھے اِن اُمور سے کیا مطلب[2]۔

جن مقدمات کے فیصلہ میں اُن کو شبہ ہوتا تھا یا جو مجرم ثبوت کے بہم نہ پہنچنے یا کسی اور صورت میں بچ جاتے تھے وہ ہمیشہ اُن کی طبیعت میں کھٹکتا رہتا تھا۔ ایک دفعہ ایک شخص کو زنا کرتے ہوتے دیکھا۔ اصحاب سے مشورہ کیا کہ خلیفہ کو اپنی رویت پر تعزیر کرنے کا اختیار ہے یا نہیں۔ حضرت علی علیہ السلام نے کہا کہ چار گواہوں کی ضرورت نص صریح موجود ہے تو صرف اپنی رویت پر تعزیر کا اختیار کیونکر ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُس وقت خاموش ہو گئے مگر کچھ عرصہ کے بعد پھر یہی سوال کیا اور حضرت علی علیہ السلام نے وہی جواب دیا۔ امام غزالی علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ اس میں متردد تھے[3]۔

سلیمان بن ربیعہ جب اپنا لشکر آرمینیا کو لے گیا تو لشکر کے واسطے گھوڑے خریدے۔ سلیمان سوائے اصیل گھوڑے کے وہ کسی کو پسند نہیں کرتے تھے۔ عمرو بن معدی کرب ایک مخلوط نسل کا گھوڑا لے گیا سلیمان نے ناپسند کر کے واپس کیا اور کہا کہ یہ دوغلا ہے۔ عمرو نے کہا کہ دوغلا نہیں ہے۔ یہ بھی سرکش جانور ہے سلیمان نے پھر بھی اُس کو دوغلا ہی کہا۔ عمرو نے کہا دوغلا ہی ہو گا کیونکہ دوغلا دوغلا کو پہچانتا ہے۔ سلیمان نے حضرت عمرؓ کے پاس شکایت کی۔ اُنہوں نے سلیمان کو ملامت کی کہ تو نے کیوں سزا دینے میں تامل کیا اور حلم روا رکھا اور عمرو کو لکھا کہ تو نے اپنے امیر کی بے ادبی کی ہے۔ تو اپنی تلوار پر بہت نازاں ہے جس کا نام تو نے صمصامہ رکھا ہے۔ مگر تجھے معلوم نہیں کہ میرے پاس بھی ایک تلوار ہے جس کو میں مصمم کہتا ہوں۔ جس روز تیرے کانوں کے درمیان رکھ دوں گا تیری کھوپری چیرے بغیر نہ نکلے گی[4]۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے ایک قتل کی واردات کا مقدمہ پیش ہوا۔ ایک نوجوان شخص کی لاش راستہ میں پڑی ہوئی پائی گئی۔ حضرت عمرؓ نے بہت تفتیش کی مگر پتہ نہ چلا اور نہایت تشویش میں دعا مانگا کرتے

---

[1] ازالۃ الخفا باب کلمات حضرت عمرؓ
[2] ازالۃ الخفا
[3] ازالۃ الخفا حکایات گشت
[4] ازالۃ الخفا کلمات حضرت عمرؓ

تھے کہ خدایا اسکے قاتل کا پتہ لگا دے - ایک سال کے قریب گزر گیا - ایک دن پھر اُسی مقام پر جہاں سے لاش ملی تھی ایک بچہ پڑا ہوا ملا - حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پرورش کے واسطے ایک عورت کے سپرد کیا اور کہا کہ اگر تو کسی کو اسکی طرف متوجّہ پائے تو مجھے اُسکی خبر کر دیجو - لڑکا جب کچھ بڑا ہو گیا تو ایک دن اُس عورت کے پاس ایک خادمہ لڑکی آئی اور کہا کہ میری بیوی چاہتی ہیں کہ یہ لڑکا اُن کو دکھلا دے کو لے چلیے وہ دیکھکر لوٹا دینگی - وہ لڑکا لیکر اُس کے ساتھ گئی - ایک جوان عورت نے اُس سے لیا اور اُس کا موُنھ چوما اور پیار کیا اور پھر لوٹا دیا - اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم میں سے وہ ایک انصاری کی لڑکی تھی - حضرت عمر رضہ نے جب یہ کیفیت اُس عورت سے معلوم کی تو اُس مکان کی طرف گئے - اُس جوان عورت کے باپ کو اپنے دروازے پر تکیہ لگائے ہوئے بیٹھا پایا - اُس سے پوچھا کہ تو اپنی لڑکی کا حال جانتا ہے - اُس نے جواب دیا کہ ہاں - خدا کے حق کو وہ لوگوں کی نسبت اچھا جانتی ہے - اپنے باپ کے حق کو بھی ادا کرتی ہے اور نماز روزہ بھی بجالاتی ہے اور دیندار ہے - حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے کہا کہ مَیں اُس کے پاس جانا اور نیکی کی نصیحت کرنا چاہتا ہوں - وہ بوڑھا اندر گیا اور بیٹی کو مطلع کر کے حضرت عمر رضہ کو بلا لیا - حضرت عمر رضہ نے سب لوگوں کو جو اُسوقت موجود تھے ہٹا دیا اور اکیلے اُس سے باتیں کرنے لگے اور کہا کہ بیان کر اُس لڑکے سے تیرا کیا تعلق ہے - وہ عورت متردّد ہوئی - حضرت عمر رضہ نے ہاتھ تلوار پر بڑھایا - وہ ڈر گئی اور کہا کہ یا امیرالمومنینؓ آپ ٹھہر جاویں - میں سچ سچ عرض کر دیتی ہوں - واقعہ یہ ہے کہ کچھ زمانہ ہوا ایک بوڑھیا عورت میرے پاس آئی اور کام کاج کرنے کو میرے گھر میں رہنے لگی - مَیں بطور والدہ کے اُسکو رکھتی تھی اور اُس کا ادب کرتی تھی - اسی طرح پر کچھ مدّت گزر گئی کہ ایک دن اُس نے مجھ کو کہا کہ مجھے ایک سفر درپیش ہے - اور جانے کا ارادہ رکھتی ہوں - میری ایک بیٹی ہے اُسکی تنہائی کے خیال سے مَیں سفر سے واپس آنے تک تمہارے پاس چھوڑ جانا چاہتی ہوں - دراصل وہ اُسکی لڑکی نہیں تھی لڑکا تھا - اُس کو وہ عورتوں کا لباس پہنا کر میرے پاس چھوڑ گئی - مجھے کبھی اُس کے مرد ہونے کا شبہ نہیں ہوا اور اُس سے کسی قسم کا پردہ نہیں کرتی تھی - ایک دن سوتے میں مجھکو غافل پاکر میرے قریب ہوا اور مجھ سے مخالطت کی - میرے قریب ایک چھری رکھی تھی مَیں نے ہاتھ لمبا کر کے اُسے پکڑا اور اُس سے اُس کا کام تمام کر دیا اور اُٹھا کر بازار میں پھینک دیا - مگر مَیں اُس سے حاملہ ہو گئی اور یہ لڑکا پیدا ہوا - خداوند علیم واقف ہے کہ اصل واقعہ یہی ہے - حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے کہا خدا تجھے برکت دے تو نے سچ کہا ہے - اور اُسکو نصیحت کرتے رہے اور تھوڑی دیر بیٹھکر چلے آئے - اُس قتل کے واقعہ کا پتہ نہ چلنے سے جو بوجھ اُن کے دل پر تھا ہلکا ہو گیا ؀

غرض عدل و انصاف کے حامی اور سرپرست تھے اور انصاف کے سامنے کسی چیز کی پروا نہیں کرتے تھے - عاملوں اور حاکموں کی زیادتیوں اور ظلم کی رعایا اور محکومین کی شکایت پر اُن کو سزائیں دیتے تھے لوگوں کو

ف۱ ازالۃ الخفا کلمات حضرت عمر رضہ

عام اجازت تھی کہ اپنے عاملوں کے فیصلوں اور حکموں کی اپیل خود اُن کے پاس کریں۔ حج کے وقت جب تمام عامل اکٹھے ہوتے تھے تو اُن کے احکام کی نسبت شکایت کرنے کی پوری آزادی دی جاتی تھی۔ چنانچہ ایک دفعہ جب مجمع عام میں حضرت عمرؓ نے پکار کر کہا کہ عاملوں کو مَیں نے تم پر عدل و انصاف کرنے کے واسطے بھیجا ہے اگر کوئی عامل ظلم و زیادتی کرے تو اُسکی میرے پاس شکایت کرو۔ یہ سُن کر ایک شخص اُٹھ کھڑا ہوا اور کہا کہ یا امیرالمومنین میرے عامل نے مجھے بے گناہ سَو کوڑے مارے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے کیفیت سُنکر حکم دیا کہ اسکو سَو کوڑے مار کر اپنا بدلا لے لے۔ عمرو بن العاص اس پر معترض ہوئے اور کہا کہ اس طرح پر آپ نے عاملوں کی شکایتیں سُننے کا دروازہ کھول دیا تو بہت واقعات اس قسم کے ہونے لگینگے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اپنے نفس سے بدلہ لیتے تھے تو میں کیوں اس سے بدلہ نہ دُوں گا۔ عمرو بن العاص نے کہا کہ آپ اس طرح سزا نہ دلوائیں۔ ہم اُسے راضی کر لینگے۔ یہ بات حضرت عمرؓ نے مان لی اور اُس مستغیث کو اسطرح راضی کیا گیا کہ فی کوڑا دو دینار یعنی کُل دو سَو دینار اُسکو دلوائے گئے[۱]۔ اُن کا قول تھا کہ "جو عامل میرے عاملوں میں سے کسی پر ظلم کرے اور مجھ کو اُس کے ظلم کا حال معلوم ہو جائے۔ اگر مَیں اُسکی اصلاح نہ کروں گا تو وہ ظلم مَیں نے ہی کیا ہوگا[۲]"

حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے فیصلوں میں نرمی اور رحم بھی شامل ہوتا تھا مگر ایسی نرمی اور رحم جس سے انصاف کے پہلو میں کچھ خلل نہ واقع ہوتا ہو۔ مثلاً ایک دفعہ چند آدمیوں نے مزنیہ کے قبیلہ کے ایک شخص کی اونٹنی چُرا کر اُسے ذبح کر لیا۔ ہاتھ کاٹنا اس جُرم کی سزا تھی۔ حضرت عمرؓ نے مزنی سے اونٹنی کی قیمت دریافت کی اُس نے چار سو درہم بتائے۔ مجرموں سے آٹھ سَو درہم تاوان دلوا کے چھوڑ دیا[۳]۔

ایک قتل کے مقدمہ میں قاتل کو حضرت عمرؓ کے پاس لائے ثبوت جُرم پر قاتل کو سزائے موت کا حکم دیا اسی اثنا میں مقتول کے دعویدار عزیزوں میں سے بعض نے معافی دیدی۔ حضرت عمرؓ نے عبداللہ بن مسعود کے مشورے سے باقی ورثا کو دیت کے طور پر ایک رقم دلوا کر چھوڑ دیا[۴]۔

ابو موسیٰ نے ایک دفعہ ایک شخص کو جو اسلام لانے کے بعد کافر ہو گیا تھا مروا ڈالا۔ حضرت عمرؓ نے جب یہ واقعہ سُنا تو بہت رنجیدہ ہوئے اور کہا کہ اسے بند رکھکر اُس سے توبہ کیوں نہ طلب کی[۵]۔

ایک دفعہ عبداللہ بن عمرو حضرمی اپنے غلام کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے لایا اور کہنے لگا کہ اس نے میری عورت کا آئینہ ساٹھ درہم کا چُرایا ہے۔ اس کے ہاتھ کاٹ دینے کا حکم دیجیے۔ حضرت عمرؓ نے

---

[۱] ازالۃ الخفا باب سیاست
[۲] ازالۃ الخفا تصوف و سلوک
[۳] ازالۃ الخفا باب احکام الخلافت و القضا
[۴] ازالۃ الخفا باب تصوف و سلوک
[۵] ازالۃ الخفا باب حدود

کہا کہ یہ تمہارا ذکر ہے اس پر قطع کا حکم نہیں ہے[۵۱]۔

اس قسم کے بہت واقعات ہیں اور اُن کے زمانہ کے مقدمات اور اُن کے فیصلے موجود ہیں جن سے حضرت عمر رضی اللہ تعالٰے عنہ کی فقہ مرتب ہوئی ہے۔ لیکن ہمارا مطلب صرف اُن کے عدل و انصاف کی چند مثالیں بیان کرنے سے تھا۔ ورنہ درحقیقت حضرت عمرؓ کا منصفانہ برتاؤ اُن کے ہر ایک عمل اور کام سے ایسا ظاہر ہے کہ اُس پر کسی دلیل اور زیادہ بیان کرنے کی حاجت نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ اور بعض اہل الرائے صحابہ کے قوال ہم اس بارے میں بیان کر چکے ہیں۔ سر ولیم میور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالٰے عنہ کی طبیعت کے ذکر میں لکھتا ہے کہ "اُن میں حضرت عمرؓ کی سی قوت اور قوت فیصلہ نہیں تھی اور نہ انصاف کی حس و ادراک کا مادہ ایسا تیز اور قوی تھا[۵۲]" اور دونوں خالدوں کا واقعہ اس کے ثبوت میں پیش کرتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالٰے عنہ کی طبیعت کے ذکر میں مورخ مذکور لکھتا ہے کہ "عدل و انصاف کا مادہ اُنکی طبیعت میں نہایت پختہ اور قوی تھا۔ خالد کے ساتھ جو سلوک کیا اُس سے قطع نظر کر کے اُن کے ظلم یا بےانصافی کا ایک واقعہ بھی نہیں مل سکتا۔ اور خالد کے معاملہ میں بھی اُس سے دشمنی کرنے کی یہ وجہ تھی کہ وہ اپنے مغلوب دشمن کے ساتھ بے احتیاطی اور بے رحمی سے سلوک کرتا تھا۔ اُن کی سلطنت میں مختلف قومیں اور مختلف جماعتیں اور مختلف فرقے جن کے اغراض اور حالات ایک دوسرے سے بالکل مختلف اور متضاد تھے۔ اُن کی قابلیت میں انتہا درجہ کا اعتبار و اعتماد کیئے ہوئے تھے اور اُن کے مضبوط بازوں نے انتظام اور قانون اور عدل کی تعمیل کا سکہ بٹھایا ہوا تھا[۵۳]"۔

سر ولیم میور کے یہ الفاظ کسی ادنٰے غور یا سرسری نگاہ سے بےجھجک نہیں کہے گئے ہیں مگر تعجب ہے کہ گو خالد سے ناراضی کی وجہ کو اُس نے خود بیان کر دیا ہے مگر اُس کے ساتھ جو سلوک کیا گیا تھا اُسکو حضرت عمرؓ کے لیئے بے لوث اور پاک جامۂ انصاف پر ایک دھبہ دکھاتا ہے اور اُن کے عام اور سراسر انصاف سے اس واقعہ کو مستثنٰی کرتا ہے۔ اصل یہ ہے کہ سر ولیم میور کی رائے پر کیا منحصر ہے۔ خالد کے ساتھ جو سلوک ہوا وہ بظاہر نظر شاید دوسروں کو بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہو۔ خالد کی بے نظیر بہادری اور شجاعت جو ہمدردی اُنکی نسبت اُس کے حالات پڑھنے والوں کے دلوں میں پیدا کر دیتی ہے وہ ہے جو اُس کے ساتھ اس قسم کے سلوک کو انوکھا دکھلاتی ہے۔ یہ مانا کہ خالد "سیف اللہ" بہادر تھا اور دلیر ایسا تھا کہ چشم فلک نے اُس جیسے کم دیکھے ہیں شجاع تھا اور بےخوف ایسا کہ دنیا کی تاریخ میں تلاش کرنے سے اُس جیسے نہیں پائے جائینگے کار آزمودہ سپہ سالار اور تجربہ کار جرنل فنون جنگ سے ایسا ماہر کہ دنیا کے سب سے بڑے سپہ سالار اُس کی شاگردی پر فخر کرتے

---

۵۱ ازالۃ الخفا باب حدود

۵۲ انلس اوف خلافت صفحہ ۱۲۳

۵۳ انلس اوف خلافت صفحہ ۲۸۴۔

اُس کی خونخوار تلوار اور اُس کی تیغ بے دریغ فتح اور نصرت کی دلیل اور ضمانت تھی۔ اُس کی ذات اور موجودگی قبول اگر پہ
مصنف کے قوت اور ہیبت کا ایک برج تھی۔ اُس کے نام سے کسریٰ اور قیصر کے شاہنشاہی دل کانپتے تھے۔
اسلامی فتوحات اُس کی شجاعانہ جانبازی کی کچھ کم ممنون نہیں ہیں۔ شجاعت اور بہادری کے دفتر میں اُس کا نام
سنہری حرفوں میں سب سے اوّل لکھا ہوا ہے اور اُس کی یاد اب بھی مسلمانوں کی۔ گویا ہر عربی جوان کو جوش میں
لے آنے کا ایک طلسم ہے ؛

مگر باایں ہمہ جیسا کہ اسکے اِس بے نظیر اور یگانہ اوصاف کے واسطے لازمی تھا اور جیسا کہ دنیا کے سب سے
بڑے جرنیلوں کے حالات میں ہم پاتے ہیں اسکی بد احتیاطی بیرحمی تک پہنچ جاتی تھی اور نا عاقبت اندیشی اور
بے خوفی خوف خطر میں رکھتی تھی۔ اُس کے اکثر افعال غیروں کی نظروں میں اسلامی خلافت کے نائب سے
افعال تھے اور خود اسلام اُسکے برتاؤ اور کردار کے اثر سے محفوظ نہیں رہ سکتا تھا۔ ناواقف اُسکو مقاصد اسلامی کا
ایک جزو سمجھتا تھا۔ بسا اوقات انصاف اور اسلامی تعلیم کے خلاف اُس سے ایسے امور سرزد ہوتے تھے جنکی
تلافی بھی نہیں ہوسکتی تھی۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خالد کی تندمزاجی اور بداحتیاطی پر افسوس کرنا پڑا تھا بنی خذیمہ
کا واقعہ تاریخ کے مضمون سے مٹ نہیں سکتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد کو شہ ہجری مقدس میں
بنی خذیمہ کی طرف اسلام کی ہدایت کے واسطے بھیجا تھا مگر وہ پہلے سے مسلمان ہوچکے تھے۔ اسلام کا اقرار
کرتے وقت اُن کے منہ سے "اسلمنا" کی جگہ غلطی سے "صبانا" نکل گیا جس سے اُن کا مطلب
یہ تھا کہ ہم نے اپنا پہلا دین چھوڑ دیا ہے۔ خالد نے نہ سمجھا اور اُن کو قید کرلیا اور صبح کے وقت اُن کے قتل کرنے کا
حکم دیا۔ مہاجرین اور انصار کے پاس جس قدر قیدی تھے وہ انہوں نے نہ مارے اور چھوڑ دیئے۔ مگر بنی سلیم نے
بہت سے قیدیوں کو قتل کردیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس واقعہ کی خبر ہوئی تو آپ کو نہایت سخت صدمہ
گزرا اور خالد کے کام سے ناراض ہوئے۔ اور فرمایا کہ اے خدایا جو کچھ خالد نے کیا ہے میں اُس سے بری ہوں[۱] ؛

اسی طرح ایک دفعہ خالد نے عمار بن یاسر پر سختی کی اور سخت و سست کہا جس سے وہ ناراض ہوگئے
اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو شکایت کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد کو فرمایا کہ عمار سے تیرا کیا کام
تھا وہ تو ایک جنتی آدمی ہے جو بدر میں حاضر ہوا ہے۔ عمار کو بھی سمجھایا اور خالد نے معافی مانگی ؛

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانۂ خلافت میں خالد سے جو زیادتیاں ہوئیں وہ کسی طرح ناقابل توجہ
نہ تھیں۔ مالک بن نویرہ کے مسلمان ہونے اور بے گناہ قتل کا واقعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک
ثابت تھا۔ اگر خالد کا حکم سمجھنے ہی میں غلطی ہوئی ہوتی تو کم سے کم اُسکی حسین عورت سے اُسی وقت نکاح کرنا جبکہ
اُس کے مقتول شوہر کا خون زمین پر خشک بھی نہیں ہوا تھا نہایت سردمہر اور بے ضبط طبیعت کا کام تھا

---

[۱] مغازی واقدی صفحہ ۳۳۶ و تفسیر القرآن از سر سید احمد خاں صاحب جلد چہارم صفحہ ۱۰۰ ؛

جس کو اسلامی تعلیم روا نہیں رکھ سکتی تھی۔ خالد کا عراق میں بے دریغ و بلا امتیاز قتل کا حکم دینا بھی حضرت عمرؓ کی انصاف پسند طبیعت پہ ایک بار تھا۔ لیس کی لڑائی میں قتل عام کا حکم دینا اور اسی طرح خون کا دریا بہانے کی قسم کھا لینا کوئی معمولی قابل چشم پوشی امور نہ تھے۔ خالد کی تمام زیادتیوں اور بے احتیاطیوں کو شمار کرنا ایک طویل اور غیر ضروری کام ہے۔ وہ خود ہی لوگوں میں انعام و اکرام بھی تقسیم کر دیا کرتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے ایک دفعہ حضرت ابوبکرؓ سے لکھوایا کہ بغیر ہماری اجازت کے کسی کو کچھ نہ دے جس کے جواب میں اس نے لکھا کہ مجھکو میرے کام پر چھوڑ دیجیئے جو چاہوں کروں اور جس کو چاہوں دوں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ ایسے جواب کو کب سننے والے تھے۔ فوج کو بے سردار چھوڑ کر بے اطلاع اور بلا اجازت مکہ کو حج کرنے چلا آنا بھی کچھ معمولی بے احتیاطی نہ تھی۔ حضرت عمرؓ کے انصاف اور دور اندیشی اور احتیاط کے نزدیک اس قسم کی تمام زیادتیاں اور بے احتیاطیاں ناقابل معافی تھیں مگر حضرت ابوبکرؓ کا درگزر کرنا اور خالد کو تنبیہ کر کے چھوڑ دینا بھی ایک ایسا فیصلہ تھا جس کے خلاف یا انحراف کرنا حضرت عمرؓ اس تعظیم اور ادب کے لحاظ سے جو وہ اپنے زمانہ خلافت میں بھی حضرت ابوبکرؓ کا کرتے تھے روا نہیں رکھ سکتے تھے۔ پس سب سے پہلے جو منصفانہ تدبیر اور دور اندیشی کی تجویز کی وہ یہ کی کہ خالد کو سپہ سالاری عراق سے روک کر حضرت ابوعبیدہ کے ماتحت شام میں مقرر کیا۔ خالد کی جزوی بے احتیاطیوں کی شکایت رہتی تھی مگر معاف کر دیجاتی تھی۔ شام کے فتح ہو جانے پر خالد قنسرین کا امیر اور عامل مقرر ہو گیا۔ مگر اسکی طبیعت نہیں بدل سکتی تھی۔ زمانہ اور تجربہ اور عمر نے اس پر بہت کم اثر کیا۔ حضرت عمرؓ کا قول کہ میں آل مغیرہ کی آتشین طبیعت کا سمجھتا ہوں غلط نہیں تھا۔ شام کی بغاوت کے زمانہ میں خالد کا ابوعبیدہؓ کو حصار سے باہر نکلکر جنگ کرنے کی رائے دینا حضرت عمرؓ کی نظروں میں سخت بے احتیاطی اور ناعاقبت اندیشی اور اپنی قوت پر غرور کا اظہار تھا اس سے ناراض ہو رہے ہی تھے کہ دو اور اہم شکایتیں اسکی نسبت پہونچیں اول یہ کہ حمام میں جا کر خالد شراب ملی ہوئی خوشبو استعمال کرتا ہے اور دوسرے اشعث بن قیس الکندی ایک شاعر کو اپنی تعریف میں ایک قصیدہ کے صلہ میں ایک ہزار دینار[1] خالد نے انعام دیا ہے۔ پہلے الزام سے تو خالد نے قسم کھائی اور بری ہو گیا۔ دوسری شکایت بلحاظ واقعہ کے صحیح تھی۔ ہزار دینار بہت بڑی رقم تھی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی تحقیقات کرنی چاہی۔ ابوعبیدہ کے نام حکم بھیجا کہ خالد کو حمص میں بلا کر مسلمانوں کی جماعت کے سامنے اسکے ہاتھ باندھکر اس سے دریافت کرے کہ یہ روپیہ بیت المال سے صرف کیا ہے یا اپنی گرہ سے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ خالد نے کہا کہ میں نے اپنی گرہ سے خرچ کیا ہے۔ اسی وقت ہاتھ کھولدیئے گئے اور اسکی وہی تعظیم و تکریم کی گئی[2]۔

---

[1] سر ولیم میور ایک ہزار دینار اور طبری دس ہزار درم لکھتا ہے۔ انلس اوف خلافت صفحہ ۲۲۰ اور طبری صفحہ ۲۸۹؟

[2] انلس آف خلافت صفحہ ۲۲۰ و ازالۃ الخفا باب سیاست

خالد کا اپنی گرہ سے بھی اتنی بڑی رقم ایک شاعر کو انعام دینا حضرت عمرؓ کے نزدیک فضول خرچی کا ایک ناقابل معافی جرم تھا۔ اُس کو قنسرین کی حکومت سے مدینہ بلالیا۔ مگر اطراف میں سب جگہ لکھا کہ خالد کی عزولی بسبب خیانت کے نہیں ہوئی بلکہ اِس سبب سے کہ اُس کے دل میں خیال تھا کہ یہ سب فتوحات اُسکی مدد سے حاصل ہوئی ہیں حالانکہ یہ سب خدا سے منسوب کرنا چاہیئے[^1] ہوسکتا ہے کہ اصل مطلب حضرت عمرؓ کا اُسکی نسبت اِس قسم کی شکایات کے سلسلہ کو منقطع کرنے کا ہو۔ خالد آخر حمص میں جا رہا اور حضرت عمرؓ کی خلافت کے آٹھویں سال میں اُن کا انتقال ہوا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ؛

غرض یہ واقعہ ہے خالد اور اُس کے ساتھ سلوک کیئے جانے کا۔ اور عجب ہے کہ کوئی شخص اِسکو حضرت عمرؓ کی بے انصافی پر محمول کرے۔ جو خدا اور اپنے پاک مذہب کے روبرو خلق اللہ کے ساتھ انصاف و عدل اور رحم اور فیاضی سے برتاؤ کرنے کے اپنے آپ کو جوابدہ سمجھتے تھے اور کسی کی کارآمد بہادری اور شجاعت کو انصاف کے روبرو ہیچ جانتے تھے۔ اِس واقعہ کے سوا اور بھی بہت سے واقعات اسی قسم کے ہیں جو غور کرنے سے معلوم ہوسکتے ہیں ؛

حضرت عمرؓ جیسے کہ انصاف اور سچائی کے حامی اور پشت و پناہ تھے ایسے ہی اس صفت والوں اور حق کے پہچاننے والوں کے عاشق تھے۔ مثلاً ایک رات کو آپ اپنے غلام اسلم کے ساتھ مدینہ میں گشت کر رہے تھے کہ دم لینے کے واسطے ایک مکان کی دیوار کے ساتھ تکیہ لگا کر بیٹھ گئے۔ ایک بڑھیا کی آواز سُنی کہ وہ اپنی لڑکی کو کہہ رہی ہے کہ اُٹھ پانی دُودھ میں ملا دے۔ لڑکی نے جواب دیا کہ تو نے نہیں سُنا کہ حضرت عمرؓ نے ڈھنڈورا پٹوایا ہے کہ دُودھ میں پانی مت ملاؤ۔ اُسکی بُڑھیا ماں نے جوابدیا کہ اِس وقت نہ امیرالمومنین دیکھ رہا ہے نہ اُس کا ڈھنڈورچی۔ لڑکی نے جواب دیا کہ یہ مناسب نہیں ہے کہ ظاہرا اطاعت کریں اور درپردہ گناہ کریں۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسکو سُن کر نہایت خوش ہوئے اور اپنے غلام کو اُس مکان کا نشان یاد رکھنے کو کہہ کر چلے آئے اور اگلے دن اُس لڑکی کو بُلوایا اور اپنے بیٹے عاصم سے نکاح کروادیا[^2] کہا کرتے تھے اگر مُجھ کو عورت کی ضرورت ہوتی تو میرے سوا اس کے ساتھ کوئی نکاح نہ کرتا۔ اِس لڑکی کی نسل سے حضرت عمر بن عبدالعزیز وہ عادل اور خدا ترس خلیفہ تھے جن کو خلفاء راشدین میں پانچواں خلیفہ شمار کرتے ہیں ؛

غرض حضرت عمرؓ کا عدل اور انصاف دنیا میں یادگار رہا اور ہمیشہ یادگار رہیگا۔ مظلوم اُن کے نام سے فریاد کرتے رہے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ خلیفہ مامون الرشید کے وقت میں ایک دن کسی سپاہی نے ایک شخص کو بیگار پکڑا۔ وہ دردناک آواز سے چلایا "واعمراہ" یعنی ہائے عمرؓ تم کہاں ہو۔ مامون کو اطلاع ہوئی۔ اُس

[^1]: ازالۃ الخفا باب سیاست
[^2]: ازالۃ الخفا باب گشت

شخص کو طلب کیا اور کہا کہ حضرت عمرؓ کا عدل تجھ کو یاد آیا۔ اُس نے کہا ہاں۔ مامون نے کہا خدا کی قسم اگر میری رعیت حضرت عمرؓ کی سی رعیت ہوتی تو میں اُن سے بھی زیادہ عادل ہوتا۔ خیر یہ تو ایک کہنے کی بات تھی دراصل حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی رعایا بھی اس سبب سے ایسی تھی کہ حضرت عمرؓ نے اُسکو ایسا بنایا تھا مگر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے نام سے جو فریادیں کیجاتی تھیں وہ سُنی بھی جاتی تھیں کیونکہ مامون نے اُس کو انعام دلوایا اور سپاہی کو موقوف کر دیا[۱]۔

عمال اور امیروں اور حاکموں اور ہر ایک قسم کے عہدہ داروں کا مقرر کرنا ایک نیا اور مشکل کام تھا اور اُس کے واسطے نہایت واقفیت اور مردم شناسی درکار تھی۔ حضرت عمرؓ کے عُمدہ انتخاب اُن کی کامیابی سے ظاہر ہوں گے۔

عہدہ داروں کے تقرر کے وقت عموماً اس قسم کی ہدایتیں اُن کو کرتے تھے۔

دروازے پر چوبدار اور حاجب نہ رکھیں مستغیث کو آنے کی کوئی روک نہ پیدا کریں گویا ہر وقت عدالت کا دروازہ کھلا رہنے کا حکم تھا۔

جب کوئی استغاثہ کرے اُس کو سُننا اور مدعی سے گواہ عادل اور منکر سے قسم لیکر اُسکو فیصلہ کریں عادل وہ سمجھا جائے جسپر حد شرعی جاری نہ ہوئی ہو یا جھوٹی شہادت میں مشہور نہ ہو۔ اُسپر محبت اور وراثت کی تہمت نہ ہو اگر گواہوں کی حاضری کے واسطے مہلت مانگی جائے تو مہلت دیں۔

فیصلہ کتاب اور سُنت کے رو سے کریں۔ اور جن امور کی نسبت کتاب و سُنت میں حکم نہ ہو اپنی فہم اور رائے سے فیصلہ کریں۔

مقدمات کا فیصلہ جلد کریں تاکہ مدعی دیر کے سبب اپنا دعوٰی چھوڑ دینے کو مجبور نہ ہو۔

باہم مصالحہ اور رضامندی کو بشرطیکہ اُس سے تحلیل حرام اور تحریم حلال نہ ہو منظور کر لیں۔

جو فیصلہ ایک دن کیا گیا ہو اُسپر نظر ثانی کرنی جائز ہے اور اگر نظر ثانی میں پہلا فیصلہ غلط معلوم ہو تو اُسکو باطل ٹھہرا دے۔

متخاصمین پر سختی اور درشتی اور غصہ نہ کریں۔

رعب قایم رکھیں۔ مگر نہ اتنا کہ وہ منجر بہ جبر ہو۔ اور اخلاق و نرمی کریں۔ مگر نہ اتنی کہ حکومت میں سستی اور بے رُعبی ہو۔

ہمیشہ عدل اور انصاف اور حق کو قایم رکھیں[۲]۔

جس مقدمہ کا فیصلہ نہ ہو سکے اسوقت واقعہ ہو اُسکو میرے پاس بھیجدیں۔

---

[۱] المامون حصہ دوم صفحہ ۲۹ [۲] ازالۃ الخفا باب احکام الخلافت والقضا و تہذیب الاخلاق جلد اول صفحہ ۳۱

غرض اسی قسم کی ہدایات کرتے تھے اور وقتاً فوقتاً ضروری ہدایات کے متعلق تحریری احکام جاری کرتے تھے ؂

عمیر بن ثابت سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ جس وقت کسی شخص کو عامل مقرر کرتے تو اُس سے انصار و اصحاب کے روبرو چار اقرار لیتے - اول یہ کہ گھوڑے پر سوار نہو - دوسرے ، باریک کپڑے کو نہ پہنے اور لذیذ و نفیس کھانے نہ کھائے - تیسرے حاجتمند لوگوں پر دروازہ بند نہ کرے - چوتھے حاجب و دربان نہ مقرر کرے ؂

اہل فوج کے واسطے یہ نہایت ضروری ہدایات تھیں کہ جاڑوں میں دھوپ کھانا نہ چھوڑیں - گھوڑوں کا بہت سہارا ہے - سوار نہ ہوں اور موٹے کپڑے استعمال کریں ؂

جیسا کہ آپ نے ضروری ہدایات تحریری جاری کرتے تھے ایسے ہی خطبوں میں پند و موعظت عاملوں کے واسطے فرماتے تھے ؂

ایک دن خطبہ میں فرمایا کہ اے خدا میں تجھ کو شہروں کے امیروں پر شاہد کرتا ہوں میں نے اُن کو اس واسطے بھیجا ہے کہ وہ لوگوں کو ان کا دین سکھلاویں نبی کی سنت سے آگاہ کریں - غنیمت کو تقسیم کریں - اُن میں عدل بجا لائیں - اور کسی امر میں اگر دقت واقعہ ہو تو اسکو میری طرف بھیجدیں ؂

پھر فرمایا کہ اے لوگو - خدا کی قسم ہے میں نے اپنے عاملوں کو تمہاری طرف اس لیئے نہیں بھیجا کہ تمہاری کھال اُتاریں یا تمہارے مال چھینیں بلکہ اس واسطے بھیجا ہے کہ تمکو تمہارا دین اور سنت سکھلائیں پس جس شخص کے ساتھ اس کے خلاف سلوک ہو وہ میرے پاس مرافعہ کرے - خدا کی قسم ہے جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ میں اُس سے بدلہ لونگا ؂"

عمرو بن العاص نے ایک دن اسی پر اعتراض کیا اور کہا تھا کہ اگر کوئی عامل اپنی رعیت کو ادب سکھلانے کے واسطے کچھ کہیگا تو آپ اُس سے بھی بازپرس کرینگے آپ نے جواب دیا کہ بیشک کرونگا اور بدلہ لونگا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے نفس سے بدلہ لیتے دیکھا ہے میں ان سے کیوں نہ لونگا ؂

عاملوں کو اس امر کی تاکید کیا کرتے کہ مسلمانوں کو ذلیل کرنے کے واسطے نہ ماریں - اُن کو حدود پر گھر آنے سے روکے نہ رکھیں کہ وہ فتنہ میں مبتلا ہو جاوینگے - اُن کے حقوق اُن سے نہ روکیں کہ وہ باغی ہو جاوینگے اسی ہی پند و موعظت اور ہدایت اُن کے اکثر خطبوں میں موجود ہے - تحریری احکام اور ہدایت میں بڑے امیروں کو خصوصاً اور تمام عہدہ داروں اور اہلکاروں کو عموماً نیکی اور خداترسی اور خداپرستی اور بھلائی کرنے اور سادگی عادات کو

۱؎ ازالۃ الخفا باب سیاست — ۲؎ ازالۃ الخفا باب سیاست

۳؎ " " " — ۴؎ " " " — ۵؎ " " "

نہ چھوڑنے کی ہدایت اور نصیحت کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ اگر تم نیک ہو گے تو تمہاری رعیت بھی نیک ہو گی ورنہ اس کا برعکس ہو گا۔ زیادہ ستانی اور جبر سے منع کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ عاملوں کو صدقہ کے بارے میں لکھا کہ جب زکوٰۃ وصول کرو تو لوگوں کو بند نہ کئے رکھو۔ جن کا کام پہلے ہو جائے اُن کو جانے دو کیونکہ اُن کے مویشی بند رہنے سے ہلاک ہوں گے۔ جب مال مویشی میں سے صدقہ لو تو نہ بہت عمدہ منتخب کر کے لو اور نہ بہت کم درجہ کا بلکہ اوسط قسم سے صدقہ لینا چاہیئے۔ اگر کسی کو ایک سال کا جانور دینا ہو اور وہ اُس کے مویشیوں میں نہ ہو تو اُسی حیثیت کا مال یا قیمت لے لینی چاہیئے۔ شیردار اور حاملہ جانور نہ لینے چاہئیں۔ اس سے اُن کا بہت نقصان ہوتا ہے[1]۔

غرض تمام امور میں اور ہر ایک قسم کی ضروریات کے متعلق جزئیات تک ہدایتیں فرماتے تھے جو انصاف اور عدل پر مبنی ہوتی تھیں۔ عمال کے واسطے پہلا ضابطہ اور دستور العمل اور قانون کتاب و سُنّت تھے اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہدایات اور قواعد تھے جو وہ مقرر کر کے اُن کو اطلاع دیتے تھے اور حضرت عمرؓ کے فیصلوں اور طریق کے نظائر تھے جن سے وہ آگاہ ہوتے رہتے تھے اور اس کے بعد ضرورتاً وہ اپنے فہم اور رائے اور قیاس کو کام میں لاتے تھے حسب نظر ثانی اور مرافعہ کا دروازہ بھی کُھلا ہوا تھا۔ گو یہ دستورات اپنی سادہ اور ابتدائی حالت میں تھے مگر عدل اور انصاف اور امن اور آسائش کے واسطے جو اُن کی غرض تھی پوری ضمانت تھے۔

امیروں اور عاملوں کے تقرر اور اُن کو ہدایتیں کرنے کے بعد حضرت عمرؓ کا کام اُن کی نگرانی اور خبرگیری کرنے کا تھا جو وہ عجیب و غریب طریقہ میں ہر ایک ممکن وسیلہ سے کرتے تھے۔ اُن کا قول تھا کہ "جو عامل میرے عاملوں سے کسی پر ظلم کرے اور مجھکو اُسکے ظلم کا حال معلوم ہو جائے اگر اُس کی اصلاح نہ کروں گا تو وہ ظلم میں نے ہی کیا ہو گا"۔ بس وہ نگرانی اور خبرگیری میں کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑتے تھے۔ نگرانی کے مختلف طریقوں میں سے ایک عمدہ تدبیر حضرت عمرؓ کی یہ تھی کہ حج کے وقت تمام صوبوں کے امیر حج کرنے کے واسطے مکہ آتے تھے اور عامہ مسلمین بھی جمع ہوتے تھے۔ سب کو اپنے حالات عرض کرنے کی اجازت دیجاتی تھی۔ مدینہ کے راستہ واپس ہوتے ہوئے ان امیروں کو اپنے صوبہ کے حالات اور ضروریات بیان کرنے اور حضرت عمرؓ کو ہدایات جاری کرنے کا مزید موقع ملتا تھا۔ بقول سر ولیم کے "درحقیقت یہ موقع لوکل گورنمنٹ کی زبانی سالانہ رپورٹ سنا دینے کا بہت ہی عمدہ کام دیتا تھا[2]"۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُن برکتوں سے جو خداوند تعالیٰ نے حج کے پُرحکمت فرض میں رکھی تھیں اس عملی صورت میں ایسا قیمتی فائدہ اُٹھانے کی ایک عمدہ تدبیر نکالی تھی۔

اس کے سوا نگرانی کی غرض کے واسطے اپنے اور صوبوں کے عُہدہ داروں کے درمیان ایلچی اور کارندے

---

[1] ازالۃ الخفا باب کلمات حضرت عمر   [2] انلس اوف خلافت صفحہ ۲۶۲

اور جاسوس اور ان کے حال کی نگرانی کرنے کے واسطے خاص لوگ مقرر کیے تھے جو عموماً ان کو خبریں دیتے رہتے تھے۔ اس کے علاوہ جو موقعہ ان کے دریافت حال کا ملتا اس سے بھی فائدہ اٹھاتے تھے۔ جو مسلمان مختلف صوبوں سے مدینہ کو آتے تھے ان سے صوبہ کے امیر کا حال اپنے طور پر دریافت کر لیتے تھے۔ اگرچہ ہر ایک شخص کے واسطے ہی سادگی اور سادہ اطوار اور خورش اور پوشش میں اعتدال رکھنے کا عام طور پر تاکیدی حکم تھا مگر عاملوں اور امیروں کو چونکہ ایسے عادات اور اطوار کو چھوڑ دینے اور تعیش اور آرام طلبی میں پڑ جانے کا زیادہ موقع تھا اس لیے اُن کی اس امر میں خاص نگرانی کرتے تھے اور خصوصیت سے اقرار بھی لے لیتے تھے ؛

ایک دفعہ کسی شخص نے شکایت کی کہ عیاض بن غنم تیری شرطوں کو پورا نہیں کرتا ہے باریک کپڑے پہنتا ہے اور دربان رکھتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے محمد بن مسلمہ کو جو عاملوں پر اُن کی طرف سے قاصد مقرر تھا بلایا اور حکم دیا کہ عیاض کو جس حالت میں تو پائے میرے پاس لے آ۔ چنانچہ قاصد نے جا کر دیکھا تو واقعی دروازے پر حاجب تھا اور عیاض باریک کپڑے پہنے ہوا تھا۔ قاصد کے پیغام سے مطلع ہو کر اُس نے کچھ رخصت چاہی مگر نہ دی گئی اور اُسی حال میں حضرت عمرؓ کے پاس لایا گیا۔ حضرت عمرؓ نے اُس کے باریک کپڑے اُتروا کر اُون کا کرتا اُس کو پہنایا۔ ہاتھ میں ایک عصا پکڑا دیا اور ایک بکریوں کا ریوڑ چرانے کے واسطے اُسکے سپرد کر دیا۔ گرمی کا موسم تھا تنگ ہوا اور چلا اُٹھا کہ "الموت خیر من ھذا" حضرت عمرؓ نے کہا کہ تیرے باپ کا نام تو غانم (گڈریا) تھا اور بکریاں چراتا تھا۔ تو اُس کو اور میری ہدایات اور اپنے اقرار کو بھول گیا۔ غرض اُس کو حکومت سے معزول کر دیا[۱] ؛

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے عمال کو بعض وقت اتنے قصور پر بھی معزول کر دیتے تھے کہ مریضوں کی عیادت یا خبرگیری نہ کرتا ہو اور مفلس لوگ اُس کے پاس دخل نہ پا سکتے ہوں[۲] ؛

کسی عامل کا اپنے واسطے جاگیر وغیرہ پیدا کرنا جس کی عام ممانعت تھی ایسا ہی قصور تھا۔ یعلی بن اُمیہ کی نسبت جو یمن کے بعض شہروں پر امیر تھا اسی قسم کی شکایت گزری تو اُسکو حکم بھیجا کہ مدینہ تک پاؤں چلتا آوے۔ پانچ چھ دن کا راستہ وہ پاؤں چلا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وفات پانے کی خبر پا کر وہ سوار ہو لیا[۳] ؛

اپنے عمال کی نسبت وہ بداخلاقی کے شُشہ کو بھی روا نہیں رکھتے تھے۔ نعمان بن عدی کو اُنھوں نے میسان کا امیر مقرر کیا۔ اُس نے اپنی عورت کو میسان کی طرف ساتھ لیجانا چاہا مگر اُس نے انکار کیا۔ نعمان نے وہاں پہنچکر ایک خط میں کچھ اشعار اپنی عورت کو ترغیب دینے کے واسطے لکھے جن کا مضمون اس قسم کا تھا کہ تیرا خاوند چینی اور کانچ کے پیالوں میں پانی پیتا ہے۔ گاؤں کے دہقان اور حسین عورتیں اُس کو گا سناتی ہیں وغیرہ۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ حال معلوم ہو گیا اور اُس کو معزول کر کے واپس بلا لیا۔ اُس نے مدینہ آ کر عذر کیا کہ میں کسی

---

[۱] ازالۃ الخفا باب سیاست

[۲] ازالۃ الخفا باب سیاست

[۳] ازالۃ الخفا باب سیاست

ایسے فعل کا مرتکب نہیں ہوا۔ صرف اشعار میں یہ بیان کیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے کہا یہی صحیح ہوگا۔ مگر تجھ کو ہمیشہ کے لئے عامل رہنا ضروری نہیں ہے[1]۔

بعض بیرونی مصلحتوں کے خیال سے اظہار اُن کو اپنے خیالات سے روک بھی دیتا ہو مگر یہ شاذ واقعہ ہے جو ہر ایک سے نہیں ہوسکتا تھا۔ یزید بن ابی سفیان جب فوت ہوگیا تو اُس کی جگہ اُس کے بھائی معاویہ کو شام میں امیر مقرر کیا۔ حضرت عمرؓ شام کے سفر میں جب وہاں پہنچے اور معاویہ بڑے لشکر کے ساتھ اُن کو آکر ملا حضرت عمرؓ کی نظروں میں یہ بات کھٹکی۔ اُس کی نسبت یہ بھی سُنا تھا کہ وہ دروازے پر حاجب رکھتا ہے اُس سے پوچھا کہ ایسا کیوں کرتا ہے۔ معاویہ نے جواب دیا کہ شام کا ملک جہاں میں رہتا ہوں اس قسم کا ہے کہ دشمن کے جاسوس وغیرہ بہت آتے ہیں۔ میں اس امر کو پسند کرتا ہوں کہ سلطان کی عزت کو اس طرح ظاہر کروں جس سے لوگ ڈریں۔ اگر آپ حکم دیں تو میں ایسا کروں گا ورنہ چھوڑ دوں گا۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ تیری باتیں ایسی ہی مدلل ہوتی ہیں۔ جو کچھ تو نے کہا ہے اگر یہ سچ ہے تو ایک معقول رائے ہے۔ اگر جھوٹ ہے تو دانائی فریب دہی ہے[2]۔

اپنی گشت میں بھی لوگوں سے اُن کے امیروں کا حال پوچھتے رہتے تھے۔ ایک دن اہل حمص سے اُن کے امیر کا حال پوچھا۔ اُنہوں نے بیان کیا کہ یا امیر المومنین وہ امیر اچھا ہے مگر اتنی بات اُس نے کی ہے کہ اپنے رہنے کے واسطے بالاخانہ بنایا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اُسکو مدینہ بلا لانے کے واسطے خط دیکر قاصد بھیجا اور کہا کہ اُسکے بالاخانہ کے دروازے کو جلا دینا۔ قاصد نے جب وہاں پہونچکر دروازہ جلانے کے واسطے لکڑیاں اکٹھی کیں تو لوگوں نے امیر کو خبر کی۔ وہ قاصد سے ملا اور خط اُس کے ہاتھ سے لے لیا اور اُسی طرح گھوڑے پر سوار ہوکر مدینہ کو روانہ ہوا۔ حضرت عمرؓ نے تنبیہاً اُس کو یہ سزا دی کہ تین دن دھوپ میں کھڑا رکھا اور چوتھے دن اُسے ساتھ لیکر صدقہ کے جانوروں کے مکان کی طرف گئے اور اُسے کہا کہ ان اونٹوں کو پانی پلا اور جب تک وہ تھک نہ گیا اُسے نہ چھوڑا۔ پھر پوچھا کہ اے ابن فرط۔ اس کام کو تو نے کتنی مدت تک کیا ہے۔ اُس نے جواب دیا کہ اے امیر المومنین بہت مدت تک۔ کہنے لگے کہ اس لئے تو نے بالاخانہ بنایا ہے کہ مسلمانوں اور یتیموں اور رانڈوں پر اپنی بُرائی ظاہر کرے۔ خبردار پھر ایسا عمل نہ کیجیو۔ اُسے اپنی حکومت پر واپس بھیجدیا[3]۔

اگرچہ حضرت عمرؓ سادگی اور قدیم سادہ اطوار و عادات کے قایم رکھنے کی تاکید کرتے تھے مگر اُسکو ایسے درجہ پر پہنچا ہوا دیکھنا بھی پسند نہیں کرتے تھے جو لوگوں کی نظروں میں ذلیل اور خوار دکھائی دے۔ یمن کا ایک عامل جب ایک دفعہ اُن کے پاس آیا تو ایک قیمتی چادر اوڑھے ہوئے تھا۔ بالوں میں تیل لگاتے ہوئے اور

---

[1] ازالۃ الخفا باب سیاست صفحہ ۲۷

[2] ازالۃ الخفا باب سیاست

[3] ازالۃ الخفا باب حکایات گشت

لنگی پہنے ہوئے تھا۔ حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ اُس کو اُون کے کپڑے پہنا دیئے جائیں۔ اُن کی حکومت کا جب حال دریافت کیا تو بہت عمدہ معلوم ہوا اور اُسکو واپس بھیجدیا۔ دوسری دفعہ جب وہ آیا تو اُس کے بال بکھرے ہوئے تھے اور چہرے پر گرد و غبار پڑا ہوا تھا۔ کپڑے میلے اور پھٹے ہوئے تھے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ ہمارے عاملوں کو ایسے حال میں بھی نہیں رہنا چاہیئے کہ کپڑے میلے اور پھٹے ہوں اور بال بکھرے ہوئے ہوں۔ کھاؤ پیو اور تیل لگاؤ۔ تم جانتے ہو میں کونسی بات کو بُرا جانتا ہوں[۵۱]۔

امیر اور مختلف کاموں کے عامل اپنے اپنے کام کے ذمہ دار اور خود مختار رہتے یعنی اپنے سب کسی کی تابعداری سے آزاد اور خود مختار تھے۔ ایک دفعہ معاویہ اور عبادہ بن صامت کے درمیان کسی امر میں اختلاف اور تکرار ہوگیا۔ معاویہ نے اُس کو سخت سُست کہا۔ عبادہ ناراض ہوئے اور شام سے چلے آئے کہ معاویہ کے ساتھ ایک جگہ کبھی نہیں رہیں گے۔ جب مدینہ پہنچے تو حضرت عمرؓ نے اُن کے چلے آنے کی وجہ دریافت کی۔ انہوں نے تمام ماجرا بیان کیا۔ حضرت عمرؓ نے اُن کو کہا کہ اپنے کام پر واپس چلے جائیں کہ ملک کو اُن کی ضرورت سب سے زیادہ ہے۔ اور معاویہ کو لکھا کہ عبادہ پر تمہاری کسی قسم کی حکومت نہیں ہے[۵۲]۔

عاملوں کے صحیح الحواس اور تندرست ہونے کا بھی خیال رکھتے تھے مگر ساتھ ہی ہاں اُن کے اوصاف کی قدر بھی کرتے تھے۔ سعید بن عامر جمحی کو شام میں عہدہ دیکر بھیجا۔ کچھ عرصہ بعد سُنا کہ اُسکو مرگی آتی ہے اُسکو واپس بُلا بھیجا۔ جب وہ آیا تو اپنی پوری سادہ حالت میں تھا۔ ایک پیالہ اور ایک توشدان اُس کا کُل اسباب تھا۔ اُس سے دریافت کیا کہ تیرے بیہوش ہوجانے کی خبر کہاں تک صحیح ہے۔ اُس نے جواب دیا کہ جب خبیب سُولی پر چڑھایا گیا تھا تو میں حاضر تھا۔ اُس نے قریش کے حق میں بددعا کی جن میں میں بھی تھا۔ جب وہ واقعہ یاد آتا ہے تو ناطاقتی سے بے ہوش ہوجاتا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے یہ سُن کر اُسکو اپنے عہدے پر واپس جانے کو کہا مگر اُس نے اصرار سے انکار کیا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے معاف کردیا۔ اور بعض روایات میں اُسکو حمص کا امیر بنا کر بھیجا[۵۳]۔

حضرت عمرؓ کے اچھے عاملوں کا نمونہ جیسے کہ ان کے اکثر عامل تھے عمیر بن سعد انصاری کے حالات سے دیکھا جاسکتا ہے۔ عمیر کو انہوں نے حمص کا امیر بنا کر بھیجا جہاں وہ ایک سال تک رہا مگر اس عرصہ میں کوئی خبر نہ آئی تو حضرت عمرؓ نے خط بھیجکر اُسے بُلا بھیجا۔ وہ اپنا توشدان اور پیالہ اور لوٹا اور عصا لیئے ہوئے پاؤں چلتا ہوا مدینہ پہنچا۔ سفر میں چہرے کا رنگ متغیر ہوگیا۔ مونہہ پر گرد و غبار جا ہوا تھا اور بال بڑھے ہوئے تھے۔ جب وہ حضرت عمرؓ کے سامنے پہنچا حضرت عمرؓ نے اُس کا حال پوچھا۔ اُس نے کہا کہ یہی حال

---

۵۱ ازالۃ الخفا کلمات حضرت عمرؓ

۵۲ ازالۃ الخفا کلمات حضرت عمرؓ

۵۳ ازالۃ الخفا کلمات حضرت عمرؓ

ہے جس ہی آپ دیکھتے ہیں۔ اُس سے پُوچھا کہ تو پیادہ کیوں آیا ہے۔ اگر تیرے پاس اپنی سواری نہ تھی تو کسی سے مانگ لی ہوتی۔ اور مُسلمانوں کو چاہیئے تھا کہ وہ تجھے سواری دیتے۔ اُس نے جواب دیا کہ نہ مَیں نے کسی سے مانگی اور نہ کسی نے دی۔ حضرت عمرؓ نے کہا وہ بُرے مسلمان ہیں۔ عمیر نے جواب دیا آپ بُرا کیوں کہتے ہیں۔ وہ نماز پڑھتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ تو نے اپنی حکومت میں کیسے عمل کیا۔ اُس نے جواب دیا کہ ایک بتائے ہوئے پر عمل کیا۔ جو کچھ آپ نے لکھا اُسپر بھی عمل کیا۔ شہر میں صالحین لوگوں کو مال جمع کرنے پر مقرر کیا اور محل مناسب پر خرچ کیا۔ اگر اُس میں سے کچھ بچا تو آپ کے پاس لے آتا۔ حضرت عمرؓ نے کہا تو تو کچھ نہیں لایا۔ اُس نے کہا نہیں۔ حضرت عمرؓ نے اُسے پھر امیر بنا کر بھیجنا چاہا مگر اُس نے عذر کیا اور کہا کہ مَیں اس کام کو نہیں کروں گا۔ نہ اَب اور نہ پھر کبھی۔ مَیں نے ایک دن ایک ذمّی نصرانی کو کہا تھا کہ "اللہ تجھے خوار کرے" اور آج تک پچھتاتا ہوں کہ مَیں نے کیوں کہا۔ اگر تو مجھے امیر نہ مقرر کرتا تو مَیں کیوں ایسا لفظ کسی کو کہتا۔ وہ دن بُرا تھا جس روز مَیں تیرے پاس آیا تھا۔ عمیر اجازت لیکر اپنے گھر کو جو قبا میں تھا چلا گیا۔ حضرت عمرؓ نے کچھ دنوں کے بعد حارث کو سَو دینار دیکر عمیر کی طرف بھیجا اور اُسکو کہا کہ یہ دینار لیکر عمیر کے پاس جا۔ اگر تو اُس کو آسودہ پائے تو دینار واپس لے آئیو اور اگر تنگ حال میں پائے تو اُسکو دیدیجو۔ حارث جب عمیر کے گھر پہنچا وہ دیوار سے تکیہ لگائے بیٹھا ہوا اپنے کپڑے صاف کر رہا تھا۔ حارث اُس سے ملا اور بیٹھکر باتیں کرنے لگا اور بتایا کہ مَیں مدینہ سے آیا ہوں۔ عمیر نے پوچھا کہ تو نے امیر المومنین کو کس حال میں چھوڑا۔ اُس نے جواب دیا اچھے حال میں۔ پھر پوچھا مُسلمانوں کا کیسا حال ہے۔ کہا اچھا ہے۔ غرض حارث وہاں تین دن تک رہا اور دیکھا کہ جَو کی روٹی اُسیقدر اُن کو میسر آتی ہے جتنی وہ اُس کو کھلا دیتے ہیں اور خود بھوکے رہتے ہیں اور اب تنگ آ گئے ہیں۔ حارث نے وہ دینار نکالے۔ اور کہا کہ یہ امیر المومنین نے تمہارے پاس بھیجے ہیں ان کو اپنے کام میں لاؤ اور اپنی گزر کرو۔ عمیر چلاّ کر کہنے لگا کہ ان کو لیجا۔ مجھے ان کی حاجت نہیں ہے۔ مگر اُس کی عورت کے کہنے سے اُس نے لے لیئے اور فوراً باہر جا کر مسکین لوگوں میں تقسیم کر دیئے۔ حارث حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے پاس لَوٹ آیا اور سب کیفیت بیان کی۔ کچھ عرصہ کے بعد عمیر فوت ہو گیا تو حضرت عمرؓ کو بہت رنج ہوا اور اپنے اصحاب کی ایک جماعت کو ساتھ لیکر بقیع غرقد کی طرف پاؤں چلتے گئے۔ حضرت عمرؓ کہتے تھے کہ لوگوں کو مختلف خواہشیں ہونگی۔ مگر مجھ کو یہی خواہش ہے کہ عمیر جیسا شخص مُجھ کو ملتا کہ مسلمانوں کے کام میں اُس سے مدد لیتا۔ اس قسم کے نفیس حضرت عمرؓ کے عامل اور اس طرح سلوک کرتے تھے اُن سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ؓ۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُن عاملوں سے بہت خوش ہوتے تھے جو اپنے صوبہ سے مال کم جمع کرکے لاتے تھے کیونکہ جو زیادہ لاتے تھے اُن پر زیادہ ستانی کا شُبہ ہوتا تھا یہاں تک کہ ایک دفعہ ابو ہریرہ جنکو بحرین پر

---

۱۵ ازالۃ الخفا کلمات حضرت عمرؓ

عامل بنا کر بھیجا تھا پانچ ہزار کی ایک تھیلی لائے تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ اتنا مال اور کوئی جمع کر کے نہیں لایا ہیں یتیموں اور بیواؤں اور مظلوموں کا مال ہوگا۔ ابو ہریرہ نے رنجیدہ ہو کر کہا کہ یہ نہیں ہے۔ آپ تحقیق کر لیں اور خرچ میں دوں گا۔ اسی قسم کے حالات اور واقعات اُن کی نگرانی۔ خبر گیری عمال کے ہیں ؎۱

کوفہ اور بصرہ کے نو آباد شہروں میں مختلف اقوام و قبائل کے لوگ جمع تھے۔ اُن کا زیادہ وقت بیکاری میں گذرتا تھا اور بیکاری کے مشاغل انتظامی امور میں خلل انداز ہوتے تھے۔ اسی سبب سے حضرت عمرؓ کو کوفہ اور بصرہ کے انتظام اور امیروں اور عہدہ داروں کے تقرر کی طرف خاص توجہ کرنی پڑتی تھی اور بعض خاص واقعات نے بھی ان کے انتظام کو خاص توجہ کے لائق بنا دیا تھا۔ عتبہ کی وفات پر حضرت عمرؓ نے مغیرہ بن شعبہ کو بصرہ کا امیر مقرر کیا تھا۔ ابو بکرہ ایک شخص بصرہ میں مغیرہ کے مکان سے ملے ہوئے مکان میں رہتا تھا۔ مغیرہ کی نسبت اُسکو معلوم ہوا کہ یہی ملالہ میں سے ایک بیوہ عورت کو جس کا نام خلہ تھا بغیر نکاح کے اپنے پاس بلاتا ہے۔ ایکدن اُس عورت کو آتی دیکھکر اپنے چند دوستوں کو اپنے گھر بلا لیا اور ایک روزن سے جو مغیرہ کے مکان اور اُسکے گھر کی درمیانی دیوار میں تھا اُن کو مغیرہ کو ایک غیر منکوحہ عورت سے زنا کرتے دکھا دیا۔ نماز کے وقت جب مغیرہ امامت کے واسطے کھڑا ہونے لگا تو ابو بکرہ نے کھینچکر پرے کر دیا اور کہا کہ فاسق اور زانی کیواسطے امامت نہیں ہے۔ مغیرہ چپ رہ گیا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس اطلاع ہوئی۔ اُنھوں نے مغیرہ کو مدینہ طلب کیا اور ابو موسیٰ اشعری کو بصرہ کا امیر مقرر کیا۔ جن الفاظ میں یہ حکم لکھا گیا وہ مختصر تحریر کا نمونہ ہے کہ "بلغنی امر عظیم وولّیت ابو موسیٰ الاشعری عملك وسلم الیہ واقبل الیّ والسّلام"

مغیرہ اور ابو بکرہ مع گواہوں کے مدینہ پہنچے۔ حضرت عمرؓ نے گواہوں سے پوچھا کہ تم نے مغیرہ کو زنا کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ اُنھوں نے کہا کہ ہم نے ایک جامہ میں ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔ زنا ثابت نہ ہوا اور تہمت لگانے کی سزا ان پر پڑی۔ مغیرہ معزول ہو کر مدینہ میں رہا۔ ابو موسیٰ کی لیاقت سے انتظام میں اور ایسے ہی فتوحات جدید میں بہت کچھ کامیابی ہوئی مگر اعراب کے سازشی عنصر کو بصرہ میں بہت پاکر ابو موسیٰ نے اپنا ہاتھ مضبوط کرنے کے واسطے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چند بزرگوں کے وہاں بھیجنے کی درخواست کی۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے انس بن مالک اور عمران بن الحصین وغیرہ اصحاب کو وہاں بھیجدیا۔ اسپر بھی ابو موسیٰ الزاموں سے بچ نہ سکے اور حضرت عمرؓ کے سامنے جوابدہی کے واسطے حاضر ہونا پڑا۔ مگر الزام مہمل تھے اور بری ہو کر اپنے کام پر چلے گئے۔ جہاں وہ سوائے ایک سال کے جب وہ کوفہ کی گورنری پر تبدیل کر کے بھیجے گئے تھے۔ حضرت عمرؓ کی خلافت کے وقت تک نہایت کامیابی سے کام کرتے رہے ؎۲

کوفہ کی حکومت کئی سال تک اُس کے بانی اور عراق عرب اور مدائن کے فاتح سعد کے ماتحت رہی

؎۱ ازالۃ الخفا باب سیاست ؎۲ انلس آف خلافت صفحہ ۲۶۸

لیکن حضرت عمرؓ کی خلافت کے نویں سال میں اُس کے خلاف بھی شکایتیں پیدا ہونے لگیں غنیمت کے غیر مساوی تقسیم۔ دلیر نہ ہونے اور جنگ میں عاجز ہونے کے اُس پر الزام لگائے گئے۔ حضرت عمرؓ نے محمد بن سلمہ سے بھی جو امیروں کے حالات تحقیق کرنے پر متعین تھا کوفہ میں اِن شکایات کی اصلیت کی تحقیق کرائی۔ مگر یہ اصل ثابت ہوئیں۔ اِس الزام کا تو سعد پر کوئی اثر نہ ہوا لیکن ایک دوسری شکایت اُس کی نسبت نمازوں میں سستی کرنے کی ایسی پیدا ہوئی کہ حضرت عمرؓ اُسکو کبھی معاف کرنیوالے نہ تھے اور سعد کو معزول کر دیا۔ لیکن اُسکی نسبت جو بددیانتی اور عاجزی کا شُبہ تھا اُس کے دُور کرنے کے واسطے سب جگہ لکھ بھیجا کہ اِس قسم کا کوئی الزام اُسکے ذمہ نہیں ہے بلکہ رفع اختلاف کے واسطے اُسکو بلا لیا گیا ہے[۵۱]۔

سعد کی جگہ عمار بن یاسر کو مقرر کیا لیکن یہ انتخاب بھی کوفہ والوں کو رضامند نہ کر سکا اور حضرت عمرؓ نے ابو موسےٰ اشعری کو بصرہ سے کوفہ تبدیل کیا۔ لیکن جب اُن کی نسبت بھی شکایتیں پیدا ہوتی دیکھیں تو ایک سال کے بعد بصرہ کو واپس بھیجدیا۔ کوفہ کی گورنری ایک بہت تکلیفدہ مسئلہ ہوگئی اور جابر بن مطعم کو بھیجنے کا ارادہ کر چکے تھے کہ مغیرہ اِس کام کے واسطے زیادہ موزوں معلوم ہوا۔ مغیرہ اپنے اخلاق کے مشتبہ ہونے سے معزولی کی سزا ابھی پا چکا تھا۔ اُسکی لیاقت سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی باقی دہ سالہ خلافت میں کوفہ سے کوئی شکایت انتظامی نہ پیدا ہوئی ۔

غرض حضرت عمرؓ عمال اور امیروں کی نگرانی اور خبر گیری کو اپنے ذاتی فرائض کا ایک نہایت اہم حصہ سمجھتے تھے اور نہایت فکر اور توجہ سے اُن کی نگرانی کرتے تھے۔ اُن کے اخلاق کا چونکہ رعایا پر اثر پڑتا تھا اور اُن کے واسطے عوام الناس کے درمیان ایک عمدہ نظیر اور نمونہ ہونا ضروری تھا۔ پس اِس قسم کے ادنےٰ اشتباہ پر بھی انکو معزول کر دیتے تھے اور اخلاقی قصور میں کسی قسم کی رعایت نہیں کرتے تھے۔ اُن کے تقرر میں بہت بڑی ذہانت اور مردم شناسی سے کام لیتے تھے۔ عمرو بن العاص مصر میں اور مشرقی صوبوں کے امیر اپنے فرائض امارت کے ساتھ فتوحات کو بھی وسیع کرتے جاتے تھے۔ شرحبیل شام کے مشرقی اضلاع پر حاکم تھا اور تمام ملک میں امن اور آسائش اور عدل و انصاف کا دَور دَورہ تھا۔ سر ولیم میور کا قول ہے کہ "اُن کے کپتانوں اور گورنروں کا تقرر کسی ذاتی تعلق یا لحاظ ذو الُفت سے بالکل پاک ہوتا تھا اور مغیرہ اور عمار کے سوائے اُن کے تمام انتخابوں میں اعلیٰ درجہ کی کامیابی ہوئی۔ کوفہ اور بصرہ کے سازشی شہروں کے امیروں کی تبدیلی میں ایک قسم کی کمزوری خیال کیجاتی ہے گو ایسا ہی ہو لیکن اِس سے قریش اور اعراب کے رقیبانہ اور مخالفانہ دعوے پورے ضبط اور انسداد میں رکھے گئے اور اُنکی وفات تک کسی نے اسلام میں خلل پیدا کرنے کی جُرأت نہ کی" ۔

حضرت عمرؓ اگرچہ باقاعدہ وعظ و نصیحت اور پند و موعظت سے اُس ہادی اعظم کا خلیفہ ہونے کا حق ادا

---

[۵۱] ازالۃ الخفا باب سیاست ۔

کرتے تھے مگر علاً اور فعلاً بھی اُن کو مسلمانوں کی درستی اخلاق کی طرف نہایت توجہ رہتی تھی۔ اور کسی جزوی بداخلاقی کے امر کو بھی روا نہیں رکھتے تھے اور فوراً انسداد اور انتظام کرتے تھے۔ مثلاً ایک رات حضرت عمرؓ مدینہ کے بازاروں میں پھر رہے تھے کہ ناگاہ ایک عورت کی آواز آئی جو یہ شعر پڑھ رہی تھی۔ ۵۱

الا سبیل الی خمر فاشربھا	ام لا سبیل الی نظر بن حجاج
کاش شراب کے مل جانے کی کوئی صورت ہوتی۔ یا نظر بن حجاج کے ملنے کی کوئی سبیل ہوتی۔	

جب صبح ہوئی تو حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ نظر بن حجاج کون ہے۔ معلوم ہوا بنی سلیم کا ایک خوبصورت جوان شخص ہے۔ اُسکو بلایا۔ اُس کے بال خوبصورت تھے۔ نائی کو حکم دیا کہ اُنہیں مونڈ دے مگر دیکھا کہ اُسکی خوبصورتی ویسی ہی ہے۔ تو کچھ خرچ دیکر مدینہ سے باہر بھیجدیا۔ یہ شخص آخر خیانت سے متہم ہوا[۵۲]۔

جہینا کے ایک شخص کا دستور تھا کہ حاجیوں کے آنے کے زمانہ میں پیشدستی کرکے کجاوے خرید لیتا تھا اور پھر گراں بیچتا تھا۔ حضرت عمرؓ کو جب معلوم ہوا تب اُس نے مفلسی کا اظہار کیا۔ حضرت عمرؓ نے اُسکے قرضخواہوں کو بلاکر اُسکا مال قرضہ کی نسبت اُن میں تقسیم کردیا اور اُس کی اس دین فروشی کی نہایت مذمت کی اور ہدایت کی کہ کوئی اس طرح پر دین فروشی اور برگشتگی کا کام نہ کرے[۵۳]۔

گالیاں دینے اور فحش زبان میں گفتگو کرنے پر بھی سزا دیتے تھے۔ ایک دفعہ ایک شخص نے دوسرے شخص کو طنزاً کہا کہ میرا باپ اور میری ماں زانی نہیں ہیں۔ حضرت عمرؓ نے اُسکو بھی کوڑے مارے کہ اس کے سوا الفاظ میں وہ اپنے ماں باپ کی تعریف کرسکتا تھا[۵۴]۔

بغوی نے روایت کی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے روبرو ایک شخص نے دوسرے کو گالی دی تو انہوں نے اُسے کچھ نہ کہا۔ لیکن حضرت عمرؓ کے روبرو ایسا ہوا تو انہوں نے سزا دی[۵۵]۔

زانیوں اور شراب خواروں کے تو سخت دشمن تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ نے تو شراب پینے کی سزا میں چالیس دُرّے لگائے۔ حضرت عمرؓ اسّی دُرّے لگایا کرتے تھے اور کسی کو کسی طرح معاف نہیں کرتے تھے۔ اپنے بیٹے کو اسی جرم میں سو دُرّے مارے اپنے ایک عزیز رشتہ دار کو دُرّے مارے۔ بحرین کے امیر قدامہ کو دُرّے مارے۔ آزاد ہو یا غلام۔ کوئی سزا سے نہیں بچتا تھا۔ سر ولیم میور لکھتا ہے کہ "اس جرم (شرابخواری) میں گورنروں کے معزول ہونے کی بھی کچھ کم مثالیں موجود نہیں ہیں۔ حضرت عمرؓ سزاؤں کے دینے میں

[۵۱] ازالۃ الخفا باب گشت صفحہ ۷۸
[۵۲] ازالۃ الخفا احکام الخلافت والقضا
[۵۳] ازالۃ الخفا حدود
[۵۴] ازالۃ الخفا حدود

نہایت سخت تھے۔ اُنھوں نے بیٹے اور نہایت دلی رفیق کو شراب خواری کے جرم میں دُرّے لگانے کا حکم دینے میں تامّل نہیں کیا۔ دمشق میں ایک دفعہ ایسی بداخلاقی ظہور میں آئی کہ ابو عبیدہ کو انصار کی ایک جماعت اور ضرار اور ابو جندل جیسے معروف شخصوں کو طلب کرنا پڑا۔ ابو عبیدہ کو ایسے واقعہ میں قانون کی تعمیل کرنے اور سزا دینے میں تامّل ہوا۔ حضرت عمرؓ سے واقعہ عرض کیا اور لکھا کہ چونکہ سب نے اپنے گناہ سے توبہ کی ہے اُن کو معاف کر دیا جائے حضرت عمرؓ نے بڑی ناراضی سے اس کا جواب لکھا اور حکم دیا کہ ایک جماعت مسلمانوں کی اکٹھی کر کے اُن کے سامنے سب کو بلایا جائے اور پھر اُن سے پوچھا جائے کہ آیا شراب کا پینا حرام ہے یا حلال۔ اگر وہ حرام کہیں تو اسّی درّے مارے جاویں اور اگر وہ حلال کہیں تو اُن کے سر اُڑا دیئے جاویں۔ غرض ابو عبیدہ نے اسی طرح کیا۔ اور اسّی اسّی دُرّے سب کو مارے [۱]

اسی خیال سے وہ اُن شاعروں کے جو اشعار میں ہجو یا جھوٹی خوشامد یا عشقیہ مضامین باندھتے تھے ہمیشہ نہایت مخالف رہتے تھے ؎

ایک شاعر نے اپنے شعر میں زبرقان کی ہجو کی۔ حضرت عمرؓ کے پاس اسکی شکایت گزری ثابت ہوا کہ شعر میں ہجو کی گئی ہے۔ شاعر کو قید کر دیا۔ آخر عبدالرحمن بن عوف نے اُس کی سفارش کی تو اُس کو اُس سے یہ عہد لیکر چھوڑ دیا کہ آئندہ کسی کی ہجو نہ کرے گا [۲]

حطیہ شاعر کو قید سے چھوڑا تو اُسے ہدایت کی کہ شعر کہنا چھوڑ دے۔ اُس نے کہا یا امیرالمومنینؓ۔ یہ میرے کُنبہ کا گزارہ ہے میں اسے چھوڑ نہیں سکتا اور سوائے اِس کے میری زبان پر چیونٹیاں چلتی ہیں۔ تو آپ نے کہا کہ اپنے کُنبہ کی پرورش کر مگر مدح مجحفہ سے بچتے رہنا۔ اُس نے کہا کہ مجحفہ کیا ہوتی ہے۔ تو فرمانے لگے کہ ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا اور کہنا کہ فلاں شخص فلاں سے اچھا ہے میں اُس کی مدح کرتا ہوں۔ شاعر نے جواب دیا کہ یا امیرالمومنینؓ خدا کی قسم تو مجھ سے اشعر (زیادہ شاعر) ہے [۳]۔ ایک شاعر نے ایک دن سوال کیا تو اُسے کچھ دیا مگر ساتھ ہی یہ بھی کہدیا کہ خوف خدا سے دیتا ہوں شعر کے واسطے نہیں دیتا [۴] ؎

اسی طرح عام واقعات میں لوگوں کو بھلی باتوں کی نصیحت کرنے کا حق ادا کرنے سے نہیں چوکتے تھے کفایت شعاری کو بھی ایسا ہی ضروری سمجھکر لوگوں کو اُس کی ہدایت کرتے تھے۔ ایک دن عبداللہ بن عمیر حضرت کے پاس آیا اُس کا مطلب وظیفہ لینے کا ہوگا۔ حضرت عمرؓ کے دریافت کرنے پر بتایا کہ میں عبداللہ بن عمیر ہوں اُسکا باپ حنین کے دن شہید ہوا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اپنے غلام یرفہ کو حکم دیا کہ اُسے چھ سو ۶۰۰ دینار دیئے جاویں عمیر نے چھ سو دینار لینے میں عذر کیا تو ایک چادر اُسپر بڑھا دینے کا حکم دیا۔ عمیر نے دینار اور چادر لیکر اس نئی چادر کو

---

[۱] انکسر اوف خلافت صفحہ ۲۷۲
[۲] ازالۃ الخفا باب سیاست صفحہ ۷۳ وصفحہ ۲۰۸
[۳] ازالۃ الخفا کلمات حضرت عمر صفحہ ۱۹۴
[۴] ازالۃ الخفا کلمات حضرت عمر صفحہ ۱۹۶

ڈھونڈلیا اور اپنی پرانی چادر اُتار کر پھینک دی۔ حضرت عمرؓ نے اُسے کہا کہ یہ غلطی کی بات ہے۔ اپنی اس چادر کو بھی
پاس رکھو۔ گھر کے کاروبار میں یہ کام آوے گی اور زینت کے موقعوں پر نئی چادر سے کام لینا۔ عوام کے اخلاق کو
بھی جذبات تک نگاہ رکھتے تھے اور ٹوکتے تھے۔ ایک دن ایک سائل رات کے کھانے کا سوال کرتا ہوا آیا۔
حضرت عمرؓ نے غلام سے کہکر اُسے رات کا کھانا دلوادیا۔ اس کے بعد عشا کے پیچھے صدقہ کے اونٹوں کی طرف
گئے تو اس سائل کو وہی رات کے کھانے کا سوال کرتے ہوئے دیکھا تب انہوں نے پوچھا کہ کیا اسکو کھانا نہیں دیا گیا۔ غلام
نے کہا کہ دیدیا تھا۔ اس سائل کو پاس بلا کے دیکھا تو معلوم ہوا کہ اس کے پاس روٹیوں سے بھرا ہوا ایک تھیلا
ہے۔ آپ نے کہا کہ سائل نہیں ہے تاجر ہے اور روٹیاں اس کی اونٹوں کو کھلا دیں۔ گویا اصلی سوال کرنے کی
بدعادت کو کھونا چاہا تھا[۱]۔

اسی طرح دین میں ایک نہایت ضروری مصلحت ایک دفعہ اصلاح فرماتی کی۔ مغیرہ بن سوید بیان کرتا ہے کہ
ایک دفعہ حج میں ہم حضرت عمرؓ کے ساتھ گئے۔ فجر کی نماز سے فارغ ہوکر انہوں نے دیکھا کہ لوگ ایک جگہ کی
طرف دوڑے جاتے ہیں۔ پوچھا اسکا کیا سبب ہے۔ معلوم ہوا کہ ادھر ایک مسجد ہے جس میں آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی۔ لوگ ادھر جارہے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے پکار کر آواز دی اور کہا اسی طرح
تمہارے سے پہلے اہل کتاب ہلاک ہوئے۔ انہوں نے اپنے انبیا کے آثار کو مسجد بنالیا۔ جس شخص کو جس جگہ
میں نماز پیش آئے وہاں پڑھے ورنہ اپنا راستہ لے[۲]۔

اعتقادی اُمور میں بعض وقت وہ نہایت حکمت سے کام لیتے تھے۔ مصر میں آبپاشی کا مدار دریائے
نیل کی طغیانی پر تھا۔ اور لوگوں کا یہ عقیدہ تھا کہ جب تک ایک کنواری لڑکی کی بھینٹ دریا کو نہ دیجائے دریا
نہیں چڑھتا۔ پس ایک لڑکی کو دلہن بناکر اور آراستہ کرکے دریا کی بھینٹ دیتے تھے۔ مصر کو جب مسلمانوں نے
فتح کرلیا تو قبطیوں نے اپنی پرانی رسم ادا کرنی چاہی۔ عمرو بن العاص نے حضرت عمرؓ سے دریافت کیا کہ اس
معاملے میں کیا کرنا چاہیئے۔ حضرت عمرؓ نے اسکے جواب میں دریائے نیل کے نام ایک خط لکھکر بھیجا جس کا مضمون
یہ تھا کہ اگر تیرا چڑھاؤ تیرے اختیار میں ہے تو ٹھہرا رہ۔ اور اگر خدا قادر مطلق کا اختیار ہے تو ہم اُس سے دُعا کرتے
ہیں کہ تیرے پانی چڑھیں اور پھیلیں۔ اور لکھا کہ اس خط کو دریا میں پھینک دیا جائے وہ بھینٹ دینے سے روکا جائے
دریا حسب معمول طغیانی پر آگیا اور وہ بد اعتقاد لوگوں کا جاتا رہا۔ اور درحقیقت ایسے موقع پر ایسی ہی حکمت عملی سے
کام چلتا ہے۔ مسٹر لین مصر کی اس رسم کا ذکر کرتا ہے مگر اُس کا بیان ہے کہ "ایک کنواری لڑکی کی مورت بناکر اور
اُس کو دلہن کے مانند سجاکر دریا میں پھینکتے تھے۔ بہرحال اسلام کسی ایسے مشرکانہ خیال کی چونکہ اجازت نہیں دیتا

---

[۱] ازالۃ الخفا کلمات حضرت عمرؓ
[۲] ازالۃ الخفا کلمات حضرت عمرؓ
[۳] ازالۃ الخفا کلمات حضرت عمرؓ

حضرت عمرؓ نے عُمدہ تدبیر سے کام لیا۔ سر ولیم میور بھی مانتے ہیں کہ اس واقعہ سے مُسلمانوں کا وہ اعلےٰ وصف ظاہر ہوتا ہے جو ہر امر میں خدا کی قدرت کے یقین کا اُن میں ہے لے "

حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی کثرت ازدواج اور لونڈی غلام رکھنے کے خیال کی مخالفت کو اسی ضمن میں بیان کیا جاسکتا ہے کہ ایک دفعہ ایک جماعت اُن کے پاس آئی اور کُنبہ کی کثرت اور مفلسی کی شکایت کی۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ تم نے خود ہی اپنے لیئے یہ پیدا کیا ہے۔ تم نے گھروں میں جورویں جمع کیں اور اللہ کے مال سے نوکر رکھنے لگے۔ گویا اِن مفلس کرنے والے اسباب کو وہ خوب جانتے تھے اور اس کے مخالف تھے ؛

حضرت عمرؓ کی ایک عجیب وغریب عادت اور دستور یہ تھا کہ جب لوگوں کو کسی امر کی ممانعت کرنے کا ارادہ کرتے تھے تو پہلے اپنے اہل و عیال کو جمع کرتے تھے اور کہتے تھے کہ میں فلاں امر سے لوگوں کو منع کرنا چاہتا ہوں۔ لوگ تمہاری طرف اس طرح سے دیکھیں گے جیسے جانور گوشت کی طرف دیکھتا ہے۔ واللہ تم میں سے کسی کو یہ کام کرتے ہوئے نہ دیکھوں ورنہ سخت عذاب دوں گا۔ غرض گھر سے اصلاح شروع کرتے تھے اور تب عوام کو منع کرتے تھے لے ؛

غرض حضرت عمرؓ کی درستیٔ اخلاق واطوار کی طرف توجہ صرف انہیں واقعات سے نہیں ظاہر ہوتی بلکہ اور بے شمار واقعات پر غور کرنے سے معلوم ہوسکتا ہے کہ اپنے اس فرض کو وہ کس قدر سعی اور توجہ سے ادا کرتے تھے ؛

خاص وعام واقعات پر بھی نیکی اور نیک روی کی ترغیب دیتے تھے۔ سنہ ۱۹ ہجری میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت میں ایک خاص واقعہ ہوا کہ مدینہ کے نزدیک ایک پہاڑی سے جس کا نام لیلا تھا آگ اور دُھواں نکلنے لگا۔ حضرت عمرؓ نے غربا اور مساکین کے درمیان خیرات تقسیم کرنے کا حکم دیا ؛

حضرت عمرؓ کے سفروں کو بھی ہم اُن کے فرائض کے ضمن میں بیان کرسکتے ہیں۔ اُن کا پہلا سفر سنہ ۱۵ ہجری میں یورشلیم کی طرف تھا جس کے مسلمانوں کے حوالہ کرنے کے واسطے خود حضرت عمرؓ کے وہاں تشریف لانے کی درخواست کی گئی تھی۔ حضرت عمرؓ مانع اعتراضوں پر عمل نہ کرکے بلاخوف وتردد فوراً شام کی طرف روانہ ہوئے۔ جابیا میں پہنچنے پر ابو عبیدہ یزید ابو خالد اُن کی آمد کی خبر پاکر استقبال کے واسطے آئے۔ بڑے تزک واحتشام سے خوشنما لباس پہنے ہوئے اور آراستہ کیئے ہوئے گھوڑوں پر سوار یہ سردار اپنے ہمراہیوں کے ساتھ آرہے تھے۔ حضرت عمرؓ اس شان وشوکت کے سامان کو دیکھکر غصہ سے بھڑک اُٹھے اور جھک کر سنگریزوں کی ایک مُٹھی بھر کر اُن کے مونھ پر ڈالی اور کہا کہ تم ایسے لباسوں میں مجھ سے ملنے کے واسطے آئے ہو

لے انلس اوف خلافت صفحہ ۲۴۶ — لے ازالۃ الخفا

کیا دو ہی سالوں میں تم اسقدر بدل گئے ہو۔ بخدا اگر دو سو برس کے بعد بھی تم ایسا کرتے تو تم ذلیل کیئے جانے کے
لائق ہوتے۔ اُنھوں نے جواب دیا یا امیرالمومنینؓ۔ یہ جو آپ دیکھ رہے ہیں یہ اوپر ہی اوپر ہے۔ اُنھوں نے
کپڑوں کو اُتار ڈالا اور دکھایا کہ نیچے اپنا فوجی لباس پہنے ہوئے تھے۔ مگر حضرت عمرؓ کی ناراضی اس عذر سے
بھی رفع نہ ہوئی اور فرمایا کہ بس جاؤ اور وہ جابیہ میں اتر پڑے۔ بطریق یوروشلیم کی سفارت نے جب شرائط صلح
طے کرلیں اور عہدنامہ لکھا گیا تو عمرو بن العاص اور شرجیل بھی حصول ملازمت کے واسطے حاضر ہوئے۔ حضرت
عمرؓ آگے بڑھکر اُن سے جا کر ملے۔ اُنھوں نے حضرت عمرؓ کی رکاب کو بوسہ دیا اور حضرت عمرؓ نے اُتر کر ان کو
گلے سے لگایا۔ اور سرداروں کو تو حضرت عمرؓ نے اپنے اپنے کام پر رخصت کردیا اور عمرو بن العاص اور
شرجیل کو ساتھ لیکر یوروشلیم کی طرف روانہ ہوئے۔ حضرت عمرؓ سے ان کے ان سرداروں نے گھوڑے پر سوار
ہونے اور شاید اپنے کپڑوں کو تبدیل کرنے کی درخواست کی۔ اُنھوں نے اس کو منظور کیا اور اُن کے واسطے
ایک گھوڑا لایا گیا اور اُن کے اُون کے کپڑے اُتروا کر جس میں چودہ پندرہ پیوند لگے ہوئے تھے اُن کو سفید پوشاک
پہنائی گئی۔ شام کا گھوڑا تھا اور وہیں کا سکھلایا ہوا تھا۔ وہ خراماں خراماں چلنے لگا۔ اور اُس کے گھنگروں کی
آواز آنے لگی۔ حضرت عمرؓ کو یہ حرکت جس سے سوار کے تکبر کا وسوسہ ہوتا تھا بُری معلوم ہوئی اور کہنے لگے کہ
اس جانور کو کیا لگا ہے اور کس نے اسکو یہ عجیب حرکت سکھلائی ہے۔ پس اس گھوڑے سے اُتر پڑے اور پھر
اپنی سواری پر سوار ہوئے۔ یوروشلیم میں پہنچکر بطریق اور عیسائیوں کے ساتھ جو سلوک کیا اُس کا ذکر آیندہ ہوگا۔ جس
کام کے واسطے اُنھوں نے یہ سفر اختیار کیا تھا اُس کو بخوبی سرانجام کرکے وہ مدینہ کو لوٹ آئے۔ دوسری دفعہ وہ شام
کی بغاوت کے واقعہ سے متردد ہو کر پھر شام کی طرف روانہ ہوئے تھے مگر جابیہ میں پہنچکر اُن کو بغاوت کے فرو
ہونے کی خبریں ملیں اور وہیں سے مدینہ کو واپس آئے ۔

تیسری دفعہ وہ شام کی وبا کے خوفناک زمانہ میں شام کی طرف روانہ ہوئے تھے مگر اس دفعہ بھی راستہ سے
لوٹ آئے ۔

چوتھی دفعہ وہ وبا کے دُور ہونے پر مدینہ سے ۱۸ سنہ ہجری میں اس ارادہ سے روانہ ہوئے کہ تمام ممالک مفتوحہ
میں سفر کریں اور رعایا اور عمال کے حال کو بچشم خود دیکھیں۔ شام میں چونکہ اُس بے رحم وبا کے ہاتھوں سے بے اندازہ
نقصان ہو گیا تھا اور متوفی مسلمانوں کے ترکوں کی تقسیم اور انتظام کی ایک بڑی دقت درپیش تھی۔ وہ اپنے درد بھرے
دل سے پہلے شام کی طرف روانہ ہوئے۔ قیصر اور کسریٰ کے ملکوں کے مالک ایک اُونٹ پر سوار تھے اور غلام بھی
اُسی سواری میں اُن کا شریک اور حصہ دار تھا کہ باری باری سے اُسپر سوار ہوتے تھے۔ ایلہ میں جو عیسائیوں کا ایک
شہر راستہ میں تھا پہنچے تو شہر کے لوگ امیرالمومنین اور اُس کی آمد کے سامان کو دیکھنے کے واسطے غول کے غول

ف۱ انلس اوف خلافت صفحہ ۲۱۸ ف۲ ازالۃ الخفا تصوف وسلوک ۱۲

شہر سے نکلے اور حضرت عمرؓ ہی سے جو آگے آگے جا رہے تھے پوچھا کہ حضرت عمرؓ کہاں ہیں۔ انہوں نے جواب دیا "ھوامامکم" کہ وہ تمہارے آگے ہے۔ لوگوں نے سمجھا کہ خلیفۂ اعظم سے کہیں پیچھے آ رہے ہیں وہ اور آگے بھاگے ہوئے چلے گئے اور حضرت عمرؓ اکیلے بڑھے ہوئے اسقف ترسل کے گھر میں دوپہر آرام کرنے کے واسطے جا اترے اور پھر وہاں سے روانہ ہو کر جابیہ ہو کر شام میں پہنچے۔ تمام شہروں کو جن میں مسلمان رہتے تھے دورہ کر کے دیکھا انتظام میں جو تغیر و تبدل ضروری معلوم ہوا کیا اور امیروں اور عہدہ داروں کو ہدایتیں کیں۔ جن لوگوں کے ترکوں اور مال اسباب کی تقسیم کی نسبت تنازعات اور دعوے تھے ان کو فیصل کیا۔ چونکہ یزید بن ابی سفیان والی دمشق اور ابوعبیدہؓ "امین الامت" والی حمص دونوں وفات پا گئے تھے۔ معاویہ کو شام کا امیر مقرر کیا۔ غرض مختلف امور کے انتظام اور تمام شہروں کے اندر دورہ کرنے میں چار ماہ تک شام میں رہنا پڑا جس کے بعد وہ مدینہ کی طرف لوٹے اور جب حدِ شام پر آ کر شام سے جو لوگ ان کے ہمراہ تھے ان کو واپس کر دیا۔ اور ان کی من اطمینان بخش تصدیق ہے کہ جس قدر کام آپ کے کرنے کے تھے آپ سب کر چلے ہیں حضرت عمرؓ مدینہ کو واپس آئے۔ ملک شام اب اس وبا کے پھیلے ہوئے اور ان میں اکثر شب بیداری کرنے آپ عراق و دیگر ممالک میں سفر کرنے کے ارادہ کو پورا نہ کر سکے۔ ملہ

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جماعت کے ساتھ سفر کرنے کے طریقہ کی کیفیت بھی کچھ کم دلچسپ نہیں ہے۔ ان میں بھی خاص فرض چپ دم لیتے تھے وہ ان کو آرام کرتے تھے۔ نماز فجر سے فارغ ہو کر کوچ کرتے اور کوچ کرنے کے وقت لوگوں کو آواز دیتے کہ اے لوگو! کوچ کا وقت آ گیا ہے۔ جو لوگ ان کے قریب ہوتے اور ان کی آواز کو سنتے وہ پکار کر دوسرے لوگوں کو کہہ دیتے امیرالمومنین آواز دیتے ہیں۔ اٹھ کھڑے ہو۔ کجاوے باندھو اور کھانے پینے کا سامان درست کر لو۔ پھر دوسری دفعہ حضرت عمرؓ آواز دیتے تو لوگ پکار دیتے کہ سوار ہو جاؤ امیرالمومنینؓ نے دوسری آواز دی ہے۔ جب سب لوگ اسباب باندھ لیتے تو حضرت عمرؓ اٹھ کھڑے ہوتے اور اپنے اونٹ پر اپنا اسباب لادتے۔ اسباب ان کا سفر میں دو تھیلے ہوتے تھے جن میں سے ایک میں ستو اور دوسرے میں خشک کھجوریں بھری ہوئی ہوتی تھیں اور سامنے کی طرف ایک پانی کا مشکیزہ اور ایک بڑا پیالہ بندھا ہوا ہوتا تھا جب کہیں اترتے تو اسی پیالہ میں ستو گھول کر اپنا چمڑے کا دسترخوان بچھا کر جو شخص ان کے پاس بیٹھا ہوتا اسکو شریک کر کے کھاتے تھے۔ جب لوگ کوچ کر جاتے تو اس پڑاؤ کے مقام پر جہاں لوگ ٹھہرے ہوئے ہوتے تھے جاتے اور پھر کر دیکھتے کہ اگر کسی کا کچھ اسباب رہ گیا تو اسے سنبھال لیں۔ اور راستہ میں اسی خیال سے باقی جماعت کے پیچھے پیچھے چلتے تھے کہ اگر کسی کا کچھ اسباب گر جاوے تو اسے اٹھا کر لیتے آویں۔ کسی شخص کی سواری کا اونٹ اگر لنگڑا ہو جاتا یا تھکن سے ہار جاتا تو اس کی مدد کرتے اور اسکو ساتھ لیئے ہوئے آہستہ آہستہ

ملہ الفاروق خلافت صفحہ ۲۳۶ و ۲۳۷ و طبری صفحہ ۲۹۰ ث

ہو پہنچے۔ جب اگلے دن کی شام کو آپ منزل پر پہنچتے تو اونٹ کے چاروں طرف لوگوں کی چیزیں لٹکی ہوئی ہوتیں اور جس کسی کا اسباب گم ہوا ہوتا وہ اُن کے پاس دوڑا آتا۔ کوئی کہتا ہے امیر المومنینؓ میرا لوٹا تھا۔ کوئی کہہ رہا ہے میری کمان تھی۔ کوئی اپنے رستے کی شناخت کرتا ہے اور کوئی کسی چیز کو پہچانتا ہے۔ حضرت عمرؓ ہر ایک چیز اُس کو دیدیتے مگر ساتھ ہی نصیحت بھی کرتے کہ کوئی عقلمند آدمی اپنی ضرورت کی چیز کو ایسی غفلت سے کھو نہیں دیتا میں کب تک رات کو جاگوں گا اور تمہاری چیزیں دیکھتا رہوں گا۔ آیندہ ہوشیار رہنا۔ غرض سفر میں بھی وہ مسلمانوں کی خدمت کرتے تھے اور اپنے وقت کے کسی لمحہ میں اپنے فرائض کے ادا کرنے سے غافل نہیں رہتے تھے۔[1]

سفر میں لوگوں کے حالات کی بھی تفتیش و تفحص کرتے تھے اور اُن کے متعلق اپنے انتظامی و عدالتی فرائض ادا کرتے تھے۔ مثلاً اُن کے سفروں میں اس قسم کے واقعات بھی بیان ہوئے ہیں کہ ایک دفعہ جب آپ ایک چشمہ پر سے گزرے جو قوم جذام کے قبضہ میں تھا تو وہاں لوگوں نے ذکر کیا کہ ایک شخص کی دو عورتیں ہیں اور وہ دونوں حقیقی بہنیں ایک ماں سے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُس شخص کو بلایا اور کہا کہ ایسا جائز ہے کہ تم مسلمان ہو کر کیوں کرتے ہو۔ اُس نے جواب دیا میں اسکی ممانعت سے آگاہ نہیں تھا اور چونکہ وہ دونوں اُس کو بہت پیاری تھیں اُن میں سے ایک کو اب علٰحدہ کرنے میں بھی پس و پیش کرنے لگا۔ حضرت عمرؓ نے تنبیہ کی اور ایک کو اُس سے علٰحدہ کرا دیا۔[2] اسیطرح ایک اَور شخص کا حال معلوم ہوا کہ اُس نے ایک اَور شخص کو اپنے ساتھ حصہ دار بنایا ہوا ہے کہ اُس کی عورت ایک دن اُس کے پاس رہے اور دوسرے دن اُس کے حصہ دار کے پاس۔ آپ نے اُس کو بھی بُلایا اور پوچھا کہ یہ کیا بات ہے۔ اُس نے جواب دیا کہ میں اور ضعیف آدمی ہوں ایک جوان شخص نے مجھ کو کہا تھا کہ تیرے اُونٹ چرالایا کروں گا اور اُن کی ہر طرح کی نگہبانی کروں گا اپنی عورت میں مجھے اپنے ساتھ حصہ دار بنالے چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ تجھے معلوم نہیں کہ مسلمان کے واسطے ایسا فعل حرام اور قبیح ہے۔ اُس نے کہا مجھے نہیں معلوم تھا اور آیندہ کے لیئے اس سے توبہ کرتا ہوں۔[2] ایسی ہی عیسائیوں اور غیر اقوام کے ساتھ سلوک اور مروّت کرنے کی روایتیں ہیں جو دوسری جگہ بیان ہوں گی ؛

اس کے بعد بھی حضرت عمرؓ کا ارادہ تھا کہ تمام ممالک میں ایک بڑا دورہ کریں اور فرمایا کرتے تھے کہ "اگر میں زندہ رہا تو ایک سال تک رعیت میں پھروں گا کیونکہ میں جانتا ہوں کہ لوگوں کی حاجتیں اور ضرورتیں میرے سوائے منقطع ہوتی ہیں اُن کے عامل اُن کو میرے پاس نہیں بھیجتے اور بعض ایسے ہیں کہ مجھ تک پہنچ نہیں سکتے۔ دو مہینہ تک شام میں رہوں گا۔ خدا کی قسم یہ سال بہت اچھا ہوگا[3] " مگر اُن کو اپنی خلافت کے تھوڑے

---

[1] فتوح شام واقدی صفحہ ۲۸۴
[2] فتوح شام واقدی صفحہ ۲۸۸
[3] ازالۃ الخفا کلمات حضرت عمرؓ

دنوں میں جو باقی تھے اپنے اِس ارادے کو پورا کرنے کا موقع نہیں ملا ؛

غرض اُن کی اس طرح پر اپنی رعایا اور مسلمانوں کی خبرگیری اور نگرانی کرنے اور اپنے بے شمار فرائض کو ادا کرنے کے حالات کہاں تک بیان کیئے جائیں۔ اگر سچ پوچھو تو اُنہوں نے اپنے اِس قول کو جو ایک خطبہ میں فرمایا تھا سچ کر کے دکھا دیا تھا کہ "قسم ہے اُس ذات پاک کی جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا ہے کہ اگر کوئی اُونٹ فرات کے کنارہ پر ضائع ہو جاوے تو میں ڈرتا ہوں کہ خدا آلِ خطاب (اپنے سے مراد ہے) سے اُس کا سوال کرے[۵۱]"

آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ازواج مطہرات اور اولاد کی خبرگیری اور خدمت کو جو اُن کا جزو ایمان تھا اپنے ضروری فرائض سے مقدم جانتے تھے۔ بنی ہاشم کی فضیلت کو ہر امر میں ثابت اور قایم رکھتے تھے۔ بنی ہاشم کے ہر ایک شخص کا نکاح اپنے اہتمام اور توجہ سے کرا دیتے تھے اور جن کے پاس نوکر نہ ہوتے اُن کو خدمتگار دیتے تھے[۵۲] اور ازواج رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی جن کے بڑے وظائف اُن کو کسی شئے کا محتاج نہیں چھوڑتے تھے باقی امور اور ضروریات میں خدمت اور خبرگیری کرتے تھے۔ جب اُنہوں نے حج کرنے کے واسطے جانا چاہا تو حضرت عثمانؓ اور عبدالرحمان بن عوف کو اُن کے ساتھ خبرگیری اور خدمت کے واسطے روانہ کیا اور تمام قسم کی ضروری ہدایات رستہ اور مقام کرنے کی اُن کو کر دیں[۵۳]۔ ام سلمہ نے ایک دن ایک شخص کی کہ اُن کو تنگ کرتا تھا شکایت کی تو حضرت عمرؓ نے اُس کو سزا اور تنبیہ کی۔ غرض اپنے اِس فرض کو بھی وہ ایسا ہی ادا کرتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق "صادق" اور "سعادتمند" کہلانے کے مستحق تھے ؛

حضرت امام حسنؓ اور امام حسینؓ سے جس درجہ کی محبت اور پیار کرتے غالباً یہی اُن کی محبت کی حد تھی۔ اُن کی فضیلت اور استحقاق اعلیٰ کو کسی طرح کم نہیں ہونے دیتے تھے۔ ایک دفعہ یمن سے چادریں آئیں اور حضرت عمر نے مہاجرین اور انصار کے درمیان تقسیم کر دیں۔ چادریں بڑی تھیں اور اُن میں سے کوئی حضرت امام حسنؓ اور امام حسینؓ کے لائق نہ تھی تو حضرت عمرؓ نے والئے یمن کی طرف لکھا کہ اُن کے اندازہ کے موافق چادریں بنوا کر بھیجے۔ چنانچہ وہ چدریں آئیں اور امام حسن اور امام حسین علیہم السلام نے پہنیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ چدریں اُن پر دیکھکر بہت خوش ہوئے اور کہا کہ جب تک یہ چدریں ان پر نہ دیکھیں طبیعت کو خوشی نہ ہوئی تھی[۵۴]

امام حسن اور امام حسین علیہم السلام کو اکثر اپنے پاس آنے کے واسطے کہا کرتے تھے کسی روز نہ دیکھتے تو پوچھتے کہ آج تم کیوں نہیں دکھائی دیئے[۵۵]۔ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا تو وہ کہنے لگے

---

[۵۱] ازالۃ الخفا کلمات حضرت عمرؓ   [۵۲] ازالۃ الخفا باب گشت

[۵۳] تا [۵۵] ازالۃ الخفا باب گشت کے ضمن میں ؛

ابن عمر (عبد اللہ حضرت عمرؓ کے بیٹے) کو لوٹتے دیکھکر میں بھی لوٹ گیا تو حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ ابن عمرؓ سے میرے پاس آنے کی اجازت حاصل کرنے کے تم زیادہ مستحق تھے۔ ہماری بزرگی تو خدا کے بعد تمہیں سے ہے۔ اسی طرح ایک دن امام حسنؑ یا امام حسینؑ گئے اور دیکھا کہ عبد اللہ اپنے بیٹے کو اُسوقت اندر نہیں بلایا تو وہ بھی لوٹ گئے۔ حضرت عمرؓ کو جب معلوم ہوا تو آدمی بھیجکر اُن کو بلایا اور کہا کہ اے میرے بھائی کے بیٹے تم کیوں لوٹ گئے کیا میرے سر کے بال تمہارے ہی اگائے ہوئے نہیں ہیں [۵۱]۔

ایک دن مال غنیمت تقسیم کرنے لگے تو امام حسنؑ سے شروع کیا اور اُن کو ہزار درہم دئیے۔ پھر امام حسینؑ کو بھی ہزار درہم دئیے۔ جب اُن کے بیٹے عبد اللہ کی باری آئی تو پانچسو درہم اُن کو دینے کو کہا۔ اُنہوں نے کہا یا امیر المومنین میں تو وہ آدمی ہوں جس نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے تلوار ماری ہے۔ امام حسنؑ اور امام حسینؑ دو لڑکے ہیں جو مدینہ کی گلیوں میں کھیلتے پھرتے تھے اُن کو ہزار ہزار درہم دیا گیا اور مجھ کو پانچسو۔ یہ میرے حق سے کم ہیں۔ حضرت عمرؓ جوش میں آئے اور فرمانے لگے کہ "جا تو بھی اُن کے باپ جیسا باپ۔ اُن کی ماں جیسی ماں اور اُن کے نانا جیسے نانا اور اُن کی نانی جیسی نانی۔ اُن کے چچا جیسے چچا اور اُن کے ماموں جیسا ماموں اور اُن کی خالہ جیسی خالہ لے آ۔ جن کو تو نہیں لاسکیگا۔ تجھے معلوم نہیں اُن کا باپ علی مرتضیٰؑ۔ اُن کی ماں فاطمۃ الزہراؑ۔ اُن کے نانا محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم۔ اُن کی نانی خدیجۃ الکبریٰؓ۔ اُن کا چچا جعفرؓ بن ابی طالب طیار۔ اُن کا ماموں ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور اُن کی خالہ ام کلثوم اور رقیہ رسول اللہ صلعم کی بیٹیاں ہیں [۵۲]"۔ عبد اللہ یہ سن کر خاموش ہوگئے۔

حضرت عمرؓ اپنی ذات کے ساتھ تو جو سلوک کرتے تھے سو کرتے تھے مگر یہ بھی اُن کا اپنی خلافت کا ایک ممتاز اور مستحکم اصول تھا کہ اپنے متعلقین اور خصوصاً اپنی اولاد کو نہ کسی پر فضیلت دیتے تھے اور نہ امور خلافت اور امارت میں اُن کو دخل دیتے تھے۔

ایک دن اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میں چادریں تقسیم کر رہے تھے۔ ایک چادر بچ رہی تو کہنے لگے کہ کوئی ایسا آدمی بتاؤ جس نے خود اور اُس کے باپ نے ہجرت کی ہو۔ یہ چادر اُسکو دوں گا۔ لوگوں نے کہا عبد اللہ ابن عمرؓ۔ آپ کہنے لگے کہ نہیں سلیط ابن سلیط ایسا ہے اور وہ چادر اُسکو دیدی [۵۳]۔

عبد اللہ ابن عمرؓ وہ شخص تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فدایانہ عشق رکھنے میں مشہور اور اپنے کمال اور علم اور فضل میں معروف اور سر برآوردہ تھے اور قابلیتوں میں کسی سے دوسرے درجہ پر نہ تھے مگر حضرت عمرؓ نے کبھی کوئی کام اُن کے سپرد نہ کیا اور نہ کسی کام میں دخل دینے دیا۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ آپ ایک جماعت میں

---

[۵۱] ازالۃ الخفا باب گشت کے ضمن میں

[۵۲] ازالۃ الخفا باب گشت کے ضمن میں

[۵۳] ازالۃ الخفا باب گشت کے ضمن میں ۱۲

بیٹھے ہوئے اہل کوفہ کی شکایت کر رہے تھے کہ اُنھوں نے مجھے تنگ کر دیا ہے۔ اگر نرم طبیعت کے شخص کو اُن کا عامل مقرر کرتا ہوں تو اُس کو ضعیف سمجھتے ہیں اور اگر سخت آدمی کو بھیجتا ہوں تو اُس کی شکایت کرتے ہیں۔ مَیں چاہتا ہوں کہ کوئی شخص جو قوی اور امین ہو اُس کو اُن پر عامل مقرر کروں۔ ایک شخص نے اُن میں سے کہا کہ مَیں ایسا قوی بتاتا ہوں جو قوی اور امین ہے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا وہ کون ہے۔ اُس نے جواب دیا کہ عبد اللہ ابن عمرؓ۔ حضرت عمرؓ یہ سُن کر غصہ سے بھڑک اُٹھے اور کہا کہ خدا تجھے ہلاک کرے۔ تُو نے کوئی بھلی بات نہیں کہی۔ مَیں اُس کو اُن پر اور کہیں بھی عامل نہ مقرر کروں گا۔ تو نادان ہے اس بات کو نہیں جانتا۔ میرے سامنے سے اُٹھ جا۔ غرض نہایت ناراض ہوئے اور وہ شخص سامنے سے چلا گیا [1]۔

اسی طرح جب اپنی وفات سے پہلے اُنھوں نے اپنا جانشین مقرر کرنے کے واسطے مشورہ کیا تو مختلف آدمیوں کا ذکر ہو رہا تھا۔ ایک شخص کے وتھ سے عبد اللہ بن عمرؓ کا نام نکل گیا۔ حضرت عمرؓ چلا اُٹھے اور کہا "اُسکت قاتلک اللّٰہ" خدا کی قسم تُو نے یہ بات نہ خدا کے لیئے کہی ہے اور نہ مُسلمانوں کی بھلائی کی کہی ہے [2]"۔

سر ولیم میور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طبیعت کی نسبت ایک آخری اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "سادگی اور فرض کا ادا کرنا اُن کے دو راہ نما اصول تھے اپنے بڑے عہدے کے فرائض ادا کرنے میں انصاف اور بے غرضی اور بے طرفداری اور کمال مصروفیت کے سبب وہ ممتاز تھے اور ذمہ واری اور جواب دہی کا اُن کی طبیعت پر اتنا بوجھ تھا کہ وہ بعض اوقات کہہ اُٹھتے تھے کہ کاش میری ماں مجھے نہ جنتی اور کاش مَیں ایک گھاس کا تنکا ہوتا"۔

اِن حالات پر جو بیان ہوئے ہیں اور اس قسم کے تمام واقعات پر غور کرنے سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کی خلافت کی بے نظیر کامیابی جس قدر کہ وہ اُن کے اصول خلافت اور حکومت کی شائستگی سے حاصل ہوئی اُسیقدر اُن کے ذاتی فرائض کے ادا کرنے کے عدیم المثال طریقوں میں مخفی تھی۔ فرائض ادا کرنے کا اُن کا عجیب و غریب طریقہ۔ سلطنت کے شائستہ ترین اصول۔ مُسلمانوں کی یکجہتی اور اتفاق۔ حق شناسی اور اُن کے حقوق کی مساوی تقسیم۔ اُن کے ساتھ بےنظیر عدل و انصاف کا برتاؤ۔ رائے اور مشورہ دینے میں اُن کو آزادی۔ اُن کی بےمثل انتظامی لیاقتیں۔ مضبوط ہاتھ۔ قوم اور افراد قوم کے حالات کی عام واقفیت غرض اس قسم کے اُمور تھے جن سے اُن کو اپنی خلافت میں ایسی کامیابی ہوئی جس کی کہ نظیر دنیا میں موجود نہیں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا وہ قول جو اُنھوں نے زمامِ خلافت کو اپنے ہاتھ میں لینے کے دن منبر پر کھڑے ہوکر فرمایا تھا کہ "قومِ عرب چھدے ہوئے ناک والے اُونٹوں کی قطار کے مانند ہے جن کی نکیل میرے

---

[1] ازالۃ الخفا باب تصوف و سلوک [2] طبری صفحہ ۵۱

ہاتھ میں دی گئی ہے۔ میں اُن کو سیدھے راستہ پر چلانے والا ہوں اور اپنے خدا سے مدد مانگتا ہوں[۵۱]۔" اور وفات کے وقت فرمایا کہ تمہارے درمیان میں اُونٹوں کی قطار کی روش چھوڑ چلا ہوں کہ خبردار کوئی قوم ٹیڑھی نہ ہو جائے ورنہ وہ روش ٹیڑھی ہو جاوے گی۔" ایسا قول تھا کہ عرب پر حکومت کرنے کے واسطے اس سے زیادہ سچی ہدایت مشکل سے کسی قول میں مل سکتی تھی۔ اور عرب کے ہر ایک بادشاہ کے واسطے یہ پُرمعنی قول اور اُس کے قائل کے اصولِ عمل یکساں راہنما ہو سکتے تھے۔ اُنہوں نے جو اصول اپنے اس خیال کے مطابق اختیار کیے تھے وہ اُنکی نہایت درجہ کی احتیاط اور ہوشیاری ظاہر کرتے تھے۔ مثلاً اسی خیال کے مطابق وہ شام میں جہاں قریش اور اصحاب رسول اللہ بہت زیادہ تھے عموماً قریش اور شرفاء میں سے عامل اور امیر مقرر کرتے تھے۔ اور مشرقی صوبوں میں چونکہ اعراب قبائل اعراب اکثرت سے تھے انہیں میں سے لائق سردار اور عہدہ دار مقرر کرتے تھے کسی شخص کی نسبت اختلاف یا شکایات ہونے پر اُسکو احتیاطاً واپس بُلا لیتے تھے اور یہی وجہ تھی کہ سرولیم میور نے لکھا ہے قبائل عرب میں جابجا اُن کے جاسوس پھرتے تھے اور اُن کے حالات اور خیالات سے حضرت عمرؓ کو مطلع کرتے رہتے تھے۔ مثلاً ایک دفعہ قلعہ صفین میں جو جزیرہ میں واقعہ تھا بنی تمر اور بنی تغلب محصور تھے اور بنی بکر نے مسلمانوں کی طرف سے محاصرہ کر رکھا تھا۔ بنی بکر کے حملہ سے محصورین قلعہ سے بھاگ نکلے اور راستہ نہ پاکر دریا میں کود کر غرق ہونے تک پہنچ گئے اور چلائے کہ "اے ہم ڈوبے۔" بنی بکر نے جواب دیا کہ "ہاں جلانے کے بدلہ میں ڈوبتے ہو۔" یہ اشارہ جاہلیت کے ایک واقعہ کی طرف تھا جس میں بنی تغلب نے کچھ آدمی زندہ جلا دیے تھے۔ حضرت عمرؓ کے جاسوسوں نے اُن کو خبر کی اور اُنہوں نے بنی بکر سے اس قصور کا جواب طلب کیا کہ مسلمان ہو کر جاہلیت کے حالات اور واقعات کو کیوں زندہ کرتے ہیں۔ مگر وہ اس قول کو دین اسلام کے مقاصد کے موافق بیان کر کے بچ گئے[۵۲]۔

کوفہ کے عامل کو آپ لکھا کرتے تھے کہ اگر قبائل اعراب جھگڑا اور فساد کریں تو اُن کو تلوار سے مارنا چاہیئے یہاں تک کہ وہ توبہ کریں کیونکہ یہ شیطان کی شرارت ہے۔ حضرت عمرؓ کا یہ مضبوط و قوی اصول اور قول اگر اُن کے جانشینوں کو یاد رہتا تو وہ مصیبتیں بہت کم پیدا ہوتیں جو آخر پیدا ہو گئیں۔

افراد قوم اور قبائل سے اُن کی عام واقفیت بھی ضرب المثل تھی۔ مثلاً ایک دن عدی بن حاتم حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں نہیں خیال کرتا ہوں کہ آپ مجھے پہچانتے ہوں۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ میں تجھے کیونکر نہ پہچانوں کہ سب سے پہلا صدقہ جس سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم خوش ہوئے تھے وہ تمہارے قبیلہ کا تھا۔ میں تجھے خوب پہچانتا ہوں۔ جب اَوروں نے کفر کیا تھا تو تو صادق الایمان رہا تھا۔ جب اَور رُوگرداں ہو گئے تھے تو تم نے مونہہ نہیں پھیرا تھا۔ جب اَوروں نے غدر کی تھی تو تم نے وفا کی تھی[۵۳]۔

---

۵۱ ازالۃ الخفا باب سیاست و کلمات

۵۲ آنلس آف خلافت حاشیہ صفحہ ۱۳۹

۵۳ ازالۃ الخفا کلمات حضرت عمرؓ

القصہ اس قسم کے عجیب غریب اسباب اور وسائل اور دستور اور اصول اور عمل اور طریق حضرت عمرؓ کی خلافت کی کامیابی کے تھے۔ اُن سب کا شمار کرنا مشکل ہے کیونکہ درحقیقت ایک واقعہ ایک خاص وسیلہ اور اُصول کی مثال ہے۔ لیکن اس باب کے خاتمہ پر ہم ایک عالم کے اقوال سے جو اُس نے ابتدائی خلافت کی نسبت تحریر کیے ہیں وہ حصہ لکھینگے جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت سے متعلق ہے اور جس میں اُن کی خلافت کی کامیابی کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔ وہ لکھتا ہے "لیکن حضرت عمرؓ کی حکومت کے ساتھ جو ایک حقیقی بزرگ شخص (کریڈ مین) تھے محکوم اور مفتوح رعایا کی وہ پدرانہ خبرگیری اور نگرانی شروع ہوئی جس کے سبب سے اسلامی ابتدائی گورنمنٹ ممتاز اور مخصوص ہے۔ ابتدائی خلفاء کے ماتحت مسلمانوں کی جو پولیٹیکل حالت تھی اُس پر غور کرنے سے ایک ایسی جمہوری سلطنت دکھائی دیتی ہے جس پر ایک انتخابی سردار محدود اختیارات کے ساتھ حکومت کرتا رہا ہے۔ امیر وقت کے اعلیٰ اختیار انتظامی امور مثلاً پولیس کی ترتیب۔ لشکر کے اہتمام۔ امور خارجہ کی انجام دہی اور مال اموال کی تقسیم اور خرچ وغیرہ تک محدود تھے۔ لیکن وہ قانون مسلمہ کے خلاف کسی صورت میں عمل نہیں کرسکتا تھا....."

"حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں ایک واقعہ ہوا جس سے اسلام میں تمام آدمیوں کی کامل آزادی کی کیفیت ٹھیک طور پر معلوم ہوتی ہے (اس مقام پر جبالہ کا واقعہ مفصل بیان کیا گیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ واقعہ اور اسکا فیصلہ ابوعبیدہ بن جراح کو لکھا گیا) ابوعبیدہ نے وہ نامہ اپنے لشکر کے روبرو پڑھا۔ اس قسم کی تحریریں اور اعلان ابتدائی خلافت کے زمانہ میں عام معلوم ہوتی ہیں۔ کوئی شخص شہر میں یا لشکر میں امور ملک سے ناواقف نہیں رہتا تھا۔ ہر ایک جمعہ کو نماز جمعہ کے بعد امیرالمومنین جماعت کے روبرو اہم تقررات اور ہفتہ بھر کے واقعات بیان کردیتے تھے۔ عمال اپنے صوبوں میں اُن نظیروں اور مثالوں کی پیروی کرتے تھے۔ کوئی شخص عوام الناس کی ان جماعتوں سے خارج نہیں سمجھا جاتا تھا۔ اس زمانہ میں جمہوری سلطنت کی بہترین صورت رائج تھی۔ امیرالمومنین کے گرد کوئی الوہیت اور ربانیت کی باڑ نہیں لگی ہوئی تھی وہ ملک کے انتظام کی نسبت اپنی رعایا کے سامنے ذمہ دار اور جوابدہ تھا۔ ابتدائی خلفاء کی اپنی رعیت کی خیرخواہی اور خبرگیری میں کامل اور شدید مصروفیت اور اُن کی زندگیوں کی انتہا درجہ کی اور سخت سادگی اپنے آقا کی مثال کی کامل درجہ کی پیروی سے تھی۔ وہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کی طرح مسجد میں نماز گزارتے اور وعظ کرتے تھے۔ اُن کے گھروں میں غریب اور مظلوم بلا روک ٹوک داخل ہوتے تھے اور کم سے کم درجہ کے آدمی بھی اُن سے اپنے حالات بیان کرنے سے محروم نہیں ہوتے تھے۔ بغیر پہرہ اور دربانوں کے۔ بغیر شان اور جلوہ کے وہ اپنی خصائل اور خصوصیات کی قوت سے لوگوں کے دلوں پر حکومت کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے جب فتح یوروشلیم کے وقت شام کو سفر کیا تو صرف ایک غلام اُن کی ہمراہی میں تھا..... قدرتی طور پر ایک نئی سلطنت کو جو بزور شمشیر حاصل کی گئی ہو دفعتاً مفتوحہ رعایا کے دلوں میں گھر کرلینا مشکل ہے لیکن ابتدائی مسلمانوں نے مفتوحہ اقوام کو اپنی نسبت انتہا درجہ کا اعتبار اور اعتماد اور باہمی تعلق اور اُلفت پیدا کرنے کے اسباب مہیا کردیئے تھے۔ ابوعبیدہ جیسے نرم دل اور معتدل طبیعت کے شخصوں کی سرداری میں جو خالد جیسے سپاہیوں کی تندی اور شدت کو روک کے رکھتے تھے اُنہوں نے اپنی رعایا کو پورے درجے کے ملکی حقوق دیئے اور اُنکی حفاظت کی

اُنھوں نے تمام اقوام مفتوحہ کو پوری مذہبی آزادی بخشی تھی۔ اُن کے اطوار اور برتاؤ اِس زمانہ کی مہذب گورنمنٹوں کے واسطے ملکی اور مذہبی آزادی کے امور میں قابلِ تقلید نظیریں اور امثال ہو سکتے ہیں ...... وہ کسی مفید ملکی آئین یا رفاہ عام کے نظام میں جو ممالک مفتوحہ میں موجود تھے اور جن سے اُن کے مذہب میں کوئی خلل نہیں پیدا ہوتا تھا دخل دینے سے باز رہنے کی عقل اور دانشمندی رکھتے تھے"۔

"حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے جو رعایا کی زراعتی سرسبزی اور دولت کی ترقی کی تدبیریں کیں اُن سے اُن کا اپنی رعایا کی بہتری اور بہبودی کا سر دست کا فکر اور اندیشہ بخوبی ظاہر ہوتا ہے۔ محصول اراضی ایک مساوی اور یکساں رہنے والے اور معتدل جدولوں پر مقرر کیا گیا تھا۔ سلطنت کے ہر ایک حصہ میں نہریں اور ندیاں بنانے کا حکم دیا گیا۔ جاگیرداری اور زمینداری کی خدمت یعنی کہ جس بار نے کاشتکاران اراضی کو برباد کر دیا تھا اُٹھا دیئے گئے تھے اور کسان اور کاشتکار صدیوں کی غلامی کی قید سے آزاد کر دیئے گئے تھے۔

ایک قاتل کے ہاتھوں سے اِن نامور شخص کی موت گورنمنٹ کے واسطے
بلاشبہ ایک سخت صدمہ تھا۔ اُن کی طبیعت سخت مگر
منصف۔ اُن کے عقل عام فہم اور آدمیوں کی
واقفیت اور علم نے نہایت اعلےٰ درجہ پر
اُن کو بنی اُمیہ کے حریصانہ ارادوں
کو روکے رکھنے اور دبا دینے
کے لائق بنا دیا
تھا"۔

قرآن ۔ حدیث ۔ فقہ

شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نہایت صحیح ہے کہ "آج جو شخص قرآن مجید پڑھتا ہے فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا احسان اُسکی گردن پر ہے" دراصل جامع قرآن ہونے اور قرآن مجید کے جمع کرنے کا سبب ہونیکا فخر حضرت عمرؓ ہی کو حاصل ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ حیات میں آیات قرآن جو نازل ہوتی تھیں وہ اسی طرح جُدا جُدا چمڑوں یا اُونٹ کی ہڈیوں یا کھجور کی چھال پر لکھ لیجاتی تھیں۔ اور وہ لکھی ہوئی آیتیں نہایت حفاظت کے ساتھ صحابہ کے پاس محفوظ رہتی تھیں۔ اور آیتوں کی ترتیب سورتوں میں بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہوجاتی تھی اور تمام ترتیب پائی ہوئی سُورتیں صحابہ کے پاس رہتی تھیں اور صحابہؓ اُن کو یاد کر لیتے تھے اور تلاوت قرآن مجید کرتے تھے اور بہت سے صحابہ حافظ قرآن مجید تھے یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفات پاگئے اور قرآن مجید اُسی طرح جُدا جُدا آیتوں اور سُورتوں میں لکھا ہوا اور حفاظ قرآن کی سپردگی میں رہ گیا ؛

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے زمانہ میں یمامہ کی لڑائی میں بہت سے اصحابِ رسول اللہ شہید ہوئے جن میں حافظان قرآن میں سے ستر سے کم نہ تھے۔ حضرت عمرؓ کو اس واقعہ سے قرآن مجید کی نسبت خوف ہوا حضرت ابوبکر صدیقؓ سے اُنہوں نے قرآن مجید کو یکجا جمع کرنے کی رائے دی۔ پُورا واقعہ اسکا ایک معتبر حدیث میں اس طرح بیان ہوا ہے۔ زید بن ثابت (کاتب الوحی) بیان کرتے ہیں کہ مجھ کو حضرت ابوبکرؓ نے قتل یمامہ کے زمانہ میں بُلا بھیجا۔ عمرؓ بن خطاب بھی وہاں موجود تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ عمرؓ مجھ سے کہتے ہیں کہ یمامہ کے دن قرآن کے قاری کثرت سے قتل ہوگئے ہیں اور مَیں ڈرتا ہوں کہ اگر اَور موقعوں میں بھی قاری کثرت سے مقتول ہوں تو قرآن بہت سا جاتا رہیگا اور میری یہ رائے ہے کہ تم قرآن کے جمع کرنے کا حُکم دو۔ مَیں نے عمرؓ سے کہا کہ تم وہ کام کیونکر کروگے جسکو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔ عمرؓ نے کہا خدا کی قسم یہ عُمدہ بات ہے۔ عمرؓ اسی طرح مجھ سے اصرار کرتے رہے یہاں تک کہ خدا نے میرا سینہ اس کے لیئے کھول دیا اور مَیں نے بھی اس کام میں وہ فائدہ دیکھا جو عمرؓ نے سمجھا تھا

زید کہتے ہیں کہ ابوبکرؓ نے کہا کہ تم جوان عاقل آدمی ہو۔ تم پر ہم بدگمانی نہیں کر سکتے اور تم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وحی لکھا کرتے تھے۔ پس قرآن کی جستجو کر کے اُسکو جمع کرو۔ سو خدا کی قسم اگر کسی پہاڑ کے ہٹا دینے کو کہتے تو مجھ پر اتنا گراں نہ ہوتا جتنا کہ قرآن کے جمع کرنے کا حکم گراں معلوم ہوا۔ الخ (بخاری)۔

غرض زید بن ثابت نے انتہا درجہ کی سعی اور کوشش سے تحریری آیتوں اور حافظوں سے قرآن مجید کو جمع کیا اور اس بات کی کمال درجہ تک تحقیق ہو گئی کہ قرآن مجید میں سے کچھ نہیں رہا جو جمع نہ کیا گیا ہو۔ خود خدائے پاک ہی نے اُس کی حفاظت کا وعدہ کیا تھا۔ یہ جمع ہوا ہوا قرآن حضرت ابوبکرؓ کے پاس اور حضرت عمرؓ کے زمانہ میں حضرت حفصہؓ کے پاس رہا۔ اس بات کا بیان کرنا کہ حضرت عمرؓ نے قرآن مجید کو جمع کرنے کی تدبیر کس درجہ کی دانشمندی اور احسان کا کام لیا ہے کسی مسلمان کی قدرت سے خارج ہے۔

اپنے زمانۂ خلافت میں حضرت عمر فاروقؓ حفاظِ قرآن سے قرآن مجید سُنتے تھے اور اُن کے درست پڑھنے کی طرف سے اپنا اطمینان کرتے تھے اور لوگوں کو کہتے تھے کہ سوائے کسی عمدہ حافظ اور قاری کے کسی سے قرآن اخذ نہ کریں اور نماز فجر میں خود بہت لمبی قرأت پڑھتے تھے کہ لوگ قرآن سے واقف ہوں قرآن کی تفسیر میں بھی اُن کو پوری مہارت تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے تفسیر فرماتے تھے۔ جو لوگ قرآن مجید کے احکام کی تاویلیں کرتے تھے یا اَور کسی قسم کی نالائق حرکت کرتے تھے اُن کو ایسی سزا دیتے تھے کہ دوسری دفعہ اُن کو ویسی حرکت نہیں کرنے دیتی تھی۔ اس قسم کے بہت سے واقعات ہیں جن کو ہم بیان نہ کریں گے۔

احادیث کی نسبت حضرت عمرؓ کا ایک ممتاز اصول جو دکھائی دیتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ حدیثوں کی کثرتِ روایت کو روکتے تھے۔ خود اُن سے پچاس[1] سے زیادہ حدیثیں مروی نہیں ہیں جن میں سے بعض کا کافی ثبوت نہیں ہے[2]۔ جبکہ دوسرے صحابہؓ مثلاً ابوہریرہؓ سے ۵۳۴۶ حدیثیں۔ انس سے ۲۲۸۶۔ عبداللہ بن عباس سے ۲۶۶۰۔ جابر سے ۲۵۴۰۔ اور عبداللہ بن عمرؓ سے ۲۶۳۰۔ اور دوسرے صحابہ سے بھی ایسی ہی کثرت سے حدیثیں مروی ہیں۔ اور حضرت عمرؓ سے ایسی قلیل۔ تو اس کی وجہ یہ تو نہیں ہو سکتی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے کم واقف تھے کیونکہ اُن سے بڑھکر آں حضرتؐ کے اقوال و افعال کو کوئی کم جانتا تھا بلکہ اس کی وجہ صاف یہ ہے کہ احادیث کی کثرت روایت کے وہ مخالف تھے۔ حضرت ابوبکرؓ بھی اس خیال کی حکمت سے ناواقف نہیں تھے کیونکہ اُن سے صرف سترہ[۱۷] حدیثیں مروی ہیں[۵۵] اور وہ بھی نہیں معلوم کس ضرورت سے روایت پا گئیں۔ حضرت عمرؓ کی روایت حدیث کی مخالفت صرف اُن کی قلت رائے ہی سے ظاہر نہیں ہوتی بلکہ وہ علانیہ طور پر اس کی ممانعت کرتے تھے۔ اور دانستہ حدیثوں کی کثرت کو روکتے تھے۔ صحابہؓ کو ہمیشہ

---

[1] و [2] سیرۃ النعمان صفحہ ۱۲۷

حکم دیتے تھے کہ حدیثیں کم بیان کریں[1]" اسی طرح ایک دفعہ انصار کے ایک گروہ کو کوفہ بھیجا۔ قرظہ بیان کرتے ہیں کہ میں بھی اُن کے ساتھ تھا۔ چاہ ضرار تک۔ جو مکہ کے راستہ میں ہے ساتھ آئے۔ وہاں اپنے پاؤں کا غبار جھاڑنے لگے اور کہنے لگے تم کوفہ جاؤ گے جہاں ایسے لوگوں سے ملو گے جو بڑے شوق سے قرآن کی تلاوت کرتے ہیں۔ وہ تمہاری آمد سُن کر مشتاق ہوں گے کہ رسُول اللہ کے اصحاب آئے۔ لیکن جب تم سے حدیثیں سُننی چاہیں تو زیادہ حدیثیں نہ بیان کرنا[2]۔

اسی طرح عراق کو صحابہ جانے لگے تو حضرت عمرؓ نے خود اُن کی مشایعت کی اور اُن سے پوچھا کہ جانتے ہو میں کیوں تمہارے ساتھ آرہا ہوں۔ لوگوں نے کہا "تکرمۃً علینا" یعنی ہماری عزت افزائی کے لیئے۔ فرمایا کہ ہاں لیکن ایک اور مقصد ہے۔ وہ یہ کہ جہاں جا رہے ہو وہاں لوگ اکثر قرآن کی تلاوت کرتے ہیں۔ اُن کو حدیثوں میں نہ پھنسا لینا اور رسُول اللہ سے کم روایت کرنا۔ چنانچہ جب یہ لوگ قرظہ پہنچے تو لوگ یہ سُن کر کہ صحابہ تشریف لائے ہیں زیارت کو آئے اور حدیثوں کی خواہش ظاہر کی۔ اِن لوگوں سے اس بنا پر انکار کیا کہ حضرت عمرؓ نے منع کیا ہے[3]۔ حضرت ابوہریرہؓ سے ابو سلمہ نے پوچھا کہ آپ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بھی اسی طرح حدیثیں روایت کیا کرتے تھے۔ بولے کہ نہیں۔ ورنہ عمرؓ دُرّہ مارتے[4]۔

حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت تک تو احادیث کی اشاعت کا یہی حال رہا۔ مگر اُن کے بعد یہ مصلحت قید اُٹھ گئی اور احادیث کے ساتھ جو سلوک ہوا سو ہوا۔ بے شمار و بے حساب حدیثیں وضع کی گئیں اور مفسد اور فتنہ پرداز لوگوں اور اہل بدعت کو احادیث کی آڑ میں شکار کھیلنے کا موقع مل گیا۔ خلافت اور سلطنت کے جھگڑوں میں وضع احادیث کی گنجائش اُن کو ایک بیبا معاون ملا کہ آدھی فکر وہ فوج اور لشکر کے تیار کرنے کے واسطے کرتے تھے اور آدھی وضعی احادیث کے شائع کرنے میں۔ غرض اِس قدر وضعی اور غلط اور جھوٹی حدیثیں پیدا ہوکر صحیح احادیث کے ساتھ شائع ہوگئیں کہ اگر کوئی صحیح احادیث کو وضعی اور غلط احادیث سے علیحدہ کر لینے کی قدرت رکھتا اور علیحدہ کر کے دیکھتا تو صحیح اور غلط میں وُہی نسبت معلوم کرتا جو ایک اور ننانوے میں ہے کثرت احادیث نے مُسلمانوں کے درمیان خلاف اور تفرقہ کے ایسے اسباب پیدا کر دیئے جو کسی دوسرے سبب سے کم پیدا ہوئے ہوں گے اور پھر ایسے کہ اُن کا اُٹھا دینا انسانی قدرت سے خارج ہے۔ اگر حضرت عمرؓ کے اُس خیال کی جو نہایت دُور اندیشی اور عاقبت اندیشی پر مبنی تھا پابندی کیجاتی اور صرف ایسی ضروری احادیث جو شرعی احکام کی نسبت بیان کرنی ضروری ہوتیں بیان کیجاتیں اور بلا خیال ضرورت یا عدم ضرورت کے احادیث کی روایت کے دریا نہ بہا دیئے جاتے اور اسلامی دنیا ایسے شرمناک وسائل کے استعمال کرنے کی بدنامی نہ لیتی جیسی کہ وضعی

---

[1] سیرۃ النعمان صفحہ ۱۴۸
[2] ازالۃ الخفا صفحہ ۱۴۱
[3] و [4] سیرۃ النعمان صفحہ ۱۴۹

احادیث کو اپنی کامیابی کا ذریعہ بنانے کی تھی تو مسلمانوں کے درمیان اختلاف اور تفرقہ کے بہت کم اسباب پیدا ہوئے ہوتے ؂

قرآن و حدیث کے بعد حضرت عمرؓ کی فقہ کا ذکر آتا ہے اور بلاشبہ فقہ میں اُن کا رتبہ شاہ ولی اللہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے اسی قول کا مصداق ہے کہ "علی الاطلاق اُمت سے وہ بہت افقہ ہیں" ؂

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں احکام کی قسمیں نہیں پیدا ہوئی تھیں۔ صحابہ جو کچھ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتے دیکھتے تھے اُسی سے سیکھ لیتے تھے۔ نہ ارکان و آداب سے سوال کرتے تھے اور نہ فرض و واجب کی تفصیل و تدقیق کرتے تھے کسی غیر ضروری اور غیر موجود شے سے سوال نہیں کرتے تھے۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ "میں نے اصحاب رسول اللہ سے بہتر کسی قوم کو نہیں دیکھا کہ رسول اللہ کی تمام زندگی میں تیرہ[۱۳] مسئلے پوچھے اور وہ سب قرآن میں موجود ہیں"۔ ابن عمرؓ کا قول تھا کہ جو چیزیں نہ ہوں اُن کا سوال نہیں کرنا چاہیے کیونکہ عمرؓ بن خطاب کو میں نے اسے لعنت کرتے سنا ہے جو ایسی چیز کو پوچھے جو موجود نہ ہو[۱]۔" لیکن اصل یہ ہے کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس قسم کی ضروریات کم پیدا ہوئیں۔ آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد فتوحات کو نہایت وسعت ہوئی اور تمدن کا دائرہ وسیع ہوتا گیا۔ اس کثرت سے نئے واقعات اور معاملات پیش آئے کہ اجتہاد و استنباط کی ضرورت پڑی اور اجمالی احکام کی تفصیل پر توجّہ ہونا پڑا۔ اسی ضرورت سے صحابہ کو مجتہد اور فقیہہ بھی کہلایا۔ مجتہدین صحابہ میں چار بزرگ بہت بڑے پایہ کے تھے۔ حضرت عمرؓ۔ حضرت علیؓ۔ عبداللہ بن مسعود۔ اور عبداللہ بن عباس[۲]۔ عمرو بن میمون کا قول ہے کہ علم کے دو ثلث حضرت عمرؓ لے گئے۔ یہ قول ابراہیم نخعی نے سُنا تو کہنے لگے کہ عمرؓ تو دسویں لے گئے اُن کی فقہ کو باقی اصحاب کی فقہ سے وہ نسبت ہے جو اُن کے مصحف کو اوروں کے مصحف سے ہے ؂

ابن مسعود کا قول تھا کہ اگر حضرت عمرؓ کا علم ترازو کے ایک پلّہ میں رکھا جائے اور زمین کے زندہ لوگوں کو ایک پلّہ میں تو حضرت عمرؓ کے علم کا پلّہ بھاری ہوگا۔ حذیفہ کا قول تھا۔ کہ گویا لوگوں کا علم کوٹ کوٹ کر حضرت عمرؓ کی گود میں بھر دیا گیا ہے اور یہ بھی کہا کہ میں نے کسی کو اللہ کے کام میں حضرت عمرؓ کے سوا لوگوں کی ملامت سے خوف نہ پایا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہا کرتی تھیں کہ تیری فہم میں عمرؓ یکتا تھا۔ ابن مسعود کا قول ہے کہ جب صالحین کا ذکر ہو تو حضرت عمرؓ کا ضرور ذکر کرنا چاہیے کیونکہ وہ کتاب اللہ کو ہم سے اچھا جانتے تھے اور خدا کے دین کو اچھی طرح سمجھتے تھے[۳]۔ شعبی کا قول ہے کہ فضلا اصحاب رسول اللہ صلعم میں سے چھ آدمیوں میں سے تین مدینہ میں اور تین کوفہ میں۔ مدینہ میں عمرؓ اور اُبی بن کعب اور زید بن ثابت۔ اور کوفہ میں علیؓ

---

۱ انصاف فی بیان سبب الاختلاف مؤلفہ شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۲ سیرۃ النعمان صفحہ ۱۹۰ ۳ سیوطی

عبداللہ بن مسعود اور ابو موسیٰ تھے ۔ مسروق کا قول ہے کہ اصحاب النبی سے بڑے عالم شخص تھے ۔ عمر بن خطاب علی بن ابی طالب ۔ عبداللہ بن مسعود ۔ اُبی بن کعب ۔ معاذ بن جبل ۔ زید بن ثابت ۔ ابو موسیٰ شعری[1]

غرض حضرت عمرؓ مسائل فقہی کے اجتہاد اور استنباط میں باوجود احتیاط کے بہت بڑا درجہ رکھتے ہیں لیکے مسائل اور اجتہاد کو عبداللہ بن عباس اور زید کے ساتھ جو ایک دوسرے سے اقتباس کرتے تھے مدینہ میں ہونے کے سبب زیادہ شہرت اور اشاعت حاصل ہوئی ۔ حضرت علیؓ عبداللہ بن مسعود اور ابو موسیٰ کے اجتہاد کی کوفہ میں رہنے کے سبب جہاں علما سے سپاہی زیادہ تھے اس قدر اشاعت نہیں ہوئی ۔ عبداللہ بن مسعود مسائل اور احکام میں حضرت عمرؓ سے موافقت رکھتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ اگر اور لوگ ایک طرف جاویں اور عمرؓ دوسری طرف تو میں اُن کی طرف جاؤں گا ۔ زید بن ثابت بھی حضرت عمرؓ کے تبع تھے[2]

فقہ کی دونوں حیثیتوں میں مسائل شریعت اور احکام تشریعی کی تخریج اور احکام قانونی کے واسطے حضرت عمرؓ کا علم اور قابلیت نہایت ہی شایاں اور اعلیٰ درجہ کا تھا ۔ حضرت عمرؓ نے مسائل تشریعی و غیر تشریعی کے کے لحاظ سے بعض مسائل میں خاص اجتہاد کیا یا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے احکام کے منشا کو سب سے بہتر جاننے کے باعث بعض اوقات کوئی ضروری تغیر کیا ۔ متعۃ الحج اور متعۃ النکاح کو منع اور حرام کیا ۔ امہات اولاد یعنی وہ لونڈیاں جن سے اولاد ہو چکی ہو اُن کے بیچنے کا رواج بالکل روک دیا ۔ یہ احکام درحقیقت آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے منشار مبارک کے مطابق تھے ۔

اسی طرح بعض مسائل میں خاص ضرورتوں اور فوائد کے لحاظ سے اجتہاد کیا ۔ نماز تراویح کو جماعت میں پڑھنے کا حکم دیا ۔ اور حکم دیا کہ تین طلاق طلاق بائن سمجھی جائینگی ۔ مے نوشی کی سزا اسّی دُرہ مارنے تک بڑھا دی ۔ جزیہ کی شرحیں مختلف مقرر کیں ۔ یہ مسائل تشریعی تھے ۔ اور تشریعی اور غیر تشریعی کا فرق اُن سے بہتر کوئی نہیں جان سکتا تھا ۔ اِن چند مسائل کا جو ہمنے ذکر کیا ہے اُن کی ضروریات اور فوائد متحقق تھے اور کوئی نقص اُن کے رواج دینے سے عائد نہیں ہوتا تھا ۔ ہم بحث اور ثبوت کی طرف ہرگز متوجہ ہونا نہیں چاہتے اور نہ اس سے زیادہ مسائل مذہبی میں گفتگو کرنا چاہتے ہیں ۔ حضرت عمرؓ کی فقہ اور اجتہاد مختلف مسائل و احکام کی نسبت کتابوں میں منضبط موجود ہیں اور اُن کی نسبت بحثیں بھی موجود ہیں ۔ اہل ضرورت اُن کی طرف توجّہ کرسکتا ہے ۔ ہم تو صرف اسقدر دکھانا چاہتے تھے کہ جو ضروریات حضرت عمرؓ کو خلیفۃ الرسول اللہ ہونے کی صورت میں پیش آئیں اُن کے پورا کرنے کے واسطے وہ ہر ایک پہلو سے کس درجہ قابلیت رکھتے تھے ۔

---

[1] و [2] ازالۃ الخفا

اقوام اور مذہب غیر کے ساتھ سلوک۔ جزیہ اور کتب خانۂ سکندریہ

جیسے کہ اسلام بنی نوع انسان کے واسطے رحمت تھا اسی طرح خلافت اسلامی کے اصول دنیا کیواسطے رحمت تھے۔ اس قول کو ہم اس باب میں ثابت کرینگے؛

یوں تو ہر ایک سلطنت کی رعایا کو سلطنت موجودہ کے ساتھ جبریہ یا رضامندانہ ایک گونہ تعلق ضرور ہوتا ہے اور کسی غیر قوم کے ساتھ وہ صرف اُس کے غیر قوم ہونے کی وحشت و نفرت کے سبب سے مقابلہ کرتی ہے اور اُسکی مدافعت کی کوشش کرتی ہے۔ اسیطرح کسریٰ اور قیصر کی رعایا نے اپنے بادشاہوں کے حکم سے اور اپنی جان و مال کے خوف سے عربوں کی جہالت اور وحشیانہ خصائل کے خیال سے جو اُن کے درمیان مشہور تھیں کم و بیش جنگ کی اور اُن کو اپنے ملک میں دخل دینے کے مزاحم ہوئے۔ گو وہ نہ جانتے تھے کہ درحقیقت وہ اُس خدا کی رحمت کا مقابلہ کررہے ہیں جو اُن کو ظلم و تعدی سے نجات دینے کے واسطے خود خدا ہی نے بھیجی ہے۔ اپنے قدیم مذہبوں کو چھوڑ کر وہ اسلام کو نہیں قبول کرتے تھے اور جب تک اُن کو اپنی اپنی سلطنت کی قوت اور طاقت پر بھروسا تھا وہ جزیہ نہیں قبول کرتے تھے اور تیسری شرط یعنی تلوار اُٹھانے کو اپنی بہادری اور شجاعت کے بھروسہ پر ترجیح دیتے تھے۔ مگر جب وہ اپنی سلطنتوں کی طرف سے مایوس ہوئے تو جزیہ پر وہ مسلمانوں کی اطاعت قبول کرتے گئے۔ اگر ایک حصہ فتوحات اسلامی کا بزور شمشیر حاصل ہوا ہے تو تین حصے صلح اور جزیہ کے ساتھ حاصل ہوئے ہیں؛

ایرانیوں اور اہل روما کی سلطنت میں محکوم اور مفتوح اور اُن کی مطیع اور زیر فرمان رعایا پر جو جبر اور ظلم و تعدی اور لوٹ اور غارت گری ہوتی تھی اُس کا حال ناگفتہ بہ ہے۔ کوئی ملکی یا پولٹیکل حقوق اُن کو حاصل نہ تھے دولتمندوں اور طاقتوروں اور مقدس نام جماعتوں کے ہاتھ میں وہ بے زبان نوع کی طرح تھے جو اُن کے جان و مال کے خود مختار

مالک تھے۔ کمزور اور طاقتور۔ دولتمند اور غریب۔ اعلیٰ اور ادنیٰ کے واسطے ایک ہی قانون نہیں تھا۔ ایرانیوں کی سلطنت میں مالک زمیندار اور جاگیردار یعنی دہقان اور مذہبی پیشوا تمام قوت اور رعب اور اثر اور ملک کی دولت کے مالک تھے۔ کاشتکار اور غریب رعایا اُس ناجائز اور بے ضبط اور بے ضابطہ اور غیر محدود خود مختاری کے تحت میں پیوند زمین ہو گئے تھے۔ اہل روما کی سلطنت کا حال اس سے بھی بدتر ہوگا عیسائی مذہب کے مقدس راہنما، و پیشوا حکام اعلیٰ اور درباری اور قیصر کی بُرائیوں کے بے شمار فرماں بردار عمال اور شیر کار دولت اور قوت و رُعب اور اثر کے خوش نصیب مالک تھے۔ رعایا انتہا درجہ کی بدبختی اور مصیبت میں گرفتار تھی۔ درحقیقت وحشیانہ سلطنتوں میں جہاں حقوق جاگیرداری اور مالکانہ خدمت لینے کا دستور قائم ہوا ہے رعایا کا بہت بڑا حصہ غلام بن گیا ہے ؛

غلامی کاشتکاروں کی عام حالت تھی۔ پہلے پہل مزارعانہ اور خانگی غلامی میں کچھ فرق نہیں تھا۔ دونوں قسم کے غلام مع اپنے کنبوں اور اسباب اور مال و متاع کے زمیندار اور جاگیردار کا مال تھے جو اُن سے اپنی بے رو مرضی اور خوشی کے موافق جیسے چاہے سلوک کر سکتا تھا۔ اُس کے بعد اتنا تغیر ہوا کہ مزارعانہ غلام اُس زمینداری اور جاگیر سے جس میں وہ رہتے تھے متعلق سمجھے جاتے تھے اور اُسی زمین کے ساتھ فروخت ہوتے تھے یا جاگیردار کی ذات خاص سے متعلق کر دیئے جاتے تھے۔ اور ایک مالک سے دوسرے مالک کے پاس بھیجے جا سکتے تھے وہ اپنے مالک کو بغیر اُس کی اجازت کے نہیں چھوڑ سکتے تھے۔ اگر وہ بھاگ جاتے یا اُن کو کوئی چرا کر یا بہکا کر لیجاتا تو اُن کی نسبت اسی طرح دعویٰ کیا جاتا تھا جیسے کہ مویشی یا مال اسباب کی نسبت کیا جاتا ہے۔ اور واپس دلائے جاتے تھے۔ البتہ گزارہ کے واسطے اُن کو چھوٹے چھوٹے قطعات اراضی تردد کرنے کے لیئے ملے ہوئے تھے مگر مالک کا اختیار رہتا تھا کہ جب چاہے اراضی وغیرہ سے اُن کو بے دخل کر دے۔ ایک مزارعانہ غلام کوئی جائداد نہیں پیدا کر سکتا تھا۔ لیکن اگر وہ خرید لیتا تھا تو مالک کو اختیار ہوتا تھا کہ اُسکو بے دخل کر کے خود اُس پر قبضہ کر لے ؛

مزارعانہ اور خانگی غلامی کا نشان گلے میں ایک لوہے کا حلقہ ڈالے رکھنا تھا۔ ان غلاموں کے گروہوں کے گروہ ایک جگہ سے دوسری جگہ ہانک کر لیجاتے تھے۔ ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے ہوتے تھے اور ایک بڑی زنجیر اُن کے گلے کے پٹوں میں سے نکال کر یکجا باندھ دیئے جاتے تھے۔ انسانی گوشت کے تجار یعنی اُن کا مالک ہاتھ میں ایک گانٹھ دار بھاری کوڑا لیئے ہوئے اُن کے پیچھے سوار ہو کر چلتا تھا اور اُس کوڑے سے اُن درماندہ مفلوک الحال لوگوں کی خبر لیتا تھا۔ کوڑا جہاں پڑتا تھا گوشت سے چمڑا اُدھیڑ دیتا تھا۔ مرد اور عورتیں اور بچے اس طرح پر پھٹے ہوئے چیتھڑوں میں لپٹے ہوئے ٹخنوں میں ناسور اور زخم پڑے ہوئے ننگے اور زخمی پاؤں کے ساتھ ملک میں پھرائے جاتے تھے۔ اگر اُن میں سے کوئی درماندگی سے عاجز ہو کر رہجاتا تھا یا گر پڑتا تھا تو اُس کو زمین پر لٹا کے اس قدر کوڑے مارے جاتے تھے کہ چمڑے کے اُکھڑ جانے سے وہ مُردہ ہو جاتا تھا ؛

جو کاشتکار نام نہاد آزاد کہلاتے تھے اُن کا حال بھی مزارعانہ غلاموں سے کچھ اچھا نہ تھا۔ اگر وہ اپنی زمینوں سے علیحدہ ہونا چاہتے تھے تو ایک بھاری رقم بطور جرمانہ کے جاگیردار کو دینی پڑتی تھی۔ اگر کوئی خرید کرنا چاہتے تھے تب بھی ایسا ہی جرمانہ دینا پڑتا تھا۔ بطور وراثت اُن کو کوئی جائداد نہیں مل سکتی تھی جب تک ایک بھاری محصول نہ ادا کریں۔ اپنے مالک کو حصّہ دئیے بغیر نہ وہ غلّہ پیس سکتے تھے اور نہ روٹی بنا سکتے تھے جب تک دسواں حصّہ گرجا کو بیسواں بادشاہ کو اور اَور چھوٹے حصّے درباریوں کو نہ دیدیں وہ فصل کاٹنے نہیں پاتے تھے۔ وہ مالک کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نہیں جا سکتے تھے اور ہر وقت بلا معاوضہ خدمت دینے کے واسطے مجبور تھے۔ اگر مالک کے لڑکے یا لڑکی کا بیاہ ہوتا تھا تو اُن کو ضروری طور پر خوشی سے معقول رقمیں پیش کرنی ہوتی تھیں ؎

لیکن جب مزارع کی لڑکی کی شادی ہوتی تو پہلے اُس کو جاگیردار کی بدکاری کی اطاعت کرنی پڑتی تھی یہاں تک کہ اگر کوئی پادری حضرت مسیح کا نائب۔ جاگیردار ہوتا تھا تو وہ بھی بدکاری کے اس وحشیانہ حق کو حاصل کرنے سے دریغ نہیں کرتا تھا۔ بدبخت لوگ ایسے عظیم ظلموں اور بدکاریوں کا شکار تھے لیکن جاگیردار اپنے محلسرائے میں اور پادری اپنے محل میں اور خدام مذہب اپنے مسکنوں میں عوام الناس کی مصیبتوں کی بہت کم پروا کرتے تھے۔ زبردست کی مرضی ہی قانون اور انصاف تھا۔ مظلوم لوگ جو پیوند خاک ہو گئے تھے گرجا بھی اُن کی مدد نہیں کرتا تھا بلکہ اُس کی تعلیم ان وحشیانہ ظلموں سے اُن عاجزوں کو بچانے کے خلاف تھی کیونکہ پہلے پادریوں نے عمال کی خلاف ورزی کرنے کو ایک بہت بڑا گناہ قرار دیا تھا۔ غرض حضرت مسیح علیہ السّلام کے خادموں نے بھی ان ظالموں اور زبردستوں اور دولتمندوں کے ساتھ جن کو حضرت مسیح نے رد کیا تھا شرکت اور واحد معاملگی کر لی تھی۔ انہوں نے خود جاگیرداری اور مالکانہ خدمت لینے کے طریق اختیار کئے تھے اور جاگیرداروں اور امیروں اور شاہزادوں کی طرح تمام حقوق رکھتے تھے اور اُن کی مانند یہ کرتے تھے ؎

غیر عیسائیوں۔ یہودیوں یا بُت پرستوں کا حال تو عیسائیوں کے ماتحت ناگفتہ بہ ہے۔ اُن کا قتل اور خون ریزی اور غلامی کوئی قابل خیال بات نہ تھی۔ اُن کے حقوق کا کیا ذکر یہی اُن پر بڑا احسان تھا کہ اُن کو زندہ رہنے دئیے جاتا تھا اگر کوئی عیسائی اُن سے رشتہ کر لیتا تو وہ زندہ جلا دیا جاتا تھا۔ یہودی نہ تو عیسائیوں کے برابر بیٹھ سکتے تھے نہ کھا پی سکتے تھے اور نہ اُن کی مانند لباس پہن سکتے تھے۔ اُن کے بچے اُن سے چھین لینا اور مال و اسباب لوٹ لینا جاگیرداروں اور لوگوں کے نزدیک جائز تھا ؎

غرض یہ تاریکی اور اندھیر اور ظلم اور تباہی دُنیا پر چھائی ہوئی تھی جبکہ دنیا کے اُس سب سے بڑے نجات دہندہ نے نجات کی **کرنا** پھونکی اور نوع انسان کی عملی مساوات کو دنیا میں مشتہر کیا۔ ذات اور رتبہ کے ناجائز حقوق کو باطل کر دیا اور ظلم اور غلامی کی زنجیریں ٹوٹ کر گر پڑیں۔ اسلام نے جس برادری اور مساوات کی تعلیم کی ہے اور اقوام نجہ اور غیر المذاہب

؎ یہ حالات آنریبل مولوی سید امیر علی صاحب کی کتاب سپرٹ اوف اسلام سے لئے گئے ہیں ؎

کے ساتھ رحم اور نیکی برتنے اور اُن کو ہر حال میں مذہبی اور آزادی بخشنے کی ہدایت کی ہے وہ ایک منصف نگاہ
دیکھنے والے کو اسلام کی تعلیم کے اصول کے مانند دکھائی دیگی - ہمارے زمانہ کے علماء کی عمدہ تصانیف اِس مضمون
پر موجود ہیں - اس لیئے ہم اُس کے بیان کرنے کے لیئے نہیں ٹھہریں گے ؛

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے محاربات کی نسبت آفتاب سے بھی زیادہ روشن طور پر ثابت
کر دیا گیا ہے کہ وہ تمام محاربات حفاظت خود اختیاری اور حفاظت دین اور دفع شر اور ضرر کے واسطے تھے (دیکھو
تفسیر القرآن جلد چہارم تصنیف سر سید احمد خاں صاحب) خلافت ابتدائی یعنی زمانہ حضرت ابوبکرؓ کی لڑائیاں تو
اُس آتشین بغاوت اور فساد کے رفع کرنے کی غرض سے تھیں جو عرب میں پھیل گئے تھے اور اُنہیں کا سلسلہ
مشرق میں مغرب کی مانند دعوت اسلام کے مقاصد کے ساتھ فوج کشی اور مُلک گیری تک پہنچ گیا ؛

مُلک گیری کی غرض سے فوج کشی کرنا اسلام کی کسی تعلیم یا ہدایت یا حکم کا نتیجہ نہ تھا - عرب کی اقوام کی باہمی
لڑائیوں اور دشمنوں کا اسلام نے خاتمہ کر دیا تھا اور ایک ربانی کرشمہ نے اُن کو ایک برادری اور اُخوت کے
رشتہ میں باندھکر ایک ایسی روح اور تازہ جوش اُن میں پیدا کر دیا تھا جو اُن کو نچلا اور خاموش نہیں بیٹھنے دینے والا
تھا - اسلام کو دنیا میں شائع کرنے کی خواہش نے اُن کو اَور اُبھارا اور اپنی حدود سے اُنہوں نے قدم باہر
نکالے اور غیر اقوام کے ساتھ ایسے تعلقات میں پھنس گئے کہ پھر اپنے قدموں اور ارادوں کو پھیر لینے پر گویا وہ
قادر ہی نہیں رہے تھے اور اس کا نتیجہ اُن کی وہ عظیم الشّان فتوحات تھیں ؛

مُلک گیری اور فوج کشی گو اسلام کی اغراض اور مقاصد سے جُدا تھی اور اسلام نے کوئی تعلیم اُسکی نسبت
نہیں کی تھی مگر تمام گزشتہ اور موجودہ دنیا کے واقعات سے وہ فطرت انسانی سے خارج کوئی امر نہیں معلوم ہوتا
اور ہمکو کوئی موقعہ دنیا میں ایسا نہیں دکھائی دیتا جو اس کی مخالفت میں کھُلا ہو - حضرت مسیحؑ کی تعلیم کو مستثنے
کرنے کی ضرورت اُس وقت ہوتی اگر اُنیس صدیوں کے عیسائی اپنے عملوں سے اُسے خلاف فطرت انسانی
ثابت نہ کر دیتے - تہذیب اور شایستگی نے ملک گیری اور فوج کشی کے واسطے جو بہانے تجویز کیئے ہیں اُس سے
بہتر وجوہات مُسلمانوں کے پاس جو دنیا کو کفر اور ظلم کی ناپاکی سے پاک کرنا اور مظلوموں اور مصیبت زدگان
کو نجات دینا اور خُدا کی مخلوق کو عیسائیوں اور بادشاہوں کے خون آلود پانوں سے اُٹھا کر کھڑا کرنا چاہتے
تھے موجود تھیں - اُن کا سلوک اور برتاؤ جو اُنہوں نے اقوام غیر اور غیر المذاہب کے ساتھ کیا اور جس
ذلت اور تباہی اور غلامی کی حالت سے اُٹھا کر اُن کو آرام اور امن اور آزادی اور آسودگی اور فراغت کی
حالت تک پہنچا دیا وہ بیان کرنے کے لائق ہے ؛

مُسلمان اگرچہ اپنے گھر سے نکلکر اقوام غیر کے قریب پہنچے اور ایک نئے قسم کے تعلقات کا سلسلہ
اُن سے چھیڑا مگر جنگ اور خون ریزی سے بچنے کے واسطے وہ اسلام یا جزیہ قبول کرنے کی ایسی دو شرائط
پیش کرتے تھے جو اپنے ساتھ مساوی المرتبہ اور تمام حقوق میں شریک قرار دینے یا ظلم اور جبر سے رہائی اور

امن و آسائش کی ذمہ داری کا عہد اور اقرار تھے۔ تیسری شرط لڑائی کی تھی جو دونوں طرفوں کے واسطے یکساں خطرناک اور ڈرانے والی تھی۔ مسلمانوں کے پاس اپنی جانوں کی کوئی ضمانت موجود نہیں تھی۔ وہ خطرے میں پڑتے تھے اور خطرے میں ڈالتے تھے۔ جیسا کہ ہمیشہ انسان نے کیا ہے۔ مگر ان لڑائیوں کا نتیجہ بھی اُن نادان مغلوب اقوام کے واسطے ہی جو اپنے نجات دہندوں کے ساتھ جنگ کرنے کو آمادہ تھے اچھا ہوتا تھا۔ ان کے بدلے میں اُن کو امن اور آزادی دی جاتی تھی۔ ایک عالم کا قول ہے کہ "قادسیہ کی لڑائی جس نے ایران کو مسلمانوں کے حوالے کر دیا مظلوم رعایا ایران کی نجات کا ایک نشان تھا جیسا کہ یرموک و اجنادین کی لڑائیاں اہلِ شام اور یونانیوں اور مصریوں کے واسطے تھیں۔ یہودی جو وقتاً فوقتاً زردشتیوں کے قتل اور خون ریزی کا شکار رہتے تھے اور کہیں جا کر بھی اُن کا پیچھا نہیں چھٹتا تھا پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کی برکت سے آزادی کی ہوا کھانے لگے جن کے دین کا بڑا سبق نوع انسان کی اخوت اور برادری تھی۔ لوگ ہر جگہ مسلمانوں کو بطور اپنے نجات دہندوں اور آزاد کنندوں کے قبول کرتے تھے۔ جہاں کہیں اُن کا مقابلہ کیا گیا یہ مقدس پادریوں اور اُمرا کی جماعت نے کیا۔ عوام الناس اور پیشہ ور رعایا نے جو زردشتیوں کے ہاتھوں سے مصیبت اور تباہی میں تھے عموماً اپنے فاتحین سے رضامند اور خوشی سے مطیع ہو گئے۔ اُس دائمی صداقت کا ایک سادہ اقرار اُن کو اپنے مسلمان نجات دہندوں کے ہم مرتبہ اور اُن کے برابر بنا دیتا تھا"[1]۔

جنگ کی حالت میں بھی جو رعایت اور ہر طرح کی آزادی مخالفین کو دی جاتی تھی وہ ہمیشہ ضرب المثل ہوگی لشکر اور سرداران لشکر کو فوج کشی کے وقت رحم اور سلوک اور نرمی کے احکام دیئے جاتے تھے اور اس قسم کے احکام کی نسبت حضرت عمرؓ نہایت تاکید کرتے تھے۔ کہ

(۱) کوئی عورت اور لڑکا اور بڈھا اور ضعیف نہ مارا جائے۔ (۲) کسی کا ناک کان نہ کاٹا جائے (۳) عبادت کرنیوالے گوشہ نشین قتل نہ کیئے جاویں اور اُن کے عبادت خانے کھود دیئے جاویں (۴) کوئی درخت پھل دار نہ کاٹا جائے کوئی کھیت نہ جلایا جائے۔ (۵) کوئی عمارت اور آبادی ویران نہ کیجائے (۶) کسی جانور بکری اونٹ وغیرہ کی کونچیں نہ کاٹی جائیں (۷) صلاح و مشورہ کے بغیر اُن کے کسی امر کا فیصلہ نہ کیا جائے (۸) ہر ایک کے ساتھ عدل و انصاف کا طریقہ برتا جائے کسی پر ظلم اور جبر نہ ہو (۹) جو عہد و پیمان غیر مذہب والوں سے کیا جائے اُس میں بے وفائی نہ کیجائے اور وہ ٹھیک ٹھیک وفا کیا جائے (۱۰) جو لوگ طاعت قبول کریں اور جزیہ دیں اُن کی جان و مال مسلمانوں کی جان و مال کے برابر سمجھی جائے اور تمام معاملات میں اُن کے احکام مثل مسلمانوں کے مقرر کیئے جائیں (۱۱) جب تک اسلام کے قبول کرنے کی دعوت نہ کی گئی ہو دفعتاً لڑنا نہ چاہیئے[2]۔ غرض اس قسم کے احکام اور ہدایتیں جاری ہوتی تھیں اور حضرت عمرؓ اپنی تیز پر انصاف نگاہوں اور معمولی سرگرمی سے اُن کی نگرانی کرتے تھے۔

---

[1] سپرٹ آف اسلام صفحہ ۲۱۰

[2] تہذیب الاخلاق جلد اول صفحہ ۳۰

حضرت عمرؓ خالد سے کیوں ناراض تھے۔ ایک بڑا سبب اس کا مغلوب مخالف سے خالد کا سختی سے برتاؤ کرنا اور اس قسم کی ہدایات کی پوری تعمیل نہ کرنا تھا۔ کیا خالد کی بہادری مسلمانوں ہی کا کام نہیں کر رہی تھی۔ اور مسلمانوں کے واسطے ملک فتح نہیں کر رہی تھی مگر حضرت عمرؓ کسی بہادری و منفع کی انصاف اور اپنے اسلامی اصول سے روبرو کچھ پرواہ نہیں کرنیوالے تھے اور یہی سبب خالد سے ناراض رہے اور آخر واپس بلا لیا ؛

کسی زمانہ میں اس امر سے انکار نہیں ہو سکتا کہ نئے مفتوحہ ممالک میں کسی قانون اور آئین کا دفعتاً فتوحات کے ساتھ ساتھ رائج کرنا اور تعمیل کرانا ناممکن ہے اور ان ابتدائی قوانین میں سختی اور سخت گیری کو جائز مانا گیا ہے۔ کم سے کم فاتحین نے اپنی قوم کے ساتھ رعایت ملحوظ رکھی ہے اور اُن کی بے اعتدالیوں اور جبریہ کارروائیوں پر توجہ کرنے سے چشم پوشی لی ہے حتّٰی کہ امن و اطاعت کے زمانہ میں بھی ہم مہذب حکمران اقوام کو اپنی قوم کے ساتھ رعایت کرتے دیکھتے ہیں جس سے نہایت درست طور پر ایک شخص کہہ سکتا ہے کہ فاتحین اور مفتوحین کے واسطے ایک ہی قوانین نہیں ہیں۔ ہندوستان میں بعض اوقات رعایا میں اُن کے بدقسمت مقتولین کی فہرستیں تیار کی گئی ہیں جو فاتحین کے مغرور اور بے تمیز ہاتھوں سے مارے گئے ہیں اور قاتلوں کو بری کر دینے کے واسطے ایک ادنےٰ سے عذر اور بہانہ کو کافی سمجھا گیا ہے گو کوئی خود غرضانہ دانشمندی کی مصلحت اسکی دلیل ہو مگر انصاف کے روبرو مصلحت ظلم کا ایک دوسرا نام ہے۔ حضرت عمرؓ کی خلافت اس بات کا فخر کر سکتی ہے کہ جو کچھ مہذب اقوام کے برتاؤ کے آئینہ میں بھی شکل اندر ناممکن معلوم ہوا ہے وہ اُن کا معمولی اور روزمرّہ تھا۔ ذمیوں یعنی مطیع جزیہ دینے والی اقوام کے جان و مال کو مسلمانوں کے جان و مال کے برابر سمجھا جاتا تھا۔ لفظوں میں نہیں بلکہ عمل میں یہ واقعہ اس قسم کی ایک ہی مثال نہیں ہے کہ شہر حیرہ میں ایک مسلمان نے ذمّی کو قتل کر ڈالا تھا۔ اس کے بدلہ حضرت عمرؓ نے مسلمان کے قتل کا حکم دیا اور دوسروں کی عبرت کے واسطے اس حکم کی علانیہ تعمیل کرائی ؎۱۔ حضرت عمرؓ کا عام اشتہار تھا کہ رعایا میں سے جس شخص کو اپنے عامل اور حاکم کی نسبت کوئی شکایت ہو وہ پیش کرے اور اُسپر انصاف کی پوری تعمیل کراتے تھے ؛

جنگ کے قیدیوں کی نسبت اُن کو فدیہ لیکر چھوڑ دینے کا حضرت عمرؓ کا ایک دل پسند طریقہ تھا۔ لیکن جب اُن کے پکڑنے میں اصول معیّنہ سے تجاوز کیا گیا ہو تو بغیر فدیہ لینے کے وہ چھوڑ دیتے تھے۔ چنانچہ جنوبی جزیرے سے مسلمانوں کے لشکر نے بہت سے لوگ قید کر لیئے تھے اور پکڑ کر ساتھ لائے تھے۔ مگر حضرت عمرؓ کے حکم سے وہ امن و امان کے ساتھ اپنے گھروں کو واپس بھیج دیئے گئے۔ اُن کی تعداد دس ہزار سے کم نہیں بیان کی گئی ؎۲ ؛

؎۱ مضمون کتب خانہ سکندریہ مؤلفہ علامہ شبلی صفحہ ۳۹ ؛

؎۲ اَنلس آف دی خلافت مؤلفہ سر ولیم میور صفحہ ۱۸۱ ؛

جنگ کے بعد یا بغیر جنگ کے جو معاہدات صلح کے مسلمانوں اور غیر اقوام کے درمیان باہم ہوتے تھے اُن میں ذمیوں کے مساویانہ حقوق ہیں اُن کی جان و مال۔ نقد اسباب۔ مویشی۔ مکانات۔ سب کی حفاظت کی ذمہ داری کی شرط مقدم ہوتی تھی۔ اُن کے دشمنوں سے لڑنے اور اُن کی حفاظت کرنے اور جس سے وہ صلح کریں اُس سے صلح اور اسی قسم کی شرائط کے مسلمان اپنے آپ کو پابند کرتے تھے۔ ذمیوں سے جو عہد مسلمان لیتے تھے اُن میں اکثر تو صرف جزیہ دینے کی شرط ہوتی تھی۔ بعض میں اس کے سوا دشمنوں سے سازش نہ کرنے۔ مجرم کو پناہ نہ دینے اور راستے صاف نہ کرنے اور بعض میں مسلمان مسافر کی تین روز تک مہمانی کرنے کی شرط ہوتی تھی[۱] اِن پانچ شرطوں سے زیادہ کسی قسم کا عہد نہیں لیا جاتا تھا۔ جزیہ کی بابت تو بحث ہو چکی۔ باقی شرائط جو لی جاتی تھیں کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ اُن میں کوئی ناواجب امر ہو یا معاہدے کے لیئے اُن کا پورا کرنا مشکل یا گراں ہو۔ اور اخلاق اور ملک کے امن کی ضرورت کے سوا کوئی اور غرض اُن سے مقصود ہو ؛

سرداران لشکر اور اصحاب وغیرہ جو معاہدہ صلح کا کسی جماعت یا قوم سے کر لیتے تھے وہ سب کے نزدیک جائز اور قابل تسلیم ہوتا تھا۔ خواہ کسی درجہ اُن میں رعایت روا رکھی گئی ہو اُس کے بدلنے کا کسی کو اختیار نہ تھا چنانچہ ایک دفعہ ابو عبیدہ سردار لشکر عراق نے نمارک کی لڑائی میں جابان ایرانی فوج کے سپہ سالار کو گرفتار کر لیا مگر ناشناخت ذ دو دمیوں کے بدلے اس کو رہا کر دیا۔ مثنیٰ کو جب اُسکے رتبہ اور حال کی خبر ہوئی تو اُس نے اُسکو پکڑ لینا چاہا مگر ابو عبیدہ نے اس ارادہ کی سخت مخالفت کی اور کہا کہ ایک مسلمان کی دی ہوئی صلح اور امن کو کوئی دوسرا توڑ نہیں سکتا اور اب اُسکو پکڑنا اور مارنا بیوفائی ہوگی۔ مثنیٰ نے بھی اِس رائے سے اتفاق کر لیا اور جابان کو صحیح و سلامت جانے دیا[۲]۔ لیکن اگر اُس میں کسی قسم کی سختی کی گئی ہو تو البتہ اُسکو مناسب شرائط سے بدل دیا جاتا تھا۔ سرداران لشکر بجائے خود رحم اور انصاف کے نائب تھے۔ دمشق اور مصر اگرچہ بزور شمشیر فتح کیا گیا لیکن کسی کو بعد جنگ کے قید و قتل نہیں کیا گیا۔ جزیہ لینے کی شرائط پر عمل قرار دیکر چھوڑ دیا گیا۔ اور جو اقرار اُن کی رضامندی سے ہو گیا اُس کی پوری پابندی کی۔ کسی کے مذہب اور مذہبی آزادی سے ہرگز ہرگز تعرض نہیں کیا گیا۔ سر ولیم میور مقر ہیں کہ "عموماً لوگ اپنے مذہب پر رہے۔ اُن کے عبادت خانوں کی حفاظت اور عبادت کی تعظیم و عزت کی گئی"[۳]

حضرت عمرؓ کے یورو شلیم کے ساتھ شرائط صلح مقرر کرنے اور بیت المقدس پر قبضہ کرنے جانے کے واقعہ میں ایک عجیب غریب عہدنامہ واقدی اور بلاذری کی پیروی کرنے والے انگریزی مورخوں نے نقل کیا ہے۔ اور بیت المقدس کے بعض مورخوں نے اُسکو بیان کیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے جو معاہدہ اپنی طرف سے لکھکر دیا تھا اُسکو انگریزی مورخ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اُس کے الفاظ یہ تھے کہ "عمرؓ ابن الخطاب کی طرف سے باشندگان ایلیا کے ساتھ

---

[۱] ازالۃ الخفا باب سیاست [۲] انسر آف دی خلافت صفحہ ۱۲۹

[۳] تاریخ مسلمانان مؤلفہ گبن داوکلی صفحہ ۲۵۶ ؛

کہ اُن کی حفاظت کیجاوے گی اُن کے جان و مال کی حفاظت کی ذمہ داری ہے۔ اُن کے گرجے نہ گرائے جائینگے اور اُن کے بغیر کوئی اور اُن کو استعمال نہ کرے گا[۵۱]۔ لیکن جو عہدنامہ عیسائیوں کی طرف سے لکھا گیا ہے اُس کی عجیب و غریب شرائط بیان کی گئی ہیں۔ مثلاً یہ کہ عیسائی کوئی اور گرجا نہ بنائینگے۔ مسلمانوں کو گھر میں داخل ہونے دینے سے انکار نہ کرینگے۔ اپنی اولاد کو قرآن نہ پڑھائیں گے اور مسلمانوں کے مذہب کی نسبت گفتگو نہ کریں گے اپنے مذہب کی ترغیب نہ دیں گے اور مسلمان ہونے سے منع نہ کریں گے۔ مسلمانوں کی تعظیم کرینگے اور اُن کی مانند لباس نہ پہنینگے۔ گھوڑے پر نہ چڑھیں گے اور ہتھیار نہ باندھیں گے۔ وغیرہ وغیرہ۔ اس عجیب و غریب عہدنامہ کو کوئی معتبر مورخ بیان اور تسلیم نہیں کرتا۔ انگریزی مورخوں میں سے گبن اِس کی خاموشی روایت کے کذب کی دلیل ہے۔ اور سر ولیم میور تو علانیہ طور پر اس سے انکار کرتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے سفر بیت المقدس کے بیان میں مورخ مذکور لکھتا ہے کہ "یروشلیم میں پہنچکر خلیفہ نے بطریق اور اہل شہر سے بڑی مہربانی اور حلم اور تواضع سے ملاقات کی۔ اُس نے اُن کو وہی حقوق عطا کیئے جو بہت سے خوش قسمت شہروں کو دیئے گئے تھے۔ باشندوں پر ایک نہایت خفیف خراج (جزیہ) مقرر کیا اور اُن کی تمام عبادتگاہوں اور گرجاؤں پر اُن کے قبضہ کو قبول اور تسلیم کیا۔ یروشلیم مسلمانوں کے نزدیک بے انتہا تعظیم اور تکریم کی جگہ تھی۔ نہ صرف اِس سبب سے کہ دین موسوی اور عیسوی نے وہاں پرورش پائی تھی بلکہ بسبب اسلام کا پہلا قبلہ ہونے کے جدھر منھ کر کے مسلمان نماز پڑھتے ہیں اور نیز بسبب وہ مقام ہونے کے جو پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات کو ملاحظہ کیا تھا[۵۲]"۔

اس کے بعد مورخ مذکور اُس آئین کی طرف اشارہ کر کے جو عیسائیوں کی نسبت حضرت عمرؓ سے منسوب کی جاتی ہے لکھتا ہے کہ "اُس بردبار۔ متحمل اور آزادی بخش فرماں روائی کی طرف اِس کا منسوب کرنا ایک قابل بے ادبی الزام ہوگا۔ غیر اقوام سے اس قسم کے شرائط لینے اور ایسے سلوک کی نسبت لکھتا ہے کہ "ابتدا میں فاتحین جو کچھ لیتے تھے وہ اِس عام خراج (جزیہ) کے سوا سال میں کسی قدر روغن زیتون اور خوراک کی اور چیزیں تھیں اور مسلمان مسافر کو تین دن مہمان رکھنے کا عہد تھا" اس کے بعد وہ لکھتا ہے کہ "گھوڑے کی سواری کی ممانعت وغیرہ اُس زمانہ کے حکم ہیں جب خلافت دمشق میں تبدیل ہوئی تھی"۔ سر ولیم میور بلاذری کی ایسی روایات کی بھی تردید کرتا ہے جن میں حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے اِس قسم کی شرائط لینا منسوب کیا گیا ہے[۵۳]۔

بنی اُمیہ اور عباسیہ کے زمانہ کے مورخوں کی اِس قسم کی روایات کی اصلیت یہ معلوم ہوتی ہے کہ یا تو انہوں نے غیر المذاہب اقوام سے اس قسم کی شرایط لیتے اور اُن سے اس قسم کا سلوک ہوتے دیکھکر اُسپر حضرت عمرؓ کے زمانہ کی

---

۵۱ انلس آف دی خلافت صفحہ ۱۳۹ ۵۲ انلس آف دی خلافت صفحہ ۲۰۸

۵۳ انلس آف دی خلافت صفحہ ۲۱۳

شرائط کا قیاس کرلیا ہے یا اُس زمانہ کے خلفاء کے برتاؤ کو جائز قرار دینے کے واسطے اس قسم کی روایات خود پیدا کی ہیں۔ بہرحال حضرت عمرؓ کی خلافت کسی ایسی قسم کا معاہدہ لکھوانے کے الزام سے پاک ہے اور عیسائی واقف مورخ بھی اس کے مقر ہیں۔ صرف اتنی بات کہی جاسکتی ہے کہ حضرت عمرؓ قومی امتیازات کے قائم رہنے کے شائق تھے۔ عربوں کے واسطے وہ دُھوپ کھانا اور موٹا کپڑا پہننا وغیرہ اُن کے اصلی عادات کے قائم رکھنے کی ہدایت کرتے تھے اسی طرح دوسرے ممالک کے باشندوں کی نسبت اُن کا یہ خیال تھا کہ وہ اپنے لباس اور وضع اور اطوار کو ممیز رکھیں اور مُسلمانوں سے اُن کی تفریق ہو۔ اور یہ خیال ایسا ہی تھا جیسا ہمارے موجودہ زمانہ کی انگریزی شائستہ سلطنت کا ہے اور ایسی ہی ایک سرسری خواہش تھی۔

حضرت عمرؓ کا غیر اور غیر المذہب ذمّی اقوام سے عام طور پر جو سلوک تھا وہ نہایت انصاف اور رحم اور شائستہ ترین اصول پر مبنی تھا۔ اُن کی آزادی اور دوسرے عام حقوق مُسلمانوں کے ساتھ مساوی درجہ کے تھے۔

ایرانی اُمراء جب مُسلمانوں کی فوج کے ساتھ شامل ہوکر کام کرنے پر راضی ہوئے تو اُن پر ویسا ہی اعتبار اور اعتماد کرلیا گیا اور خاص عزت اور رتبہ کے ساتھ اُن کے نام دیوان پر درج کر کے اُن کے وظائف مقرر کردیئے گئے۔[۱]

حضرت عمرؓ کے منصفانہ برتاؤ کا ایک واقعہ اُن کے سفر بیت المقدس کا ہے جس کو مسٹر ولیم میور کے الفاظ میں لکھتے ہیں کہ "عیسائی مورخ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ سوفرونیئس (بطریق) کے شہر کے دیکھنے کے واسطے گئے۔ چرچ کے اکثر مقامات دیکھے اور نہایت مہربانی اور شفقت سے تاریخی حالات دریافت کیئے۔ جب نماز کا وقت ہوا تو بطریق نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ وہ اُسی مقام پر جہاں اُس وقت تھے نماز ادا کریں۔ اُس وقت وہ چرچ اوف دی سرکشن میں تھے مگر حضرت عمرؓ نے وہاں یا چرچ آف کانسٹنٹائن میں جہاں اُن کے واسطے ایک شطرنجی بچھادی گئی تھی نماز پڑھنے سے انکار کیا اور یہ وجہ بیان کی کہ اگر میں ایسا کروں تو نو مُسلم ایک روز عیسائیوں کو اُن سے بے دخل کردیں گے۔ اور اس دلیل سے کہ وہاں ایک دفعہ نماز پڑھی جا چکی ہے اس پر قبضہ کرلیں گے۔ بتھلم کو بھی حضرت عمرؓ نے دیکھا اور وہاں چرچ آف نیٹوٹی میں نماز گزاری لیکن بطریق کو جو اس مقدس مقام میں اُن کے ساتھ تھا ایک نوشت اس مضمون کی لکھ دیدی کہ عیسائی ہمیشہ اُس عمارت کے مالک رہینگے مُسلمانوں کو اُسمیں جانے کی اجازت ہوگی مگر ایک وقت میں ایک سے زیادہ مُسلمان اُس میں داخل نہ ہوگا۔ لیکن اس نوشت کی بعد انہیں پروا نکر کے وہاں اور چرچ آف کانسٹنٹائن کی ڈیوڑھی میں مسجدیں بنائی گئیں۔"[۲] اس مشہور واقعہ کے جزئیات حالات میں اختلاف ہے اور ممکن ہے کہ کوئی ایک جزو اس بیان کا صحیح نہ ہو مگر حضرت عمرؓ کی انصاف پسندی کی ایک بے نظیر مثال ہے دوسرے سفر شام میں حضرت عمرؓ کے عیسائیوں کے ساتھ محبت اور شفقت اور بے تکلفی سے پیش آنے کے سر ولیم مقر ہیں[۳]۔ اس قسم کے اور واقعات کا جمع کرنا طوالت کا باعث ہوگا۔ اُن کے عامل بھی اُن کے اِن

---

[۱] انلس آف خلافت صفحہ ۲۴ [۲] انلس آف خلافت صفحہ ۲۳۶

اُنھوں کی پیروی کرنے میں اُن سے پیچھے نہیں تھے۔ عمیر بن سعد انصاری حمص کی عاملی کو چھوڑ کر تمام عمر اس بات پر متاسف رہے کہ اُن کے مونھ سے ایک دن ایک ذمّی کی نسبت نکل گیا تھا کہ "اللہ تجھے خوار کرے"۔ اس سے زیادہ حق شناسی کی دنیا کس سے اُمید کر سکتی ہے؛

ان غیر اقوام کی خبرگیری کرنے اور اُن کے محتاجوں اور مفلسوں کی مدد کرنے میں حضرت عمرؓ مسلمانوں کی نسبت کچھ کم توجّہ نہیں کرتے تھے۔ قحط کے زمانہ میں اُن کی خبرگیری بھی ویسی ہی کرتے تھے اور صدقہ کی رقم جو خاص مسلمانوں سے وصول کیجاتی تھی اُس میں ذمّی رعایا برابر کی شریک تھی۔ حضرت عمرؓ نے بیت المال کے داروغہ کو کہلا بھیجا تھا کہ خدا کے اس قول میں انما الصدقات للفقراء والمساکین (صدقات فقیروں اور مسکینوں کے لیئے ہیں) مسکینوں سے عیسائی اور یہودی مراد ہیں[51]۔ سفر بیت المقدس میں حضرت عمرؓ نے عیسائی جزامیوں کے واسطے جو جابیا کے قریب آباد تھے عشر میں سے ایک حصّہ مقرر کر دیا اوریہ خاص غیر زمانہ خلیفہ تھا[52]۔ مذہبی فقراء اور مساکین غیر مذہب کو معافیات وغیرہ عطا کرنے کے واقعات بھی بیان ہوتے ہیں۔ ایک یہودی کا ایک اور مشہور واقعہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک دن راستہ میں جاتے ہوئے ایک بوڑھے نابینا شخص کو سوال کرتے ہوئے دیکھا کھڑے ہو کر اُس کا حال پوچھنے لگے۔ معلوم ہوا کہ محتاج یہودی ہے اور اُس کے سوال کرنے کا باعث جزیہ اور محتاجی اور بڑھاپا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اُس کا ہاتھ پکڑا اور اپنے گھر لائے اور رفع حاجت کے واسطے اُس کو کچھ دیا اور پھر بیت المال کے داروغہ کے پاس بھیجا اور کہا کہ "اسکو اور اس جیسے اور جتنے ہوں اُن کو دیکھو۔ خدا کی قسم ہم نے انصاف نہیں کیا کہ اُس کی جوانی کی کمائی کھائی اور بڑھاپے میں اُسے تنگ کریں۔ اس کو اور اس جیسے اور جتنے ہوں سب کو جزیہ معاف کیا جائے" غرض اس قسم کے واقعات سے حضرت عمرؓ کے رحم اور انصاف[53] کا جو وہ غیر مذہب کے لوگوں سے برتتے تھے قیاس کیا جاسکتا ہے؛

اقوام مفتوحہ کے مذہب اور مذہبی آزادی سے کبھی تعرض نہیں کیا گیا۔ بنی عیادہ کو گو شام سے بغاوت کے خوف سے جزیرہ میں واپس بھجوا دیا گیا اور خلیفہ کے ساتھ اُن کے تعلّقات بدستور قایم ہو گئے مگر وہ اپنے مذہب عیسوی پر قایم رہے۔ بنو تغلب کا واقعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قسم کے سلوک کی ایک عمدہ مثال ہے۔ ولید ابن عقبہ کے ہاتھوں پر انہوں نے طاعت قبول کی تھی جس نے اس مشہور اور بزرگ قبیلہ کے اسلام اختیار کرنے کے خیال سے اُن سے سختی کا برتاؤ کرنا شروع کیا تا کہ اپنے پہلے دین کو ترک کر دیں۔ حضرت عمرؓ اس حال کو سُن کر نہایت ناراض ہوئے اور ولید کو لکھا کہ اُن کو اپنے مذہب پر قائم رہنے دے اور مت چھیڑ۔ صرف جزیرہ نما عرب میں کوئی مشرک نہ رہنا چاہیئے۔ اسی قصور پر حضرت عمرؓ نے ولید کو معزول کر دیا اور صرف جزیہ لینے کا حکم دیا۔ بنو تغلب

---

[51] الجزیہ و ازالۃ الخفا

[52] انلس اوف دی خلافت صفحہ ۲۱۲

[53] انلس اوف دی خلافت صفحہ ۲۱۷

اسپر حضرت عمرؓ سے درخواست کی کہ وہ جزیہ دینا اپنے واسطے ہتک سمجھتے ہیں اور اُن سے اُس محصول کے نام سے
جو مسلمانوں سے لیا جاتا ہے اگر ٹیکس لیا جائے تو بہت خوشی سے وہ ادا کرینگے۔ حضرت عمرؓ نے اپنی آزادانہ
طبیعت سے اسے بھی منظور کر لیا اور اُن سے عشر لینا قبول کیا[1]۔ حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت کی نسبت جو ایک یہ
واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ اُن کے عہد میں نوسو کنیسا خراب ہوئے۔ اس سے یہ دھوکا کبھی نہ کھانا چاہیے کہ جبراً کسی
غیر مذہب کا کوئی معبد خراب کیا یا گرایا گیا بلکہ اسکا مطلب یہ ہے کہ دین اسلام کے شائع ہونے اور غیر مذہب کے لوگوں کے
مسلمان ہونے سے اتنے معبد بیکار ہو گئے۔

زمین کی کاشت اور زراعت کی ترقی اور آبادی جو ملک کی ترقی اور دولتمندی اور رعایا کی آسودگی اور فراغت کا
سب سے بڑا اور اصلی ذریعہ ہے۔ حضرت عمرؓ نے اس کے واسطے کوشش کرنے میں کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا ہم
بیان کر آئے ہیں کہ فتوحات اور فوج کشی کو روک روک کر ملک کے حصوں میں نہریں کھدوانے اور زمینوں کے سیراب
کرنے کے وسائل کو ترقی دینے کا حکم دیتے تھے۔ نہریں جال کی طرح ملک میں پھیلا دی گئیں۔ نیز حضرت عمرؓ نے حکم دیا
کہ جو کاشتکار اپنی اپنی زمینیں چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں اُن کو واپس بلایا جائے اُن کو حقِ قرار دیکر زمینیں اُن کے
قبضہ میں بحال دیں اور ایک معتدل محصول لیا جائے[2] اور ایک عام اشتہار دیا جو شخص بنجر زمین کو مزروعہ کرے اور اُس کو
آباد کرے وہ اُسی کو دیدی جائیگی[3]۔ غرض اس طرح کاشتکاروں کو امن اور آسائش اور اطمینان اور خود مختارانہ قبضہ
نصیب ہونے سے ملک آباد ہو گیا اور کاشتکار غلامی کی مصیبتوں سے چھوٹ کر آسودہ اور فارغ البال ہو گئے۔

مزارعین کو امن اور اطمینان حاصل ہونے کی ایک اور بڑی وجہ یہ تھی کہ حضرت عمرؓ نے اہل عرب کو زمینداری
اور کاشتکاری کا کام اختیار کرنے سے قطعی ممانعت کر دی تھی۔ مصر میں۔ شام میں۔ عراق میں مسلمانوں نے بہت
چاہا کہ اُن کو زمینیں دی جائیں مگر حضرت عمرؓ نے نہ مانا اور نہ مانا اور اس حکم کی خلاف ورزی کرنے پر سزائیں دیں جس سے
آیندہ کبھی کو اس قسم کا ارادہ کرنے کی جرأت نہ رہی۔ اس قسم کی درخواستیں اور حضرت عمرؓ کا انکار کتب تاریخ میں اکثر مذکور
ہیں۔ انگریزی مؤرخ لکھتا ہے کہ "سواد یا کالدیہ کا زرخیز میدانی ملک جو باستثنائے چند بزور شمشیر فتح کیا گیا تھا۔ عرب
کی فوج نے بطور انعام جنگ اُس کا دعویٰ کیا۔ حضرت عمرؓ کا انصاف اور حق رسانی اس درخواست کے منظور نہ کرنے میں
نہایت ممتاز ہے" اس کے بعد لکھتا ہے کہ "دعویداروں کی ناراضی کے باوجود صرف اراضی ضبط شدہ ہی
غیر منقسم نہیں رکھی گئی بلکہ صحرائے شام کے کناروں سے ایران کے سلسلۂ کوہ تک کسی ایک قطعۂ اراضی کی فروخت
مطلق طور پر منع کر دی گئی۔ اس طرح پر مزارعین کے واسطے دوگونہ حفاظت کا انتظام ہو گیا جو کسی صورت اور کسی حال میں
بھی اپنی زمینوں سے بے دخل نہیں کیئے جا سکتے تھے۔ نیز ملک نے اپنے اصلی مزارعین کے ہاتھ میں رہکر پرورش

[1] انلس آف خلافت صفحہ ۱۸
[2] انلس آف خلافت ۲۹۴
[3] تہذیب الاخلاق جلد اول صفحہ ۳۰

اصل ترقی پائی۔ اور دولتمند اور خراج کا مستقل ذریعہ ہو گیا[۱]"

مصر کے حالات میں مؤرخ مذکور لکھتا ہے کہ" زبیر نے عمرو بن العاص سے اصرار کیا کہ مصر کے ساتھ بزور شمشیر فتح کیئے ہوئے ملک کی مانند سلوک کیا جائے اور زمین کو اپنے ہمراہیوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ لیکن عمرو بن العاص نے انکار کیا اور جیسا کہ اُمید کرنا چاہیئے تھا حضرت عمرؓ نے اُسکے فیصلہ کی تائید اور تصدیق کی اور یہ عاقلانہ جواب لکھا کہ "مصر کی زمین کو رعایا کے ہاتھ میں زراعت کی ترقی اور بار آوری کے واسطے رہنے دیا جائے جیسا کہ اور جگہ کیا تھا۔ حضرت عمرؓ عربوں کو ایک ایکڑ زمین کا بھی مالک بننے کی اجازت نہیں دیتے تھے یہاں تک کہ عمرو بن العاص نے اپنے لیئے مکان بنانے کو زمین چاہی اور حضرت عمرؓ نے انکار کیا اور لکھا کہ مدینہ میں جو اُس کا مکان ہے وہ اسکے واسطے کافی ہے۔ اسطرح مصر کی زمین اُس کے اصلی اور موروثی مالکوں اور قابضوں کے ہاتھ میں رہکر حجاج کے واسطے ایک قیمتی ذخیرہ گاہ بن گیا جیسے کہ اگلے وقتوں میں وہ اٹلی اور اہل روما کے واسطے ذخیرہ گاہ تھا[۲]"

ایک دوسرا مؤرخ لکھتا ہے کہ" ملک شام کے فاتحین نے البتہ سخت اصرار کیا کہ وہاں کی زمین اُنکو بانٹ دیجائے۔ لیکن حضرت عمرؓ کی فیاض دلی کسی طرح اُن کو فاتحین کی رائے پر مائل نہیں ہونے دیتی تھی۔ بالآخر ایک صیحی سند پر یہی فیصلہ ہوا کہ پہلے قابضین بیدخل نہ کیئے جاویں۔ مصر میں بھی آپ نے تاکیدی فرمان بھیجا کہ اہل فوج قطعاً زمینداری اور کاشت نہ کرنے پائیں۔ اُس حکم کے خلاف ایک شخص نے کچھ زمین کاشت کی تو آپنے اُسکو پکڑ بلایا اور نہایت سخت سزا دینی چاہی لیکن اُس نے قطعی توبہ سے اپنا قصور معاف کرالیا[۳]"

غرض غیر اقوام کے ساتھ جو فیاضی اور انصاف کا برتاؤ حضرت عمرؓ نے کیا اور جو خاص حقوق مسلمانوں سے بھی زیادہ اور بڑھکر عطا کیئے وہ مہذب اقوام کی مدعیانہ اور نکتہ چین نگاہوں کو ہمیشہ نیچا رکھینگی۔ اس کے بعد زمین اور زمینداری کے متعلق اسلامی خوش قسمت رعایا ہونے کی حالت میں عشر اور خراج کا دینا تھا جو یقیناً نہایت انصاف بلکہ رعایت کے اُصولوں پر مبنی تھا۔ ہمارے مؤرخ نے خراج کے متعلق چند قواعد جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم یا خلفاء کے عہد میں مروج تھے مختصر طور پر بیان کیئے ہیں جو ہمارے دعویٰ کو بخوبی ثابت کر دینگے کہ" جو زمین نہروں کے قدرتی پانی سے سیراب نہ ہوتی ہو یا جو زمین فوج کو تقسیم کر دی گئی ہو یا سر مقام کے باشندے فوج کشی کے وقت اسلام قبول کر چکے ہوں اُن تینوں حالتوں میں وہ زمین عشری ہوگی یعنی اُس کی پیداوار سے صرف دسواں حصہ لیا جائیگا اور یہی اُس کا خراج سمجھا جاویگا۔ اِن تینوں قسموں کے علاوہ جو زمین ہے وہ خراجی ہے عام اس سے کہ مسلمان رعایا کے قبضہ میں ہو یا غیر قوم کے۔ اگر کوئی شخص عشری زمین پڑتی ڈال دے تو اُس سے کچھ نہیں لیا جاوے گا۔ خراجی زمین میں ایسا نہیں ہے لیکن اگر کوئی شخص ایک برس پڑتی ڈال کر دوسرے سال کاشت کرے تو ایک ہی سال کا خراج دینا ہوگا

---

[۱] انلس اوف دی خلافت صفحہ ۱۹۴ [۲] انلز اوف خلافت صفحہ ۲۴۴

[۳] المامون حصہ دوم صفحہ ۱۸

جن زمینوں پر دکانیں بنائی جائیں وہ عموماً عشر و خراج سے معاف ہیں۔ اگر کھیتی کو کوئی آفت پہنچے تو خراج معاف ہو جاویگا۔ مذکورہ بالا قسموں میں سے دو پہلی قسم کی عشری زمینیں بہت کم تھیں ؛

عشر اور خراج کے احکام مسلمان اور غیر مذہب والی رعایا سے جن کو اسلام کی حمایت میں آجانے سے ذمی کا لقب ملتا ہے قریب قریب یکساں متعلق ہیں۔ خراجی زمین کسی کے قبضہ میں ہو ایک شرح سے لگان لیا جاتا تھا۔ عشری زمین بھی خواہ کسی کے قبضہ میں ہو اس سے عشر لیا جاتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے قوم تغلب سے عشر بھی لیا تھا[۱]۔ خراج کی شرحیں جو باقاعدہ پیمایش کے لحاظ سے مقرر کیا گیا تھا ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں۔ وہ بلکہ اور سرمایہ ہمارے دعوے کی دلیل میں پیش کیا جا سکتی ہیں۔ عشر اور خراج میں تو مسلمانوں اور غیر مذہب والوں میں کوئی تمیز نہ تھی۔ لیکن اس کے سوا جزیہ ایک ایسا محصول تھا جو غیر مذہب والوں سے خصوصیت رکھتا تھا۔ اس زمانہ کی غیر مذہب اقوام نے اس لفظ کو ایسا بھیانک اور ڈراونا بنا دیا کہ ان کے موبھہ سے سنکر اسکے مضمون سے کوئی خوش نہ ہوگا اور اسکو مسلمانوں اور غیر مذہب والوں کے درمیان ایک نہایت متعصبانہ اور نامناسب تفرقہ قائم کرنے کا ایک اصول بیان کرتے ہیں اور ایسا بیان کرتے ہیں جس سے بچنے کے واسطے اسلام کا قبول کرنا بھی گوارا کیا جاتا تھا اور اس وجہ سے وہ جبراً مسلمان کرنے کا ایک قوی ذریعہ تھا لیکن اس قسم کے خیالات درحقیقت تعصب یا غلط فہمی سے پیدا ہوئے ہیں۔ تحقیق کے نزدیک وہ تمام تر بے اصل اور بیہودہ ہیں۔ علامہ شبلی کے دقیق اور عالمانہ مضمون نے کسی بحث کی گنجائش نہیں چھوڑی۔ انہوں نے بخوبی ثابت کر دیا کہ جزیہ کو مسلمانوں نے نہیں پیدا کیا۔ ایرانی زبان کے لفظ گزیہ کا معرب اور نوشیروان عادل کا ایجاد اور مقرر کیا ہوا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ایران وعرب میں خراج و جزیہ کے وہ قواعد جو بادنیٰ تغیر اسلام میں رائج ہیں نوشیرواں کے عہد میں مرتب ہوئے۔ علامہ ابن الاثیر جزری نے تاریخ الکامل کے پہلے حصہ میں ایک مضمون اس عنوان سے لکھا ہے **ذکر ما فعله كسرى فى امر الخراج والجند** جس کا خلاصہ یہ ہے کہ نوشیروان نے زمین کی پیمایش کرائی اور مختلف شرحوں کی جمع مقرر کی اور تمام لوگوں پر باستثنائے اہل فوج و رؤسا و ارکان دولت جزیہ مقرر کیا جس کی تعداد بارہ درہم۔ آٹھ درہم۔ چھ درہم۔ چار درہم تک تھی (ابن اثیر نے اس موقع پر جزیہ ہی کا لفظ) استعمال کیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ جزیہ کوئی ایسی اصطلاح نہیں ہے جو مسلمانوں اور ذمیوں کے ساتھ مخصوص ہو۔ نوشیروان اور اس کی ایرانی رعایا کا ایک مذہب تھا تاہم جو ٹیکس ان پر لگایا گیا تھا مسلمان اُس کو جزیہ ہی کہتے تھے) زر خراج کے ذکر کے بعد مورخ مذکور لکھتا ہے کہ "وهي الوضائع اللتى اقتدى بها عمر بن الخطاب" یعنی حضرت عمرؓ نے انہیں قاعدوں کی تقلید کی۔ اور جزیہ کے ذکر کے بعد لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے بیس برس سے کم اور پچاس برس سے زیادہ عمر والے کو جزیہ سے معاف کیا۔ جس غرض سے نوشیروان نے جزیہ کا قاعدہ جاری کیا اسکی وجہ علامہ موصوف نے

---

[۱] المامون حصہ دوم صفحہ ۱۷ و ۱۸

نوشیروان کے اقوال سے یہ نقل کی ہے کہ اہل فوج ملک کے محافظ ہیں اور ملک کے لیے اپنی جانیں خطرہ میں ڈالتے ہیں اس لیئے لوگوں کی آمدنی سے اُن کے لیئے ایک خاص رقم مقرر کی گئی کہ اُن کی محنتوں کا معاوضہ ہو اس کی تائید میں ہمارے مورخ فردوسی کے اشعار نقل کرنے کے بعد اسلام نے جو انتظام قایم کیا اس کی رو سے ہر مسلمان فوجی خدمت کے لیئے مجبور کیا جا سکتا تھا۔ یہ قاعدہ کچھ آسان قاعدہ نہ تھا اور لوگ اگر ذرا بھی اُس سے بچنے کا حیلہ پاجاتے تھے تو اُس سے فائدہ اُٹھانا چاہتے تھے چنانچہ ایک بار جب جزیرہ سسلی میں مکتب کے معلم اس جبر سے بری کردیئے گئے تو سینکڑوں آدمیوں نے اَور کام چھوڑ کر یہی پیشہ اختیار کرلیا ؎

اس لحاظ سے کل مسلمان فوجی خدمت رکھتے تھے اور ضرور تھا کہ وہ جزیہ سے اسی طرح بری ہوں جس طرح نوشیروان عادل نے عموماً اہل فوج کو اس ٹکیس (جزیہ) سے بری رکھا تھا لیکن غیر مذہب والے جو اسلامی حکومت کے ماتحت تھے اور جن کی حفاظت مُسلمانوں کو کرنی پڑتی تھی ان کو فوجی خدمت پر مجبور کرنے کا اسلام کو کوئی حق نہ تھا نہ وہ لوگ ایسی پُرخطر خدمت کے لیئے راضی ہوسکتے تھے اس لیئے ضرور تھا کہ وہ اپنی محافظت کے لیئے کوئی ٹکیس ادا کریں۔ اسی ٹکیس کا نام جزیہ تھا۔ جو فارسی لغت سے معرب کیا گیا تھا لیکن اگر کسی موقع پر غیر قوموں نے فوج میں شریک ہونا یا شرکت کے لیئے آمادہ ہونا گوارا کیا تو وہ جزیہ سے بری کردیئے گئے ؎

جزیہ کا معاوضہ حفاظت ہونا مُسلمانوں میں علمی و عملی طور سے ہمیشہ مسلم رہا اور سچ یہ ہے کہ اسی خیال نے اکثر اہل لغت کو اس طرف متوجہ نہ ہونے دیا کہ جزیہ فارسی زبان کا لفظ ہے وہ سمجھے کہ یہ لفظ جزا سے نکلا ہے جس کے معنی بدلہ کے ہیں اور چونکہ یہ ٹکیس بھی ایک معاوضہ اور بدلہ ہے لہذا اس مناسبت سے اُس کا نام جزیہ رکھا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و خلفائے راشدین کے جو معاہدے تاریخوں میں منقول ہیں اُن سے عموماً پایا جاتا ہے کہ جزیہ اُن لوگوں کی محافظت کا معاوضہ تھا جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے والئے ایلہ کو جو فرمان جزیہ کا تحریر فرمایا اُس میں یہ الفاظ مندرج فرمائے "یحفظوا و یُمنعوا" یعنی اُن لوگوں کی حفاظت کیجائے اور دُشمنوں سے بچائے جائیں حضرت عمرؓ نے وفات کے قریب جو نہایت ضروری وصیتیں کیں اُن میں سے ایک یہ بھی تھی کہ "غیر مذہب والے جو ہماری رعایا ہیں وہ خدا اور رسول کی ذمہ داری میں ہیں اور مُسلمانوں کو اُن کی طرف سے اُن کے دشمنوں سے مقابلہ کرنا چاہیئے"۔ اس موقع پر ہم بعض معاہدات اصلی الفاظ میں نقل کرتے ہیں جن سے نہایت صاف و صریح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ جزیہ صرف حفاظت کا ایک ٹکیس تھا اور غیر مذہب والے جو مُسلمانوں کی رعایا تھے یہی سمجھکر یہ ٹکیس ادا کرتے تھے؎

هذا كتاب من خالد بن الوليد لصلوبا ابن نسطونا و قومه انى عاهدتكم على الجزية والمنعة فلك الذمة والمنعة - ما منعناكم فلنا الجزية والا فلا كتب سنة اثنى عشرة فى صفر ؎

ترجمہ "یہ خالد بن الولید کی تحریر ہے صلوبا بن نسطونا اور اُس کی قوم کے لیئے میں نے تم سے معاہدہ کیا جزیہ اور محافظت پر۔ پس تمہاری ذمہ داری اور محافظت ہم پر ہے۔ جب تک ہم تمہاری محافظت کریں ہمکو جزیہ کا حق ہے ورنہ نہیں۔ سنہ بارہ صفر میں لکھا گیا" ؎

عاملان اسلام نے عراق عرب کے اضلاع میں وہاں کے باشندوں کو جو عہدنامے لکھے اور جن پر بہت سے صحابہ کے دستخط تھے اُن کے ملتقط الفاظ یہ ہیں:۔

براءة لمن كان من كذا وكذا من الجزية التي صالحهم عليها الامير خالد بن الوليد وقد قبضت الذي صالحهم عليه خالد والمسلمون لكم يد على من بدل صلح خالد ما اقررتم بالجزية۔ وكنتم امانكم امان وصلحكم صلح ونحن لكم على الوفاء ؎

ترجمہ "اُن لوگوں کے لیئے جنہوں نے اس اس تعداد کا جزیہ دینا قبول کیا ہے اور جن پر خالد بن ولید نے اُن سے مصالحت کی ہے یہ بارت نامہ ہے۔ خالد اور مسلمانوں نے جس تعداد پر صلح کی وہ ہمکو وصول ہوئی۔ جو شخص خالد کی صلح کو بدلنا چاہے اسکو تم لوگ مجبور کر سکتے ہو بشرطیکہ جزیہ ادا کرتے رہو۔ تمہاری امان امان ہے اور تمہاری صلح صلح۔ (یعنی جس سے تم صلح کرو ہم بھی صلح کرینگے۔ اور جس کو تم امان دوگے ہم بھی امان دیں گے) ؎

اس کے مقابلہ میں عراق کی رعایا نے یہ تحریر لکھی:۔

انا قد ادينا الجزية التي عاهدنا عليها خالد۔ على ان يمنعونا وامیرهم البغي من المسلمين وغيرهم

ترجمہ "ہمنے وہ جزیہ ادا کر دیا جسپر خالد سے معاہدہ کیا تھا۔ اس شرط پر کہ مسلمان اور نیز اور تمام قومیں اگر ہمکو گزند پہنچانا چاہیں تو جماعت اسلام اور اُن کے افسر ہماری حفاظت کے ذمہ دار ہوں" ؎

اِن تحریروں سے جو ہم نے اس موقع پر نقل کیں اور نیز اور تمام معاہدوں سے جو تاریخوں میں مذکور ہیں بداہتہً یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ جزیہ اُسی اصول کی بنا پر تھا جو نوشیروان عادل نے قایم کیا تھا۔ لیکن اسپر بھی اگر کسی کو شبہ رہے تو ذیل کے واقعہ سے رہا سہا شک بھی رفع ہو جائے گا۔ ابو عبیدہ جراح نے جب متواتر شام میں فتوحات حاصل کیں تو ہرقل نے ایک عظیم الشان فوج مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیئے تیار کی۔ مسلمانوں کو اُس کے مقابلہ میں بڑی مستعدی سے بڑھنا پڑا اور اُن کی تمام قوت اور توجہ فوجوں کی تربیت میں مصروف ہوئی۔ اُس وقت حضرت ابو عبیدہؓ امین افسر فوج نے اپنے تمام عاملوں کو جو شام کے مفتوحہ شہروں پر مامور تھے لکھ بھیجا کہ جس قدر جزیہ و خراج جہاں جہاں وصول کیا گیا ہے سب اُن لوگوں کو واپس دیدو جن سے وصول ہوا تھا۔ اور اُن سے کہدو کہ ہم نے تم سے جو کچھ لیا تھا اس شرط پر لیا تھا کہ تمہارے دشمنوں سے تمہاری حفاظت کر سکیں لیکن اب اس واقعہ کے پیش آجانے کی وجہ سے ہم تمہاری حفاظت کا ذمہ نہیں اُٹھا سکتے۔ ابو عبیدؓ کے خاص الفاظ جن میں عیسائیوں سے خطاب ہے یہ ہیں "انما رددنا عليكم اموالكم لانه قد بلغنا ما جمع لنا من الجموع وانكم قد اشترطتم

علینا ان نمنعکم وانا لا نقدر علی ذلک وقد رددنا علیکم ما اخذنا منکم۔ اس حکم کی پوری تعمیل ہوئی اور لاکھوں روپیہ بیت المال سے نکل کر ان لوگوں کو پھیر دیئے گئے جو رقم وصول ہوئی تھی اس کی کثرت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ صرف حمص سے تقریباً آٹھ لاکھ روپیہ جزیہ وخراج میں ملے تھے۔ عیسائیوں نے مسلمانوں کو دل سے دعائیں دیں اور کہا کہ خدا پھر تمکو ہمارے شہروں کی حکومت دے۔ رومی ہوتے تو اس موقع پر واپس کرنا تو درکنار جو کچھ رہا سہا پاس تھا وہ بھی لے لیتے۔ ان سب باتوں سے زیادہ یہ امر اس دعوے کے لیئے دلیل قاطع ہے کہ اگر کسی غیر قوم نے فوجی خدمت پر رضامندی ظاہر کی تو وہ اُسی طرح جزیہ سے بری رہے جس طرح خود مسلمان۔

معاہدات میں یہ تصریح کہ جزیہ کے عوض ہم تمہاری اندرونی وبیرونی حفاظت کے ذمہ دار ہیں جب حفاظت پر قدرت نہ ہو تو جزیہ کا واپس کر دینا۔ جو قومیں فوجی خدمت پر آمادہ ہوں اُن کو جزیہ سے بری رکھنا۔ کیا ان واقعات کے ثابت ہونے کے بعد بھی شبہ رہ سکتا ہے کہ جزیہ کا مقصد وہی تھا جو ہمنے بحث کے آغاز میں بتایا ہے۔

جزیہ کے مصارف یہ تھے۔ لشکر کی آراستگی۔ سرحد کی حفاظت۔ قلعوں کی تعمیر۔ ان سے بچا تو سڑکوں اور پُلوں کی تیاری۔ سررشتہ تعلیم۔ بے شبہ اس خاص رقم سے مسلمانوں کو بھی فائدہ پہنچتا تھا اور پہنچنا چاہیئے تھا۔ مسلمان لڑائیوں میں شریک ہوتے۔ جانیں لڑاتے۔ مُلک کو تمام خطروں سے بچاتے۔ پس جس طرح اُن کے جسم وجان سے ذمی بھی مستفید ہوتی تھی اگر ذمیوں کے مال سے مسلمانوں کو بھی فائدہ پہنچتا تھا تو کیا بیجا تھا۔ اس کے علاوہ صدقہ کی رقم جو خاص مسلمانوں سے وصول کیجاتی تھی اُس میں ذمی رعایا برابر کی شریک تھی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیت المال کے داروغہ کو کہلا بھیجا تھا کہ "خدا کے اس قول میں" انما الصدقات للفقراء والمساکین (صدقات فقیروں اور مسکینوں کے لیئے ہیں) مسکینوں سے عیسائی اور یہودی مراد ہیں۔

جزیہ کی تعداد زیادہ سے زیادہ بیس روپیہ سالانہ تھی کسی کے پاس لاکھوں روپے ہوں تاہم اس سے زیادہ دینا نہیں پڑتا تھا۔ عام شرح چھ روپیہ اور تین روپیہ سالانہ تھی۔ بیس برس سے کم اور پچاس برس سے زیادہ عمر والے اور عورتیں۔ مفلوج۔ معطل العضو۔ نابینا۔ مجنون۔ مفلس یعنی جس کے پاس دو سو درہم سے کم ہوں۔ یہ لوگ عموماً جزیہ سے معاف تھے۔ اب ہم پوچھتے ہیں کہ ایسا ہلکا ٹیکس جس کی تعداد اس قدر قلیل تھی جس کے ادا کرنے سے فوجی پُرخطر خدمت سے نجات مل جاتی تھی۔ جس کی بُنیاد نوشیروان عادل نے ڈالی تھی۔ کیا ایسی ناگوار چیز ہو سکتی ہے جیسا اہل یورپ نے خیال کی ہے۔ کیا دنیا میں ایک شخص نے بھی اُس سے بچنے کے لیئے اپنا مذہب چھوڑا ہوگا۔ کیا کسی نے اپنے مذہب کو ایسے ہلکے ٹیکس سے بھی کم قیمت سمجھا ہوگا؟ اگر کسی نے ایسا سمجھا تو ہمکو اُس کے مذہب کے ضائع ہونیکا رنج بھی نہ کرنا چاہیئے۔ جو لوگ جزیہ ادا کرتے تھے اُن کو اسلام نے جس قدر حقوق دیئے کون حکومت اُس سے زیادہ دے سکتی ہے؟

عیسائی مورخوں نے جزیہ کی بحث میں عجیب غلطیاں کی ہیں۔ بعض وقت اُنہوں نے فدیہ اور جزیہ میں تمیز نہیں کی اور فدیہ کو جزیہ سمجھ لیا ہے۔ جو جنگ کے قیدیوں کی رہائی کے بدلے میں ایک رقم لی جاتی تھی شاید ایسی ہی

غلطی کی بنا پر مسٹر لین نے اپنی کتاب مدالقاموس میں لکھا ہے کہ "جزیہ قتل سے محفوظ رہنے کا معاوضہ تھا" مگر یہ اُن کی نہایت غلطی ہے کیونکہ امن کا ہوجانا یعنی لڑائی کا موقوف ہونا صلح کا ہوجانا یا کسی قسم کا معاہدہ ہونا گو کہ ایسا جزیہ کا دینا نہ قرار پایا ہو قتل سے محفوظی کا سبب ہوتا تھا نہ کہ جزیہ دینا[1]۔

جزیہ کے مقابلے میں جو ٹیکس زکوٰۃ مسلمانوں سے لیا جاتا تھا وہ جزیہ سے بدرجہا زیادہ سخت تھا سونے چاندی، اونٹ، گائے، بکری سب پر جداگانہ شرحیں۔ فرض کرو کہ ایک ذمی کے پاس چالیس ہزار روپیہ ہیں جسکی تجارت سے وہ فائدہ اٹھا رہا ہے اور ایک مسلمان کے پاس بھی اسیقدر رقم ہے۔ لیکن اُس کو کوئی اور آمدنی نہیں ہے۔ ذمی کو تو سال بھر میں صرف تین روپیہ چھ روپیہ یا زیادہ سے زیادہ بارہ روپیہ دینے پڑیں گے اور مسلمانوں کو پورا چالیسواں حصہ ایک ہزار روپیہ دینا پڑے گا۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ایسی صورت میں بھی جزیہ کسی کو مسلمان ہونے پر رغبت دلا سکتا ہے بلکہ یہ کہنا چاہئیے کہ اگر ٹیکس کی کمی و بیشی پر دین یا مذہب کا مدار ہوتا تو مسلمانوں کا ٹیکس اُن کو جزیہ کے مقابلے میں اسلام چھوڑ کر ذمی ہو جانے کی رغبت دلاتا۔ ممالک مفتوحہ کی رعایا کے جان و مال جس حال میں مسلمانوں کے قبضہ و اختیار میں تھے اگر اُن کو اپنی رعایا کو لوٹنا اور مسلمان کرنا ہی مقصود ہوتا تو ایک خفیف سی رقم سالانہ اپنے ان اغراض کے حاصل کرنے کے واسطے بہانہ بنانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ وہ ہر ایک طرح سے لوگوں کو مسلمان کر سکتے تھے۔ اور ہمکو یقین ہے کہ مسلمانوں کی نسبت ہر ایک قسم کا الزام جھوٹا اور غلط ہوگا۔ سر ولیم میور اقرار کرتا ہے کہ "رعایا عام طور پر اپنے مذہب پر رہی اور اُن سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا۔ اُن کے عبادت خانوں کی حفاظت اور عبادت کی عزت و تعظیم کی گئی"[2]۔

جزیہ کے وصول کرنے میں حضرت عمرؓ جو رحم اور رعایت کرتے تھے اُس کی بھی مثالیں ہیں۔ ایک دفعہ جب آپ خود شام سے واپس آ رہے تھے راستہ میں ایک جماعت کو دیکھا جو دھوپ میں کھڑی کر کے تکلیف دیجا رہی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کا سبب پوچھا تو معلوم ہوا کہ اُن لوگوں نے جزیہ نہیں ادا کیا ہے اور اس سبب سے اُن کو تکلیف دیجا رہی ہے کہ تکلیف کے خوف سے ادا کر دیں۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ وہ کیا عذر کرتے ہیں۔ بتایا گیا کہ وہ ناداری بیان کرتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ "اُن کو چھوڑ دو اور اُنہیں تکلیف مت دو۔ رسول اللہ فرمایا کرتے تھے کہ "دنیا میں لوگوں کو عذاب نہ دو۔ جو لوگ دنیا میں لوگوں کو عذاب دیں گے قیامت کے دن خدا اُن کو عذاب دیگا"" پس آپ کے حکم سے وہ چھوڑ دیے گئے[3]۔

کسی ادنٰے سے عذر اور پاس پر جزیہ بالکل معاف بھی کر دیا جاتا تھا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے جرجومہ اور اُسکے قرب و جوار میں صلقا جزیہ بالکل معاف کر دیا تھا اور بانقیطیہ کے ہموطن بھی جزیہ سے معاف کر دیئے گئے تھے۔ ہم بیان کر چکے ہیں کہ حضرت عمرؓ

---

[1] تفسیر القرآن از سرسید احمد خاں صاحب جلد چہارم صفحہ ۱۰۷

[2] دی خلافت صفحہ ۱۳۶ [3] ازالۃ الخفا باب سیاست الامون صفحہ ۴۲

اُن عاملوں سے جو مال کم جمع کرتے تھے راضی اور خوش ہوتے تھے ورنہ زیادہ ستانی کا شبہ کرتے تھے یہاں تک کہ
ابوہریرہ جیسے بزرگ صحابی سے اسی بناپر بدگمان ہوئے تھے۔ لیکن تعجب ہے کہ بیہودہ سراؤں نے حضرت عمرؓ کی
اس خاص طبیعت اور عادت کو بھی الزام سے پاک نہیں رہنے دیا۔ لیکن کوئی عقلمند آدمی اُس سے دھوکا نہیں کھا سکتا
مسٹر ولیم میور لکھتے ہیں کہ "مجھ کو بیان کرنا چاہیئے کہ پچھلے زمانہ کے اور غیر معتبر راویوں نے ایک طویل خط وکتابت بیان
کی ہے جو حضرت عمرؓ اور عمرو بن العاص کے درمیان ہوئی ہے جس میں کہ حضرت عمرؓ نے عمرو بن العاص کو مصر سے
ایسا بڑا خراج نہ بھیجنے پر جیسا کہ اُس کے قدیم فراعنہ اس سے وصول کرتے تھے ملامت کی۔ عمرو بن العاص نے اِس
اتہام کو بُرا مانا۔ حضرت عمرؓ نے اس پر اپنے ایلچی محمد بن مسلمہ کو تحقیقات کے واسطے بھیجا اور نیز عمرو بن العاص کو معزول
کر کے عبداللہ ابن ابوسارہ کو عامل مصر مقرر کیا۔ اس خط وکتابت کو گو ویل نے قبول کر لیا ہے لیکن میرے نزدیک
(سر ولیم میور لکھتے ہیں) غیر معتبر اور غلط ہے۔ حضرت عمرؓ کی طبیعت کے یہ امر خلاف تھا کہ ایسے سخت یا نامناسب
الفاظ میں خطوط لکھیں یا اپنے عمال پر اُس صوبہ سے زیادہ ستانی کر کے جس کے وہ حاکم تھے خراج بھیجنے کے واسطے
دباؤ ڈالیں۔ اُن کو کسی زاید خراج کی جیسا کہ اِن خطوط سے ظاہر ہوتا ہے کوئی ضرورت نہیں پیش آئی تھی۔ دُنیا کے خزانے
اِس وقت مدینہ میں ادھر چلے آرہے تھے اور ابن ابوسارہ کی نسبت تو یہ ہے کہ وہ حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت تک
عمرو بن العاص کی جگہ نہیں مقرر ہوا۔"[1]

غرض یہ جزیہ اور جزیہ کی حقیقت ہے جس کو اہل یورپ نے ایک ایسا ناگوار لفظ بنا دیا ہے کہ اُس کے مونھ
سے نکلتے ہی مُسلمانوں کی نسبت عجیب وغریب خیالات اُن کے دل میں جوش مارتے ہیں۔ لیکن مہذب دنیا کے
ٹیکسوں کے روبرو وہ ایک بے حقیقت ٹیکس تھا۔ انکم ٹیکس اور انڈائرکٹ ٹیکس۔ سالٹ ٹیکس۔ چنگی۔ سٹرکانہ۔
مدرسانہ۔ چوکیداری۔ اسٹامپ۔ کورٹ فیس۔ مخمص التمام اور محصول سکرات اور سینکڑوں قسم کے محصولوں کے
ناموں سے اُس زمانے میں کوئی واقف نہ تھا۔

خیر جزیہ کی نسبت تو اہل یورپ نے تعصب سے یا غلط فہمی سے جو کچھ لکھا ہے اُسکی نسبت اتنی بات تو
صحیح ہے کہ جزیہ کے نام کا ایک ٹیکس تھا جو ذمیوں پر لگایا گیا تھا اور اتنا بھی غنیمت ہے کیونکہ اہل یورپ اپنے اس قسم
کے الزاموں کی بنیاد جس سے وہ مُسلمانوں کی بدنامی کرتے ہیں ہمیشہ ایسے واقعات پر نہیں رکھتے جن کا وجود ہو
بلکہ ایسے واقعات پر بھی رکھتے ہیں جن کا کوئی وجود کوئی اصل اور کوئی حقیقت نہ ہو۔ سکندریہ کا کتب خانہ جلانے کا
الزام حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت پر اسی قسم کا واقعہ ہے جس پر عیسائی مورخوں اور عالموں کے نابینا خیالات نے
ایک زمانے تک بہت کچھ بلند پروازی کی ہے لیکن شکر ہے کہ آخر نہیں میں اختلاف اور انکار پیدا ہو گیا اور اسلامی
مورخ اس بے اصل الزام کے غلط ثابت کرنے سے بہت کچھ سبکدوش ہو گیا تاہم علامہ شبلی کا رسالہ اس مضمون پر

---

[1] اَنلس آف خلافت صفحہ ۱۸۴۔

منتہی تحقیق ہے :-

سکندریہ کے کتب خانے کے جلانے کے واقعہ کی ایجاد ابوالفرج ایک عیسائی مورخ سے منسوب کیجاتی ہے جو ایک یہودی طبیب کا بیٹا ۱۲۲۶ء عیسوی میں پیدا ہوا تھا۔ "منسوب" کا لفظ ہمنے اس لیئے لکھا ہے کہ خود ابوالفرج کی دو تاریخیں ہیں۔ ایک سریانی زبان میں اور دوسری جو اسکا خلاصہ ہے عربی زبان میں ہے جس کا نام مختصر الدول ہے یہ واقعہ اسکی اصل تاریخ میں جو سریانی زبان میں ہے نہیں پایا گیا ہے۔ صرف عربی خلاصہ میں مذکور ہوا ہے۔ بہرحال ابوالفرج سب سے اول اس واقعہ کا بیان کرنیوالا ہے اور وہ اس کو اس طرح پر بیان کرتا ہے کہ "جب عمرو بن العاص نے سکندریہ کو فتح کیا تو یحییٰ نحوی ایک وہاں کا عالم شخص عمرو بن العاص کے پاس آنے جانے لگا۔ عمرو بن العاص اس کی بہت عزت و حرمت کرتے تھے کیونکہ عمرو بن العاص خود عاقل۔ خوش فہم اور صحیح الفکر شخص تھا۔ اُس نے یحییٰ کی صحبت کو لازم پکڑ لیا اور اُسکو اپنے پاس سے جدا نکرتا تھا۔ ایک دن یحییٰ نے عمرو سے کہا کہ سکندریہ کی تمام چیزوں پر آپ قابض ہیں۔ سو جو چیزیں کہ آپ کے کام کی ہیں اُن سے میں تعرض کرنا نہیں چاہتا لیکن جو چیزیں آپ کے کام کی نہیں ہیں اُن کے تو ہمیں لوگ زیادہ مستحق ہیں۔ عمرو نے کہا کہ تمکو کیا درکار ہے۔ یحییٰ نے کہا فلسفہ کی وہ کتابیں جو شاہی کتب خانوں میں ہیں۔ عمرو نے کہا کہ اس کی نسبت میں امیر المومنین عمر بن الخطاب کی اجازت کے بغیر کوئی حکم نہیں دیسکتا عمرو نے یحییٰ کی درخواست کی اطلاع عمر بن الخطاب کو دی۔ وہاں سے جواب آیا کہ جن کتابوں کا تمنے ذکر کیا ہے وہ اگر خدا کی کتاب کے موافق ہیں تو خدا کی کتاب کے ہوتے اُن کی کوئی ضرورت نہیں۔ اگر اُن کے مضامین خدا کی کتاب کے مخالف ہیں تو تم اُن کو برباد کرنا شروع کرو۔ عمرو بن العاص نے اُن کتابوں کو سکندریہ کے حماموں میں تقسیم کرنا اور اُن کو جلوانا شروع کیا۔ پس وہ چھ مہینے میں جلکر تمام ہوئیں۔ سو جو کچھ ہوا اُسکو سُنو اور تعجب کرو" ؛

ابوالفرج کی اس روایت کے بعد یہ واقعہ اسی طرح تسلیم ہوتا چلا آتا تھا کسی کو اُس کی نسبت تحقیق و تفتیش کا خیال تک نہ آیا۔ لیکن آخرکار گبن مورخ اعظم نے اس واقعہ کو تحقیق کی نگاہ سے دیکھا اور لکھا کہ میں اس کی اصلیت اور اُس کے نتائج دونوں سے انکار کرتا ہوں۔ گبن نے اپنے انکار کی وجہوں کو ان سادہ مگر صحیح دلائل پر مبنی کیا ہے کہ ابوالفرج اس واقعہ کے پانسو برس بعد پیدا ہوا۔ اُس کے سوا کسی اور مورخ حتی کہ خود عیسائی مورخوں نے اس واقعہ کا کہیں ذکر نہیں کیا ؛

درحقیقت کوئی تاریخ کا عالم اور محقق ایک لمحے کے واسطے بھی اس واقعہ کے بیان کی صحت پر یقین نہیں کر سکتا۔ عیسائی مورخ ابوالفرج کی نسبت فتح اسکندریہ کے زمانے کے بہت قریب تھے اور جنہوں نے سکندریہ کی فتح کے حالات مفصل لکھے ہیں کہیں اس واقعہ کا ذکر نہیں کرتے۔ یوسیکس المتوفی ۹۴۰ء جو دسویں صدی عیسوی میں سکندریہ کا بطریق تھا اور المکین جو واقعہ مفروضہ کے تین سو برس بعد تھا اپنی تاریخوں میں اس واقعہ کی نسبت ایک حرف بھی نہیں لکھتے۔ گبن اور کریل نے اسی دلیل سے اس واقعہ کو بے اصل ٹھہرایا ہے۔ اور یہ کوئی معمولی دلیل نہیں ہے ؛

اس کے سوا مسلمان مقدموں نے جنہوں نے دوسری ہی صدی اسلامی کے وسط میں تصنیف و تالیف شروع کی ہے کسی نے اس واقعہ کا ذکر نہیں کیا۔ حالانکہ کوئی امر ان کو اس بیان کرنے سے مانع نہیں تھا۔ ابوالفرج کی روایت کو اگر صحیح سمجھا جاتے تو مسلمانوں نے اس کام کو ایک عمدہ کام سمجھکر کیا تھا اور خصوصاً خلفائے راشدین کے افعال و اقوال بغیر کسی بحث کے متبرک اور افضل سمجھے جاتے تھے۔ پس کوئی وجہ نہ تھی کہ مسلمان مورخ اپنی تاریخوں اور روایات کے مجموعوں میں اس واقعہ کو بیان نہ کرتے۔ اس واقعہ کے مدعی عیسائیوں کو بھی اعتراض سوجھائی دیا دان میں کسی بڑے طباع نے چار اسلامی نام دے دیئے۔ ابن خلدون۔ عبداللطیف بغدادی۔ مقریزی۔ حاجی خلیفہ۔ ابن خلدون کا کا نام اپنے ڈالنے والا تھا کیونکہ وہ نہایت معتبر تاریخ اسلام کی ہے۔ لیکن ابن خلدون کا نام لینا صرف ایک بے شرمانہ حوصلہ اور بے غیرت جرأت ہی معلوم ہوئی۔ کیونکہ ابن خلدون نے اس واقعہ کو کبھی نہیں لکھا۔ مقریزی نے اپنی تاریخ مصر میں صرف عبداللطیف کی عبارت نقل کی ہے۔ حاجی خلیفہ کے الفاظ کو علامہ شبلی نے نقل کیا ہے۔ اس بچارے نے سکندریہ کا ذکر تک نہیں کیا۔ عبداللطیف باقی رہتا ہے۔ اس نے ساتویں صدی ہجری کے شروع میں ایک مصری تاریخ لکھی ہے جس میں ایک ستون کے ذکر میں وہ لکھتا ہے کہ "یہ وہی جگہ ہے جہاں بیان کرتے ہیں کہ مصر کا کتب خانہ تھا جس کو عمرو بن العاص نے عمر بن الخطاب کے حکم سے جلایا تھا۔ عبداللطیف کے بیان کو کوئی شہادت نہیں سمجھا جا سکتا۔ وہ ایک سنی سنائی افواہ کا ذکر کرتا ہے۔ مسٹر کریل بھی کہتے ہیں کہ عبداللطیف کا بیان محض علی سبیل التذکرہ معلوم ہوتا ہے۔ عبداللطیف نے اور جو حالات افواہی لکھے ہیں وہ بھی سب غلط ہیں۔ چنانچہ سپیکٹیٹر مورخہ ۱۳۔ جون میں اسی مضمون پر بحث کرتے ہوئے ایک شخص نے لکھا تھا کہ کتب خانے کا جلایا جانا تو ایک طرف عبداللطیف نے اس کے ساتھ اور جو واقعات بیان کیے ہیں وہ کون سے سچے ہیں۔ ہمکو امید ہے کہ اہل یورپ کے ایسے دھوکے چل جانے کے دن اب گزر گئے ہیں ٭

اصل یہ ہے کہ سکندریہ کا کتب خانہ مسلمانوں کی فتح سے ایک مدت پہلے خود عیسائی بادشاہوں کے ہاتھ سے جل چکا تھا۔ جولیس سیزر کے محاصرے میں کتب خانے کے جل جانے کو گبن اور کریل دونوں صاف طور پر مانتے ہیں اور کتابوں کی بربادی متعصب عیسائی پادریوں کا کام بتاتے ہیں۔ سونیات ایک فرانسیسی عالم اسلام کی مخالفت میں لکچر دیتے ہوئے اس بات کو مجبوراً مان گیا ہے کہ یہ الزام کہ عمرؓ نے کتب خانہ سکندریہ کو برباد کر دیا صحیح نہیں ہے۔ کتب خانہ مذکور اس زمانے سے پہلے برباد ہو چکا تھا۔ ڈریپر بھی مانتا ہے کہ آدھا کتب خانہ تو جولیس سیزر نے جلایا تھا اور باقی پادریوں نے دانستہ برباد کر دیا تھا۔ عیسائی مورخ جب شاہی کتب خانے کا مسلمانوں سے جلایا جانا ثابت کرنے سے ناامید ہوئے ہیں تو انہوں نے سراپیم کے ایک اور کتب خانے کا نام لے دیا ہے لیکن اس ایجاد کو کوئی بھی نہ سنے گا کیونکہ ابوالفرج خود شاہی کتب خانہ کا ذکر کرتا ہے جس کی روایت پر یہ طوفان اٹھایا گیا ہے ٭

غرض کتب خانہ کے جلانے کی تاریخی شہادتوں کا تو یہ حال ہے۔ درایۃً دیا سے تو مورخ نے اس الزام کو غلط و پوچ ثابت کر دیا ہے۔ کہ کم سے کم سکندریہ کے چار ہزار حماموں میں چھ ماہ تک کتابیں جلانا اگر چار لاکھ بیاسات ...

کتابوں کی تعداد صحیح مان لیجائے تو فی حمام ہر روز ایک کتاب یا آدھی کتاب حصہ میں آتی ہے۔ کیا یہ بھی کوئی حکم تھا کہ ایک کتاب یا آدھی کتاب ہر روز جلائی جاتی۔ یا کتاب اتنی اتنی بڑی تھی کہ آدھی کتاب دن بھر کے ایندھن کے واسطے کافی ہوتی تھی۔ ڈریپر مانتا ہے کہ کتابیں چمڑے پر لکھی ہوئی تھیں۔ اُمید ہے کہ جیسے ڈریپر حیران ہوکر پوچھتا ہے اُس زمانے کا چمڑا بھی ایندھن کا کام نہیں دیتا ہوگا ؛

عمرو بن العاص اُس کے بعد چھ ماہ تک سکندریہ میں نہیں رہا۔ عیسائیوں ہی کو کتابوں کا ایندھن پسند ہوگا ورنہ وہ اُس کے چلے جانے کے بعد اُن کو بچا سکتے تھے۔ مسلمانوں کا جو عام برتاؤ اہل ذمہ کے ساتھ وہی مصر کے ساتھ بھی رہا گیا۔ عمرو بن العاص کے معاہدے کے یہ الفاظ موجود ہیں کہ "عمرو بن العاص نے اہل مصر کو اُن کی جان، خون، مال، متاع، مذہب کو امان عطا کی" اور نیز یہ کہ "اُن کی زمین اور مال اُنہیں کا رہے گا اور اُن میں سے کسی چیز میں تعرض نہ کیا جائے گا" کیا حضرت عمرؓ کا عام سلوک جو ذمیوں کے ساتھ تھا ایک لمحہ کے واسطے کسی ایسے شبہ کو جگہ دیتا ہے کہ اُنہوں نے کتابوں کے جلانے کا حکم دیا ہوگا۔ کیا مشرکین اور عیسائیوں کے معبدوں وہ گرجوں سے جہاں علانیہ بُت پرستی ہوتی تھی اور جن کی حفاظت کے وہ ذمہ دار ہوتے تھے اور معاہدوں میں جن کی نسبت یہ خاص الفاظ ہوتے تھے کہ "کوئی گرجا اور عبادت گاہ شہر کے اندر یا باہر نہ گرایا جائے گا" کتابیں زیادہ ناپاک تھیں۔ عمرو بن العاص نے مصر کے متعلق تمام امور کا فیصلہ اپنی رائے سے کیا اور خود ہی معاہدے اور شرطیں کیں۔ ابو الفرج خود اُس کا علم دوست ہونا مانتا ہے۔ کیا کتب خانے سے اُس کو کوئی خاص دشمنی تھی کہ اُس کی نسبت خود نہ فیصلہ کیا اور حضرت عمرؓ کی رائے پوچھ بھیجی۔ ایک اور تاریخی شہادت یہ ہے کہ عمرو بن العاص نے جو مفصل خط بعد فتح سکندریہ حضرت عمرؓ کو لکھا اُس میں سکندریہ کے تمام جزوی حالات بیان کیے ہیں مگر ابو الفرج کے فرضی کُتب خانے کا کہیں ذکر نہیں کیا۔ عیسائی مؤرخ اس صاف بات پر بھی نظر نہیں کرتے کہ اگر سکندریہ کا کُتب خانہ مسلمانوں نے جلا دیا تھا تو مصری یونانیوں کی ہزارہا کتابیں مسلمانوں کے پاس کہاں سے پہنچیں۔ خود یحییٰ نحوی کی تصانیف میں سے جو کتب خانے کا مہتمم تھا اور کُتب خانہ کی درخواست عمرو بن العاص سے کرتا تھا چالیس پچاس سے زیادہ کتابیں عربی زبان میں ترجمہ ہوئی ہیں۔ اگر سکندریہ کا کتب خانہ عمرو بن العاص کے زمانے میں برباد ہو گیا تھا تو یحییٰ نحوی کی تصانیف سب سے پہلے برباد ہونی چاہیئے تھیں ؛

غرض سکندریہ کے کتب خانے کی نسبت بھی مانا جائیگا کہ اسلام کے زمانے سے پہلے تمام کُتب خانے برباد ہو چکے تھے جس کے اسباب و اتفاقات مورخوں نے بتفصیل لکھے ہیں۔ لیکن اِن حوادث سے بھی علمی آثار بالکل معدوم نہیں ہو سکتے تھے اور بربادی کتب کے زمانے سے مسلمانوں کے وقت تک جو سرمایہ جمع ہو کر رہ گیا تھا وہ ہرگز ضائع نہیں ہوا بلکہ مسلمانوں نے اُن کی نہایت قدر کی اور یادگار زمانہ قدیم کے طور پر محفوظ رکھا۔ چنانچہ ہزاروں کتابیں ارسطو بطلیموس کے بنائے ہوئے مُدت تک محفوظ رہے اور مُسلمانوں نے نہایت قدر کی ؛

علامہ شبلی نے اپنی بحث کے شروع میں لکھا ہے کہ یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ یورپ کو کتب خانہ اسکندریہ

کے ساتھ اسقدر ہمدردی کیوں ہے۔ یہ مسلم ہے کہ جس کتب خانے کی نسبت بحث ہے عیسائیوں سے اسکو کچھ تعلق نہیں۔ اُس کو بادشاہان مصر نے قایم کیا تھا جو بت پرست تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بہت پہلے تھے۔ شاید یہ کہا جائے کہ یورپ کی عام قدردانی اور ہمدردی کا اثر ہے۔ لیکن اس حالت میں اسکندریہ کی تخصیص کی کیا وجہ ہے انہیں ممالک میں اور بھی بہت بڑے بڑے کتب خانے برباد ہوئے۔ اُن پر یورپ میں یہ شور و غل کہاں ہوا۔ اسکندریہ و ایران کے کتب خانے جو برباد کیے اُن کی تشہیر کس نے کی؟ اسپین میں خود عیسائیوں نے مسلمانوں کی تمام علمی یادگاروں کو مٹا دیا اور کئی لاکھ کتابیں برباد کردیں۔ کس نے اس کا ماتم کیا؟ پھر کتب خانہ اسکندریہ کے ساتھ خاص ہمدردی کیوں ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ اس کتب خانے کو خود عیسائیوں نے برباد کیا اور بڑے بڑے پیشوایان مذہب اسکی بربادی میں شریک تھے۔ اُس وقت تو یہ امر فخر کا باعث تھا لیکن جب کسی قدر تہذیب و شایستگی کا زمانہ آیا تو یورپ نے دیکھا اُسکے دامن پر یہ بہت بڑا بدنما داغ ہے۔ اُس کے مٹانے کی اس کے سوا اور کوئی تدبیر نہ تھی کہ یہ الزام کسی دوسری قوم کے سر منڈھا جائے۔ متعصب عیسائیوں نے اس گم شدگی کو فاتحان اسلام کی طرف منسوب کردیا اور چونکہ اس زمانے میں تمام یورپ تعصب سے لبریز تھا اور کسی قسم کی علمی ترقی کا اثر نہ تھا کسی نے غور و تحقیق کی پرواہ نہ کی اور نہایت تیزی سے یہ روایت تمام یورپ میں پھیل گئی۔ یورپ نے اس ہمدردی سے اس واقعہ کا ماتم کیا کہ وہ انہیں کا خاص کتب خانہ تھا۔ چنانچہ عوام کا آج تک یہی خیال ہے اس عام شہرت نے یہ بڑا فائدہ دیا کہ عیسائیوں کی طرف اس الزام کو منسوب کرنے کا کسی کو خیال بھی نہ آیا کیونکہ ظاہرا یہ ایک بدیہی بات ہے کہ کوئی قوم اپنا سرمایہ آپ نہیں برباد کرسکتی"۔

حضرت عمرؓ کے حالات میں ایک واقعہ اس قسم کا ضرور بیان ہوا ہے مگر تاہم وہ اس بہتان عظیم کی بنیاد نہیں ہوسکتا کہ ایک شخص نے اُن کے سامنے ذکر کیا کہ مدائن کی فتح میں ایک کتاب ملی تھی۔ اُس شخص نے اُس کی بہت تعریف کی حضرت عمرؓ اس پر ناراض ہوئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کتاب قصہ کہانیوں کی تھی۔ کیونکہ جب حضرت عمرؓ نے یہ آیت پڑھی کہ "نحن نقص علیک احسن القصص" تو کہا کہ تم سے پہلے لوگ اسی طرح ہلاک ہوئے ہیں کہ انہوں نے اپنے علماء اور اساتذہ کی کتابوں کی طرف توجہ کی اور توریت اور انجیل کو چھوڑ دیا یہاں تک کہ اُن کا علم جاتا رہا[1]۔" یہ ایک نہایت پُرمعنی اور سچی نصیحت تھی مگر کتاب کے جلانے وغیرہ کا اس میں کچھ ذکر نہیں ہے۔ غرض اس الزام کی کوئی ادنے وجہ اور بنا بھی تلاش کرنے سے نہیں مل سکتی۔ اسی سبب سے سر ولیم میور نے اس واقعہ کے ذکر کو ترک کردیا ہے اور اُن کی دونوں کتابوں میں اس کی طرف کوئی اشارہ نہیں ملتا۔

اس باب کے خاتمے پر ہمکو حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت کے اُس واقعہ کا یاد کرنا بھی شاید ضروری ہو جو عیسائیوں اور یہودیوں کی ایک قوم کو عرب سے اُٹھا کر سنہ ۲۰ ہجری میں شام اور عراق میں آباد کرنے کا تھا۔ مختلف وجوہات اور واقعات جو اس کا سبب بیان کیے جاتے ہیں اُن کی تصحیح کرنا بہت مشکل ہے۔ لیکن یہ بات تو آسانی سے قیاس

[1] ازالۃ الخفا حصہ دوم صفحہ ۱۹۹

کیجا سکتی ہے کہ اُس کی کسی قوت کا ایران اور شام کے فاتح کو خوف نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کے سوا جو وجوہات ہیں اُن کا خلاصہ یہ ہے کہ خود اُس قوم کے اپنے درمیان فتنہ اور اُن کی اپنی خواہش کا نتیجہ تھا۔ اُن کی سُود خواری اور بداخلاقی بھی جس کا اثر مسلمانوں تک پہنچتا تھا شاید داخل وجوہات ہو۔ یہودیوں کو ایک قتل کے جرم کا مجرم بھی بیان کیا جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ حضرت عمرؓ کے خیال میں کوئی دُور اندیش احتیاط بھی ہو۔ عیسائی مورخ کہتے ہیں کہ اصلی وجہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان تھا کہ "عرب میں صرف ایک مذہب رہیگا"۔ اگر یہی صحیح ہو تو کچھ حرج نہیں۔ اس تبدیلی سے عیسائیوں و یہودیوں کا کوئی نقصان نہیں ہوا۔ زمین کے عوض اُن کو زمین دی گئی۔ بلکہ داسباب کی قیمت دی گئی۔ اپنا اسباب جو لیجانا چاہیں اُن کو اطمینان سے فروخت کر لینے کا حکم دیا گیا۔ شام اور عراق میں مسلمانوں ہی کی حفاظت اور حکومت میں بڑے امن سے جا کر آباد ہوئے۔ عیسائی مورخ مانتے ہیں کہ عیسائیوں کی اس قوم کے ساتھ جو معاہدہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرما چکے تھے اور جو حقوق اُن کو دیچکے تھے خلفا ہمیشہ اُس کے پابند رہے اور اُن کی تعداد کے موافق جزیہ جو وہ ادا کرتے تھے ہمیشہ کم کردیا جاتا رہا۔ سرولیم میور بھی اس واقعہ کو بیان کر کے اُس سے کوئی بے انصافی کا پہلو نہیں نکال سکے کیونکہ اُس میں حقیقت اس قسم کی کوئی گنجایش نہ تھی وہ یہودی اور عیسائی اس طرح پر ملک بدر اور جلاوطن نہیں کیے گئے تھے جس طرح اس مہذب زمانہ کے ایک عیسائی شہنشاہ نے بدبخت یہودیوں کو اپنے ملک سے خارج اور جلاوطن کیا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو جو انصاف اور رحم اور کریمانہ برتاؤ غیر مذہب اقوام سے برتنا منظور تھا اور جس کو اُنھوں نے ہمیشہ برتا اس سے بڑھکر کیا ثبوت ہوسکتا ہے کہ وفات کے وقت جو اُنھوں نے تین وصیتیں کیں اُن میں سے ایک یہ تھی :-

"اوصی الخلیفۃ من بعدی بذمۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یوفی لہم بعہدہم وان یقاتل من ورائہم ولا یکلفوا فوق طاقتہم"

ترجمہ "میرے بعد جو خلیفہ مقرر ہوگا اُس کے لیئے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ پر وصیت کرتا ہوں کہ ذمیوں کے معاہدے کو بجالائے اور اُن کی حفاظت کے لیے اُن کے دشمنوں سے لڑے اور اُن کو طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دیجاوے"۔

عادات ۔ طرز زندگی ۔ طبیعت ۔ وفات ۔ حلیہ ۔
ازواج و اولاد ۔ خطوط ۔ خطبات ۔ اقوال ؛

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاص عادات اور طرز زندگی میں سب سے ممتاز اُن کی وہ انتہا درجہ کی اور سخت اور درشت سادگی ۔ کسر نفسی ۔ جفاکشی ۔ پرہیزگاری اور نفس کُشی ہے جو شارع اسلام علیہ التحیۃ والسلام کی پاک زندگی کی مبارک مثال کی پُوری تقلید اور پیروی سے تھی ۔ اسی میں اُن کی کامیابی کے بہت سے راز مخفی تھے اور آیندہ اسلامی دُنیا کے واسطے دین اور دُنیا کو مِلا کر رکھنے اور اُس میں رہنے کا ایک قابل تقلید نمونہ اور مثال تھی ؛

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور پیروی کرنا اور کرانا اُن کی زندگی کی غرض اور ایمان ہی تھا مگر حضرت صدیق اکبرؓ کی پیروی کرنا اور اُن کے نقشِ قدم پر چلنا بھی اُن کے نزدیک ویسا ہی ضروری تھا ۔ حضرت ابوبکرؓ کا اس درجہ ادب کرتے تھے کہ خلافت کے پہلے روز جب آپ منبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر خطبہ پڑھنے کے واسطے کھڑے ہوئے تو جس درجہ پر حضرت ابوبکرؓ پاؤں رکھتے تھے وہاں حضرت عمرؓ بیٹھے اور قدم زمین پر رکھے ۔ لوگوں نے کہا کہ جہاں حضرت ابوبکرؓ بیٹھتے تھے وہاں آپ کیوں نہیں بیٹھے تو کہنے لگے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاؤں کی جگہ بیٹھنا ہی میرے لیئے مناسب ہے[1] ۔ غرض حضرت ابوبکرؓ کے احکام اور وصیتوں اور اُن کے طرز عمل اور طرز زندگی کی پیروی کرنا بھی جو درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک زندگی کی ہی پیروی تھی اپنے واسطے ضروری جانتے تھے ۔ اُن کے عہد و معاہدوں کی پابندی ۔ اُن کے مقرر کیئے ہوئے وظائف اور روزینوں کو جاری رکھنا جس کی متعدد مثالیں بیان ہوئی ہیں اپنے پر لازمی سمجھتے تھے ۔ اور اُن کی اپنی طرز زندگی اور عادات ان دو مثالوں کی پیروی میں اس وقت ایک تیسری مثال تھی ۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا مبارک ذکر اُن کے کاموں اور فیصلوں میں ہمیشہ

[1] ازالۃ الخفا باب سیاست ۱۲

ہادی اور راہ نما ہو۔ ایک واقعہ اس کی اچھی مثال ہے۔ عبداللہ بن عباس بیان کرتے ہیں کہ حضرت عباسؓ کے مکان کا پرنالہ حضرت عمرؓ کے راستہ میں تھا۔ ایک جمعہ کے دن حضرت عمرؓ نے کپڑے پہنے۔ حضرت عباسؓ کے واسطے اُس روز دو چوزے ذبح کیے گئے تھے۔ حضرت عمرؓ جب پرنالہ کے نیچے سے گزرے تو خون ملا ہوا پانی اُن کے کپڑوں پر گرا۔ حضرت عمرؓ کو گھر واپس جاکر کپڑے بدلنے پڑے۔ پھر آکر نماز پڑھائی اور اُس پرنالہ کے اکھیڑ دینے کا حکم دیا۔ اس کے بعد حضرت عباسؓ اُن کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ یہ پرنالہ اُس جگہ پر ہے جہاں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اُس کو لگایا تھا۔ حضرت عمرؓ یہ سُن کر کانپ اُٹھے اور حضرت عباسؓ کو کہا کہ تمہیں خدا کی قسم ہے جب تک اُس پرنالہ کو وہیں نہ رکھدو اور کوئی کام نہ کرنا۔ چنانچہ وہ وہیں رکھا گیا۔ ایسے ہی ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے کعبہ سے سونا چاندی اُتار کر مُسلمانوں میں تقسیم کرنا چاہا۔ مسلمہ نے کہا کہ آپ ایسے نہ کرسکیں گے۔ کہنے لگے کیوں۔ (مسلمہ کہتا ہے) میں نے کہا اسلیئے کہ آپ کے دونوں صاحبوں نے نہیں کیا۔ کہنے لگے البتہ یہ درست ہے اور خاموش ہوکر چلے گئے۔ حسان ایک دن مسجد نبوی میں شعر پڑھ رہا تھا۔ حضرت عمرؓ جا پہنچے اور کہنے لگے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں تو شعر پڑھتا ہے۔ اُس نے جواب دیا جب بھی پڑھتا تھا جب تیرے سے اچھے اس میں ہوتے تھے۔ حضرت عمرؓ یہ جواب سُن کر خاموش ہوگئے ؎

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جس قسم کی سادہ زندگی بسر کرنے کی بناء پڑ گئی تھی، اسمیں اُن کی آخر زندگی تک سرِ مو فرق نہیں آیا۔ قیصر اور کسریٰ کے مُلکوں نے نہ اُن کے خزانوں اور دولتوں اور نہ اُن عیش و عشرت کے سامانوں نے جو اُن کے سامنے لائے جاتے تھے اُن میں کوئی تغیر پیدا کیا۔ بلکہ انہیں عرب کی سادہ زندگی میں تغیر پیدا کرنے کی رغبت اور اشتعال دلانے والے اسباب کے پیدا ہونے پر مُسلمانوں کی سادہ زندگی کے قایم رکھنے کی تدابیر کرنی پڑیں اور اپنے آپ کو اُن کے واسطے نمونہ بنانا پڑا۔ دنیا کی دولت اور خزانوں کو وہ بے حقیقت اور اُس دولت لازوال کے سامنے جس سے خدا کی رحمت نے اُن کے دلوں کو مالا مال اور منوّر کردیا تھا حقیر اور ہیچ سمجھتے تھے۔ کسریٰ کے خزانوں اور سونے چاندی کے انباروں نے اگر حضرت عمرؓ کی طبیعت پر کچھ اثر کیا تو یہ تھا کہ جب وہ خزانے اُن کے سامنے آئے تو آپ اُن کو دیکھکر رونے لگ گئے۔ عبدالرحمن نے کہا۔ یا امیرالمومنینؓ یہ شکر اور خوشی کا وقت ہے۔ آپ روتے کیوں ہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ کسی قوم میں ان کی زیادتی اُن کے درمیان عداوت اور بغض کے پیدا ہونے کی دلیل ہے[له]۔ دولت دنیا کے انجام سے بھی وہ ناواقف نہیں تھے۔ غرض وہی موٹے اور پُرانے اور پھٹے ہوتے اور پیوند لگے ہوتے کپڑے اور کھانے پینے کی سادہ چیزیں اُن کی پوشاک اور خوراک کی خصوصیتیں تھیں جن میں کبھی فرق نہیں آیا ؎

زید بن وہب کا قول ہے کہ میں نے حضرت عمرؓ کو بازار میں جاتے ہوئے دیکھا اُن کے اوپر ایک چادر

له ازالۃ الخفا باب تصوف و سلوک ذم الدنیا

تھی جس میں چودہ[۱] پیوند لگے ہوئے تھے اور بعض اُن میں چمڑے کے تھے - زید بن ثابت بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت
عمرؓ کو ایک چادر اوڑھے ہوئے دیکھا جس میں سترہ پیوند لگے ہوئے تھے - میں یہ دیکھکر رو پڑا اور روتا ہوا گھر چلا گیا۔ انس
کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں میں اُن کو دیکھتا تھا کہ اُن کے کندھوں کے درمیان کُرتے میں تین یا چار
پیوند اوپر تلے لگے ہوئے ہیں[۲]۔ ابو عثمان نہدی کا قول ہے کہ میں نے حضرت عمرؓ کے تہبند میں چمڑے کا پیوند
دیکھا - زر کہتا ہے عید کے دن میں نے اُن کو ننگے پاؤں دیکھا - جب حضرت عمرؓ دوسری دفعہ شام میں گئے اور
ایلیا ایک عیسائیوں کی بستی میں جہاں آپ کی سادگی اور سادہ وضع کے سبب کوئی اُن کو پہچان نہیں سکا تھا اور حضرت
عمرؓ ہی سے لوگ پوچھتے تھے کہ امیر المومنین کہاں ہیں - ایک عیسائی پادری اسقف کے ہاں ٹھہرے تھے -
آپ کا پیراہن پالان شتر کی چوب سے اُلجھ کر پیچھے سے پھٹ گیا تھا - حضرت عمرؓ نے وہ اپنے میزبان کو دیا کہ وہ
اُسکی مرمت کر دے - اُس نے اُس کی مرمت کر دی اور ایک کُرتہ باریک کپڑے کا جو گرمی کے اُس موسم کے سفر
کے واسطے زیادہ موزوں تھا تیار کرا کر لایا اور حضرت عمرؓ کے پیش کیا کہ اس کو بھی پہنیئے - حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ
نے کہا کہ یہ میرا موٹے کپڑے کا کُرتہ میری عادات کے واسطے زیادہ مناسب ہے اور وہ نرم کپڑے کا اُسکو پھیر دیا[۳]۔
اسی طرح شام میں داخل ہونے کے وقت عرب سرداروں نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ شام کے رؤسا اور اُمراء آپ کے
پاس آتے ہیں یہ شایاں نہ ہوگا کہ اِس لباس میں آپ کو دیکھیں - حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ ہمکو اللہ نے اسلام ہی سے
عزت دی ہے - پس ہم لوگوں کے کہنے سُننے کی کچھ پرواہ نہیں کرتے[۴] ؎

یسار بن نمیر کا قول ہے کہ میں حضرت عمرؓ کے لیئے کبھی آٹا چھانا نہیں کرتا تھا اس کے خلاف کرنے سے
وہ ناراض ہوتے تھے اور اُنہوں نے اپنی عمر بھر میں گھی اور چربی اور زیتون کے سوا کوئی خوشبو نہیں استعمال کی[۵]
انس بیان کرتے ہیں - کہ حضرت عمرؓ کے واسطے خشک کھجوروں کا ایک صاع رکھا جاتا تھا وہ اُس کو ردی کھجوروں
تک کھا لیتے تھے[۶] قحط کے زمانے میں جب غلہ وغیرہ گراں ہوگیا تو حضرت عمرؓ نے جَو کی روٹی کھانی شروع کی
مگر وہ اُن کے معدے کے موافق نہ آئی اور تکلیف دینے لگی - اِس حال میں وہ اپنے پیٹ پر ہاتھ پھیر کر کہا کرتے تھے
کہ خدا کی قسم اس کے سوا اَور کچھ نہیں ملیگا جب تک خدا مسلمانوں کو ارزانی نہ بخشے[۷] ایک دفعہ عراق سے کچھ لوگ
آپ کے پاس آئے اور حضرت عمرؓ کے ساتھ کھانا کھانے لگے تو اُنہوں نے دیکھا کہ وہ لوگ طیب خاطر سے کھانا
نہیں کھاتے تو فرمانے لگے کہ اے اہل عراق اگر میں چاہتا تو میرے واسطے پُر تکلف کھانا تیار ہو سکتا تھا لیکن
ہم اپنی دنیا سے یہاں کے بدلے آخرت میں حاصل کرنے کے واسطے ذخیرہ کرتے ہیں اور پھر یہ آیت پڑھی[۸]
اذهبتم طيباتكم فى حيٰوتكم الدنيا واستمتعتم بها - ایسے ہی ایک دن عطبہ بن فرقد اُن کے پاس

---

۱ و ۲ ازالۃ الخفا باب تصوف و سلوک
۳ ازالۃ الخفا و ہسٹری آف خلافت صفحہ ۲۲۶ و طبری صفحہ ۹۰ ۴
۴ تا ۸ ازالۃ الخفا باب تصوف و سلوک

گئے اور دیکھا کہ حضرت عمرؓ شامی خشک روٹی کوٹ رہے تھے اور پنیر کی چھاچھ بنا رہے تھے۔ اُس نے کہا یا امیر المومنینؓ۔ کاش آپ حکم کرتے کہ اس سے نرم طعام آپ کے واسطے پکایا جاتا۔ حضرت عمرؓ نے اس کا جواب ایک آیت کے پڑھ دینے سے دیا۔ ایسے ہی ایک دفعہ یزید بن ابوسفیان کی نسبت سُنکر کہ وہ طرح طرح کے کھانے کھاتا ہے اُسکے کھانے پر پہنچے اور سادہ قسم کے کھانے سے پیٹ بھر کر اُس کے ساتھ کھالیا اور پھر اُسکو نصیحت اور ہدایت کی کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے خلاف کرنے سے اُن سے چھوٹ جائیگا۔ غرض روٹی اور گوشت اور زیتون اور گھی اور دودھ۔ ترکاری اور سرکہ اور کھجور وغیرہ اُن کے کھانے کی کُل چیزیں تھیں۔ لیکن ایک وقت میں دو چیزیں کھانے پر کبھی نہیں کھاتے تھے۔ اگر ایسا کھانا سامنے آتا تھا تو اُٹھوا دیتے تھے جیسے کئی دفعہ واقع ہوا۔ اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میں سے جو لوگ ایسی ہی سادگی کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے اُنکی تعریف و توصیف کرتے تھے۔ عمرو بن عیینیؓ نے ایک دفعہ کہا کہ میں شوخ کپڑے کو کبھی نہ پہنونگا اور رات کو نرم بستر پر نہ سوؤں گا اور نہ تراشے گھوڑے پر کبھی سوار نہ ہوں گا اور اپنے پیٹ کو روٹی سے کبھی نہ بھروں گا۔ حضرت عمرؓ نے یہ سُنا تو فرمایا کہ جو شخص رسول اللہ صلعم کے ہدی کی طرف دیکھنا چاہے وہ عمرو بن عیینی کو دیکھے[1]۔

ایک دن اپنے بیٹے عاصم کو گوشت کھاتے دیکھکر اُس سے سوال کیا۔ اُس نے کہا کہ گوشت کو میرا دل چاہتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ جس چیز کو تیرا دل چاہے گا تو اُسے ہی کرے گا۔ آدمی کا یہی اسراف ہے کہ جس چیز کو اُس کا دل چاہے وہی کھائے[2]۔ اسلمؓ کا غلام بیان کرتا ہے کہ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ میرا دل تازہ مچھلی کو چاہتا ہے۔ یرفا کو مچھلی لینے کے واسطے بھیجا اور وہ کئی روز میں مچھلی خرید کر لایا۔ حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ اُنکی سواری کے گھوڑے کو بہت تکلیف ہوئی ہے تو اپنی اس خواہش پر افسوس کیا اور وہ مچھلی نہ کھائی[3]۔

ایسی ہی سادگی سے آپ سفر کرتے تھے۔ کوئی سامان سفر کا نہیں ہوتا تھا۔ عبداللہ بن عامر بن ربیعہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عمرؓ کے ہمراہ حج کو گیا۔ وہ کبھی کوئی خیمہ یا چھولداری لگا کر نہیں رہتے تھے۔ دھوپ کے وقت کبھی چادر اور کبھی چمڑا اس پر بیٹھا کرتے تھے درخت پر ڈال کر اُس کے سائے میں آرام لے لیتے تھے[4]۔

اپنی ضرورتوں کے خود پورا کرنے کو ترجیح دیتے تھے۔ گشت کرتے ہوتے بازار سے خود خرید و فروخت کرلاتے تھے۔ اصبغ بن نباتہ کا قول ہے کہ گویا میں حضرت عمرؓ کو دیکھ رہا ہوں کہ داہنے ہاتھ میں دُرّہ ہے اور بائیں میں گوشت لٹکائے ہوئے بازار سے گھر کی طرف جارہے ہیں[5]۔ ایک روز وہ اپنے اصحاب کے پاس دیر میں عشا کے وقت آئے تو لوگوں نے دیر کا سبب پوچھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالے عنہ نے جواب دیا کہ میں نے اپنے کپڑوں کو دھویا تھا جب وہ

---

[1] ازالۃ الخفا تصوف وسلوک

[2] سیوطی

[3] سیوطی و ازالۃ الخفا

[4] ازالۃ الخفا و سیوطی

[5] ازالۃ الخفا

سوکھ گئے تو مٹی تمہارے پاس آیا تو

اس قسم کی کئی ایک روایتیں کہ اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور اور لوگوں نے حضرت عمرؓ کو بقائے قوت اور اظہار عزت و شوکت وغیرہ کے خیال سے اس طرز زندگی کو بدلنے اور خوراک اور پوشاک اس سے بہتر استعمال کرنے کے واسطے کہا مگر حضرت عمرؓ نے ایسی صلاحوں کو کبھی قبول نہ کیا۔ ہم ایک روایت اُن میں سے بیان کریں گے کہ ایک دن اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میں سے مہاجرین وغیرہ بپاس کے قریب جمع ہوئے اور آپس میں باتیں کرنیلگے کہ اس شخص (حضرت عمرؓ) کے زہد اور جبّہ کو تم دیکھتے ہو کہ کس قسم کا ہے۔ اللہ نے اُس کے ہاتھ پر قیصر اور کسریٰ کی ولایتیں اور مشرق و مغرب کے اطراف فتح کردیئے۔ عرب اور عجم کے قاصد اُن کے پاس آتے ہیں اور اس جبہ کو جس میں بارہ پیوند لگے ہوئے ہیں دیکھتے ہیں۔ کاش تم لوگ اُن کو یہ صلاح دیتے کہ اس جبہ کے بجائے عمدہ نرم کپڑا پہنتے جس سے اُن کی شان و شوکت ظاہر ہوتی اور اُن کا دسترخوان ایسا وسیع ہوتا کہ صبح و شام انصار و مہاجرین اُن کے ساتھ کھانا کھاتے۔ سب نے تجویز کی کہ حضرت علیؓ سے اُن کو کہلوایا جائے۔ حضرت علیؓ سے جب گفتگو ہوئی تو اُنھوں نے فرمایا کہ ازواج النبیؐ سے کہو۔ وہ امہات المومنین ہیں اُن سے کہلوانا اچھا ہوگا۔ احنف بن قیس بیان کرتا ہے کہ حضرت عائشہؓ اور حفصہؓ سے درخواست کی گئی کہ وہ کہیں۔ حضرت حفصہؓ نے کہا کہ میں نہیں خیال کرتی کہ وہ اسکو مانیں۔ مگر کہنے میں کچھ حرج نہیں نتیجہ ابھی ظاہر ہو جائے گا۔ آخر یہ دونوں اُن کے پاس گئیں اور یہ ذکر کرنا شروع کیا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کا زمانہ تو اس طرح گزر گیا کہ نہ اُنھوں نے دنیا کا ارادہ کیا اور نہ دنیا نے اُن کا ارادہ کیا۔ تمہارے ہاتھ پر خدا نے قیصر اور کسریٰ کے خزانے کھول دیئے ہیں اور مُلک فتح ہو گئے ہیں۔ عرب اور عجم کے قاصد تمہارے پاس آتے ہیں اور یہ جبہ جس میں بارہ پیوند لگے ہوئے ہیں تمہارے اوپر دیکھتے ہیں۔ اچھا ہو کہ آپ اسکو بدل دیتے اور باریک کپڑا پہنتے اور دسترخوان کو وسیع کرتے۔ حضرت عمرؓ یہ باتیں سن کر رونے لگ گئے اور پھر اُن سے مخاطب ہو کر کہنے لگے کہ تم بتاؤ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کبھی اپنی زندگی میں گیہوں کی روٹی دس دن یا پانچ دن یا تین دن بھی شکم سیر ہو کر کھائی ہو۔ یا ہمیشہ دونوں وقت کھانا میسر آیا ہو۔ اُنھوں نے جواب دیا کہ نہیں پھر کہنے لگے کہ تم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زوجہ اور امہات المومنین ہو۔ اور تمہارا سب مومنوں پر اور خاصکر مجھ پر حق ہے تم میرے پاس آئیں۔ لیکن تم نے مجھے دنیا کی رغبت دی اور میں جانتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُون کا جُبّہ پہنا کرتے تھے جس کی سختی سے کئی دفعہ اُن کا جسم مبارک چھل گیا۔ کیا تم اسکو نہیں جانتی ہو۔ اُنھوں نے جواب دیا ہاں پھر کہنے لگے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی نرم بستر پر نہیں سوئے۔ کیا تمہارے گھروں میں کوئی فرش یا بچھونا بچھانے کے واسطے تھا۔ کیا چٹائی کے نشان اُن کے پہلوؤں میں نہیں پڑ جاتے تھے۔ اے حفصہؓ۔ کیا تو نے ایک دفعہ نہیں بیان کیا تھا کہ تو نے ایک دن کپڑے کو دوتہ کر کے اُن کے نیچے بچھا دیا تھا اور وہ اُسکی نرمی

کے سبب سے ایسے سوگئے کہ بلالؓ کی اذان کی آواز سے پہلے نہ اُٹھے اور مجھ کو فرمانے لگے کہ اے حفصہ تو نے آج کیا کیا کہ کپڑا دوھرا کر کے بچھا دیا جس کے سبب سے میں صبح تک سوتا رہا اور فرمایا تھا کہ میرا اور دنیا کا کیا علاقہ ہے اور نرم بستروں سے میرا کیا کام ہے۔ کیا تم نہیں جانتیں رسول اللہ مغفور من ذنبہ ما تقدم و ما تاخر تھے لیکن ہمیشہ بھوک اور بیداری اور رکوع و سجود اور گریہ و زاری اور عجز و نیاز بدرگاہ باری و بیقراری میں رات دن گزرتی تھی یہاں تک کہ خدا نے اُن کو اپنی رحمت اور رضوان کی طرف بلا لیا۔ عمرؓ نہ کھاویگا اور نہ پہنے گا۔ اُسکی حالت اُس کے دونوں صاحبوں کے مانند رہیگی۔ وہ ترکاریوں میں سوائے زیتون کے جمع نہ کرے گا۔ اور مہینے میں ایک دفعہ سے زیادہ گوشت نہ کھائے گا۔ غرض وہ ..... یوں ہی کرتی آئیں اور اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اسرار معلوم تھا۔ آپ کو جب کبھی ابرشم کی ملائم اُن کو دی جاتی تھی تو وہ کہہ اٹھتے تھے کہ میں حق سے اپنے دو صاحبوں کی طرح اس لیے بسر کرتا ہوں کہ شاید نرمی اور آرام میں خدا مجھ کو اُن کے ساتھ شریک کر دے[1]۔

حضرت عمرؓ اہل فوج کو دھوپ کھانے اور موٹا کپڑا پہننے کے سوا گھوڑوں پر رکاب کے سہارے بغیر سوار ہونے کی ہدایت کیا کرتے تھے اور خود بھی اسکی پابندی کرتے تھے۔ گھوڑے کے کان تھام کر اچک کر اُس کے اوپر جا بیٹھتے تھے۔

حسنؓ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالے عنہ کا ذکر کرتے تو کہا کرتے کہ خدا کی قسم وہ اسلام میں اول نہیں تھے اور نہ نفقہ فی سبیل اللہ میں افضل تھے۔ مگر یہ کہ وہ زہد فی الدنیا اور احکام فی امر اللہ میں لوگوں پر غالب آئے۔ خدا کے کاموں میں وہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے تھے[2]۔ معاویہ کا قول ہے کہ" حضرت ابوبکرؓ نے دنیا کی خواہش کی اور نہ دنیا نے ان کی خواہش کی۔ حضرت عمرؓ کو دنیا چاہتی رہی مگر انہوں نے اُس کی کچھ پرواہ نہ کی اور ہم لوگ دنیا میں پھنس گئے[3]"۔ ابن عباسؓ سے کسی نے حضرت ابوبکرؓ کی نسبت پوچھا۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ وہ کل کے کل خیر تھے" اور حضرت عمرؓ کی نسبت پوچھا تو کہنے لگے کہ" وہ ہوشیار پرندہ کی طرح تھے جو چاروں طرف دام پھنس جانے سے ڈرتا رہتا ہو"[4]۔

حضرت عمرؓ کی طبیعت میں جو سختی اور درشتی ابتدا میں پائی جاتی تھی اُس سے اُن کے اپنے زمانہ خلافت میں بالکل مفقود ہو جانے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کو اپنی طبیعت پر کس درجہ قابو اور ضبط کی قدرت تھی۔ حضرت عمرؓ نے جس خطبہ کے ساتھ اپنی خلافت کو شروع کیا اُس میں اُنہوں نے کہا کہ" اے خدا میں ضعیف ہوں مجھے قوت دے اور میں سختی کرنے والا ہوں مجھے نرمی دے اور میں بخیل ہوں مجھے سخی کر دے[5]"۔ اُن کے آغاز خلافت میں جو لوگ

---

[1] ازالۃ الخفا باب تصوف و سلوک
[2] ازالۃ الخفا باب تصوف و سلوک
[3] ازالۃ الخفا باب تصوف و سلوک
[4] سیوطی
[5] سیوطی
[6] ازالۃ الخفا باب سیاست

اُن کی سختی کی طرف سے خوف ظاہر کرتے تھے اُسکو سُن کر اُنہوں نے ایک خطبہ میں آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضہ کے زمانہ میں اپنی سختی کے سبب کو جسے ہم بیان کر چکے ہیں بیان کیا اور اپنی خلافت میں نرمی کرنے کا اطمینان دلایا۔ اور اُن کا تمام برتاؤ اُن الفاظ کے مطابق رہا۔ سعید بن مسیب اور ابوسلمہ بن عبدالرحمان نے اُن کے اسی خطبہ کی طرف اشارہ کر کے کہا ہے کہ "خدا کی قسم عمر رضہ نے وفا کی۔ وہ سختی کے موقع پر سختی میں اور نرمی کے موقع پر نرمی میں زیادہ ہوئے" سر ولیم میور کا قول ہے کہ "جوانی میں وہ آتش مزاجی اور بے صبر طبیعت کے سبب سے مشہور تھے اور نیز پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کے پچھلے دنوں میں بھی وہ بدلہ اور سزا کے تند اور سخت وکیل تھے۔ تلوار کو نیام سے نکالنے کے واسطے ہمیشہ تیار رہتے تھے اور یہی تھے جنہوں نے بدر میں تمام قیدیوں کے قتل کر دینے کا مشورہ دیا تھا۔ لیکن عمر رضہ اور اپنے عہدہ کے بوجھ نے اُن کی طبیعت کی سختی کو نرم کر دیا تھا[۵۱]" حضرت عمر رضہ کی طبیعت کی نرمی اور مساکین اور مصیبت زدوں کی مدد کرنے میں مصروف رہنے اور تواضع کرنے کے واقعات اور مثالیں بیان ہو چکی ہیں اور اور بھی اس قسم کے واقعات ہیں کہ مثلاً ایک دن ایک اپاہج معذور شخص کو دیکھ کر اُس کی کیفیت دریافت کرنے بیٹھ گئے اور اُس کی معذوری اور حال کو دیکھ کر روئے اور اُس کا وظیفہ مقرر کر دیا۔ مگر ہم اب اس باب کو ایسے واقعات سے طوالت نہیں دینا چاہتے۔ عام طور پر احسان اور شفقت کرنے کے واقعات بھی بیان ہوئے ہیں کہ ایک دفعہ اُن کے رشتہ داروں میں سے کسی شخص نے اُن سے بیت المال سے کچھ مانگا۔ حضرت عمر رضہ نے اُسے جھڑک دیا اور کہا کہ شاید تو چاہتا ہے کہ خدا کے سامنے میں خائن بن کر جاؤں۔ مگر اپنے مال سے اُسکو دس ہزار (یا ایک ہزار) درہم دیئے[۵۲]۔ اسی طرح اسد بن حضیر کا جب انتقال ہوا تو وہ حضرت عمر رضہ کے واسطے ایک تحریری وصیت چھوڑ گیا۔ اُس کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ وہ چار ہزار کا مقروض ہے۔ حضرت عمر رضہ نے اپنا کھجوروں کا باغ چار سال کے واسطے چار ہزار کے عوض میں گرو کر کے اُس کا قرضہ ادا کر دیا[۵۳]۔ ایسی ہی وہ فیاضی بھی کرتے تھے مگر اُن کے ساتھ جو درحقیقت مستحق ہوتے تھے اور اسکی بہت سی مثالیں گذر چکی ہیں۔ غصہ آتا تھا تو اسکو دُور کرتے تھے۔ ایک دن غصہ میں آئے تو پانی مانگا اور ناک میں ڈالا اور کہنے لگے کہ غضب شیطان ہے اور اسی طرح دُور ہوتا ہے[۵۴]۔

حضرت عمر رضہ کی طبیعت سے گو ابتدائی سختی اور درشتی جاتی رہی تھی مگر اِسکا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ سوائے نرمی کے کچھ نہیں کرتے تھے بلکہ یہ کہ جہاں سختی مناسب ہوتی تھی سختی۔ اور جہاں نرمی واجب ہوتی تھی وہاں نرمی کرتے تھے۔ اُن کا رُعب جیسا کہ بادشاہ اور معلم وغیرہ کا ہونا چاہیئے دلوں میں جو تھا۔ یہ مشہور ہے کہ لوگ اَوروں کی تلوار سے اتنا نہیں ڈرتے تھے جتنا کہ اُن کے دُرّے سے ڈرتے تھے جسکو اُنہوں ہی نے سب سے اوّل بنایا تھا۔ انگریزی مورخ لکھتا ہے کہ "دُرّہ ہاتھ میں لیئے وہ مدینہ کے کُوچوں اور بازاروں میں پھرتے تھے اور واردات کے موقع پر ہی

---

[۵۱] انلز آف خلافت صفحہ ۲۸۴

[۵۲] طبری و ازالۃ الخفا

[۵۳] ازالۃ الخفا

[۵۴] ازالۃ الخفا تصوف و سلوک

مجرم کو سزا دینے کو تیار رہتے تھے۔ اور یہ بات ضرب المثل ہوگئی کہ حضرت عمرؓ کا درّہ دوسروں کی تلوار سے زیادہ خوفناک ہے۔ مگر باایں ہمہ وہ رحمدل تھے اور یتیموں و بیواؤں کی مدد کرنے اور حاجت روائی کرنے کے بے شمار حالات بیان کیئے گئے ہیں[۵۱]۔ اصل یہ ہے کہ اُن کا رعب اور جلال کچھ مصنوعی بھی نہیں تھا کہ بدلنے سے بدل سکتا۔ یہ اُن کی صورت سے قدرتی طور پر نمایاں تھا چنانچہ سفر شام میں جب آپ اسقف پادری کے گھر میں ٹھہرنے کے واسطے جا رہے تھے تو اُس نے دیکھ کر حضرت عمرؓ کو پہچان لیا کہ یہی امیر المومنینؓ ہیں۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ تو نے مجھ کو کیونکر پہچانا۔ حالانکہ تو نے کبھی مجھ کو دیکھا نہ تھا اُس نے جواب دیا کہ اس ہیبت سے جو آپ کے چہرے سے ظاہر ہوتی ہے[۵۲]۔ ایک اور واقعہ جو مختلف طرح سے بیان کیا جاتا ہے اُس کی عمدہ مثال ہے کہ قیصر روم نے ایک دفعہ حضرت عمرؓ کے پاس ایک سفیر بھیجا اور بعض روایات میں ہے کہ اُن کو قتل کرنے کی غرض سے جبلہ کے بہکانے سے ایک شخص بھیجا۔ وہ سمجھا کہ ایسے زلزلہ کا شخص ہے تو اُس کی کوئی بڑی بارگاہ ہوگی۔ یہاں مدینہ میں آ کر دیکھا تو رہنے کا جھونپڑا تک ٹھیک نہیں ہے۔ اور امیر المومنینؓ ہیں کہ اُن کا کہیں پتہ نہیں ملتا۔ آخر ایک بڑھیا نے بتایا کہ ابھی تھوڑی دیر ہوئی فلاں نخلستان میں چھوڑ کے چلی آتی ہوں۔ سفیر نے جا کر دیکھا تو واقعی ایک درخت کے تلے پڑے سوتے ہیں۔ جاگے تو اپنا مطلب عرض کرنا چاہا۔ مگر مارے ہیبت کے نہ قدم آگے کو اُٹھتا تھا اور نہ بات موُنھ سے نکلتی تھی۔ سر سے پاؤں تک کھڑا تھر تھر کانپ رہا تھا۔

ہیبت حق است ایں از خلق نیست

ہیبت ایں مرد صاحب دلق نیست

آپ ہنستے کم تھے جو رُعب و ہیبت کی ایک یہ بھی خاصیت تھی۔ اور تعریف کو پسند نہ کرتے تھے۔ ایک دن ایک شخص نے اُن کی تعریف کی تو کہنے لگے کہ کیا تو مجھے اور اپنے نفس کو ہلاک کرتا ہے۔ حضرت عمرؓ کے ارادے کی مضبوطی اور نیکی کرنے اور نیکی کرانے اور نیکی کی تعلیم کرنے کی مضبوط قوت نے اُن کی نسبت کہلایا ہے کہ شیطان اُن سے عاجز رہتا ہے اور جس راستہ سے وہ جاتے ہیں شیطان اُس راستہ سے نہیں گزرتا۔ اُن کی اس عجیب و غریب قوت کے تصور نے لوگوں کے دلوں پر عجیب اثر کیا ہے کہ جن لوگوں کو رات کو بُرے خواب آتے ہیں وہ شیطان کو ڈرانے کے واسطے اُن کا نام چھاتی پر اُنگلی سے سوتے وقت لکھتے ہیں اور اس یقین سے بُرے خوابوں سے محفوظ رہتے ہیں[۵۳]۔

حضرت عمرؓ کا زہد و تقویٰ اور عبادت اور خدا ترسی اُنہیں کے ساتھ خاص ہے۔ ادائے فرائض میں اُن کی قوّت ہزمانے میں ہدایت کرنے والی ہوگی۔ ایک دفعہ مغرب کی نماز قضا ہو جانے میں اُس کے عوض میں ایک غلام آزاد کیا[۵۴]۔

---

[۵۱] انلس آف خلافت صفحہ ۲۸۵ [۵۲] طبری صفحہ ۴۹۰

[۵۳] ازالۃ الخفا باب تصوف و سلوک

سعید بن مسیب کا قول ہے کہ حضرت عمرؓ آدھی رات کی نماز کو محبوب سمجھتے تھے[1] زید بن اسلم کے باپ سے بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عمرؓ رات کو جس قدر ہو سکتا تھا نماز پڑھتے تھے جب آخر رات ہوتی تو اپنے اہل کو بھی نماز کے لیئے جگاتے اور "الصلوٰۃ الصلوٰۃ" کہکر اُن کو پکارتے اور یہ آیت پڑھتے۔

وأمر أهلك بالصلوٰة واصطبر عليها لا نسئلك رزقاً۔ نحن نرزقك والعاقبة للتقوىٰ؛

جس رات آپ زخمی ہوئے ہیں صبح کی نماز کے واسطے اُٹھے اور کہنے لگے کہ جو شخص نماز کو ترک کرے اُسکو اسلام سے کچھ حظ حاصل نہیں ہے۔ اس کے بعد نماز پڑھی اور زخم سے خون بہ رہا تھا۔ آپ کہا کرتے تھے کہ صبح کی نماز میں جماعت کے لیئے حاضر ہونا مجھے تمام رات کھڑے رہنے سے زیادہ محبوب ہے[2]؛

جب رمضان کا مہینہ آتا تو آپ کو نہایت خوشی ہوتی اور کہتے کہ پاک اور پاک کرنے والے کو مرحبا۔ یہ کُل کا کُل خیر ہے[3]۔ عبداللہ بن عمرؓ راوی ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی وفات سے پہلے دو سال پے در پے روزے رکھے ہیں[4]؛

زمانۂ خلافت میں ہر سال آپ حج کے واسطے جاتے تھے صرف اپنی خلافت کے پہلے سال میں عراق اور شام کے خدشوں کے سبب سے نہیں جا سکے۔ تین دفعہ عمرہ کے واسطے گئے[5] آپ کہا کرتے تھے کہ جاڑا عبادت کرنے والے کے واسطے غنیمت ہے اور جب رات کو کھڑے ہوتے تو کہتے خدایا تو میرے درجے کو دیکھتا ہے اور میری حاجت کو جانتا ہے۔ تو ہی میری حاجت روائی کر تاکہ میں فلاح اور آرام پاؤں اور میری دعائیں مقبول ہوں پہلے بھی تو نے مجھے معاف کیا اور رحم کیا۔ نماز ادا کرنے کے بعد دعا مانگتے کہ خدایا دنیا میں کوئی چیز قایم رہنے والی نہیں ہے اور نہ کوئی حالت برقرار رہنے والی ہے۔ خدایا تو مجھے ایسا کر دے کہ میں اس میں علم کے ساتھ بولوں اور حلم کے ساتھ خاموش رہوں۔ خدایا مجھے بہت دنیا نہ دے کہ شاید میں سرکش ہو جاؤں اور نہ بہت تھوڑی کہ شاید تجھے بھول جاؤں پس تھوڑی ہو اور کافی ہو۔ اس سے بہتر ہے کہ زیادہ ہو اور لہو میں ڈالے[6]؛

خوف خدا سے ہر وقت کانپتے اور ڈرتے اور گریہ وزاری کرتے تھے۔ اکثر اوقات آپ معصوم بچوں کو پکڑ کر کہتے کہ تم میرے لیئے خدا سے دعا مانگو[7] حضرت علی اور امام حسن اور امام حسین علیہم السلام کے پاس کھڑے ہوئے ایک دن رونے لگ گئے کہ معلوم نہیں میں نے اُمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حکومت کرنے میں بُرا کیا ہے یا بھلا کیا ہے[8]۔ حسنؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ اپنے ورد میں رویا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ منہ کے بل گر پڑتے تھے اور کئی دن تک گھر میں مریض رہتے تھے[9] ایک دفعہ انہوں نے سورہ اذا الشمس کو پڑھا

---

۱ ازالۃ الخفا باب تصوف وسلوک ــــ ۲ تا ۴ ازالۃ الخفا

۵ انلس آف خلافت صفحہ ۲۶۳

۶ تا ۹ ازالۃ الخفا

جب واذا الصحف نشرت تک پہنچے تو بیہوش ہو کر گر پڑے اور کئی روز تک بیمار رہے[۱]
ایک دن ایک شخص کے مکان کے پاس سے گزرے جو نماز میں سورۂ طور پڑھ رہا تھا۔ حضرت عمرؓ سننے کے واسطے کھڑے ہو گئے جب وہ ان عذاب ربک لواقع پر پہنچا تو یہ اپنی سواری سے اتر پڑے اور بیہوشی میں اُس کی دیوار کے ساتھ تکیہ لگا کر بیٹھ گئے اور دیر تک بیٹھے رہے۔ آخر اپنے گھر پہنچے جہاں ایک مہینہ تک بیمار رہے لوگ اُن کی بیماری کو آتے تھے مگر کسی کو بیماری کا سبب نہیں معلوم ہوتا تھا[۲]۔

عبداللہ بن عیسیٰ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے چہرے پر رونے کے باعث دو کالے داغ پڑ گئے تھے[۳]۔ انس بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیوار کے پیچھے سے حضرت عمرؓ کو کہتے ہوئے سنا کہ "اے واہ عمر خطاب تو امیر المومنین ہے واللہ اے ابن خطاب تو خدا سے ڈرتا رہ ورنہ اللہ تجھے عذاب دیگا"[۴]۔ عبداللہ بن عامر بن ربیعہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حضرت عمرؓ نے ایک دفعہ ایک تنکا زمین پر سے اٹھا لیا اور کہنے لگے کہ کاش میں یہ تنکا ہی ہوتا اور کاش میری ماں مجھے نہ جنتی[۵]۔ ایک دفعہ ایک سائل نے آکر کپڑے کا سوال کیا۔ حضرت عمرؓ نے کہا اگر میں نہ دوں تو کیا۔ اُس نے جواب دیا کہ میں چلا جاؤں گا۔ حضرت عمرؓ نے کہا تو پھر کیا ہوگا۔ اُس نے جواب دیا کہ:۔

تکون عن حالی لتسئلنہ	پھر یہ ہو گا کہ میرے حال سے تجھ سے سوال ہو گا
یوم تکون الاعطیات جنتہ	جس دن کہ صدقات ڈھال بنیں گے۔
والوقف المسئول یھتنیہ	اور مسئول سوچا ہو گا کہ۔
اما الی نار واما الی جنتہ	میں دوزخ کی طرف جاؤں یا بہشت کی طرف

حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ اس جواب کو سن کر رو پڑے اور اُسے کپڑا دیکر رخصت کیا۔ دنیا کی بے ثباتی کا خیال کسی وقت آپ کو بھولتا نہ تھا۔ ایک فرج میں جاتے ہوئے ضجنان کے جنگل میں اپنے بچپن کے دنوں کو یاد کیا اور اپنی موجودہ ذمہ داریوں کا خیال کیا اور یہ اشعار پڑھنے لگے:۔

لاشئ مما یری تبقی بشاشتہ	کوئی چیز ایسی نہیں جس کی تازگی باقی رہتی دیکھی جائے۔
یبقی الالہ ویودی المال والولد	اللہ باقی رہیگا اور مال اور اولاد سب فنا ہو جائینگے۔
لم تغن عن ھرمز یوما خزائنہ	ہرمز سے اُسکے خزانوں نے ایک دن بھی موت کو نہ ٹلایا۔
والخلد قد حاولت عاد فما خلدوا	اور عاد نے ہمیشہ رہنے کا ارادہ کیا پس وہ نہ رہ سکا۔
ولاسلیمان اذ تجری الریاح لہ	اور نہ سلیمان جبکہ ہوائیں اُس کے تابع جاری ہوتی تھیں۔
والانس والجن فیما بینھا یرد	اور نہ آدمی اور جن جو اُس کے آگے رہتے تھے۔

[۱] و [۲] ازالۃ الخفا
[۳] ازالۃ الخفا و سیوطی
[۴] و [۵] سیوطی

این الملوک التی کانت منازلہا	وہ بادشاہ کہاں ہیں جن کی منزلوں میں ۔
من کل ادب الیہا راکب لغد	ہر ایک طرف سے سوار آیا کرتے تھے ۔
حوض ھنالک مورود بلا کذب	یہاں تک ایک حوض ہے جس پر ضرور وارد ہونا ہے ۔
لابد من وردہ یوما کما وردوا	اُس پر اُترنے سے کسی کو چارہ نہیں جیسے وہ اُس میں اُترے ۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالے عنہ کی مُہر پر یہ عبارت کندہ تھی "کفی بالموت واعظاً یا عمر" ایک انگریزی مورخ نے اُن کی خلافت کی مہر کا کندہ حرف اُن کا نام یُوں دکھایا ہے ۔

عمر

حضرت عمر رضہ کی اس سخت اور درشت اور ڈرانیوالی صورت کے نیچے ایک دل تھا جو خوفِ خدا اور خدا اور رسول صلعم کی محبت میں پگھلا اور گھلا ہوا تھا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مُبارک زمانے کی یاد اور اُن کی یادگاروں کو دیکھنا اور سُننا اُن کی آنکھوں سے خون کے آنسو نکال لاتا تھا۔ دوسرے سفر شام کا ایک واقعہ پڑھکر تمام محبت والے دل بھر آتے ہیں کہ جب حضرت عمر رضہ شام سے روانہ ہونیلگے تو اصحاب نے کہا کہ حضرت بلالؓ سے جو شام میں جارہے تھے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اُن کی اذان سُننے کا کبھی اتفاق نہیں ہوا تھا اذان کہلوائیں۔ مؤذن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جب اپنی مشہور بلند آواز سے اذان کہنی شروع کی تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ امامت کا نقشہ اور سماں سب کی آنکھوں کے سامنے پھر گیا۔ اُن جنگجو بہادروں اور شیر دل لوگوں کے دل پانی کی طرح پگھل گئے اور بچّوں کے مانند اس طرح ڈاڑھیں مار مارکر روئے اور وہ گریہ وزاری اور نالہ و بکا کیا کہ اسکی کیفیت نہیں بیان ہوسکتی۔ حضرت عمر رضہ کے واسطے تو گویا قیامت ہی آگئی اور بالکل بے ہوش ہوگئے [1]۔

عُجب اور تکبر کے خیال کو تو وہ اپنی روح کا برباد کردینے والا سمجھتے تھے اور عجیب طرح سے اپنے نفس کی ذلت کرتے تھے۔ زید بن ثابت حضرت عمر رضہ کے منشی نے دیکھا کہ حضرت عمر رضہ اپنے کندھے پر پانی کی مشک اُٹھائے ہوئے لوگوں کے درمیان سے جارہے ہیں۔ اُن کی اس حرکت سے تعجب ہوا اور پاس جاکر کہنے لگے یا امیرالمومنین۔ حضرت عمر رضہ نے کہا چپکا ہو جا میں تجھے بتادوں گا۔ ایک بڑھیا کے گھر جاکر وہاں سے جب لوٹ کر گھر آئے تو زید نے پھر پوچھا۔ حضرت عمر رضہ نے جواب دیا کہ تیرے جانے کے بعد میرے پاس رُوم اور فارس کے قاصد آئے

---

[1] طبری صفحہ ۹۰۴ واٹلسن آف خلافت صفحہ ۲۲۸

تھے اور کہنے لگے کہ "اے عمرؓ تیری نیکی امت کے واسطے ہے اور لوگ تیرے علم فضل اور عدل پر متفق اللسان ہیں" جب وہ چلے گئے تو میں نے دیکھا کہ میرے میں اس سے تکبر اور غرور داخل ہوتا ہے تب میں اٹھ کھڑا ہوا اور نفس کے ذلیل کرنے کے واسطے کیا جو کچھ کیا[1]۔ اسی طرح ایک دن اپنی گردن پر پوستین ڈالے ہوئے نکلے۔ لوگوں نے سبب پوچھا تو بتایا کہ میرے نفس میں عُجب داخل ہوا تھا میں نے اُسکو ذلیل کرنا چاہا[2]۔ اور عجیب و غریب واقعات اِس قسم کے بیان ہوتے ہیں کہ تکبر کے خیال کو دُور کرنے کے واسطے وہ کس کس طرح سے اپنے نفس کی تذلیل کرتے تھے۔

ہر رات کو حضرت عمرؓ اپنے نفس سے حساب کرتے تھے کہ آج کے دن میں نے کچھ نہیں کیا فلاں کام کیا۔ فلاں کام کیا۔ اپنی غلطیوں پر اپنے آپ کو خود سزا دیتے تھے۔ اور اپنی پیٹھ پر دُرّہ مارتے تھے۔ جب کوئی شخص اُن کو کہتا کہ خُدا سے ڈر۔ تو اُسکا شکریہ ادا کرتے اور کہا کرتے۔ تھے کہ خُدا اُس کا بھلا کرے جو ہمارے عیب ہم پر ظاہر کر دے[3]۔ اور لوگوں سے عیوب دریافت کرتے رہتے تھے۔ اور مُسلمانوں میں جو لوگ صاف گو نڈر تھے اور حق کہنے کی جرأت کرتے تھے اُن کے ہونے پر خدا کا شکر کرتے تھے[4]۔ حضرت علیؓ کا قول ہے کہ جب صالحین کا ذکر آوے تو عمرؓ کا ذکر ضرور کرنا چاہیئے[5]۔

حضرت عمرؓ کو غُصّہ آنے کی حالت میں اُن کا غُصّہ فرو کرنے کی ایک عُمدہ تدبیر کلام الٰہی اُن کے سامنے پڑھ دینا تھا جو اُن پر ایک برقی اثر کرتا تھا۔ ایک دفعہ حُرؓ بن قیس کا چچا حرؓ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ مجھے حضرت عمرؓ کے پاس لے چل۔ حرؓ نے کہا مجھے خوف ہے کہ تو وہاں جاکر کوئی نامناسب بات نہ کہہ دے۔ اُس نے کہا میں ایسا نہیں کروں گا۔ مگر حضرت عمرؓ کے پاس جاکر وظائف دینے پر اُن کی بے انصافی کی شکایت کی۔ جس سے حضرت عمرؓ کو غصّہ آگیا اور اُسکے ساتھ سختی کرنے کا ارادہ کیا۔ حُرؓ نے کہا یا امیرالمومنین خدا فرماتا ہے:۔ "خذ العفو وأمر بالمعروف واعرض عن الجاھلین۔ حضرت عمرؓ اُس کو سُنتے ہی خاموش ہوگئے[6]۔ ایسے اور بھی واقعات ہیں۔ ابن عمرؓ کا قول ہے کہ میں نے کبھی حضرت عمرؓ کو ایسا غضب ناک نہیں دیکھا کہ اُن کے سامنے اللہ کا نام لیا جائے یا خدا سے ڈرایا جائے اور کوئی آیت پڑھی جائے کہ وہ اپنے اراد ے سے باز نہ رہے ہوں[7]۔ بلال نے ایک روز اسلم سے پوچھا کہ تم حضرت عمرؓ کو کیا جانتے ہو۔ اُس نے جواب دیا کہ اور آدمیوں سے وہ بہتر ہیں مگر غُصّہ کی حالت میں پناہ بخدا۔ بلالؓ نے کہا۔ کاش غصہ کی حالت میں تو اُن کے سامنے قرآن پڑھتا اور اُن کا غصہ فرو ہو جاتا[8]۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذہانت اور حاضر جوابی کا ایک واقعہ بیان کرنے کے لائق ہوگا کہ ایک دن ایک

---

[1] و [2] ازالۃ الخفا تصوف و سلوک
[3] و [4] ازالۃ الخفا تصوف و سلوک
[5] سیوطی
[6] ازالۃ الخفا کلمات صفحہ ۲۰۷
[7] و [8] سیوطی۔ ازالۃ الخفا موافقات صفحہ ۱۶۵

یہودی اُن کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ آپ نے خداوند تعالیٰ کے اس قول کو پڑھا ہے۔ سارعوا الی مغفرۃ من ربکم و جنۃ عرضھا السّمٰوات والارض۔ تو زمین و آسمان جب عرض جنت میں آ گئے تو دوزخ کہاں گیا۔ حضرت عمرؓ نے اصحاب رسول اللہ کو کہا کہ اسکو جواب دو۔ مگر سب خاموش رہے۔ تب حضرت عمرؓ نے یہودی کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ تو دن کو دیکھتا ہے۔ جب دن آتا ہے تو کیا وہ زمین و آسمان کو نہیں بھر دیتا اُسوقت کہاں۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا۔ اُسوقت رات کہاں جاتی ہے۔ اُس نے جواب دیا جہاں اللہ چاہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا پس دوزخ کو بھی جہاں اللہ چاہے۔ یہودی نے تسلیم کیا اور خاموش ہو گیا[1]۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُن کے مراتب کے موافق عزت اور تعظیم و تکریم کرتے تھے اور جیسا مناسب ہوتا تھا اُن سے سلوک کرتے تھے اور اُن کے مدارج کو نگاہ رکھتے تھے اسکے متعلق واقعات بیان کرنا طوالت ہوگی۔ اُن کی وفات پر آپ نہایت درد اور رنج سے رویا کرتے تھے اور اسلامی اُخوت کا حق ادا کرتے تھے۔ تمام متبرک اور مقدس مقامات کی تعظیم و تکریم ملحوظ رکھتے تھے۔ آپ کہا کرتے تھے کہ مکہ میں ایک گناہ کرنا کعبہ سے باہر ستر گناہ کرنے سے بُرا ہے۔ یوروشلم میں عیسائیوں کے مقدس مقامات پر جن کا تقدس اسلام نے بھی ملحوظ رکھا تھا اُنہوں نے اُن کی عزت و عظمت کو بخوبی ظاہر کیا۔ تمام مِل و ایران میں جہاں کہیں مقدس مکانات تھے اُن کی حفاظت اور دُرستی کا حکم دیا۔ شہر سُوس میں جو ایران میں فتح ہوا تھا حضرت دانیال کی قبر تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا کہ تعظیم کے ساتھ اُسکو قایم رکھا جائے اور بقول سر ولیم میور کے آیندہ نسلوں کی پاک حفاظت سے تیرہ سو برس کے تغیرات اور انقلابوں سے محفوظ رہکر وہ مقبرہ دریا کے کنارے آج تک موجود ہے[2]۔

افسوس ہے کہ اب ہم اُس زمانے کے قریب پہنچ گئے ہیں جبکہ دنیا کے اپنی قسم کے بے نظیر شخص اور ایک ایسے سلامی وجود کو جس پر کہ اسلامی دنیا حضرت **سرور کائنات** علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد بجا فخر کر سکتی ہے دنیا سے رخصت ہوتا دیکھیں۔ وہ لوگ جنہوں نے حضرت عمرؓ کے زمانے کی خلافت کی ترقیوں اور اسلامی دُنیوی عروج کو جس کے ساتھ ساتھ کہ باہر کی دنیا اسلام کی برکتوں اور رحمتوں سے بھی فیض یاب ہوتی جاتی تھی نظر تامل سے دیکھا ہے اور جن کو معلوم ہے کہ وہ اندرونی امن و اطمینان جو حضرت عمرؓ کی بے نظیر قوت انتظام کا نتیجہ تھا۔ پھر اس غرض کے واسطے کہ اُس سے ایسے ہی عُمدہ نتایج حاصل کیئے جائیں پھر کبھی نہیں حاصل ہوا۔ وہ اِس ناگہانی پُر الم حادثہ پر جو اسلام کی ترقیوں کے سلسلہ کو پہنچا اور اس ناقابل تلافی نقصان پر سخت رنج اور غم کرے گا۔ حضرت عمرؓ کو اگر عمر طبعی تک زندہ رہنا بھی نصیب ہوا ہوتا تو اسلامی ترقیوں کو ہم اسی نسبت سے بہت بڑھے ہوئے درجے پر دیکھتے اور ہر ایک بشر کے ضروری انجام کا خیال اُن کی وفات پر افسوس کرنے کو

[1] سیوطی۔ ازالۃ الخفا موافقات صفحہ ۱۶ [2] انلس آف خلافت صفحہ ۲۰۲

تسلی دینے والا ہوتا مگر ان کی اِس بے وقت وفات پر بحقیقت صبر کرنے سے صبر ہی نہیں آتا۔

انگریزی مورخ اِس درد انگیز واقعہ کے بیان کو اِن الفاظ سے شروع کرتا ہے کہ حضرت عمرؓ کی خلافت کو یہ گیارھواں سال تھا اور اگرچہ اُن کی عمر پچپن سال کی (اور ایک روایت کے موافق ساٹھ سے اوپر) تھی لیکن وہ توانا اور اپنی عظیم اور وسیع ذمہ داریوں کے پورا کرنے میں جو اُن کو سپرد کی گئی تھیں پہلے ہی کی طرح ہوشیار اور مستعد تھے۔ تیئسویں سال ہجری مقدس کے آخری مہینے میں اپنے معمول کے موافق اُنہوں نے مکہ معظمہ کا سفر کیا اور اِس موقع پر ازواج رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو ہمراہ لیجا کر سالانہ حج ادا کیا۔ مدینہ کو واپس آئے ہوئے اُن کو صرف چند ہی روز گزرے تھے کہ اُن کی حکومت ایک المناک اور غمگین اور بے وقت انجام کو پہنچ گئی [۵۷]۔

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنی وفات سے ایک ہفتہ یا کچھ کم و بیش پہلے ایک خواب دیکھا تھا کہ ایک مرغی نے اُن کو دو تین ٹھونگیں ماریں۔ ایک اور امر یہ بیان کیا جاتا ہے کہ کعب الاحبار نے اپنے توریت کے علم کی بنا پر حضرت عمرؓ کو تین روز پہلے بتا دیا کہ آپ کا انجام آن پہنچا ہے مگر اِس روایت کی صحت پر یقین کرنا مشکل ہے شاید اُس کو اُس سازش کا شبہ کچھ پہلے سے ہو گیا ہو جو اُن کی بیش بہا زندگی کو بے وقت ختم کر دینے کے واسطے کی جا رہی تھی اور اُس نے اُن کو اپنی حفاظت کے واسطے ہوشیار کر دیا ہو۔

آپ کی شہادت کا واقعہ اِس طرح پر ہے کہ فیروز نام ایک ایرانی غلام کو جو عام طور پر ابو لولو کے نام سے مشہور تھا مغیرہ عراق سے لایا تھا۔ بچپن میں وہ رومی عیسائیوں کے ہاتھ میں گرفتار ہو کر غلام بن چکا تھا اور عیسائی ہو گیا تھا۔ اب مغیرہ کی غلامی میں وہ مدینہ میں بڑھئی کا پیشہ کرتا تھا اور اُس کی آمدنی سے مغیرہ حصہ لیتا تھا۔ ایک دن بازار میں وہ حضرت عمرؓ سے ملا اور اُن سے کہنے لگا کہ یا امیر المومنینؓ آپ میرا انصاف کریں کہ مغیرہ مجھ سے بہت زیادہ رقم لیتا ہے جس کو میں نہیں ادا کر سکتا۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کتنی؟ اُس نے جواب دیا دو درہم روزانہ۔ حضرت عمرؓ نے دریافت کیا کہ تو کام کیا کرتا ہے۔ اُس نے کہا بڑھئی۔ لوہار اور نقاش کا کام کرتا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ ایسے ہوشیار کاریگر کے واسطے یہ کچھ زیادہ نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ نے اُس سے یہ بھی کہا کہ میں نے سُنا ہے کہ تو ایسی چکی بناتا ہے جو ہوا سے چلتی ہے۔ اُس نے کہا۔ ہاں۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ ایسی چکی ہمارے لیئے بنا دے۔ اُس نے موہنہ بگاڑ کر جواب دیا کہ اگر زندہ رہے تو ایسی چکی بنا دوں گا جس کی شہرت مشرق سے مغرب تک ہو جائیگی۔ یہ کہکر وہ چل دیا اور حضرت عمرؓ نے دل میں کہا کہ یہ مجھ کو دھمکی دے گیا ہے۔

دوسرے دن کی صبح کو نماز فجر کے واسطے جب مسجد میں لوگ جمع ہوئے تو ابو لولو بھی کہیں اُنہیں میں ملکر بیٹھ گیا۔ اور جب حضرت عمرؓ امامت کے لیئے کھڑے ہوئے تو وہ پہلی صف میں نمازیوں میں کھڑا ہوا۔ حضرت عمرؓ صرف تکبیر کہنے پائے تھے اور بعض روایت کے بموجب ایک رکعت نماز پڑھکر کھڑے ہوئے تھے کہ ابو لولو نے دفعۃً آگے

---

[۵۷] انلس آف خلافت صفحہ ۲۷۸

ٹوٹ کر اُن پر حملہ کیا اور ایک تیز دو مُنہے خنجر سے چھ جگہ یا تین جگہ پر زخم لگائے اور بھاگتے اِدھر اُدھر اور کئی آدمیوں کو زخمی کر ڈالا اور آخر اپنے آپ کو اُسی خنجر سے مار ڈالا۔ حضرت عمرؓ گر گئے تھے اُٹھا کر اُن کو گھر لے گئے۔ اُنہوں نے عبدالرحمان بن عوف کو نماز پڑھا دینے کو کہا۔ زخم سینے کی کوشش کی گئی۔ پیٹ باندھ دیا گیا۔ مگر زندگی کی اُمید منقطع ہو چکی تھی ؛

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس طرح ایک ناگہانی حادثہ کا شکار ہو جانے سے ایک اور بڑا نقصان یہ ہوا کہ وہ اپنے جانشین کی نسبت کچھ فیصلہ نہ کر سکے۔ اُن کو ہمیشہ اِس بات کی فکر رہتی تھی اور سوچتے تھے کہ کس کو اپنا جانشین موسوم کریں۔ مگر کوئی آخری فیصلہ وہ نہیں کرنے پائے تھے۔ اور اِس وقت بھی وہ اپنے فیصلے پر بھروسہ نہیں کر سکے۔ اُنہوں نے چھ اصحاب حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ طلحہؓ اور زبیرؓ اور عبدالرحمان بن عوف اور سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو موسوم کیا کہ وہ اپنی متفقہ رائے سے ایک شخص خلافت کے واسطے تجویز اور منتخب کر لیں۔ طلحہؓ اُس وقت مدینے میں موجود نہ تھے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ اگر وہ تین دن تک آجائیں تو اُس کو شریک مشورہ کر لینا ورنہ پانچوں ہی بیٹھ کر فیصلہ کر لینا۔ تا انفصال امامت کے واسطے صہیبؓ کو نامزد کیا۔ اس میں نہایت دانشمندی تھی کیونکہ اگر انہیں بزرگوں میں سے کسی شخص کو امامت کیواسطے کہتے تو اُس کی نسبت یہ خصوصیت فیصلہ پر اثر ڈالنے کو پیدا ہو جاتی جیسے کہ حضرت ابوبکرؓ کے معاملے میں ہوا تھا۔ اسی سبب سے اُنہوں نے ایک ایسے شخص کو امامت کے واسطے کہا جس کو خلافت کے خیال سے کچھ تعلق نہ تھا۔ ان پانچوں اصحاب کو انتخاب کے لیئے موسوم کرنے کے بعد اُن کو باری باری سے وصیت کی اور انتخاب کرنے کی ذمہ داری اور اپنے قبیلہ کی رعایت کرنے کے خیال کے خطرے سے اُن کو آگاہ کیا۔ حضرت علیؓ سے کہا کہ اللہ سے ڈرنا اور اگر لوگوں کے امور سے کسی چیز کا والی ہو تو بنی ہاشم کو اُن کا والی نہ بنانا۔ اسی طرح حضرت عثمانؓ کو کہا کہ اپنے اقربا اور قبیلہ کے لوگوں کو ترجیح نہ دینا۔ اُن کی وصیتیں مختلف اور مختلف طرح سے بیان کی گئی ہیں۔ جاریہ بن قدامہ سعدی بیان کرتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے پہلے اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنے پاس آنے کی اجازت دی۔ پھر انصار پھر اہل شام اور پھر اہل عراق کو۔ لوگ اُن کے پاس جاتے تھے اور رو کر اور اُن کی صفت کہکر چلے آتے تھے۔ سب کے آخر ہم گئے۔ دیکھا کہ اُن کا پیٹ سیاہ چادر سے بندھا ہوا ہے اور خون ٹپک رہا ہے۔ ہم نے کہا کہ ہمیں وصیت کیجیئے تو فرمانے لگے کہ "کتاب اللہ پر عمل کرنا۔ اگر تم اس کا اتباع نہ کرو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے۔ اور مہاجرین کے واسطے تمکو وصیت کرتا ہوں کہ لوگ بہت ہیں اور وہ تھوڑے ہیں۔ اور انصار کی بھی وصیت کرتا ہوں کہ وہ دین کا گھر ہیں۔ اور اعراب کی بھی وصیت کرتا ہوں کہ تمہارا اصل اور مادہ ہے۔ اور اہل ذمہ کی بھی وصیت کرتا ہوں کہ وہ تمہارے نبی کا طریق اور تمہارے کنبوں کا رزق ہے" مسور بن مخرمہ کا قول ہے کہ حضرت عمرؓ کو جبکہ اُن کی ایک اُنگلی زخمی تھی میں نے کہتے ہوئے سُنا کہ "اے قریش کے لوگو میں تمہیں لوگوں سے کچھ خوف نہیں کرتا کسی کو بجز خوف کے نہ ہو۔ تمہارے درمیان میں دو چیزیں چھوڑے چلا ہوں جب تک اُنکو لازم سمجھو گے نیکی کو پہنچو گے۔ حکم تقسیم میں فیصلہ اور انصاف کرنا اور تمہارے میں سے اہل و لوگوں کی قطار کی روش چھوڑے چلا ہوں۔ خبردار کوئی قوم ٹیڑھی نہ ہو جائے ورنہ وہ روش بھی ٹیڑھی ہو جائیگی" غرض جو وصیت اُنہوں نے اپنے جانشین کے واسطے کی اُس کا

حاصل خوف خدا - انصار کی خاطرداری اور اعراب کی حق شناسی اور اہل ذمہ کے ساتھ حسن سلوک - اُن کے معاہدوں کو پورا کرنا - اُن کی حفاظت کرنا - اُن کے دشمنوں سے لڑنا اور برداشت سے زیادہ اُن کو تکلیف نہ دینا تھا۔ اسکے بعد وہ ناطاقتی سے تھوڑی دیر کے واسطے خاموش ہو گئے - اور پھر اپنے بیٹے عبداللہ سے پوچھا کہ مجھے کس نے زخمی کیا - جب معلوم ہوا کہ ابولولو نے کیا ہے تو فرمایا کہ الحمدللہ وہ ایسا شخص تھا جو خدائی عبادت کے واسطے جھکا ہو یعنی غیر مسلمان کے ہاتھ سے شہید ہوا ہوں - پھر عبداللہ کو کہا کہ حضرت عائشہ صدیقہ کے پاس جاکر اُن سے اجازت مانگے کہ مجھے اپنے حجرے میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن کیے جانے کی اجازت دیں - اور کہا کہ اگر وہ اجازت نہ دیں تو مسلمانوں کے قبرستان بقیع میں مجھے دفن کر دینا - حضرت عائشہؓ نے اگرچہ کہا کہ حجرے میں ایک ہی قبر کی اور جگہ تھی جو میں نے اپنے لیئے رکھ چھوڑی تھی مگر حضرت عمرؓ کا وہاں دفن کیا جانا منظور کر لیا آخر تک حضرت عمرؓ نے اپنے خاندان کو خلافت سے جُدا رکھنے کا خیال پورا کیا - اپنے بیٹے عبداللہ کو اہل شورے یعنی منتخب کرنیوالوں میں داخل تو کیا مگر اس شرط پر کہ وہ نہ منتخب ہو سکے - اور وصیت کی کہ اے عبداللہ یاد رکھ اگر وہ (اہل شوریٰ) انتخاب میں اختلاف کریں تو تجھ کو کثرت رائے کا طرفدار ہونا چاہیئے - اگر اُن کی رائیں برابر ہوں تو تجھے عبدالرحمان کی رائے کا طرفدار ہونا واجب ہوگا" اس کے بعد لوگوں کو جو دروازہ پر جمع ہو رہے تھے اندر آنے کی اجازت دی - جب لوگ آنے جانے لگے تو حضرت عمرؓ نے اُن سے پوچھا کہ میری موت کی سازش میں کوئی بڑا آدمی تو شریک نہیں تھا - سب نے یک زبان ہو کر پکارا کہ "خدا نکرے" - حضرت علیؓ بھی دریافت حال کے واسطے آئے تھے اور وہ بیٹھے تھے کہ ابن عباسؓ بھی آ گئے - حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے ابن عباس سے پوچھا کہ اے ابن عباس اس معاملہ (انتخاب) میں تو میرے ساتھ متفق ہے یا نہیں - ابن عباس نے جواب دیا کہ میں متفق ہوں - حضرت عمرؓ نے کہا کہ دیکھنا کہیں تم اور تمہارے ساتھی مجھے دھوکا نہ دیں - طبیب نے حضرت عمرؓ کو کھجور کا پانی پینے کو دیا مگر وہ جوں کا توں زخم کی راہ سے نکل گیا - ناف کے نیچے کا زخم کاری لگا تھا اور اُس سے جاں بر نہ ہو سکے - آخری لمحوں میں جب اُن کا سر اپنے بیٹے عبداللہ کی گود میں تھا - یہ شعر پڑھ رہے تھے :-

ظلوم لنفسی غیر انی مسلم	اصلی الصلوٰۃ کلہا واصوم

میرے نفس کے لیئے مشکل ہوئی ہوتی اگر میں مُسلمان نہ ہوتا - مگر تمام نمازیں پڑھتا اور روزے رکھتا رہا ہوں +

اور اسی طرح نیچی آواز میں کلمہ کا ورد کرتے رہے - اور اسی حال میں اُن کی پاک رُوح جسم عنصری سے علیحدہ ہو گئی اور اس دار فانی سے جنت برین کو سدھاری - اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ ۲۳ھ ہجری مقدس کے محرم کی چھبیسویں تاریخ تھی +

اس طرح وہ واقعہ ہو گیا جس کے سبب سے اسلام پر رونے والوں کو ہمیشہ رونے کے واسطے ایک وجہ ہو گئی - اُن کی وفات کے مرثیوں میں سے شماخ کا مرثیہ دلی درد سے لکھا گیا ہے اور دل میں درد پیدا کرتا ہے +

ذیل میں درج کیا جاتا ہے ؎

جزی اللہ خیراً من امیر وبارکت   ید اللہ فی ذالک الادیم الممزق

خدا جزائے خیر دے اُسکو جو امیر المومنین ہے - اور خداوند تعالےٰ کا ہاتھ اُس جلد میں جو چھڑ سے پارہ پارہ ہوگئی ہے برکت دے ؎

قضیت اموراً ثم غادرت بعدھا   بوائج فی اکمامھا لم تفتق

تم نے اپنی خلافت میں بہت سے امور عظام کا فیصلہ کیا پھر اُن کے بعد اُن کے غلافوں اور پھدوں میں ایسی جبتیں چھوڑیں جو اُب تک ظاہر نہیں ہوئی ہیں ؎

ابعد قتیل بالمدینۃ اظلمت   لہ الارض تھتز العضاہ باسوق

کیا بعد ایسے مقتول کے جو مدینہ میں قتل ہوا اور جس کے لیئے تمام زمین تاریک ہوگئی بڑے بڑے درخت اپنے تنوں پر لہلہا ئینگے - (یعنی ایسا نہوگا کیونکہ اُن کا غم سب میں اثر کرگیا ہے)

تظل الحصان البکر یلقی جنینھا   نثا خبر فوق المطی معلق

پاکدامن شوہردار عورتیں ایسے حال میں ہوگئی ہیں کہ اُن کے حمل کو اس خبر کی ہیبت نے جس کو شتر سوار شہر بشہر لیئے پھرتے ہیں گرادیا ہے ؎

وما کنت اخشی ان تکون وفاتہ   بکفی سبنتی ازرق العین مطرق

اور مجھکو یہ خوف نہ تھا کہ اُس کی موت ایک شخص جری اور ڈھیٹ اور گربہ چشم کمینہ کم قدر کے دونوں ہاتھوں سے ہوگی کیونکہ اُس کا مرتبہ اس سے بڑا تھا ؎

اسی طرح پر رونیوالے رویا کرینگے اور اُن کے اوصاف بیان کرنیوالے اُن کے اوصاف بیان کیا کرینگے - مگر وہ اتنے تھوڑے نہیں ہیں کہ بیان کرنے سے بیان ہوجائیں - عبداللہ بن سلام اُن کے جنازے پر اُس وقت آئے جبکہ لوگ جنازہ پڑھ چکے تھے تو کہنے لگے کہ اگر تم نے جنازہ میرے سے پہلے پڑھ لیا ہے تو اُسکی ثنا کہنے میں مجھ سے سبقت نہ لیجاؤ گے - اور کہنے لگے " اے عمرؓ تو اسلامی بھائی اچھا تھا - حق کا سخی تھا - باطل کا بخیل تھا - رضا کے موقع پر توراضی ہوتا تھا اور ناراضی کے موقع پر ناراض - نہ تو کسی کا مداح تھا اور نہ عیب گو - تیرا دل اچھا تھا اور تیری آنکھ عفیف تھی " انگریزی مورخ کے الفاظ بھی ہماری ہمدردی کریں گے جو اُنکی وفات کا واقعہ بیان کرکے لکھتا ہے کہ " اس طرح وفات پائی حضرت عمرؓ نے جو پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد اسلامی دنیا میں سب سے بڑا ہے - کیونکہ یہ تمام اُنہیں کی دس سالہ خلافت میں تھا کہ اُن کی دانائی - صبر اور قوت اور سرگرمی سے شام - مصر اور ایران کی ولایتیں فتح ہوگئیں - حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت کو ایسی حالت میں شروع کیا کہ وہ صرف عرب کے مالک تھے اور جب وفات پائی تو ایک اتنی بڑی سلطنت کے خلیفہ تھے جس میں ایران مصر اور اہل روما کی سلطنت کے عمدہ سے عمدہ صوبے شامل تھے - باایں ہمہ اس عظیم الشان خوش قسمتی کے زمانہ میں

ایک عاقلانہ اور سنجیدہ فیصلوں کی ہم پلّگی کو نہیں چھوڑا۔ اور عرب کے ایک سردار کی کفایت شعار اور سادہ زندگی سے اپنے آپ کو نہیں بڑھایا۔ دُور مقامات سے جب کوئی اجنبی آتا تو مسجد کے صحن میں کھڑا ہو کر پوچھتا کہ خلیفہ کہاں ہیں حالانکہ وہ شاہنشاہ اپنی سادگی کے ساتھ وہیں موجود بیٹھا ہوتا تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہ نے ایک دن ایک شخص کو بینی ناک سے راستہ میں جاتے ہوئے دیکھکر جو آہستہ آہستہ چل رہا تھا اور سر اٹھا کر نہیں دیکھتا تھا اور کسی سے کلام نہیں کرتا تھا پوچھا کہ یہ کون شخص ہے۔ کسی نے کہا کہ ناسک یعنی نیک مرد ہے۔ یہ سُن کر فرمانے لگیں کہ "خدا عمرؓ پر رحمت نازل کرے کہ وہ بھی نیک مرد تھا۔ جب بات کہتے تھے بلند کہتے تھے۔ جب راستہ میں چلتے تھے تو تیزی سے چلتے تھے۔ جب طعام دیتے تھے تو سیر کر دیتے تھے۔ اور جب مارتے تھے تو ایسا کہ درد ہوتا تھا" حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا ہی نے اُن کے ذکر میں ایک دن کہا کہ "وہ زود فہم تھے اور اس بناوٹ کے ایک ہی تھے۔ اپنے معصروں کو انہوں نے معاملات کے واسطے تیار کیا" ابن عمرؓ کا مقولہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد میں نے عمرؓ سے زیادہ تیز اور کھرا کسی کو نہیں دیکھا" حضرت عثمانؓ کو کسی نے ایک دن کہا کہ آپ حضرت عمرؓ کی طرح کیوں نہیں ہوتے تو کہنے لگے کہ مجھے طاقت نہیں ہے کہ میں لقمانِ حکیم بن جاؤں۔ حضرت علیؓ نے ماہِ رمضان میں مساجد میں قندیلیں دیکھیں تو کہنے لگے کہ "خدا عمرؓ کی قبر کو ایسا روشن کرے جیسا کہ اُس نے مساجد کو روشن کیا ہے" سر ولیم میور کا قول ہے کہ "اسلامی مؤرخ اُس قوی اور یکطرفہ دل والے خلیفہ کو الوداع کہتے وقت اپنے دل سے آہ سرد نکالنے کا حق رکھتا ہے"

حضرت عمرؓ نے ستاون برس کی عمر میں وفات پائی گو انگریزی مؤرخ پچپن برس اور بعض روایات میں ترسٹھ سال لکھی ہے۔ اُن کا زمانۂ خلافت ساڑھے دس سال کے قریب تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ رنگ کے گورے تھے۔ سفیدی میں بہت سُرخی ملی ہوئی تھی۔ قد میں آپ سب سے بلند تھے۔ سر کے بال کم تھے۔ ڈاڑھی سپید تھی اور حنا سے رنگ کرتے تھے۔ آپ کی جسمانی خصوصیتوں میں یہ امر تھا کہ دونوں ہاتھوں سے یکساں کام کرتے تھے۔ زر سے روایت ہے کہ عید کے دن میں مدینہ والوں کے ساتھ باہر گیا تو میں نے حضرت عمرؓ کو دیکھا کہ ننگے پاؤں جا رہے تھے۔ بوڑھے سر پہ کم بال۔ گندم گوں۔ دونو ہاتھوں سے کام کرنے والے اور لوگوں سے اتنے اونچے کہ گویا سواری پر ہیں۔ واقدی اسپر کہتا ہے کہ ہم نہیں جانتے کہ حضرت عمرؓ گندم گوں تھے۔ شاید راوی مذکور نے اُن کو سال رمادہ میں دیکھا ہوگا کیونکہ زیتون کے کھانے سے رنگ متغیر ہو گیا ہوگا۔ ابو رجاء عطاردی سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ طویل جسیم سفید رنگ والے جسمیں سُرخی بہت ہو ہلکے رخساروں والے (یعنی اُن کے رخساروں پر گوشت کم تھا اور بڑی مونچھوں والے تھے جن کی طرفوں میں مضبوطی تھا۔ آنکھوں میں اُن کے سُرخی بہت تھی۔ سر ولیم میور لکھتا ہے کہ "حضرت عمرؓ کے کندے چوڑے تھے اور قد میں بلند کہ لوگوں کے گروہ سے اونچے نظر آ رہے ہوتے تھے۔ قدم اُن کا لمبا

بڑا تھا اور صورت میں رعب داب تھا۔ طبعاً وہ جلدی کرنے والے اور غصہ ور تھے۔ غصہ کی حالت میں اپنی مونچھوں کو بٹ دیکر نیچے مونھ میں لے لیتے تھے۔ لیکن وقت نے اُن کی طبیعت کو نرم کر دیا تھا اور اس تحکم اور رعب داب والی صورت کے نیچے اُن کا دل نرم اور ملنسار اور متواضع تھا"

طبری نے حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے ازواج کی تعداد سات بیان کی ہے جن میں سے تین سے جاہلیت میں نکاح کیا تھا۔ اُن کے نام زینب اور ملیکہ اور قریبہ لکھے ہیں۔ اور یہ کہ جب حضرت عمرؓ اسلام لا تو وہ اُن سے جدا ہو گئیں۔ اور مدینہ میں انہوں نے ام حکیم اور جمیلہ اور ام کلثوم دختر حضرت علیؓ از فاطمہ رضی اللہ تعالے عنہا اور عاتکہ بنت زید چار عورتوں سے نکاح کیا ؛

لیکن ایک دوسری تاریخ میں اُن کے ازواج کی تعداد چھ بیان کی گئی ہے۔ اور حالات میں بھی اختلاف ہے ؛

پہلی زینب بنت مظعون جمحی جو عثمان اور قدامہ کی بہن تھی۔ جاہلیت میں اس سے نکاح کیا تھا۔ اسلام لائی اور ہجرت کر کے ساتھ گئی ؛

دوسری عاتکہ بنت زید بن عمرو بن نفیل عدوی۔ آپ کے چچازاد بھائی کی بیٹی تھی اور سعید بن کی جو عشرہ مبشرہ میں سے ایک ہیں بہن تھی۔ اُس سے جاہلیت میں نکاح کیا۔ وہ اسلام لائی اور ہجرت کر کے ساتھ گئی ؛

تیسری اُم کلثوم جمیلہ بنت عاصم بن ثابت بن ابی اقلح انصاری۔ اس کا نام عاصیہ تھا اور اور حضرت عمرؓ نے اُس کا نام جمیلہ رکھا تھا اور بعض کا قول ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے یہ نام رکھا تھا ؛

چوتھی ام حکیم بنت حارث بن ہشام مخزومی۔ ابوجہل کی بھتیجی جس کا باپ اسلام لایا تھا ؛

پانچویں اُم کلثوم ملیکہ بنت جرول خزاعی ؛

چھٹی اُم کلثوم بنت علیؓ ابن ابی طالب۔ بعض نے اس کا نام رقیہ بیان کیا ہے اور وہ سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراؓ کے پیٹ سے تھیں۔ اپنی خلافت کے زمانے میں حضرت عمرؓ نے ان سے نکاح کیا ؛

طبری نے حضرت عمرؓ کی اولاد آٹھ لڑکے اور چار لڑکیاں لکھی ہیں۔ مگر دوسرے مورخ کا بیان ہے کہ نو بیٹے اور چار بیٹیاں تھیں جن کے نام عبداللہ۔ عبید اللہ۔ عبدالرحمن اکبر۔ عبدالرحمن اوسط۔ عبدالرحمن اصغر۔ زید اکبر۔ زید اصغر۔ عیاض۔ عاصم اور بیٹیوں کے نام حفصہ۔ رقیہ۔ فاطمہ۔ زینب تھے ؛

عبداللہ بن عمرؓ اپنے باپ کے سب بیٹوں سے افضل تھے۔ اُن کی کنیت ابو عبدالرحمن تھی اُن کی ماں زینب بنت مظعون تھیں۔ اپنے باپ کے ساتھ صغر سنی میں اسلام لائے اور اپنے والدین کے ساتھ ہی ہجرت کی۔ بدر اور احد کے بعد سب لڑائیوں میں حاضر رہے کیونکہ ان دونوں لڑائیوں میں وہ کم سن تھے لیکن بعض نے ان کا اُحد میں حاضر ہونا بھی بیان کیا ہے مگر یہ قول ضعیف معلوم ہوتا ہے ؛

وہ بہت بڑے عالم ۔ مجتہد ۔ عابد ۔ سُنّت پر پورے چلنے والے اور بدعت سے بھاگنے والے اور
لوگوں کو وعظ و نصیحت کرنے والے تھے ۔ زہری کا قول ہے کہ ہم عبداللہ ابن عمرؓ کی رائے کے برابر کسی کی رائے
کو نہیں سمجھتے ۔ کیونکہ وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد ساٹھ برس تک زندہ رہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
اور اصحاب کے حال سے کوئی چیز اُن سے مخفی نہ تھی ۔ حافظ ابن حجر کا قول ہے کہ عبادالله (عبداللہ بن مسعود ۔
عبداللہ بن عباس ۔ عبداللہ بن زبیر ۔ اور عبداللہ بن عمرؓ) اور صحابہ میں سے وہ سب سے زیادہ روایت کرنیوالے
تھے سُنّت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر چلنے اور عمل کرنے کا اُن کو عشق نہ تھا بلکہ جنون تھا ۔ یہاں تک پیروی
کے دلدادہ تھے کہ جن کوچوں سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم گزرے تھے وہاں سے وہ بھی گزرتے تھے اُنکے
پائوں پر پائوں رکھتے تھے ۔ جہاں بیٹھکر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا وہاں اُنہوں نے بھی بیٹھکر وضو کیا
اُن کی نسبت یہ کہا گیا ہے کہ جب تک اپنے باپ جیسے نہو لئے اُنہوں نے وفات نہ پائی ؛

سفیان ثوری عبداللہ بن عمرؓ کی ایک عجیب و غریب عادات بیان کرتا ہے کہ جب اُن کو اپنے مال
سے کوئی چیز پسند آتی تھی تو اُس کو صدقہ کردیتے تھے ۔ اُن کے غلام اس بات کو جانتے تھے اور اس سے
عجب طرح سے فائدہ اُٹھاتے تھے کہ نماز اور روزہ اور عبادت میں بہت سرگرمی ظاہر کرتے تھے ۔ ابن عمرؓ
جب یہ حال اُن کا دیکھتے تو اُن کو آزاد کردیتے ۔ کسی نے اُن سے کہا کہ یہ تمکو دھوکا دیتے ہیں تو کہنے لگے کہ خدا
کی عبادت کرنے میں جو دھوکا دے اُس کا دھوکا کھا لینے میں کچھ عیب نہیں ۔ اُن کے غلام نافع کا بیان ہے
کہ اپنی زندگی میں اُنہوں نے دس لاکھ غلام آزاد کیئے ۔ اور یہ بھی روایت ہے کہ ایک ایک مجلس میں تیس تیس ہزار
صدقہ کردیتے تھے ۔ اُن کے شرف کے واسطے اس سے زیادہ کیا چاہیئے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے
اُن کی نسبت فرمایا کہ "عبداللہ صالح آدمی ہے" اور ابن عباس کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
یہ بھی فرمایا کہ "ہر اُمّت میں عالم ہوتا ہے اس اُمّت کا عالم عبداللہ بن عمرؓ ہے" اپنی زندگی میں اُنہوں نے بڑے بڑے
انقلاب دیکھے ۔ مگر کسی امر خلافت میں دخل نہیں دیا ۔ صحابہ کے درمیان جو جنگ اور لڑائیاں ہوئیں وہ اُن سب سے
الگ رہے ۔ اپنے مرنے کے قریب کہا کرتے تھے کہ میں اپنی زندگی میں کوئی چیز ایسی نہیں پاتا جس پر افسوس کروں
اور اب اُسکے کرنے کا موقع نہ رہا ہو ۔ بجز اسکے کہ حضرت علیؓ کے ساتھ ملکر باغی گروہ سے لڑائی نہ کی ۔ مکہ میں ۷۳ھ
کے آخر یا ۷۴ھ ہجری کے آغاز میں اُنہوں نے وفات پائی ۔ سبب اُن کی وفات کا یہ تھا کہ حاجیوں کے انبوہ میں
اُن کے پائوں میں نیزے کا پھل چُبھ گیا تھا ۔ اُسکے زخم سے چند روز بعد وفات فرما گئے ۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے
کہ دانستہ اُن کے پائوں میں حجاج بن یوسف نے نیزہ چُبھوایا تھا ۔ سبب اسکا یہ تھا کہ عبدالملک بن مروان نے
حجاج کو ابن عمرؓ کے اقتدا کے واسطے کہا کرتا تھا ۔ اور بعض موقعوں پر عرفہ وغیرہ میں ابن عمرؓ حجاج سے آگے
ہوتے تھے اور یہ اُسکو شاق گزرتا تھا ۔ پس حجاج نے ایک شخص مقرر کیا جس نے زہر میں بُجھا ہوا نیزہ کا پھل
اُن کے پائوں میں چبھویا ۔ عبداللہ ابن عمرؓ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے دو ہزار چھ سو تیس (۲۶۳۰) حدیثیں

روایت کی ہیں۔ اصحاب کی ایک بڑی جماعت اور تابعین کے ایک گروہ نے اُن سے روایت کی ہے ؛

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے سالم۔ عبد۔ عبید۔ عبد الرحمن عاصم۔ حمزہ۔ زید او بلال تھے۔ ہرایک ان میں صاحب علم و فضل تھا۔ اور سالم سب پر فائق تھے۔ صحابہ کے بعد تابعین میں جو فقہائے سبعہ شمار کئیے جاتے ہیں سالم اُن میں سے ایک تھے اور اپنے باپ سے بہت مشابہ تھے ؛

حضرت عمرؓ کا دوسرا بیٹا عبدالرحمن اکبر عبد اللہ کا حقیقی بھائی تھا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اُس نے دیکھا ہے۔ مگر کوئی حدیث اُس سے مروی نہیں ہے ؛

تیسرا عیاض تھا جس کی ماں عاتکہ تھی ؛

چوتھا عاصم تھا۔ اُسکی ماں جمیلہ تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں پیدا ہوا علم میں بھی عمدہ درجہ رکھتا تھا۔ اپنے باپ اور صحابہ سے حدیث روایت کی ہے اور اُن سے اُن کے بیٹوں حفص اور عبید اللہ اور اور لوگوں نے عمر بن عبد العزیز انہیں کے نواسے تھے۔ عاصم نے ۷۰ھ ہجری مقدس میں وفات پائی ؛

پانچواں زید اکبر تھا۔ اس کی ماں اُم کلثوم بنت علی مرتضیٰ تھی۔ تیس برس کی عمر میں بنی عدی کی ایک لڑائی میں اُس کا سر پھٹ گیا اور چند روز بعد اُس نے اور اُس کی ماں نے ایک ہی دن وفات پائی ؛

چھٹا زید اصغر اُم کلثوم بنت جرول سے تھا ؛

ساتواں عبید اللہ اس کی ماں بھی اُم کلثوم بنت جرول تھی۔ یہ نہایت دلیر اور جنگجو شخص تھا۔ حضرت عمرؓ جب شہید ہوئے تو عبدالرحمان بن ابوبکرؓ نے اُن سے کہا کہ ایک دن اُس نے ابولولو کو ہرمزان اور جفینہ کے ساتھ جو حیرہ کا ایک عیسائی تھا باہم مشورہ کرتے دیکھا ہے اور اُن کے پاس ایک دو رُخا یا دو طرفہ خنجر تھا۔ اس سے ان کو حضرت عمرؓ کے قتل کی نسبت سازش کا شبہ ہوا اور تلوار لیکر ان دونوں کو قتل کر دیا۔ حضرت عثمانؓ کے سامنے اس کا مقدمہ ہوا۔ حضرت علی علیہ السلام اور بعض اصحاب کی رائے تھی کہ عبید اللہ کو قصاص میں قتل کرنا چاہیئے مگر عمرو بن العاص وغیرہ نے اس سے مخالفت کی اور فدیہ دلوا دینے کی تجویز ٹھہری۔ عبید اللہ ۳۷ھ ہجری تک زندہ رہا اور صفین کی لڑائی میں معاویہ سے ملکر لڑا اور مارا گیا۔ حضرت علیؓ کی طرف سے اُسکے دل میں وہ رنج رہ گیا تھا ؛

آٹھواں عبدالرحمان اوسط جو لہیہ لونڈی کے شکم سے تھا۔ کنیت اُسکی ابو شحمہ تھی۔ اِسی کو حضرت عمرؓ نے حد ماری تھی جو واقعہ بیان ہو چکا ہے ؛

نواں عبدالرحمان اصغر۔ اسکی ماں بھی ام ولد تھی ؛

حضرت عمرؓ کی بیٹیوں میں سے اوّل حضرت حفصہؓ عبد اللہ اور عبدالرحمن اکبر کی بہن ہیں جن کا نکاح اول تمیم خنیس بن حذافہ سہمی سے ہوا تھا اور اپنے خاوند کے ساتھ ہجرت کرکے مدینہ آئی تھیں۔ خنیس کا مدینہ میں انتقال ہوگیا تو جناب رسالتمآب صلعم نے دوسرے سال ہجرت میں اُن سے نکاح کیا۔ ساٹھ حدیثیں اُن سے مروی ہیں۔ مدینہ میں ۴۵ھ ہجری میں فوت ہوئیں ؛

دوسری رقیہ ہیں جو زید اکبر کی حقیقی بہن ہے ابراہیم بن نعیم سے اُن کا نکاح ہوا تھا۔

تیسری فاطمہ اُم حکیم کے پیٹ سے۔ ان کا نکاح ان کے چچا زاد بھائی عبدالرحمان بن زید بن خطاب سے ہوا تھا۔

چوتھی زینب جو ام ولد فکیہ کے پیٹ سے تھی۔ عبداللہ بن عبداللہ بن سراقہ عدوی سے اِن کا نکاح ہوا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی اولاد ذکور میں سے عبداللہ اور عبیداللہ اور عاصم کی اولاد رہی اور خدا اُن کی نسل سے بڑے بڑے علما۔ اور صلحا اور حافظ حدیث اور حامل آثار اور صاحب جاہ پیدا کیئے۔ ہندوستان میں بھی بہت سے فاروقی خاندان موجود ہیں۔ دہلی کے چراغ اور فخر شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اسی خاندان کی پُرفیض نشانی تھے اور دکن کے ملک حیدرآباد کے اس زمانے کے مدارالمہام اور وزیراعظم

ہز اکسلنسی نواب محمد مظہرالدین خان رفعت جنگ بشیرالدولہ عمدۃ الملک اعظم الامرا امیر کبیر سر آسمان جاہ بہادر کے۔ سی۔ ایس۔ آئی

کا

سلسلۂ نسب حضرت **فاروق اعظم** رضی اللہ تعالےٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔

حضرت عمرؓ کے خطوط اور خطبات کا ذکر کرنے سے ہمارا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم اُن کے خطوط اور خطبات کو اس کتاب میں نقل کریں۔ کیونکہ وہ اتنے تھوڑے نہیں ہیں کہ بجائے خود ضخیم کتابوں سے کم ہوں اور یہاں اُن کی گنجائش ہو سکے۔ حضرت عمرؓ کے خطوط بے شمار ہیں جو سرداران فوج اور عمال کو لکھتے تھے۔ ضروری امور پر جو خطوط لکھے جاتے تھے اور جنگ اور صلح اور قیام اور کوچ اور معاہدوں اور شرطوں کی نسبت ہوتے تھے وہی گنے گئے مشکل ہیں۔ اس کے سوا عدالتی امور کے فیصلے اور امور اہم اور واقعات کی اطلاع پر بہت خطوط لکھے گئے ہیں۔ ان کے علاوہ عام طور پر ہدایات ضروری اور پند و نصائح اور تحسین اور ملامت وغیرہ مضامین پر بے اندازہ خطوط لکھے جاتے تھے اُن کے خطوط میں خوبی یہ تھی کہ عموماً اختصار لیئے ہوئے ہوتے تھے۔ اور اسلامی دُنیا کے فرامین اور احکام اور خطوط کے واسطے وہ سب عمدہ نمونے کا کام دے سکتے ہیں۔ حضرت عمرؓ کے دو منشی عبدالرحمان بن علی خلف

اور زید بن ثابت تھے ؛

خطبات حضرت عمرؓ کے جو جمعہ کے دن اور اسلامی تقریبات اور اَور مختلف موقعوں پر کہے گئے ہیں بہت کثرت سے ہیں۔ اُن میں بھی پند و نصائح اور امور ضروری کا ذکر اور بیان ہوتا تھا۔ اس زمانے میں گو خطبہ کو جو جمعہ اور عید کے دن پڑھا جاتا ہے چند خاص الفاظ میں محدود کر دیا گیا ہے مگر حضرت عمرؓ کے خطبے اِس بات کا ثبوت ہیں کہ ہر ایک قسم کے اخلاقی اور علمی اور مُلکی وغیرہ تذکروں اور ہدایتوں کے واسطے وہ نہایت وسیع گنجایش رکھتے تھے۔ اور مجالس اور جلسوں کی ضروریات کو پُورا کرتے تھے۔ اُن کے خطبات سے اُن کی فصاحت وبلاغت اور علم و تجربہ اور برجستہ گوئی کی قُوت معلوم ہوتی تھی ؛

حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے اقوال جو کتابوں میں کثرت سے بیان ہوئے ہیں وہ انہیں خطوط اور خطبات اور عام طور پر جو اُنہوں نے لوگوں کو پند و نصیحت کے طور پر فرمائے ہیں اخذ کیے گئے ہیں اُن میں سے چند اقوال ہم ذیل میں درج کریں گے۔ بلاشُبہ ایک ایسی بزرگ اور کامیاب زندگی کے وہ ایسے اقوال ہیں اور اس قابل ہیں کہ اُن کو آبِ زر سے لکھا جائے۔ اور ہر ایک شخص ہر زمانے میں اُن کو اپنی زندگی کا راہ نما اور اصول بنا سکتا ہے ؛

قُوت فی العمل یہ ہے کہ آج کا کام کل پر نہ چھوڑا جائے۔ امانت یہ ہے کہ باطن ظاہر کے مخالف نہ ہو۔ پرہیزگاری نچنے کا نام ہے۔ جو شخص اللہ سے ڈرے اللہ اُسے بچاتا ہے ؛

اَے لوگو۔ علم کا حاصل کرنا لازمی سمجھو۔ یہ ایک چادر ہے جو خُدا طالب علم کو اُڑھاتا ہے ؛

ایک عالم کی موت جو اللہ کے حلال و حرام کو جانتا ہو۔ ہزار عابد قائم اللیل۔ صائم النہار کی موت سے زیادہ افسوسناک ہے ؛

مَیں اس اُمّت پر کسی امر کا اتنا خوف نہیں کرتا جتنا کہ ایک عالم منافق کا۔ جس کا علم اس کی زبان پر ہو اور دل جاہل ہو ؛

علم ریا اور فخر اور سرکشی کے واسطے نہ سیکھنا چاہیئے اور اُس کے طلب میں شرم نہ کرنی چاہیئے ؛

تمیم داری کو اُنہوں نے پوچھا کیا چیز سرداری کرتی ہے۔ اُس نے کہا عقل۔ حضرت عمرؓ نے کہا سچ کہا ؛

علم نجوم کو بحر و بر میں راستہ تلاش کرنے کے واسطے سیکھو اَور غرض سے نہیں ؛

کسی کی مدح کرنا اُس کو ذبح کرنا ہے ؛

جو شخص زیادہ ہنسے اُسکی ہیبت کم ہوتی ہے۔ جو تمسخر کرے اُسکو لوگ خفیف سمجھتے ہیں ۔ جو زیادہ گو ہے زیادہ غصہ ور ہوتا ہے۔ جو زیادہ غصہ ور ہوتا ہے وہ کم لحاظ ہوتا ہے۔ جو کم لحاظ ہو وہ پرہیزگار کم ہوتا ہے۔ جو پرہیزگار نہو اُس کا دل مُردہ ہوتا ہے ۔

اُس سے بڑھکر کوئی گمراہی نہیں کہ لوگوں کو اُس بات کی تہمت لگانے جو آپ کرتا ہو اور عیب وہ نکالتا ہو جو خود اُس میں ہوں اور لایعنی باتوں سے وقت ضائع کرتا ہو ۔

جو شخص حرص اور طمع اور غضب سے بچا اُس نے مخلصی پائی ۔

امام کے علم سے زیادہ کوئی علم اللہ کو پیارا اور نفع بخش نہیں ہے اور امام کی جہالت سے زیادہ بری اور مضر کوئی شے نہیں ہے ۔

تواضع یہ ہے کہ مسلمانوں کو پہلے سلام کہے۔ مجلس میں ادنیٰ جگہ بیٹھے اور ریاء و نمود کو بُرا سمجھے ۔

طمع فقر ہے اور بے غرضی غنا ہے ۔

اُس شخص پر خدا رحمت کرے جو اپنے بھائی کو اُس کے عیبوں سے مطلع کرے ۔

فاجر کی صحبت نہ کر اور اپنا راز اُس سے نہ بتا۔ نیک سے مشورہ لے ۔

اپنے نفسوں سے حساب کرو پیشتر اس کے کہ تمہارا حساب ہو ۔

توبۃ النصوح یہ ہے کہ بُرے عمل سے ایسی توبہ کیجائے کہ اُسپر پھر عمل نہ ہو ۔

حاکموں میں سعید وہ ہے جسکی رعایا سعید ہو ۔

کوئی شخص اللہ کے حکم کو لوگوں میں نہیں قائم کر سکتا جب تک مضبوط ارادہ والا اور تجربہ کار نہو۔ لوگ اُسکے عیبوں پر مطلع نہوں۔ حق کہنے میں کسی بڑے آدمی سے اور کسی کی ملامت سے نہ ڈرے ۔

ایمان باللہ کے بعد سب سے اچھی چیز نیک خلیق محبت کرنے والی اور صاحب اولاد عورت ہے اور کفر کے بعد سب سے بُری چیز بدخلق اور زبان دراز عورت ہے ۔

جو کلمہ تیرے مسلمان بھائی کے موہنہ سے نکلے جب تک اُس کا اچھا محل پا سکتا ہے اُس کو شرارت نہ خیال کر ۔

تین چیزیں تیری دوستی کو تیرے بھائی کے دل میں پختہ کریں گی۔ جب اُس سے ملے سلام کہنے میں پیشدستی کرے۔ اُس کو پسندیدہ نام سے بُلائے اور اپنی مجلس میں اُس کے واسطے جگہ فراخ کرے ۔

میں پسند کرتا ہوں کہ ایک شخص اپنے کنبہ میں بچے کی طرح ہو اور جب کاروبار میں ہو تو مرد کی طرح ۔

آدمی تین قسم کے ہیں۔ کامل۔ کاہل اور لاشئے۔ کامل وہ صاحب الرائے ہے جو لوگوں سے بھی مشورہ لے اور اُن کی رائے کا موازنہ کرے۔ اُس سے کم وہ صاحب الرائے (کاہل) ہے جو اپنی رائے پر چلے دُوسروں سے مشورہ نہ لے۔ تیسرا لاشئے ہے جو نہ خود عقل رکھتا ہو نہ دُوسرے سے رائے لے ۔

خشوع دل میں ہوتا ہے۔ جو شخص لوگوں کے واسطے دل سے زیادہ اپنا خشوع ظاہر کرے وہ اپنے نفاق کا اظہار کرتا ہے ؛

آدمی کے نماز و روزے کی طرف نہیں دیکھنا چاہیئے۔ اُس کی عقل اور سچ کی طرف دیکھنا چاہیئے۔ آدمی کی عزت اُس کا دین ہے۔ اُس کا حسب اُس کا خلق خواہ فارسی ہو یا نبطی ؛

بُرے آدمیوں کے شر سے ہجرت کرنے میں آرام ہے ؛

جو شخص خود کہے میں عالم ہوں وہ جاہل ہے۔ جو خود کہے میں بہشتی ہوں وہ دوزخی ہے ؛

گیت سوار کا زادِ راہ ہے ؛

لڑکا سات سال میں دانت نکالتا ہے۔ چودہ سال میں بالغ۔ اکیس سال میں قد پورا ہوتا ہے اٹھائیس سال میں عقل پوری ہوتی ہے۔ اور کامل آدمی چالیس سال میں ہوتا ہے ؛

آج کے کام کو کل پر مت چھوڑ کیونکہ تیرے بہت کام ہو جائینگے اور ضائع بھی ہو جائینگے ؛

ہوس کی پیروی سے بچنا۔ کیونکہ آدمی کی خواہشیں پے در پے ہوتی ہیں ؛

زاہدوں کے اقوال کو لکھو۔ کیونکہ اللہ نے اُن پر فرشتے مقرر کیئے ہوئے ہیں جو اُن کے منہ پر ہاتھ رکھے رہتے ہیں۔ اور خلاف حق کوئی بات نہیں کہنے دیتے ؛

قرآن کی تفسیر اور رسول اللہ سے روایت تھوڑی کیا کرو۔ اس میں میں بھی تمہارا شریک ہوں ؛

احمق کی دوستی سے بچنا جو نفع کے ارادے سے نقصان کر بیٹھتا ہے ؛

چار چیزوں کا واپس آنا ممکن نہیں۔ کہی ہوئی بات۔ واقع ہو چکا امر۔ چھوٹا ہوا تیر۔ گزری ہوئی عمر ؛

حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا کلام اکثر "اللہ اکبر" ہوا کرتا تھا ؛

سیرۃ النعمان

یعنی امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کی سوانح عمری حصہ اول و دوم۔ اس کتاب کے پہلے حصہ میں امام صاحب کا نام و نسب۔ ولادت۔ تحصیل تعلیم و تربیت شیوخ حدیث۔ درس و تدریس بقیہ زندگی اور دربار کے تعلقات۔ وفات۔ عام اخلاق و عادات۔ مناظرات و نکات۔ ذہانت و طباعی اس قسم کے تمام حالات نہایت تفصیل سے مذکور ہیں۔ دوسرے حصہ میں امام صاحب کے احوال و مسائل سے جو علم و کلام و فروع کے متعلق ہیں تفصیلی بحث ہے۔ اور واقعات و رسانید کے ساتھ ثابت کیا گیا ہے کہ فن حدیث میں آپکا کیا پایہ تھا۔ فن فقہ پر تفصیلی ریویو ہے جس میں تدوین فقہ کے تاریخی حالات کے ساتھ وہ تمام صورتیں تفصیلاً بیان کی گئی ہیں جنکی وجہ سے فقہ حنفی کو اور فقہوں پر ترجیح حاصل ہے۔ خاتمہ میں امام صاحب کے نامور اور ممتاز شاگردوں کے حالات درج ہیں مؤلفہ شبلی نعمانی . . . عہ

المامون

اس کتاب کے دو حصے ہیں حصہ اول تمہید۔ تربیت خلافت مامون رشید کی ولادت تعلیم و تربیت ولیعہدی تخت نشینی۔ خانہ جنگیاں۔ فتوحات ملکی اور وفات کے حالات ہیں۔ دوسرے حصے میں اُن مراتب کی تفصیل ہے جن سے اس عہد کی ملکی حالات اور مامون رشید کے اخلاق و عادات کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ نیز اُن کارناموں کی تفصیل ہے جن کی وجہ سے مامون رشید کا عہد عموماً شاہان عالم کے عہد سے علمی حیثیت میں ممتاز تسلیم کیا گیا ہے مرتبہ شبلی نعمانی صاحب . . . . عہ

ذکر ممدوح	آئینہ سکندری
حضرت ملکہ معظمہ وکٹوریہ قیصرہ ہند کی صحیح صحیح معتبر اور قابل دید سوانح عمری . . . . . ۸؍	سکندر اعظم شاہ فقہ دنیہ کی نہایت معتبر اور قابل دید سوانح عمری . . . . ۸؍

عالمگیر

دیباچہ۔ ولادت بچپن و شہزادگی۔ گورنری اور سپہ سالاری۔ خانہ جنگیاں۔ راجپوت۔ مرہٹے۔ دکن۔ انتظام مملکت۔ کیرکٹر یعنی ابو المظفر محی الدین شاہنشاہ اورنگزیب عالمگیر کی سوانح عمری جس میں مندرجہ بالا مضامین ہیں . . . . . . ۶؍

المشتہر

خاکسار فضل الدین صاحب ککے زئی تاجر کتب قومی

مالک اخبار اشاعت

بازار کشمیری

لاہور

حسب ضابطہ رجسٹری شدہ

سیرتِ عثمان رض

یعنی

حضرت امیر المومنین عثمان بن عفان رضی اللہ تعالےٰ عنہ

خلیفہ سوم کی سوانح عمری

مرتبہ

مولوی محمد عبد الحی صاحب رئیس بدایوں

وکیل عدالت دیوانی

بفرمایش منشی فضل الدین ککے زئی تاجر کتب قومی مالک اخبار اشاعت بازار کشمیری

لاہور

سنہ ۱۳۱۹ھ

مطبوعہ رفاہ عام پریس لاہور

بار اول ۱۰۰۰ جلد

قیمت فی جلد ۶ ؍

اشتہار

(قیمت ۶؎) سوانح عمری رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم (قیمت ۶؎)

اس کتاب میں نہایت شرح وبسط کے ساتھ جناب سرور عالم شافع محشر فخر زمن محبوب ذوالمنن شاہنشاہ عرب وعجم محبوب رب العالمین شفیع المذنبین محمد مجتبےٰ احمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی پاک زندگی کے حالات مع حالات جاہلیت عرب کے درج ہیں

تذکرہ بابر

محمد ظہیر الدین بابر بادشاہ غازی کی سوانح عمری یہ اُس شاہنشاہ عالی کا تذکرہ ہے جو ہندوستان میں خاندان مغلیہ کا بانی اور صفحۂ تاریخ کے اول درجہ کے شاہنشاہوں میں جری - نبرد آزما گذرا ہے - قیمت ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۲؎

سوانح عمری ملا دوپیازہ باتصویر

محمد جلال الدین اکبر بادشاہ کے دربار کا مشہور معروف ملا دوپیازہ جس کی بات بات پر اکبری دربار قربان ہوجاتا تھا - اس کی زندگی کے تمام حالات نہایت دروانگیز پیرایہ میں لکھے گئے ہیں اور اس کے ساتھ ہی اس کے لطیفے جو اکبر اور بیربر سے ہوا کرتے تھے سب درج ہیں - قیمت ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۲؎

تذکرہ امیر

یعنی حالات وسوانح ضیاء الملۃ والدین امیر عبدالرحمن خاں والی دولت خداداد افغانستان جس میں ابتدا سے تاریخ افغانستان و تمام قبائل کے حالات درج ہیں اور بہت ضروری فوٹو بھی دئے گئے ہیں - اس کے علاوہ جس قدر افغانستان کے متعلق لڑائیاں ہوئی ہیں سب کی جامع تاریخ - اور تمام عہدناموں کی نقل بھی شامل ہے - قیمت ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ عہ

البرامکہ

یعنی خلیفہ ہارون الرشید عباسی کے نامور وزرا یحییٰ فضل اور جعفر برمکی کی مفصل سوانح عمری کا پہلا - دوسرا اور تیسرا حصہ اس کتاب کے پہلے حصے میں یحییٰ - دوسرے حصے میں فضل - تیسرے حصے میں جعفر برمکی کی سوانح عمری اور اُن مراتب کی تفصیل ہے جو اسباب زوال برامکہ اور حضرت عباسہ کی شادی کے غلط واقع کی تحقیقات سے متعلق ہیں - مع اصل عکسی تصویر جعفر بن یحییٰ برمکی کے - قیمت مجلد سنہری ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۱؎ + قیمت سادی جلد ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ عہ

تذکرہ تیمور

یعنی خاندان چغتائیہ کے مورث اعلیٰ شاہنشاہ تیمور کی سوانح عمری باتصویر بعد نظر ثانی وتصحیح وترمیم کے چھپائی ہے مصنفہ جناب مولنا مولوی احمد شفیع صاحب قیمت ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۲؎

غلط نامہ کتاب ھذا

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
١١	٨	است ہی	است مہی
١	١٥	کون ہے	ہے
١٣	١٩	خمرہ	جبرۂ
١٥	٤	فکر	لشکر
٪	٦	نسرجبیل	شرجبیل
٪	١٩	سلمانوں	سلمان
١٦	٧	مصر	مصر
	٨	بدر	بدر
١٨	١٩	روضۃ الکبرا ے	روضۃ الکبرے
٢٨	٣	متعدد	شورہ
٣٤	١٠	روضۃ المدے	روضۃ الکبرے
٪	١٥	عظمت کے	عظمت
٥٥	٣	چھار	حصار
٥٩	٥	فسوی	دسوی
٦٥	١١	اس رشک	رشک

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
حامِدًا وّمُصلّیًا وّمُسلِّمًا

نام نسب۔ ولادت | عثمان نام۔ کنیت ابو عبد اللہ و ابو یعلی اور لقب ذوالنورین ہے۔ آپ کے والد عفان بن ابی العاص بن اُمیہ بن عبد الشمس تھے۔ اور والدہ اروی بنت کریز بن ربیعہ بن حبیب بن عبد الشمس تھیں۔ اروی ام حکیم (البیضا) بنت عبد المطلب جد رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دختر تھیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بلحاظ نسب و حسب قریش تھے سنہ ولادت آپ کا سنہ ۶ عام الفیل مطابق ۵۷۶ء اور مقام ولادت طائف ہے۔

حلیہ | قد آپ کا موزوں مائل بہ درازی۔ سینہ کشادہ۔ کاسہ سر متوسط۔ اعضائے جسم سڈول و خوب صورت۔ چہرہ زیبا و خوش منظر۔ رنگ رخسار سفید مائل بہ سرخی ڈاڑھی گھنی و بڑی۔ ابرو پیوستہ۔ پیشانی بلند۔ آنکھیں روشن تھیں۔ چہرہ پر کچھ کچھ خفیف داغ چیچک کے بھی نظر آتے۔ سر کے بال گھونگروالے کانوں کی لو سے نیچے رہا کرتے۔ دانت سفید و چمکدار سونے یا چاندی کے تاروں سے

بندھے ہوئے رہتے۔ دونوں مونڈھوں میں فاصلہ تھا۔ ہاتھوں کی باہیں لانبی بالوں سے ڈھکی ہوئی تھیں ٭

ابتدائی حالت بچپنے کی تعلیم و تربیت کی نسبت کچھ پورا پتہ تاریخوں سے نہیں چلتا۔ قیاس یہ ہے کہ عام طور پر ہوئی ہو۔ مگر فصاحت و بلاغت جو ایک خداداد جوہر اہل عرب کا تھا وہ آپ میں بھی نظر آتا تھا ٭

جب آپ سن شعور کو پہنچے تو تجارت کا مشغلہ شروع کیا۔ تجارت آپ کی دوسرے ملکوں سے تھی۔ اس شریف پیشہ کی بدولت آپ کو بہت کچھ سرمایہ حاصل ہوا۔ قریش میں آپ ایک مقتدر و دولتمند شخص شمار ہوتے۔ رسوم جاہلیت سے طبیعت کو ابتدا ہی سے تنفر تھا۔ قبل قبول اسلام بھی آپ کا دامن عصمت زنا۔ شراب خواری۔ قمار بازی سے آلودہ نہیں ہوا ٭

قبول اسلام حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مبعوث بہ رسالت ہوئے تو آپ مکہ میں نہیں تھے۔ مال تجارت لیکر شام گئے ہوئے تھے۔ واپس آنے پر حضور اقدس صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مبعوث بہ رسالت ہونا معلوم کیا۔ کچھ تو طبیعت پہلے ہی سے رسوم جاہلیت سے متنفر تھی۔ اس پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی پر اثر ہدایت نے فوراً قبول اسلام پر مستعد کر دیا۔ آپ صدیق اکبر رضہ کے ہمراہ حضور نبوی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہو کر شرف قبولیت اسلام سے مشرف ہوئے ٭

حکم بن العاص آپ کا چچا تھا اُس کو جب آپ کے قبول اسلام کا حال معلوم ہوا تو سخت برافروختہ ہوا۔ غصہ میں آکر آپ کو پابہ زنجیر کر دیا اور کہنے لگا۔ کیا شام کے سفر سے یہی تحفہ لیکر آئے کہ اپنے آباؤ اجداد کا مذہب چھوڑ کر محمد

(صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا دین قبول کر لیا۔ خوب اچھی طرح سُن لو۔ جب تک اس نئے دین سے دست بردار نہ ہوگے۔ اسی طرح پابہ زنجیر رہوگے۔ طرح طرح کے تکالیف ومصائب کا سامنا ہوگا۔ اسلام کا نشہ کچھ ایسا تو نہ تھا۔ کہ ان گیدڑ بھبکیوں سے اُتر جاتا۔ آپ نے بہت سختی ودرشتی سے جواب دیا۔ کہ اے چچا تمہاری یہ تقریر تہدید آمیز بیکار ہے۔ مَیں اس خدائے برحق وہادی مطلق پر بھروسا رکھتا ہوں جس نے آفتاب ہدایت خاندان قریش میں طلوع کیا جسکی لازوال روشنی نے ظلمت کفر وعصیان کو ہمارے دلوں سے دُور کر دیا۔ اگر میرا سر بھی تن سے جدا کر دیا جائیگا جب بھی میں دین اسلام سے منحرف نہ ہونگا اور یہ جسم بے سر آستانۂ رسُول اللہ (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر پڑا رہیگا۔ اگر میرا بدن جلا کر خاک کر دیا جائیگا تو بھی وہ خاک ہَوا میں اُڑ کر اسی کوچہ میں پہنچیگی مجھ کو مصائب وتکالیف کا کچھ ڈر نہیں ہے۔ یہ دنیا دار المحن ہے۔ ؎

صد بلا گر پیش پیش آید من درویش را
ہرگزم از کوئے آں مہ روئے برگشتن مباد

اے چچا بہتر ہوگا کہ آپ اپنے خیالات فاسدہ سے باز آئیں اور مجھ کو میرے حال پر چھوڑ دیں حکم بن العاص اُس وقت تو یہ گفتگو جس کے ایک ایک حرف سے استقلال اور فدائیت اسلام ٹپکتی تھی۔ سُن کر چُپ ہو رہا۔ اور آپ کو اُسی حالت مجبوسی میں چھوڑ کر چلا گیا۔ خیال کیا دو ایک دن میں تکلیف سہ کر خود ہی دست بردار ہو جائینگے۔ مگر جب تین چار روز متواتر آپ کو اسی طرح پابہ زنجیر گذر گئے۔ آپ ایک لحظہ کو خدائے واحد کے ذکر سے غافل نہ ہوئے۔ تو مجبور ہو کر زنجیر پا کاٹ دی اور مطلق العنان کر دیا۔ مسلمان ہونے کی تاریخ سے

آپ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کے مقابل نہ جان کو جان نہ مال کو مال سمجھتے۔ ہر امر میں اتباع حکم آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ملحوظ رکھتے ✤

حالات بعد اسلام لانے کے وفات حضرت عمرؓ تک

جب کفار قریش کے ظلم مسلمانوں پر زیادہ ہونے لگے۔ اور مکہ میں ان کو رہنا دشوار ہو گیا۔ تو رجب ۵ھ بعثت میں باجازت وحکم حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک گروہ مسلمانوں کا مکہ سے ہجرت کرکے روانہ حبشہ ہوا۔ اس گروہ میں سب سے پہلے ہجرت کرنے والے حضرت عثمانؓ مع اپنی زوجہ بی بی رقیہ[ل] کے تھے ✤

حبشہ میں نجاشی عیسائی ملت بادشاہ تھا۔ اُس نے مسلمان مہاجرین کا بہت احترام کیا۔ اور اُن کو اپنی مملکت میں ہر طرح کے آرام و آسایش کے ساتھ رکھا۔ کچھ عرصہ بعد مہاجرین کو معلوم ہوا کہ مابین قریش و مسلمانوں کے صلح ہو گئی تو وہ حبشہ سے مکہ کو واپس آئے۔ ابھی مکہ نہ پہنچے تھے کہ اُس خبر کی تکذیب معلوم ہوئی۔ حضرت عثمانؓ بھی مع بی بی رقیہ اس گروہ میں شامل تھے آپ نے پھر حبشہ جانا مناسب تصور نہ فرمایا بلکہ اپنے گھر چلے آئے ✤

سنہ ۱۳ بعثت میں اہل مدینہ کے قبول اسلام۔ اظہار اطاعت۔ وعدہ رفاقت سے حضور رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطمینان ہو گیا کہ مسلمان مدینہ میں بہ آسائش رہینگے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب باوفا کو اجازت مدینہ چلے جانے کی دی۔ اُس وقت حضرت عثمانؓ بھی مع اپنی زوجہ بی بی رقیہ کے گھر بار چھوڑ کر روانہ مدینہ ہوئے ✤

ل بی بی رقیہ دختر حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بطن بی بی خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے تھیں آپ کا عقد ثانی حضرت عثمانؓ کے ساتھ ہوا تھا۔ زمانہ جنگ بدر میں آپ نے علیل ہو کر بمقام مدینہ منورہ انتقال فرمایا۔ بعد انتقال بی بی رقیہ کے آنحضرت صلعم نے اپنی دوسری بیٹی بی بی کلثوم کا نکاح حضرت عثمانؓ کے ساتھ کر دیا اسی سبب سے حضرت عثمانؓ کو معزز خطاب ذوالنورین کا ملا ✤

حضور رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رونق افروز مدینہ ہو کر اول مہاجرینؓ انصارؓ میں بھائی چارہ قائم کیا۔ اس بھائی چارہ میں حضرت عثمان کا بھائی چارہ انوش بن ثابت انصاری سے قرار دیا گیا۔ علاوہ اس کے ایک بھائی چارہ خاص مہاجرین میں کرایا گیا جس میں انصار کا کچھ دخل نہیں تھا۔ چنانچہ ان جوڑیوں میں عثمان غنیؓ عبدالرحمن بن عوف کے بھائی بنائے گئے +

سنہ ۲ ہجری میں جنگ بدر واقع ہوئی۔ حضرت عثمانؓ مدینہ میں بوجہ علالت اپنی بی بی حضرت رقیہ کے بموجب حکم سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے رہے۔ مگر شرکائے بدر سے سمجھے گئے۔ اور سب کے برابر آپ کو مال غنیمت سے حصہ دیا گیا +

سنہ ۴ ہجری میں عبداللہ بن عثمان نے جو بی بی رقیہ کے بطن سے پیدا ہوئے تھے چھ برس کی عمر میں انتقال کیا۔ ایک مرغ نے اُن کی آنکھ میں پنجہ مارا تھا جس کے صدمہ سے یہ واصل حق ہوئے +

ماہ ذیقعدہ سنہ ۶ ہجری میں رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بارادۂ عمرہ مع مہاجرین وانصار جن کی تعداد چودہ سو کے قریب تھی مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے حُدیبیہ پہنچ کر معلوم ہوا کہ کفار قریش مسلمانوں کے داخلہ مکہ معظمہ کے مانع ہو نگے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہ مشورہ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ کو مکہ روانہ کیا کہ آپ کفار قریش کو فہمایش کر کے اُن کے عزم سے اُن کو باز رکھیں۔ حضرت عثمانؓ مکہ تشریف لے گئے۔ ابوسفیان اور دیگر قریش سے گفتگو کی۔ انہوں نے داخلہ مسلمانوں کا مکہ معظمہ میں منظور نہیں کیا اور حضرت عثمانؓ کو گرفتار کر لیا۔ حضرت عثمانؓ کی واپسی میں جب دیر ہوئی اور اُڑتی ہوئی یہ خبر بھی سُنی گئی کہ آپ شہید کر دئیے گئے۔ تو حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم مستعد جنگ ہو گئے اور ایک

درخت کے نیچے بیٹھ کے بیعت جہاد لینا شروع کی یہ واقع **بیعت الشجرہ** اور **بیعت الرضوان** کے نام سے مشہور ہے۔ حضرت عثمان چونکہ اُس وقت موجود نہ تھے اور پورا پورا یقین اُن کی شہادت کا بھی نہ تھا۔ صرف افواہ سُنی گئی تھی جو آیندہ غلط ثابت ہوئی اس لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ایک ہاتھ کو دوسرے پر مار کر حضرت عثمان کی طرف سے بیعت کر لی۔ بعد اس بیعت کے مابین قریش اور حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم صلح ہو گئی۔ حضرت عثمانؓ نے رہائی پائی +

بروز فتح مکہ ۸ سنہ ہجری میں حضرت عثمان کی سفارش سے آپکے رضاعی بھائی عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کا جس کا خون آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ہدر فرمایا تھا قصور معاف کیا گیا۔ یہ شخص قبل فتح مکہ مسلمان ہو کر کتابت وحی پر مامور ہوا تھا۔ مگر تحریر میں حروف کلام اللہ تبدیل کر دیتا تھا۔ بعدہٗ فرار ہو کر مرتد ہو گیا۔ اسی قصور میں اس کا خون ہدر ہوا تھا۔ بعد معافی قصور پھر مسلمان ہوا۔ حضرت عثمان کے عہد خلافت میں مصر کی گورنری (حکومت) پائی +

رجب ۹ سنہ ہجری میں رومیوں سے لڑائی کا بندوبست ہوا۔ بہ سبب شدتِ گرمی امساک باراں و قوت دشمن اور کمی سرمایہ انتظام لشکر و فراہمی رسد میں سخت دقت پیش آئی۔ حضور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ جس مسلمان سے جو کچھ ہو سکے وہ اس مہم کے سامان رسد کے لئے دے حضرت عثمان نے اس حکم سے مطلع ہو کر تین سو اونٹ محمولہ اناج اور ایک ہزار دینار اور بقول بعض نو ہزار اونٹ اور نو سو اوقیہ سونا نذر دیا۔ حضور سرورِ عالم صلعم اس پیشکش سے بہت خوش ہوئے اور دعائے خیر حضرت عثمان کے حق میں فرمائی +

بعد غزوہ تبوک بی بی ام کلثوم دختر رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم زوجۂ حضرت عثمانؓ نے ۹ سنہ ہجری میں انتقال فرمایا۔ بعد وصال حضور سرور عالم صلعم شہادت حضرت عمر تک کوئی واقع آپ کے متعلق ایسا نہیں ہے۔ جو قابل تحریر ہو +

حضرت عمر کی شہادت اور شورے کی نسبت وصیت

۲۶ - ذی الحجہ ۲۳ سنہ ہجری کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت خنجر ابو لولو (فیروز) سے مجروح ہوئے - امید زندگی منقطع ہوگئی۔ تو آپ نے مسلمانوں کی آیندہ بہبودی کے خیال سے چھ اشخاص یعنی عثمان بن عفان - علی ابن ابی طالب - سعد بن وقاص - زبیر بن العوام - طلحہ بن عبید اللہ عبد الرحمٰن بن عوف کو نامزد کر کے فرمایا کہ انہیں میں سے ایک شخص کو باہمی مشورہ سے میری وفات کے بعد تین دن کے عرصہ میں خلیفہ منتخب کر لینا۔ اپنے بیٹے عبد اللہ کو بھی حکم دیا کہ شریک شورے رہیں جس طرف کثرت رائے ہو اسی طرف مائل ہوں بحالت مساوات رائے عبد الرحمٰن بن عوف کی تائید کریں مگر اپنے خلیفہ منتخب ہونے کا حق نہیں ہے۔ اُس وقت کسی نے آپ سے دریافت کیا کہ آپ نے ان چھوں میں سے کسی کو خود خلیفہ منتخب کیوں نہیں کیا آپ نے جواب دیا کہ اتنا بڑا بار میں نے اپنے اوپر رکھنا پسند نہیں کیا۔ خلافت کی بہت سخت ذمہ واری ہے +

صبحی پاشا صاحب حقایق الکلام فی تاریخ الاسلام کا قول ہے کہ حضرت عمرؓ نے اول عبد الرحمٰن بن عوف کو بلایا اور فرمایا میں خلافت تمہارے سپرد کرتا ہوں انہوں نے انکار کیا۔ پھر آپ نے عثمان - علی - زبیر وسعد کو بموجودگی عبد الرحمن بلا کر کہا کہ تین روز طلحہ بن عبید اللہ کا انتظار کرنا۔ اس عرصہ میں اگر وہ آجائیں تو خلافت اُنکے سپُرد کر دینا اگر نہ آئیں تو آپس میں تم لوگ ایک شخص کو منتخب کر لینا +

شورے کی کیفیت اور حضرت عثمان کا خلیفہ منتخب ہونا۔

حضرت عمرؓ نے ۲۷ - ذی الحجہ ۲۳ سنہ ہجری کو رحلت فرمائی

بعد تجہیز و تکفین کے اول اراکین شوریٰ مسور بن مخرمہ کے اور بقول بعض حضرت عائشہؓ کے
مکان میں جمع ہوئے۔ انتخاب میں اختلاف واقع ہوا۔ مجمع منتشر ہو گیا۔ کوئی امر
فیصل نہ ہوا۔ اس اختلاف کی شہرت نے مدینہ میں عام بے چینی پھیلا دی۔ طرح طرح
کے احتمال فساد پیدا ہو گئے۔ لوگوں نے ایک بے صبری کی حالت میں عبدالرحمٰن
بن عوف کو جا گھیرا۔ اور کہا کہ تم خلافت قبول کر لو تاکہ اطمینان ہو جائے۔ اور فساد جو
اُٹھنے والا ہے دب جائے۔ مگر اُنہوں نے صاف انکار کیا۔ آدمی تھے دانشمند۔
تجربہ کار۔ زمانہ کی حالت و خلافت کی عظیم الشان ذمہ داری سے باخبر۔ انکار ہی مناسب
سمجھا۔ زبیر و سعد نے بھی انہیں وجوہ سے انکار کیا۔ طلحہ موجود نہ تھے۔ صرف
عثمان و علی باقی رہے اور دائرہ انتخاب انہیں دونوں بزرگوں کی ذات پر محدود
ہو گیا۔ عبدالرحمٰن نے علی مرتضےٰ رضؓ و عثمان غنیؓ سے کہا کیا یہ کام میرے سپرد کرتے
ہو کہ میں تم میں سے ایک کو منتخب کروں۔ بخدا میں تم میں جو افضل کے انتخاب میں کوشش
کرونگا۔ دونوں حضرات نے اس کو منظور کر لیا۔ عبدالرحمٰن کہنے کو تو کہہ گئے مگر اب
اس فکر میں تھے کہ علی مرتضےٰ رضؓ کو خلیفہ منتخب کریں یا عثمان غنی کو۔ حضرت عثمانؓ کے
ساتھ ایک تو بہنا چارہ ہو گیا تھا۔ دوسرے قرابت قریبہ تھی۔ علاوہ اس کے ان کے
ذاتی فضائل مثل حیا۔ جود۔ تقوےٰ۔ حسن معاشرت ایسے نہ تھے کہ اُن پر توجہ نہ کی
جاتی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا علم و فضل۔ شجاعت۔ مروت۔ فراست۔ عدالت
متانت۔ قرابت رسول اللہ بھی حضرت علیؓ کے انتخاب پر زور دار باتیں تھیں
مدینہ میں بنو ہاشم تو حضرت علی رضؓ کے اور دیگر حضرات حضرت عثمان رضؓ کے جانب دار
تھے۔ عبدالرحمٰنؓ بن عوف کا خیال بھی حضرت علی رضؓ کی جانب مائل تھا۔ مگر قرابت
قریبہ و رجحان عام اجازت نہ دیتا تھا کہ وہ فوری فیصلہ حضرت علی رضؓ کے حق میں کر دیں

اِدھر ہر فریق کے رفقا نے اپنا اپنا رسوخ عمل میں لانا شروع کیا۔ جانبداران حضرت عثمانؓ میں عمر بن العاص بھی تھے۔ یہ ایک بڑے ہوشیار و حکمت عملی کے شخص تھے۔ اِن کو خلافت حضرت علی رضہ بالطبع منظور نہ تھی۔ چاہتے تھے کہ بلا کسی وقت کے حضرت عثمان رضہ کا انتخاب ہوجائے آخر الامر سوچ کر انہوں نے حضرت علی رضہ کا جانبدار اپنے آپ کو ظاہر کیا اور حضرت علی رضہ کے پاس پہنچکر اُن کو یہ مشورہ دیا کہ عبدالرحمن بن عوف آپ سے اور حضرت عثمان رضہ سے یہ دریافت کرینگے۔ آپ دونوں میں سے اگر میں کسی کو خلیفہ منتخب کروں تو وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ اور طریقہ شیخین کی پیروی کریگا آپ اس کے جواب میں لفظ انشاء اللہ کہدیں تاکہ عام یہ خیال نہ کریں آپ خلافت کی خواہش میں ہر امر کی تکمیل کا ذمہ لیتے ہیں۔ اپنے اجتہاد و علم سے کام لینا نہیں چاہتے حضرت علیؓ نے جواب دیا۔ اگر تم نہ کہتے۔ تو بھی میں اس سوال کا قریب قریب ایسا ہی جواب دیتا۔ عمر بن العاص یہ جواب پاکر حضرت عثمان رضہ کے پاس پہنچے اور اس سوال کو بیان کر کے مشورہ دیا کہ آپ بلا شرط قبول کرلیں آپ نے منظور کیا۔ جب ان دونوں حضرات کی جانب سے اطمینان ہوگیا تو عبدالرحمن بن عوف سے جاکر کہا کہ شیخین رضوان اللہ علیہم کے طریقہ کو تمام عرب پسند کرتا ہے۔ آپ ان دونوں حضرات سے یہ سوال کریں کہ اگر تم خلیفہ منتخب کئے جاؤ۔ تو احکام کلام اللہ و سنت رسول اللہ و طریقہ شیخین یعنی حضرت ابو بکر رضہ و حضرت عمر رضہ کی پیروی کروگے جو بلا شرط منظور کرلے اُسی کے ہاتھ پر بیعت کرلینا۔ عام لوگوں کا میلان اسی طرف ہے کہ طریقہ شیخین پر چلنے والا خلیفہ منتخب کیا جائے۔ عبدالرحمن بن عوف نے اس تدبیر کو بہت پسند کیا اور کہا میں ایسا ہی کرونگا *

دن میں تو یہ بندوبست ہولیا۔ رات کو جس کی صبح کو انتخاب ہونے والا تھا۔

عبدالرحمٰن بن عوف مسوربن مخرمہ کے مکان پر پہنچے وہ سو رہے تھے۔ اُنھوں نے جاکر اُٹھایا اور کہا کہ تم پڑے سو رہے ہو۔ بخدا مَیں اس وقت تک بالکل نہیں سویا۔ جاؤ زبیر و سعد کو بُلا لاؤ۔ وہ گئے دونوں کو بلا لائے۔ عبدالرحمٰن رضنے ان سے کچھ مشورہ کرکے رخصت کر دیا۔ پھر کہا جاؤ علی رض کو بُلا لاؤ۔ وہ اُن کو بھی بُلا لائے۔ آدھی رات تک دونوں میں سرگوشی ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ بلند آوازی کی نوبت پہنچی اور علی مرتضٰے رض کبیدہ خاطر ہوکر وہاں سے چلے گئے۔ اُس کے بعد حضرت عثمان رض بُلائے گئے۔ صبح تک اُن سے مشورہ ہوتا رہا۔ بعد نماز فجر سب لوگ مسجد نبوی میں ممبر کے پاس آکر جمع ہوئے۔ مہاجرین انصار کچھ خود آئے کچھ بُلائے گئے۔ عمالانِ سرارانِ اسلام سے معاویہ امیرِ شام۔ عمیر بن سعد امیرِ حمص۔ مغیرہ بن شعبہ امیرِ کوفہ۔ ابو موسیٰ اشعری امیرِ بصرہ۔ عمرو بن العاص امیرِ مصر موجود تھے۔ جب مجمع پورا ہو گیا۔ تو اوّل عبدالرحمٰن بن عوف نے خطبہ پڑھا۔ اِس کے بعد حضرت علی رض و عثمان رض سے سوالِ مجوزہ عمرو بن العاص دریافت کیا۔ حضرت علی رض نے جواب دیا کہ مَیں اپنے مبلغ علم و طاقت کے موافق عمل کرونگا۔ حضرت عثمان رض نے بلا شرط کہا کہ مَیں ایسا ہی کرونگا۔ عبدالرحمٰن رض نے یہ دونوں جواب سُنکر حضرت عثمان رض کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور آسمان کی طرف سر اُٹھا کر کہا۔ اے خدا تو گواہ رہ کہ مَیں نے اپنی گردن کا بوجھ عثمان رض کی گردن پر رکھ دیا اور اُن سے بیعت کرلی۔ پھر علی مرتضٰے رض سے مخاطب ہو کر کہا۔ اے علی رض تحقیق مَیں نے لوگوں کی حالت پر نظر کی کسی کو وہ عثمان رض کی برابر نہیں سمجھتے۔ پس تم اپنے دل میں عثمان رض کے خلیفہ ہونے پر کوئی ملالت میرے اختیار کی نسبت نہ کرنا جب کہ لوگ تم سے موافق نہیں عبدالرحمٰن کے بعد مہاجرین و انصار و امراء اسلام و جمہور مسلمانوں نے حضرت عثمان رض سے بیعت کی ◆

علی مرتضےٰ رضہ جلسہ کی یہ رنگت اور اپنی ناکامیابی دیکھ کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔
اور حاضرین کو مخاطب کرکے فرمایا میں تم سب کو قسم دیتا ہوں۔ سچ سچ کہنا۔ اصحاب رسول
خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کوئی ایسا شخص ہے کہ جب آپ نے عقدہ اخاۃ اپنے
اصحاب میں باندھا تو میرے سوا کسی سے یہ کہا ہو (انت اخی فی الدنیا والاخرۃ)
سب نے بالاتفاق کہا کوئی نہیں۔ پھر فرمایا میرے سوا تم میں کوئی شخص ایسا ہے جس کے
حق میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا من کنت مولاہ فعلی مولاہ)
میرے سوا تم میں کوئی ایسا شخص ہے جس کے حق میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم
نے فرمایا ہو (انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی)
میرے سوا تم میں کوئی شخص ایسا ہے جسکو سورۃ براءت کا امین قرار دیکر یہ کلمات اسکی
حق میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہے ہوں (لا یودی عنی الا انا
او رجل من عترتی) میرے سوا تم میں کوئی شخص ایسا ہے کہ جس کو رسول خدا
صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب کہ سرتوں میں بھیجا تھا تو کل مہاجرین و انصار پر امیر مقرر
کیا۔ اور اُنکو امیر لشکر کی اطاعت و فرمانبرداری کا حکم دیا اور مجھ پر کسی کو امیر مقرر نہ کیا۔
میرے سوا تم میں کوئی ایسا ہے جس کے حق میں رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
ہو (انا مدینۃ العلم وعلیؑ بابھا) میرے سوا کوئی شخص تم میں ایسا موجود ہے
جو دائرہ اسلام میں سب سے پہلے آیا ہو۔ میرے سوا تم میں کوئی شخص از روئے نسب
رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ قریب کون ہے؟ ان سوالات کے
جواب سب نے یہ دئے کہ آپ سچ کہتے ہیں ہم میں کوئی ایسا نہیں +
حضرت علی رضہ اس کے بعد کچھ اور کہنا چاہتے تھے کہ عبدالرحمٰن رضہ بن عوف بول اُٹھے
اے علی رضہ تم سب سچ کہتے ہو۔ مگر لوگوں نے عثمان رضہ کی طرف رغبت کی ہے یقین ہے

تم بھی موافقت کروگے۔ حضرت علی رضؓ عبدالرحمنؓ بن عوف کا یہ کلام سُن کر آیت (فصبر جمیل واللہ المستعان علی ما تصفون) پڑھتے ہوئے اپنے مکان کو چلے گئے۔ حضرت عثمانؓ رضؓ مستقل خلیفہ و امیرالمومنین مقرر ہوئے۔ یہ واقعہ یکم محرم ۲۴ھ کا ہے +

گروہ کثیر کے بیعت کر لینے پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خطبہ پڑھنے کو ممبر پر تشریف لے گئے۔ حمد الٰہی و کلمہ شہادت پڑھنے کے بعد آپ رُک گئے۔ کچھ توقف کے بعد آپ فرمانے لگے اوّل ہر شے کا سخت ہوتا ہے۔ اگر میں زندہ رہا تو بہت خطبے سنو گے۔ یہ فرما کر ممبر پر سے اُتر آئے۔ ارباب سیر لکھتے ہیں کہ آپ کو اس وقت حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ممبر پر جلوہ افروز ہو کر خطبہ پڑھنا یاد ہو گیا۔ آپ اس خیال و یاد سے متاثر ہو کر آبدیدہ ہوئے اور بوجہ وفور رقت کچھ زیادہ نہ فرما سکے۔ بعض کا قول ہے کہ چونکہ یہ پہلا ہی مرتبہ آپ کے خطبہ خوانی کا بحیثیت امیرالمومنین تھا اُس جلسہ میں بکثرت مہاجرین و انصار و دیگر اہل اسلام موجود تھے اور اوّل ہر شے کا سخت ہوتا ہے جیسا کہ آپ نے خود ارشاد فرمایا ہے۔ آپ زیادہ خطبہ نہ پڑھ سکے غرض کچھ ہی کیوں نہ ہو آپ نے اُس وقت خطبہ نہیں پڑھا +

عبداللہ بن عمر کا معاملہ

انتظام و اہتمام خلافت ہاتھ میں لیتے ہی پہلے پہل یہ پیچیدہ معاملہ آپ کے سامنے آیا۔ کہ عبداللہ بن عمرؓ پر چار شخصوں کے قتل کا جُرم قائم کیا گیا۔ وہ خود بھی منکر نہ تھے۔ شہادت بھی قوی موجود تھی کہ محض شبہ میں انہوں نے **فیروزان و جفینہ** (یہ دونوں خیبرہ کے عیسائی حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں گرفتار ہو کر آئے تھے۔ حضرت عمرؓ نے اُن کو رہا کر دیا اور مدینہ میں سکونت کی اجازت دی۔ دو ہزار درہم ماہوار اُن کی تنخواہ مقرر کردی) اور ایک مسلمان مرد

ایک لڑکی کو قتل کیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہوتے تو اُن کو تو کسی مشورہ کی ضرورت نہ تھی نہ اجراے احکام شرعی میں کسی کا پاس تھا۔ فوراً قصاص لیتے اور کوئی دم نہ مارتا مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ خیال فرما کر کہ یہ پہلا ہی معاملہ اُن کے روبرو فیصلہ کے لئے پیش ہوا ہے مجرد اپنی راے سے فیصلہ کر دینا مناسب تصور نہ فرمایا۔ مشورہ کیا۔ مشورہ کرنا ہی غضب ہو گیا۔ اختلاف راے واقع ہوا۔ کسی نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو واجب القتل کسی نے قابل عفو کسی نے کچھ تجویز کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی راے تھی قصاص لیا جائے۔ سعد بن وقاص تو عبداللہ بن عمر کو گرفتار کر کے ہی لائے تھے وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی راے سے متفق تھے۔ عمرو بن العاص نے راے دی کہ یہ واقعہ آپ کے خلیفہ ہونے سے پیشتر کا ہے۔ اس میں خواہ مخواہ دخل دینا ضروری نہیں۔ کیا مناسب ہے کہ کل تو باپ شہید کیا جائے اور آج بیٹا قتل۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ایک بامروت رحمدل شخص تھے۔ عمرو بن العاص کی راے کو پسند کر لیا اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو بلا کسی مواخذہ کے رہا کر دیا اولیاء مقتولین کو اپنی جیب خاص سے خون بہا دیکر راضی کر دیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ فعل بلحاظ مصلحت وقت بہت ہی مناسب تھا اور آپ کے اس عمل نے ایک جدید پیدا ہونے والے فتنہ کو بہت خوبی و آسانی سے رفع کر دیا۔ گو بعض لوگ اس فیصلہ سے راضی نہ ہوئے اُن کو خیال پیدا ہو گیا کہ آپ کی خلافت میں دوسرے لوگوں کی رایوں کو دخل ہو گا۔ مگر اہل الراے و فہمیدہ اشخاص آپ کے اس فیصلہ کو وقعت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

ایک سال تک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انتظام زمانہ حضرت عمر قائم رکھا۔ عاملان و عہدہ داران مقرر کردہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ میں کوئی تغیر و تبدل نہیں کیا۔

اہل ہمدان ورے کی بغاوت

حضرت عثمان کی خلافت کو چھ مہینے ہوئے تھے

کہ ۲۴ سنہ ہجری میں اول اہل ہمدان نے نقض عہد کرکے بغاوت شروع کی اور تمے والوں کو بھی برانگیختہ کیا۔ خلافت کی جانب سے ابو موسے اشعری۔ مغیرہ بن شعبہ برآ بن عازب۔ قرظ بن کعب۔ ان کی سرکوبی و گوشمالی کو مامور ہوئے۔ جنہوں نے بہت قلیل مدت میں باغیوں کو تابع حکومت اسلامیہ کردیا اور ایسا سبق دیا کہ آئندہ وہ سر نہ اٹھا سکے۔ اسی عرصہ میں اسکندریہ والوں نے کچھ سر اٹھایا۔ مگر فوراً دبا دئے گئے +

مدینہ میں مروان کا آنا اور کاتب مقرر ہونا

اختتام ۲۴ سنہ ہجری میں مروان بن الحکم مدینہ منورہ آیا۔ اپنی چکنی چپڑی باتوں سے حضرت عثمان رضہ کی طبیعت کو اپنی جانب مائل کرلیا۔ آپ اُس کو اپنا خیر طلب خیر خواہ اور دوستدار سمجھنے لگے۔ اس شخص کو حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ سے نکال دیا تھا۔ خلافت اول و دوم میں بھی نکلا رہا۔ مدینہ آنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ یہ شخص انتہا سے زیادہ مفسد بد باطن و خود غرض تھا۔ بنو ہاشم کو تو ایک آنکھ نہ دیکھ سکتا تھا۔ حضرت عثمان رضہ کا مشیر ہوتے ہی اپنی مفسدانہ حرکات کو عمل میں لانے لگا۔ حضرت عثمان رضہ نے بوجہ قرابت قریبہ اُس کو اپنی مصاحبت میں داخل کرلیا تھا۔ یہاں تک کہ عہدۂ کتابت (میر منشی) دیدیا۔ ہر امر میں اُس سے مشورہ کرتے اور یہ جب صلاح دیتا تو ایسی جس سے عام طبیعتوں میں برہمی پیدا ہو +

ولید کی تقرری اور اُس کی کارروائیاں آرینیا کے دہقانات

سب سے پہلے مغیرہ بن شعبہ حکومت کوفہ سے معزول اور اُن کی جگہ سعد بن وقاص مقرر کئے گئے۔ عبداللہ بن مسعود رضہ عامل بیت المال کوفہ تھے۔ سعد سے اور اُن سے چند روز میں شکر رنجی پیدا ہوگئی۔ عبداللہ نے دربار خلافت میں شکایت کی۔ اُس پر سعد ۲۵ سنہ ہجری میں حکومت کوفہ

سے علٰحدہ کر دئے گئے۔ اب یہ جگہ ولید بن عقبہ بن ابی معیط حاکم جزیرہ کو جو رضاعی بھائی حضرت عثمان کا تھا دی گئی ✦

ولید کا تقرر سعد کی معزولی اہل کوفہ کو سخت ناگوار گذری ✦

ولید نے زمام حکومت کوفہ ہاتھ میں لیتے ہی عتبہ بن فیروز کو حکومت آذربائیجان سے ہٹا دیا۔ اُس کے علٰحدہ ہوتے ہی تمام صوبہ میں ایک غدر مچ گیا۔ جس کا مادہ پہلے سے تیار تھا۔ ولید کو خود وہاں بغرض انتظام جانا پڑا۔ ایک کشت و خون کے بعد مفسد مطیع ہوئے۔ ولید کی اس فکر کے مقدمۃ الجیش شرجیل تھے ✦

اس ہی سال یعنی ۲۵ھ ہجری ولید نے ایک لشکر بہ سرداری سلمان بن ربیعہ واسطے سرکوبی باغیان اطراف و جوانب روانہ کیا۔ دلاوران اسلام نے چند روز میں ملک کو بغاوت سے پاک و صاف کر دیا۔ بعض مقامات بہ ضرب شمشیر بعض بہ صلح فتح کئے یہاں سے فارغ ہو کر یہ جرار لشکر کوفہ کو لوٹا۔ موصل مقام تھا کہ حضرت عثمان کا فرمان ولید کے پاس پہنچا کہ لشکر کافی بغرض امداد امیر معاویہ حاکم شام بھیجدو۔ ولید نے فی الفور سلمان بن ربیعہ کو حکم دیا کہ بارہ ہزار فوج لے کر امیر معاویہ کی مدد کو جاؤ سلمان بن ربیعہ حکم پاتے ہی کوفہ کا عزم ملتوی کر کے آرمینیا کی جانب روانہ ہوئے۔ امیر معاویہ قبل اس کے کہ دربار خلافت سے مدد ملے حبیب بن مسلم کی ماتحتی میں ایک جماعت دلاوران اسلام کی بجانب آرمینیا روانہ کر چکے تھے۔ اس لشکر شام نے مسلمانوں کے پہنچنے سے قبل آرمینیا کو فتح کر لیا تھا محاصرہ اُٹھا رہے تھے کہ سلمان اپنا لشکر لئے ہوئے پہنچے اور مال غنیمت میں حصہ مانگا۔ حبیب نے انکار کیا۔ باتوں باتوں میں اس قدر بدمزگی پیدا ہو گئی کہ طرفین سے تلوار کھنچ گئی۔ کچھ لوگ قتل کچھ زخمی ہوئے بالآخر دونوں سرداروں نے سمجھ بوجھ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی رائے پر نزاع کا تصفیہ قرار

دیا اور مفصل واقع سے مطلع کیا۔ حضرت عثمانؓ کے رو برو جب یہ قضیہ پیش ہوا۔ تو آپ نے دونوں لشکروں کو مساوی حصہ مال غنیمت میں سے دینے کا حکم صادر فرمایا ۔

اسلام میں یہ پہلا ہی موقع مسلمانوں میں باہم تلوار کشی و خانہ جنگی کا ہے ۔

عمرو بن العاص کی معزولی عبداللہ بن سعد کا تقرر ۔ اسکندریہ کی لڑائی و فتح

سنہ ۲۶ ہجری ۶۴۶ء میں عمرو بن العاص حکومت مالی و ملکی مصر سے معزول کیے گئے۔ ان کی جگہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح العامری رضاعی بھائی حضرت عثمانؓ (جس کا خون بروز فتح مکہ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہدر فرمایا تھا اور بعدہٗ بسفارش حضرت عثمانؓ معاف کر دیا تھا) مقرر ہوا۔ مگر فوجی حکومت بدستور عمرو بن العاص کے متعلق رہی۔ ان دونوں مالی و فوجی حاکموں میں رات دن بے لطفیاں رہتیں اور ایک دوسرے کو معاندانہ نگاہ سے دیکھتا۔ حضرت عثمانؓ کے پاس ان شکر رنجیوں کی خبر پہنچی۔ آپ نے عمرو بن العاص کو قطعی علیحدہ کر دیا۔ اور عبداللہ بن سعد کو مالی و فوجی اختیارات مصر و اسکندریہ کے دیدیئے ۔

عمرو بن العاص مصر سے علیحدہ ہو کر مدینہ چلے آئے اور علانیہ دربار خلافت سے اظہار رنجش کرنے لگے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بہن کو بھی اپنی زوجیت سے بذریعہ طلاق علیحدہ کر دیا ۔

عبداللہ بن سعد اگرچہ ایک دل چلا بہادر و عرب کے مشہور شہسواروں میں تھا مگر انتظامی قابلیت میں بمقابلہ عمرو بن العاص طفل مکتب سے زیادہ درجہ نہ رکھتا تھا عمرو بن العاص زمانہ کا نشیب و فراز دیکھے ہوئے۔ پرانے تجربہ کار عقلمند۔ بہادر اور حکمت عملی برتنے والے شخص تھے۔ اہل مصر کے دلوں کو اپنی عاقلانہ حکمت عملی سے

مستحکم کر رکھا تھا جب وہ مصر سے علحدہ ہوئے تو تمام سرآوردہ اشخاص اس تغیر و تبدّل سے کبیدہ خاطر ہوگئے۔ نئے افسر کی اطاعت سے انکار کرنے لگے ✦

قیصر قسطنطین نے جو ایسے ہی موقع کا منتظر بیٹھا ہوا تھا اپنے تجربہ کار افسر منیویل نامی کو ایک کار آزمودہ جرار لشکر کا افسر مقرر کر کے براہ دریا اسکندریہ روانہ کیا منیویل کے پہنچتے پر شہر کے یونانی باشندے اُس سے جا ملے۔ بہت سہل طور پر منیویل کا قبضہ اسکندریہ پر ہوگیا ✦

منیویل کے اسکندریہ پر قابض ہونے نے کُل مُلک مصر میں مُسلمانوں کی بنیاد حکومت کو متزلزل کر دیا۔ حضرت عثمان رضؓ کو جب ان واقعات کی اطلاع دی گئی تو آپ نے خیال فرمایا کہ مُلک مصر کی حکومت بغیر عمر بن العاص کے اپنے قبضہ میں نہیں رہ سکتی اس خیال کے پیدا ہوتے ہی آپ نے حکومت مصر پھر عمرو بن العاص کے سپرد کر دی۔ اور عبداللہ بن سعد کو مدینہ بُلا لیا۔ یہ بہادر جنرل یلغار کرتا ہوا نواح اسکندریہ میں پہنچا۔ اور ایک ہی حملہ میں رومیوں سے شہر کو خالی کرا لیا۔ منیویل مع بقیۃ السیف لشکر کے قسطنطنیہ چلا گیا۔ عمرو بن العاص کا کامل قبضہ اسکندریہ پر ہوگیا۔ قبضہ پا کر اُنہوں نے اسکندریہ کی شہر پناہ اور قلعہ کو مسمار کرا دیا۔ مگر اہل شہر سے کوئی تعرض نہیں کیا ✦

اسکندریہ کی فتح نے پھر مسلمانوں کا قبضہ تمام مُلک مصر پر مستحکم کر دیا ✦

عمر بن العاص ابھی اطمینان سے مصر میں بیٹھے نہ تھے کہ دربار خلافت سے پھر فرمان معزولی صادر ہوا۔ عبداللہ بن سعد مکرر اُن کے جانشین مقرر ہوئے۔ عمر بن العاص جھٹ چھاونی مصر کو چھوڑ کر مدینہ چلے آئے ✦

عبداللہ بن سعد کی حکومت مصر اور افریقیا اور اُس کے مضافات کی فتح۔

عبداللہ جب دوبارہ گورنر ہو کر مصر آیا تو اُس کو یہ فکر

پیدا ہوئی۔ کہ مجھ کو عمرو بن العاص کی سی ہر دل عزیزی پیدا کرنا۔ اور کوئی ایسا کار نمایاں کرنا چاہئے۔ جو میری بدلیاقتی کا بدل ہو۔ اس خیال کی تکمیل کے لئے اُس نے شمالی افریقہ کی فتح کا قصد کیا۔ دربار خلافت سے بھی اُس کو ایسا ہی اشارہ بوقت اُس کے تقرر مکرر کے کیا گیا تھا +

عبداللہ بن سعد بارہ ہزار آدمیوں کا لشکر لیکر دارالحکومت سے نکلا۔ مگر آگے بڑھنے کی بغیر صریح اجازت امیرالمومنین کے ہمت نہ ہوئی۔ دربار خلافت کو اپنے عزم کی اطلاع دیکر طالب امداد ہوا۔ عبداللہ کی عرضداشت پہنچنے پر حضرت عثمان رضہ نے اراکین شوریٰ کو جمع کر کے مشورہ کیا۔ اور بعد مشورہ و اتفاق رائے ایک لشکر جس میں ابن عباس۔ ابن عمر ابن جعفر وغیرہ شامل تھے۔ عبداللہ کی مدد کو افریقہ روانہ فرمایا +

یہ قطعہ ملک جس کو ہماری پرانی تاریخوں میں افریقہ کے نام سے موسوم کیا ہے۔ سمندر کے کنارے دو ہزار میل سے زیادہ مغرب کی جانب لیبیا کے ریگستان یا بارقہ سے راس نن تک چلا گیا ہے +

اس قطعہ ملک میں بزمانہ سابق یہ ملک تھے۔ ترنیشیا۔ کارتھج۔ موریٹانیہ۔ ماریکہ۔ نومیڈیہ۔ انہیں ملکوں کو آج کل بارقہ۔ طرابلس۔ تونس۔ الجزائر اور مراکو کہتے ہیں +

یہ ملک گو کسی زمانہ میں نہایت سرسبز آباد اور آزاد تھا۔ کارتھج[1] تو روضۃ الکبرے یعنی اطالیہ کی دارالسلطنت سے آبادی میں کچھ بڑھا ہوا تھا۔ مگر اس وقت اس کے اکثر حصے غیر آباد و ویران ہیں۔ کچھ سلطنت عثمانیہ کے کچھ حکومت مراکو کے اور زیادہ دول یورپ کے ماتحت یہ اقطاع ملک اس وقت نظر آتے ہیں +

اس تازہ مدد پہنچنے سے عبداللہ بن سعد کے پاس چالیس ہزار نبرد آزما لوگوں

[1] جس کو عربی تاریخوں میں قرطاجنہ لکھا ہے +

کی جماعت ہوگئی۔ وہ اُن کو لیکر آگے بڑھا مصر کی مغربی حدود سے گزر کر لیبیا کے ریگستان کو طے کرتا ہوا طرابلس[1] کے نیچے آپہنچا۔ اس سفر میں عربوں کو باوجودیکہ وہ خود ریگستانی سنگلاخ زمینوں کے رہنے والے بھوک۔ پیاس پر صبر کرنے والے تھے سخت تکلیف پہنچی۔ اول مقام بربرہ (یہ مقام اب بھی موجود ہے) پر مقابلہ ہوا مسلمانوں نے فتح پائی۔ یونانی لشکر سمندر کے کنارے ہی تمام ہوگیا۔

گریگوریس (جرجیس یا جرجیر) رومی افسر یہ خبر سنکر اپنی ایک لاکھ بیس[2] ہزار فوج جس میں نصف قواعدداں اور نصف غیر قواعدداں تھے لیکر شہر شبیطلہ سے دو منزل فاصلہ پر مقابل ہوا۔ اس جنرل کی ایک بیٹی حسینہ جمیلہ فنونِ جنگ سے واقف بلند حوصلہ شجیعہ تھی۔ وہ بھی اپنے باپ کے ہمراہ اس معرکہ میں آئی تھی۔ عبداللہ بن سعد اپنی فوج لے کر اس کے مقابل ہوا۔ اول صلح کے نامہ و پیام ہوئے۔ اس طرف سے وہی تین باتیں اسلام۔ جزیہ یا جنگ پیش ہوئیں۔ گریگوریس نے اول دو باتوں سے انکار کیا۔ بالآخر لڑائی شروع ہوئی۔ دونوں طرف کے جوانمرد اپنے اپنے فنون جنگ دکھانے لگے۔ کبھی اس طرف کبھی اُس طرف فتح کا رُخ ہوتا۔ یکسوئی نہ ہوتی۔ روزانہ صبح سے دوپہر تک لڑائی رہتی۔ کئی مہینے یونہیں گذر گئے۔ فریقین کی سپاہ بھی کم ہوتی گئی۔ گریگوریس کی ہمت بھی جواب دے چلی تھی کہ دفعتہً اُس نے سوچ کر اپنی تمام فوج میں مشتہر کردیا۔ کہ جو شخص عبداللہ بن سعد سردار لشکر اسلام کا سر لائیگا اُس کو میں اپنی دلربا حسینہ بیٹی اور ایک ہزار دینار سُرخ (اشرفی) نقد انعام دونگا۔ اس اشتہار نے ایک برقی روح تمام رومی لشکر میں پھونکدی۔ ہر ایک سپاہی پہلے سے دہ چند مستعد ہوگیا۔ اور ہر ایک یہی چاہتا تھا کہ اُس حسینہ کا مالک یا شوہر بننے کا فخر حاصل کرے۔ ہر شخص طرح طرح کی کوشش انعام کے حصول کے لئے کرتا عبداللہ بن سعد

[1] یہ طرابلس وہ نہیں ہے جو شام میں واقع ہے۔ بلحاظ امتیاز اس کو طرابلس الغرب کہتے ہیں۔

عبداللہ بن سعد اس خبر کو سُن کر سخت متردد و متفکر ہوُا۔ اپنے خیمہ میں رہتا حفاظت کے لئے مستعد آدمیوں کا پہرہ رکھتا۔ ہر دم یہی خیال تھا۔ ایسا نہ ہو کوئی رومی یا یونانی موقع پا کر خیمہ میں آ کر کام تمام کر جاوے۔ عبداللہ کی خیمہ نشینی و غیر حاضری نے لشکریوں کے بھی حوصلے توڑ دئے۔ اُن میں پہلا سا استقلال باقی نہیں رہا۔ اب تو اکثر معرکے گریگورس کے ہاتھ رہتے۔ اتفاقیہ عبداللہ ابن زبیر جو خاندان قریش کے ایک معزز اور سربرآوردہ شخص تھے۔ اپنا لشکر لئے ہوئے عبداللہ بن سعد کی مدد کو گئے یہاں آ کر دیکھا تو رنگ ہی نرالا تھا۔ تمام لشکر عجب بیدلی سے لڑ رہا ہے۔ عبداللہ کا کہیں پتہ نہیں۔ تلاش و دریافت سے معلوم ہوُا کہ ایک خیمہ میں پوشیدہ رہا کرتا ہے یہ ڈھونڈھتے ہوئے اُس خیمہ میں پہنچے۔ عبداللہ سے مُلاقات ہوئی۔ سبب روپوشی دریافت کیا۔ عبداللہ نے سارا قصہ کہہ سُنایا۔ ابن زبیر اس قصہ کو سنکر کہنے لگے۔ تم ناحق اس قدر مخوف ہو۔ ذرا سی تو بات ہے۔ جیسے اُس نے اشتہار دیا ہے۔ تم بھی اپنی فوج میں اشتہار دیدو کہ جو گریگورس کا سر لائیگا۔ اُس کو گریگورس کی بیٹی اور ایک ہزار اشرفی انعام میں ملینگے۔ عبداللہ بن سعد نے فوراً یہ اشتہار فوج میں شائع کر دیا۔ دوسرے روز صبح کو حسب معمول جب لڑائی شروع ہوئی تو اُس کی صورت ہی بدلی ہوئی تھی۔ مسلمان کمال استقلال و جرأت سے لڑ رہے تھے۔ عبداللہ بن سعد اور عبداللہ بن زبیر بھی سرگرم مصاف تھے۔ عبداللہ بن زبیر نے فوج کے دو ٹکڑے کر دئے تھے۔ ایک مصروف کارزار تھا دوسرا آرام ساکن۔ جب آتش جنگ پورے درجہ پر مشتعل ہوگئی تو دوسرا ٹکڑہ پہلے ٹکڑہ سے آملا۔ اور مُسلمانوں کی قوت میں اضافہ ہوگیا۔ حسن اتفاق گریگورس کا ابن زبیر سے مقابلہ ہوگیا۔ آپ نے ایک ہی وار میں اُس کا کام تمام کر دیا۔ گریگورس کی لڑکی بھی لڑ رہی تھی باپ کو قتل ہوتے ہوئے دیکھ کر اُس نے میدان

سے نکلنا چاہا۔ مگر فوراً گرفتار کرلی گئی۔ یونانیوں کو پوری شکست ہوئی۔ بھاگتے ہوئے قلعہ شبیطلہ میں پہنچے وہاں بھی چین سے نہ بیٹھنے پائے۔ تعاقب کنندوں نے بہت آسانی سے قلعہ شبیطلہ کو فتح کرلیا۔ بعد ازاں قلعہ قفصہ و آجم فتح کئے گئے۔ اہل افریقہ نے جب آپ کو ہر طرح مجبور دیکھا اور اپنے کو ناقابل جنگ پایا تو پچیس ہزار دینار سُرخ عبداللہ بن سعد کو دیکر امان حاصل کی۔ گریگورس کی لاش تو میدان جنگ میں پڑی ہوئی ملگئی مگر کوئی دعویدار اُس کے قتل کا پیدا نہ ہوا۔ عبداللہ بن سعد کو اس کا تعجب تھا۔ اہل عرب اس لڑائی کو حرب العبادلہ کہتے ہیں۔ کیونکہ صاحب قلب لشکر عبداللہ بن سعد تھا۔ میمنہ پر عبداللہ بن عمر۔ میسرہ پر عبداللہ بن زبیر۔ مقدمہ پر عبداللہ بن عباس مامور تھے +

عبداللہ بن زبیر و عبداللہ بن سعد قریب قریب بیٹھے ہوئے تھے کہ اسیران جنگ پیش ہوئے۔ گریگورس کی لڑکی ابن زبیر کی صورت دیکھتے ہی بے اختیار چیخ پڑی عبداللہ بن سعد نے سبب دریافت کیا۔ اس نے جواب دیا یہ شخص جو تمہارے قریب بیٹھا ہوا ہے میرے باپ کا قاتل ہے۔ اس نے مجھ کو یتیم بنایا ہے۔ گرفتار شدہ لڑکی کے بیان سے عبداللہ بن سعد کو معلوم ہوا کہ گریگورس عبداللہ بن زبیر ہی کے پُرزور ہاتھوں قتل ہوا ہے اس کے بعد ایک ہزار اشرفی اور گریگورس کی لڑکی عبداللہ بن سعد نے ابن زبیر کو پیش کی۔ آپ نے اُن دونوں چیزوں کے لینے سے انکار کیا اور فرمایا کہ یہ کام میں نے محض خدا واسطے کیا ہے نہ کسی دنیوی لالچ سے +

اس فتح کی خبر مع خمس مال غنیمت لیکر ابن زبیر ہی مدینہ منورہ آئے۔ سارے واقعات بیان کئے مگر اپنی کارگزاری کا کچھ ذکر نہیں کیا۔ تھوڑے عرصہ بعد جب لوگوں کو معلوم ہوا کہ افریقہ کی فتح و گریگورس کا قتل اُنہیں کے ہاتھوں ہوا ہے تو مسلمانوں میں یہ بہت اعزاز کی نگاہوں سے دیکھے گئے۔ اور آیندہ حامیان اسلام میں شمار ہونے لگے +

عبداللہ بن سعد پندرہ مہینہ بعد مصر کو مع مال غنیمت واپس آیا۔ مصر پہنچکر اُس نے ایک لشکر تیار کیا اور اُس کو بہ سرداری عبداللہ بن نافع بن حصین و عبداللہ بن نافع بن عبدالقیس بغرض فتح آندلس (اسپین) بجانب مغرب روانہ کیا۔ ان دونوں جنرلوں نے اکثر مقامات آندلس کو فتح کیا۔ دربار خلافت سے حکومت افریقہ عبداللہ بن نافع بن حصین کو سپرد کی گئی۔ مقامات مفتوحہ آندلس بھی اُسی کے زیر حکومت رکھے گئے۔

فتح افریقہ کے بعد عبداللہ بن سعد نے بموجب حکم امیرالمومنین نوبہ پر چڑھائی کی اور ہر مرتبہ فتح حاصل کی بالآخر وہاں کے عیسائی بادشاہ نے مصالحت کرکے سالانہ خراج ادا کرنے کے معاہدہ پر صلح کرلی۔ عبداللہ بن نافع والئی افریقہ محاصل کا سالانہ پانچواں حصہ امیرالمومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیجا کرتا تھا۔ مورخین کی روایت ہے کہ آپ نے اُس کو اپنے کاتب مروان بن الحکم کے ہاتھ پانچ لاکھ دینار میں فروخت کرڈالا۔

قسطنطین سے بحری لڑائی مسلمانوں کی فتح۔ قسطنطین کی موت

قسطنطین بن ہرقل کو جب خبر فتح مسلمانان و ہزیمت نصاریٰ پہنچی تو سخت پیچ و تاب کھایا اور ایک لشکر بجانب طنجہ[۵۱] براہ دریا بغرض وصول اس قدر روپیہ کے جو مسلمانوں کو دیا گیا تھا روانہ کیا۔ اہل طنجہ نے عاملانِ قسطنطین کو واپس کردیا۔ اور کہا ہم ایسے بادشاہ کی اطاعت حکم نہیں کرتے جو وقت پر ہماری مدد کرنے سے قاصر رہے۔

قسطنطین نے اس واقعہ سے پریشان و غمگین ہوکر لشکر کثیر فراہم کیا اور جزو کثیر اُس نے اپنے ساتھ لےکر براہ سمندر اسکندریہ کی جانب بڑھا۔ تیس ہزار لشکر امیر معاویہ حاکم شام نے بمقابلہ کو روانہ کیا۔ لشکر روم و شام میں پھیلا۔ مقابلہ بمقام جلولا ہوا۔ اس میں مسلمان مظفر و منصور رہے۔ رومیوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ امیر معاویہ نے

[۵۱] افریقہ کے شمالی حصے میں ایک مشہور شہر ہے۔

ایک جمعیت کافی کے ساتھ دریا میں اُن کا تعاقب کیا +

عبداللہ بن سعد بن ابی سرح حاکم مصر بھی قسطنطین کی نقل و حرکت معلوم کر کے مع لشکر قہار براہ سمندر بجانب شام روانہ ہوا۔ راستہ ہی میں امیر معاویہ سے ملاقات ہوئی دونو سرداران اسلام نے دربارہ جنگ رومیاں مشورہ کیا۔ ابھی مشورہ ہو ہی رہا تھا۔ کہ دُور سے رومیوں کے جہاز نظر آنے لگے۔ مسلمانوں نے وہیں اپنے جہازوں کو لنگر انداز کر دیا۔ رات کی رات آرام کیا۔ صبح ہوتے ہی لڑائی شروع ہو گئی۔ مسلمانوں کو اس سے پیشتر بحری لڑائی کا دریا کے اندر بہت کم اتفاق ہوا تھا۔ اور رومی بحری لڑائی کے عادی اور تجربہ کار تھے۔ مگر اس وقت مسلمانوں نے اس خوبی و جوانمردی سے مقابلہ کیا کہ فریق ثانی کے چھکے چھوٹ گئے۔ رومیوں کے بعض جہاز جل گئے۔ بعض غرق ہو گئے۔ ہزاروں آدمی لقمہ نہنگ اجل ہوئے قسطنطین بھی زخمی ہوا۔ اپنے کو پنجہ اجل میں گرفتار دیکھ کر ایک تیز رفتار کشتی میں سوار ہو جزیرہ چچلیا (سقلیہ یا سسلی) کی جانب چلا گیا۔ اہل جزیرہ اسکے ظلم و جور سے بیزار تھے انہوں نے موقع پا کر ایک حمام میں اُس کا کام تمام کر دیا۔ قسطنطین کی موت سنہ ۳۱ ہجری میں واقع ہوئی +

جزائر قبرس و ارواڈس کی فتح

وقت محاربہ سوریہ یزید بن ابی سفیان والی دمشق اور اس کا بھائی معاویہ بن ابی سفیان والی اردن بحکم حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھا۔ جب ابو عبیدہ بن الجراح و یزید بن ابی سفیان اور دیگر امراء اسلام نے طاعون عمواس میں انتقال کیا۔ تو دائرہ حکومت معاویہ وسیع تر ہو گیا۔ سال دوم خلافت عثمانی میں کل ملک شام کی حکومت سپرد معاویہ کر دی گئی +

امیر معاویہ نے خلافت فاروقی میں چند مرتبہ خواہش کی کہ ان کو جزائر قبرس و اراوڈس فتح کرنے کی اجازت ملے۔ مگر حضرت عمر رضہ نے بلحاظ مصالح وقت ایسی اجازت

عطا نہ فرمائی۔ خلافت عثمانی میں انہوں نے پھر اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ حضرت عثمانؓ نے اُن کی درخواست منظور کر کے اجازت عطا فرمائی +

سنہ ۲۸ھ ہجری میں امیر معاویہ نے بحر قسطنطین سے بیڑہ جہازوں کا بجانب جزیرہ قبرس (سائپرس) روانہ کیا۔ بحر روم کا یہ شرقی حصہ جہاں سے بیڑہ جہازات اہل اسلام روانہ ہوا تھا اس وقت (میڈی ٹرینین سی) پکارا جاتا ہے۔ عبداللہ بن سعد بھی اس لشکرکشی کی خبر پا کر مصر سے اپنے جہازات کا بیڑہ لیکر شامل ہو گیا۔ امیر معاویہ و عبداللہ نے متفق ہو کر اول جزیرہ قبرس پر حملہ کیا۔ اہالیان جزیرہ نے قوت مقابلہ نہ دیکھ کر صلح کر لی منجملہ دیگر شرائط صلح کے بڑی بڑی یہ تین شرطیں تھیں :-

۱ سات ہزار دینار سرخ سالانہ بطور خراج اہل قبرس ادا کیا کریں +

۲ - محاربہ اہل اسلام کے وقت رسد کی مدد مسلمانوں کو دیا کریں اور وقتاً فوقتاً فریق مخالف کے حالات سے مطلع کرتے رہیں۔ فریق مخالف کو کسی قسم کی مدد نہ دیں +

۳ - جزیرہ قبرس سفاین اہل اسلام کا لنگرگاہ رہے +

جب جزیرہ قبرس پر پورا مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا تو جزیرہ اراوس (روڈس) کا رُخ کیا۔ کئی دن تک لڑائی رہی آخر مسلمان فتحیاب ہوئے۔ ان دونوں جزیروں کے فتح ہو جانے سے مسلمانوں کا رعب و داب گرد نواح کے جزائر میں بیٹھ گیا۔ عبداللہ بن قیس امیر البحر اسلام نے جزیرہ قبرس میں قیام کر کے پچاس مرتبہ قزاقان بحری کے ساتھ نبرد آزمائی کی۔ ہر مرتبہ مظفر و منصور رہا۔ مگر آخر میں سواحل روم پر کسی جگہ مارا گیا۔ تنہا ملاح اپنی جان بچا کر بھاگا اور عبداللہ کے مرنے کی خبر پہنچائی +

اسی عرصہ میں ایک اور لڑائی عیسائی بیڑہ جہازات سے جس کا امیر البحر کینسٹل زو دو تھا خلیج فنک میں مسلمانوں کے بیڑہ جہازات سے ہوئی۔ ہنوز پوری طرح کسی فریق کو

ف بحر روم حصہ کو بحر متوسط بھی کہتے ہیں +

کامیابی نہیں ہوئی تھی کہ قسطنطین ولوا اپنا بیڑہ لیکر قسطنطنیہ کی طرف چلا گیا ۔

جزائر قبرس و ارادس کی فتح نے جزیرہ قریطش (کریٹ) اور ملطہ (مالٹا) بھی مسلمانوں کے قبضہ میں دیدئیے ۔

امیر معاویہ نے جزیرہ ارادس (روڈس) کی مشہور تانبے کی مورت توڑ کر اُس کے ٹکڑے اسکندریہ بھیجدئیے جہاں ان کو ایک یہودی تاجر باشندہ آوسہ نے خرید کر لیا ۔

عبداللہ بن عامر کا تقرر حکومت بصرہ پر اور فارس کی فتوحات

۲۹ ہجری (۶۴۹ء) میں ابوموسیٰ اشعری حاکم بصرہ کی شکایت دربار خلافت میں پیش ہوئی کہ انہوں نے اس قدر مال جمع کر لیا ہے کہ صرف اسباب پوشش اُٹھانے کو چالیس اونٹوں کی ضرورت ہوتی ہے حضرت عثمان رضہ نے اس شکایت کے پیش ہونے پر تحقیقات کی اور بعد تحقیقات ابوموسیٰ کو حکومت بصرہ سے معزول اور اپنے خالہ زاد بھائی عبداللہ بن عامر کو اُن کی جگہ حاکم مقرر کر دیا ۔

عبداللہ بن عامر اگرچہ ایک نوجوان ۲۵ سال کی عمر کا شخص تھا۔ مگر تیزی۔ بہادری ہوشیاری اور عقلمندی میں فرد تھا۔ اُس نے زمام حکومت بصرہ ہاتھ میں لے کر عمان بحرین اور بصرہ کے لشکر کو ایک جگہ جمع کیا۔ اور پھر اُس کے چند دستہ بنائے۔ ہر ایک دستہ پر ایک ایک کارآزمودہ بہادر شخص کو سردار مقرر کیا اور اطراف و جوانب ایران وکردستان میں اُن کو واسطے تنبیہ و تادیب باغیوں کے مامور کیا۔ چند روز میں تمام سرکشوں وباغیوں کا استیصال ہوگیا اور ملک میں امن و امان ۔

عبداللہ بن المعتمر حکومت خراسان سے تبدیل ہو کر واسطے تادیب سرکشان ایران کے مامور ہوئے تھے اور ان کی جگہ عمیر بن عثمان بن سعد کو حکومت خراسان تفویض کی گئی تھی ۔

عمیر بن عثمان رضؓ نے تھوڑی ہی مدت میں فرغانہ تک تمام ملک اپنے قبضہ میں کر لیا +

عبداللہ بن المعتمر نے قلعہ اصطخر پر پہنچکر ہزیمت پائی اور خود بھی مقتول ہوئے +

عبداللہ بن عامر نے جس وقت عبداللہ بن المعتمر کی خبر شکست سنی ۳۰ سنہ ہجری میں براہ یلغار مع لشکر جرار قلعہ اصطخر پر پہنچا اور ایک جنگ مردانہ کر کے قلعہ کو فتح کر لیا۔ اس لشکر کے میمنہ پر ابو برزہ اسلمی اور میسرہ پر معقل بن یسار۔ مقدمہ پر عمران بن حصین مامور تھے۔ بعد فتح باغیوں و سرکشوں کو اچھی طرح سزا دی قلیل مدت میں نیشا پور۔ جرجان۔ طغارستان۔ طوس۔ سرخس۔ شیراز۔ طالقان۔ جوین۔ بیہق۔ باخرز۔ اسفرائین۔ فاریاب بلخ۔ مرو۔ ہرات میں حکومت اسلامیہ قائم کردی۔ گو اس انتظام کے قائم کرنے میں عبداللہ کو تلوار سے زیادہ کام لینا پڑا۔ مگر انتظام قرار واقعی ہو گیا۔ اور پھر کسی کو سر اٹھانے کی جرات نہ ہوئی۔ بڑے بڑے سرکش اور دلیر عبداللہ بن عامر کا نام سن کر کانپتے تھے +

بعد تسلط کامل موافق فرمان حضرت عثمان ممالک ایران و خراسان کو اضلاع پر تقسیم اور ہر ضلع میں ایک عامل مقرر کیا گیا۔ اس انتظام سے فارغ ہو کر عبداللہ بن عامر اول بغرض حج بیت اللہ مکہ معظمہ آیا۔ نیشاپور سے احرام باندھا۔ فریضہ حج سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ حضرت عثمان رضؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ اس کی جوانمردی و حسن انتظام سے بہت خوش تھے۔ مجمع عام میں اس کی تعریف فرمائی۔ اور اس کے کاموں پر اپنی رضامندی ظاہر کی۔ چند روز عبداللہ مدینہ میں رہا۔ پھر اپنے مستقر الحکومت یعنی بصرہ کو چلا گیا +

عثمان ابن العاص نے شہر گازرون اور اس کی نواحی کو فتح کیا پھر ہرم بن حیان

کو کابل بھیجا ور سعید روانہ کر کے اُس پر قبضہ و غلبہ پایا ۔

اس وقت مسلمانوں کے مقبوضہ مفتوحہ ممالک کی حد شمال و مشرق دریائے جیحون تک چلی گئی تھی۔ دریا کے اُس پار کے حصہ کا نام ماوراء النہر اِسی زمانہ سے مشہور ہوا بلخ اور ہندوکش کا شمالی حصہ مسلمانوں کے قبضہ میں آ ہی چکا تھا۔ مشرقی حصہ ہندوکش بھی تحت حکومت اسلامیہ ہو گیا ۔

حضرت عثمانؓ کا حج

سنہ ۲۹ ہجری میں عثمانؓ نے قصد حج فرمایا۔ ایک جماعت صحابہ کے ساتھ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ جہاں قیام ہوتا خیمے نصب کئے جاتے منا پر خیمے نصب ہوئے تمام اہل عرب نے اس پر اعتراض جمائی۔ حالانکہ یہ کوئی اعتراض کی بات نہ تھی ۔

اہل کوفہ کی سرکشی۔ ولید کے حالات

ولید بن عتبہ نے اپنی محض ناشائستہ حرکات کی بدولت اہل کوفہ کو ناراض کر دیا تھا۔ اُس کی اس ناراضمندی نے صورت بغاوت اختیار کر لی۔ تمام ملک میں شعلہ فساد بھڑک اُٹھا۔ ملک کی تو یہ حالت تھی۔ مگر ولید کی شراب خوری و بداطواری کم نہ ہوتی تھی۔ شراب پی کر امامت کرتا اور نماز پڑھاتا۔ دربار خلافت میں شکایتیں گذریں۔ حضرت عثمان رضہ نے سنہ ۳۰ ہجری میں اُس کو حکومت کوفہ سے معزول کر کے مدینہ بُلا لیا۔ جب وہ مدینہ آیا تو بجرم شراب خواری چالیس دُرہ اُس کے مارنے کا حکم صادر ہوا۔ چنانچہ تعمیل حکم کی گئی۔ ولید کی جگہ کوفہ میں سعید بن العاص حاکم مقرر ہوئے۔ سعید نے کوفہ میں پہنچکر مجمع عام میں خطبہ پڑھا کہ میں اپنی خواہش سے حاکم کوفہ مقرر نہیں ہوا ہوں۔ بلکہ صرف بہ تبعیتِ حکم حضرت عثمان رضہ خلیفہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ منصب میں نے قبول کیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ لوگ فساد و بغاوت سے پرہیز کریں اور مجھ کو اجرائے احکام شدید پر مجبور نہ کریں۔ اہل کوفہ کے دماغوں میں تو مادہ بغاوت

بھرا ہوا تھا۔ اُن پر بھلا اس حلیمانہ نصیحت کا کیا اثر ہوتا۔ بدستور اُن کی شورش قائم رہی
اجلاف اشراف پر دست درازی کرتے۔ وضیع و شریف میں کوئی امتیاز باقی نہیں رہا تھا
احکام دربار خلافت بے قدری کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ چاروں طرف ایک متعدد
فساد برپا تھا۔ سعید بن العاص نے اس حال کی اطلاع حضرت عثمانؓ کو دی۔ آپ نے حکم دیا کہ حسب حیثیت
ہر ایک کے معاملہ کرنا چاہئے۔ شورہ پشتوں و بد ذاتوں کو سزا دینے میں درگذر کرنا مناسب
نہیں ہے۔ جو لوگ نیک راسخ العقیدہ مسلمان ہیں اُن کی تعظیم و تکریم مدنظر رہے۔ سعید نے
یہ فرمان خلافت مجمع عام میں پڑھ کر سُنایا اور کوشش کی کہ کسی طرح اُٹھا ہوا فتنہ دب جائے مگر ممکن نہ
ہوا۔ پھر اُس نے کل حالات سے بالتفصیل حضرت عثمانؓ کو مطلع کیا۔ آپ نے اصحاب کرام
و امراء اسلام کو جمع کر کے کوفہ کی حالت سُنائی اور فرمایا میں چاہتا ہوں اصحاب املاک خطۂ
عراق سے قطع تعلق کر لیں۔ حاضرین نے دریافت کیا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے آپ نے ارشاد
فرمایا کہ اہل حجاز اہل عراق سے جو جزیرۃ العرب میں املاک رکھتے ہیں تبدیلی کر لیں تو ممکن
ہے سب نے آپ کی اس رائے سے اُس وقت اتفاق کر لیا اور احکام بھی اسی رائے و تجویز کے
موافق جاری ہو گئے مگر پھر جو خیال کیا تو اس تدبیر سے ضعف حکومت معلوم ہوتا تھا۔
لہٰذا اِس حکم پر عمل نہیں کرایا گیا *

ابوذر غفاری کا معاملہ

ابوذر غفاری ایک جلیل القدر صحابی دمشق میں امیر معاویہ کے
پاس تھے۔ وہ امیر معاویہ کو اکثر بوجہ اُن کی امیرانہ طرز معاشرت کے ٹوکتے رہتے تھے
اور اُن کے افعال و حرکات کو پسند نہ کرتے تھے۔ علاوہ بریں وہ اجتماع مال کے خلاف
تھے۔ مال جمع کرنے والوں کو بُرا بھلا کہتے۔ دمشق میں اکثر لوگ صاحب ثروت و مال
تھے۔ ابوذر کے وعظ سے وہ لوگ دل تنگ ہوتے۔ ادھر امیر معاویہ بھی اُن کے
رات دن کے ٹوکنے اور بُرا بھلا کہنے سے کبیدہ خاطر تھے۔ آخر الامر امیر معاویہ نے

دربار خلافت میں ابو ذر کی شکایت کی حضرت عثمان رضہ نے فوراً بلحاظ مصلحت وقت و
مآل اندیشی ابو ذر کو مدینہ بلوالیا۔ یہاں بھی وہ حضرت اسی دُھن میں لگے رہے مسئلہ
اجتماع مال جائز قرار پاچکا تھا۔ اُن کے اختلاف سے احتمال فساد و پیدا ہونے رخنہ مسئلہ
شرعی میں تھا۔ مجبوراً مدینہ سے اُن کو بمقام ربذہ یا ربضہ جو ایک چھوٹی سی بستی حوالی
مدینہ میں ہے بھجوادیا۔ اور معقول وظیفہ مقرر کردیا۔ وہیں سال ۳۲ سنہ ہجری میں اس بزرگ
صحابی نے انتقال کیا۔

خاتم نبوت کا گم ہو جانا اسی ۳۰ سنہ ہجری میں ایک نیا یہ واقع پیش آیا کہ حضور سرور عالم
صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی انگوٹھی جس پر **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ**
کندہ تھا حضرت عثمان رضہ کے ہاتھ سے کوئیں میں گر گئی۔ ہر چند تلاش کی نہیں ملی۔ یہ وہ
انگوٹھی تھی جو حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے دست مبارک میں رہا کرتی اور
بعدہٗ حضرت ابو بکر رضہ و حضرت عمر رضہ کے ہاتھوں میں رہی۔ یہ انگوٹھی حکومت اسلامیہ
کی مہر سمجھی جاتی تھی اور بہت قدر کی نگاہوں دیکھی جاتی تھی۔

اشاعت قرآن مجید بعد وفات عبد الرحمن رضہ۔ حذیفہ رضہ نے ۳۲ سنہ ہجری میں دربند
سے واپس آکر حضرت عثمان رضہ سے عرض کیا کہ مابین حافظانِ قرآن قرأت میں اختلاف
پیدا ہو گیا ہے اور بعض بعض جگہ مخارج حروف میں بھی۔ علاوہ بریں ہر ایک شخص نے
موافق اپنی طبع زاد ترتیب کے صحف و اوراق لکھ کر رکھ چھوڑے ہیں۔ یہ اختلاف
آئندہ خرابی کا باعث ہوگا۔ آپ نے یہ بات سُن کر اصحاب رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ
وسلم کو جمع کیا اور مشورت کی۔ بالاتفاق یہ رائے قرار پائی کہ جنگ یمامہ کے بعد بعہد خلافت
حضرت ابو بکر رضہ جو قرآن لکھا گیا ہے وہ اب تک حضرت حفصہ رضہ کے پاس موجود ہے
اُس کی نقلیں کرا کر ممالک مختلفہ میں بھجوادیں اور جو قرآن اُس کے مطابق نہ ہو۔

وہ تلف کر دیا جاے۔ بعد اس مشورہ کے حضرت حفصہ رض کے یہاں سے قرآن منگایا گیا۔ زید بن ثابت رض۔ عبداللہ بن زبیر رض۔ سعید بن العاص رض۔ عبدالرحمٰن بن الحرث نقلیں کرنے پر مامور ہوئے۔ سات نقلیں کی گئیں۔ ایک مدینہ میں رکھی گئی۔ چھ جلدیں مکہ کوفہ یمن۔ شام۔ بصرہ۔ بحرین کو بھیجدی گئیں۔ اور اُس کے ساتھ یہ بھی بتا دیا گیا کہ قرآن قریش کے لغت میں نازل ہوا ہے۔ جہاں اختلاف قرات ہو وہاں قرات قریش کا اتباع و لحاظ کیا جائے۔ اور جو قرآن اس کے خلاف پایا جائے۔ وہ تلف کر دیا جاے

اس کے بعد حضرت عثمان رض نے مسلمانوں کی یوماً فیوماً ترقی اور مسجد نبوی کی کمزور عمارت پر لحاظ کر کے اپنے ذاتی روپیہ سے اُس کو تعمیر کرایا۔ پتھر کی دیوار و ستون بنوا ے سال کی لکڑی چھت میں لگائی۔ مکہ مکرمہ میں کعبہ کے گرد دیوار بنوائی۔ جس کو حطیم کہتے ہیں ؟

یزدگرد کی موت سلطنت فارس کا اختتام فارس کی سلطنت تو حضرت عمر رض کے ہی عہد میں تباہ ہو چکی تھی۔ اور ممالک کثیرہ حکومت اسلامیہ میں شامل ہو گئے تھے۔ جو کچھ رہی سہی تھی اُس کا خاتمہ اس خلافت میں ہو گیا ؟

یزدگرد بادشاہ ایران مارا مارا پھرتا تھا اپنی حکومت و سلطنت کی واپسی میں کوشش و تدابیر کرتا۔ مگر کچھ نفع نہ ہوتا۔ ساری تدبیریں اُلٹی پڑتیں۔ فارس سے وہ کرمان آیا پھر خراسان پہنچا جس کے شمالی حصہ میں شہر مرو ہے۔ چھ دن یہاں ستایا۔ جب مسلمان خراسان کی طرف بڑھے اور یکے بعد دیگرے فتوحاتِ اسلامیہ ہوتی گئیں۔ تو یزدگرد مرو سے بھاگ کر دریا جیحون کے اُس پار ریگستان میں تورانی وحشیوں کے پاس پہنچا کچھ روز قیام کر کے چین کا سفر کیا۔ بادشاہ چین سے ملا۔ درخواست امداد کی۔ بادشاہ خود اپنی فوج لے کر یزدگرد کے ساتھ ہو لیا۔ دریاے جیحون کو عبور کر کے چینی لشکر نے

بلخ آکر قیام کیا۔ اتفاق زمانہ آپس میں پھوٹ پڑگئی۔ بادشاہ چین اپنی فوج لیکر واپس گیا یزدگرد کے ہمراہیوں نے قصد کیا کہ ہم مطیع حکومت اسلامیہ ہوجائیں۔ یزدگرد کو حوالے مسلمانوں کے کردیں۔ اپنے غلام کے ذریعہ یزدگرد کو یہ حال معلوم ہوگیا۔ وہ ایک رات پوشیدہ طور پر اکیلا چلدیا +

سُبحان اللہ! کیا شان ایزدی ہے کہ ایک والی ملک ابھی تھوڑے روز ہوئے گروہ کثیر پر حکمرانی کرتا تھا۔ ہر قسم کا سامان عیش و عشرت موجود تھا۔ بڑے بڑے بادشاہ ورؤسا اُس کے حضور حاضر ہونے کو اپنا فخر جانتے۔ آج پا پیادہ جنگل جنگل مارا مارا پھرتا ہے۔ زندگی سے بیزار ہے۔ چلتے چلتے پاؤں میں چھالے پڑگئے ہیں۔ بھوک و پیاس سے حالت متغیر ہے۔ دو قدم چلتا ہے ضعف کے سبب بیٹھ جاتا ہے جان بھی پیاری ہے۔ ڈر ہے کہیں مسلمانوں نے دیکھ لیا تو مار ہی ڈالینگے۔ مگر اس سے بے خبر ہے کہ تقدیر اُس کی زندگی کا خاتمہ اُسی کی رعایا میں ایک ادنے شخص سے کرائیگی چلنے کو تو چلتا ہے۔ مگر صعوبت راہ سے کراہتا جاتا ہے۔ چلتے چلتے صبح کو ایک دریا پر پہنچا۔ عبور کی فکر میں تھا۔ ایک پن چکّی والا نظر آیا۔ اُس سے استدعا کی کہ تھوڑی دیر ٹھیرنے کی وہ اپنے مکان میں اجازت دے۔ پن چکّی والے نے یزدگرد کی استدعا منظور کی۔ اور اپنی جھونپڑی میں ایک جگہ سو رہنے کے لئے بنادی۔ یہ بیچارہ اُس جگہ زمین ہی میں پڑ رہا۔ رات بھر کا جاگا تھا۔ سفر کی تکان بھی غالب تھی۔ پڑتے ہی سوگیا۔ پن چکّی والے کی رگ حرص و طمع جوش میں آئی یزدگرد کی عمدہ پوشاک دیکھ کر خیال کیا۔ یہ کوئی رئیس ہے زر نقد بھی اس کے پاس ضرور ہوگا۔ سو تو رہا ہی ہے۔ ایسا موقع کہاں ملیگا۔ اس کا کام تمام کر کے اسباب و زر نقد لے لینا چاہئے۔ لغش کو دریا میں بہادونگا۔ کون پوچھیگا۔ یہ منصوبہ اپنے ذہن میں مستقل کر کے سوتے ہی اُس ظالم طماع نے اس آوارہ

و سرگشتہ بادشاہ کو مار ڈالا۔ تلاش کیا تو سوائے پوشاک اور ایک انگوٹھی کے کچھ برآمد نہ ہوا نعش کو دریا میں ڈالنے لیچلا تھا کہ مسلمان آگئے۔ اُنہوں نے اُس کو گرفتار کرلیا اور یزدگرد کی پوشاک وغیرہ پر بھی قبضہ کرلیا۔ مارے جانے کے وقت یزدگرد کی عمر ۳۵ سال کی تھی۔ بیس سال بادشاہی کی اس مدت بست سالہ میں صرف چار سال بعیش و عشرت بادشاہت کرتے گزرے سولہ برس تباہی و مغروری میں گئے +

ترکوں کا حملہ اور اسکا انتظام

۳۲ سنہ ہجری میں عبدالرحمن والی آرمینیا محاربہ ترکوں میں مارے گئے۔ اس وقت ان کی عمر ۵ سال کی تھی۔ مرتے وقت مال و اولاد کثیر چھوڑا۔ بعد شہادت عبدالرحمن ترکوں نے زور باندھا۔ اور حکومت اسلامیہ میں دست درازی شروع کی۔ قیس بن الہیثم والی خراسان نے چار ہزار سپاہ جرار سے حدود ترکستان میں پہنچکر چالیس ہزار ترکوں کی جمعیت کو پراگندہ و پریشان کردیا۔ دور تک اُن کا تعاقب کیا گیا۔ بہت سے ترک طعمہ تیغ و سنان ہوئے۔ پھر اُن کو ہمت حکومت اسلامیہ کی طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھنے کی نہیں ہوئی +

۳۳ سنہ ہجری کا آغاز بغاوت و فتنوں کا اُٹھنا۔ اسلامی دنیا کی حالت

آغاز ۳۳ سنہ ہجری نے مسلمانوں کے اُس فتوحات کے سیل کو جو خلافت اوّل سے جاری ہونا شروع ہوا تھا۔ باہمی نااتفاقی کے بند سے روک دیا۔ ذرا ہجرت نبوی صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم سے پیشتر کی حالت دیکھئے۔ کہ مسلمان کس بیکسی و کس مپرسی کی حالت میں تھے۔ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم اور آپ کے رفقا و اصحاب کو اپنے اپنے گھروں میں بیٹھنا دشوار تھا۔ جو رشتہ دار وعزیز تھے وہی دشمن و ایذا رساں۔ جس طرف مسلمان نکلتے انگشت نما ہوتے۔ اُن کو طرح طرح کی ایذائیں دیجاتیں۔ نہ اُن کی دولت تھی نہ حکومت۔ ہاں ایک اسلامی روح ایسی پھونکی ہوئی تھی کہ وہ سب ایذائیں برداشت کرائی۔ مگر کلمہ

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہنے سے باز نہ رکھنی

مدینہ منورہ میں حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تشریف لانا تھا کہ ایک دم سے کیفیت بدل گئی۔ جو مخالف تھے وہی ناکیں رگڑتے اور نام نامی حضور رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم پر جان ومال فدا کرنے پر ہردم آمادہ رہتے۔ زیادہ وز حصہ ملک عرب تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ حیات میں ہی مطیع الاسلام ہوگیا تھا بقیہ حصہ عرب اور کچھ ملک شام حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں تحت حکومت اسلامیہ آیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی عاقلانہ و مدبرانہ پالیسی نے دائرہ حکومت اسلامیہ کو بے انتہا وسعت دی قلیل مدت میں زمین کا بہت سا سرسبز و زرخیز حصہ مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا تھا۔ جو عروج مسلمانوں کو حاصل ہوا اُس کی مثال دنیا کی تاریخ میں کہیں نہیں ملتی۔ روضۃ الکبرے وایران کی سلطنتیں گو کسی زمانہ میں باعتبار اپنی وسعت شوکت وحکومت کے اعلےٰ درجہ پر گنی جاتی تھیں۔ مگر مسلمانوں کے مقابل وہ بھی پست حالت میں معلوم ہوتی ہیں۔ اللہ اکبر اس وقت کی وسعت حکومت اسلامیہ تو ملاحظہ کیجئے۔ شمال میں قسطنطنیہ تک۔ مشرق میں ہندوستان تک۔ جنوب میں یمن۔ مغرب میں افریقہ واُندلس تک تمام ملک دائرہ حکومت اسلامیہ میں شامل ہے۔ ایک ہی شخص اس کثیر المقدار رقبہ پر فرمانروا ہے۔ بڑے بڑے سرکش وسربرآوردہ اشخاص اسلامی پرشوکت وعظمت کے جھنڈے کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہیں۔ صرف حکومت ہی کو وسعت نہیں ہوئی بلکہ مسلمانوں کے حسن اخلاق۔ پاکیزگی۔ کسر نفسی۔ ایفاء وعدہ وتعلیم توحید نے مخلوق کثیر کو اُن کے اصلی وپیدائشی مذہب سے ہٹا کر مسلمان بنادیا۔ جو شخص اپنا قدیم مذہب ترک کرکے مسلمان ہوتا وہ نام ہی کا مسلمان نہ ہوتا۔ بلکہ اسلام پر جان ومال فدا کرنے کو صدق نیت سے آمادہ ہوجاتا۔ اُس کی تمام کوششیں اشاعت اسلام پر مائل رہتیں۔ اسلام کی ایسی

سخت گرفت ہے کہ غیر ممکن تھا۔ مسلمان ہونے کے بعد پھر کوئی اس نومسلم شخص کو اسلام سے برگشتہ کرسکے مگر افسوس یہ عروج ۳۲ سنہ ہجری کے شروع ہی میں ختم ہوگیا۔

شروع خلافت عثمانی سے بعض مسلمان کچھ کچھ بددل ہو رہے تھے۔ درمیانی بعض واقعات نے جو میں اوپر لکھ چکا ہوں اُس بدگمانی و بددلی کو اور ترقی دی۔ اب تو آپ کی شکایتیں علانیہ ہونے لگیں۔ اور آپ کی رفتار گفتار پر تیز تیز معاندانہ نگاہیں پڑنے لگیں۔ ایک سیلاب مخالفت تھا کہ دن بدن بڑھتا جاتا تھا۔ مخالف تھے کہ ملک میں چکر لگاتے اور آپ کے انتظام پر طرح طرح کی نکتہ چینیاں کرکے عام لوگوں کو بہکاتے۔ اور خلافت کی اطاعت سے برگشتہ و بددل کرتے۔

عبداللہ بن سبا کا خروج مصر و کوفہ و بصرہ کی بغاوت۔ اُن کے اسباب

اسی اثنا میں ایک شخص یہودی الاصل عبداللہ بن سبا نامی نے کہ مسلمان ہوگیا تھا محض اپنے فروغ و عزت حاصل کرنے کی غرض سے حضرت عثمان رضہ کی مخالفت پر کمر باندھی اور ایک نیا مذہب جاری کرنا چاہا جس کے بڑے بڑے یہ دو اصول تھے:۔

(۱) حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم مثل حضرت عیسےٰ علیہ السلام مکرر رجعت فرمائینگے۔

(۲) خلافت حق آل رسول ہے اوروں نے اُس کو غصب کرلیا ہے۔

وہ اپنے اس عقیدہ کو لیکر اُٹھا اور جزیرہ نمائے عرب میں جگہ جگہ اپنے خیالات و عقائد کی اشاعت کرتا ہوا مصر پہنچا۔ مصری عبداللہ بن سعد کی حکومت سے خوش نہ تھے۔ وہ بہت جلد عبداللہ بن سبا کے متفق ہوگئے۔ اور علانیہ خلافت عثمانی سے اظہار مخالفت کرنے لگے۔ عبداللہ بن سبا کے متبعین اپنے کو علوی مگر عام مسلمان اُن کو رجعیہ کہتے تھے چند روز بعد بابیاء عبداللہ بن سبا اور بقول بعض ہمراہ عبداللہ بن سبا ایک گروہ مصریوں کا

مدینہ میں حضرت علی رضؓ کے پاس آیا حضرت عثمان رضؓ کی شکایتیں و خلافت عثمانی سے بیزاری ظاہر کر کے استدعا کی کہ آپ خلافت قبول کریں۔ ہم لوگ بیعت پر آمادہ ہیں۔ آپ نے بوجہ اپنے حسن اخلاق و زہد و ورع و مآل اندیشی اُن کو دھتکار دیا۔ وہ لوگ اپنا سا منہ لئے ہوئے واپس چلے گئے مدینے سے واپس جا کر اُنہوں نے اپنے خیالات کو زیادہ وسعت دینا اور قرب و جوار کے لوگوں کو بھی اپنا ہم خیال بنانا شروع کیا +

مصر۔ کوفہ۔ بصرہ یہ تین مقام ایسے تھے جہاں فساد و مخالفت و بغاوت کی آگ دم بدم بھڑکتی جاتی تھی۔ وجہ فساد و بغاوت جب تحقیق کی جاتی ہے تو وہ صرف ذاتی اغراض و منافع و ذاتی رنجشوں پر مبنی نظر آتی ہے۔ اُس کو کوئی تعلق اصلاح دین انتظام مملکت و فلاح مسلمانوں سے معلوم نہیں ہوتا +

مصر میں تو عبداللہ بن سبا کے مغویانہ و مفسدانہ خیالات نے اشاعت پا کر اہل مصر کو خلافت عثمانی کے خلاف کر دیا تھا۔ عبداللہ بن سعد حاکم مصر ایک سپاہی و بہادر شخص تھا اُس میں عمرو بن العاص جیسی حکمت عملی تالیف قلوب برتنے کا مادہ نہ تھا۔ عبداللہ بن سبا کے اُٹھائے ہوئے فساد کو وہ روک نہ سکا۔ نہ مصریوں کے قلوب اپنے اور خلافت کی جانب مائل کر سکا عبداللہ بن سعد کی حکومت سے اہل مصر ایک تو ناراض تھے ہی۔ اُس پر عبداللہ بن سبا کے وعدہ تبدیل خلافت نے اُن کو اور دلیر کر دیا۔ اب وہ سب کے سب عبداللہ بن سبا کی مٹھی میں تھے اور جس چال یہ متفنی شخص اُن کو چلاتا تھا چلتے تھے۔ اگر اہل مصر بآئین مناسب اپنی فریادیں اگر کچھ ہوتیں دربار خلافت میں پیش کرتے۔ اور حضرت عثمانؓ کو اُن کے حال پر اطلاع ہوتی۔ تو غیر ممکن تھا کہ اُن کی داد رسی نہ کی جاتی۔ حضرت عثمان ایک بہت بڑے حلیم و سلیم الطبع شخص تھے وہ کبھی اپنی ماتحت رعایا پر ظلم و جور نہ ہونے دیتے +

کوفہ میں ولید بن عتبہ کی بداعمالیوں سے ناراضی پھیل گئی تھی جب وہ علیحدہ ہو گیا اور

سعید بن العاص حاکم کوفہ ہوا تو گو اس جدید حاکم نے بہت کچھ کوشش اہل کوفہ کے اصلاح خیالات میں کی۔ مگر جو مادہ بغاوت ان کے طبائع میں پیدا ہو گیا تھا وہ دور نہ ہوا جس قدر یہ نرمی سے برتاؤ کرتا۔ وہ اور تیز ہوتا جاتا۔ یہاں تک کہ تھوڑی تھوڑی باتوں میں بھی ملال پیدا ہونے لگا۔ کوفہ میں باغیوں کا سرگروہ اشتر تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ بنی امیہ کا اقتدار دور ہو جائے اور حضرت عثمان رضؓ خلافت سے معزول کر دئے جائیں۔ ایک روز سعید بن العاص اپنے احباب میں بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے کہ اثناء مکالمہ میں کہنے لگے "سواد عراق باغیچہ قریش ہے" اشتر بیٹھا ہوا تھا یہ جملہ سنتے ہی بھڑک اٹھا اور خشمناک ہو کر بولا خوب جو ممالک ہم نے بزور شمشیر فتح کئے۔ خدا نے ہم کو دئے وہ کیونکر بستان قریش ہو سکتے ہیں۔ سعید نے اس کا کچھ جواب دیا بات نے طول پکڑا۔ صورت فساد پیدا ہو گئی۔ ناظر شحنہ عبدالرحمٰن الاسدی نے اٹھ کر چاہا کہ اس شورش کو رفع کرے۔ فوراً اس پر مار پڑنے لگی۔ وہ تو بیہوش ہو کر زمین پر گر پڑا۔ سعید بن العاص اٹھ کر اندر مکان کے چلے گئے۔ اشتر بھی بڑبڑاتا ہوا مع اپنے ہمراہیوں کے چلا گیا۔ سعید نے اپنے مکان پر پہنچکر اشتر و ہواخواہان و جانب داران اشتر کی شکایت حضرت عثمان رضؓ کو لکھی آپ نے فوراً حکم دیا کہ اس کو امیر معاویہ حاکم شام کے پاس مع اس کے ہواخواہوں کے بھیجدو اور ایک فرمان بنام امیر معاویہ لکھا کہ میں اشتر کو مع اس کے رفقا کے تمہارے پاس بھیجتا ہوں۔ تم اس کی نگرانی رکھنا۔ سمجھا بجھا کر سیدھا کر دینا۔ جب خیالات بغاوت ان کی طبیعتوں سے دور ہو جائیں تو ان کو میرے پاس یا کوفہ بھیجدینا۔

سعید بن العاص نے حضرت عثمان کا حکم پہنچتے ہی تعمیل کی اور اشتر کو مع اسکے رفقا کے دمشق بھیجدیا۔ جب یہ گروہ مفسدین دمشق پہنچا۔ تو امیر معاویہ نے ان کی بڑی خاطر مدارات کی۔ ہر وقت ان کے آرام و آسایش کا لحاظ رکھا۔ ملاقات میں بہت کچھ اونچ نیچ

سمجھائی۔ مگر افسوس اُن کی طبیعتوں میں جو ایک ناقص مادہ بغاوت بھرا ہوا تھا کم نہ ہوا۔
امیر معاویہ کی خاطر و مدارات فہمائش و نصیحت سب بیکار گئی۔ بالآخر امیر معاویہ نے مفصل
حال کی دربار خلافت کو اطلاع دی۔ ابھی کچھ دربار خلافت سے جواب نہ آنے پایا تھا
کہ یہ گروہ مفسدین بلا اطلاع امیر معاویہ چپ چپاتے دمشق سے چلدیا۔ حمص میں عبدالرحمن
بن خالد بن ولید کے پاس پہنچا۔ وہاں بھی دمشق کا سا رنگ ڈھنگ دیکھ کر مجبوراً اُس کو اپنا رُخ
بجانب مدینہ کرنا پڑا۔ بظاہر اپنے خیالات باغیانہ سے بیزاری کرتا ہوا۔ یہ گروہ داخل مدینہ
ہوا حضرت عثمان رضہ سے ملاقات کی منافقانہ اظہار اطاعت کیا۔ پچھلے قصوروں کی
معافی چاہی۔ آپ نے بوجہ اپنی کمال رحم دلی وحلم کے اُن کے قصورات کو عفو فرما کے
اجازت دیدی کہ اُن کا جہاں جی چاہے آزادانہ رہیں۔ آخشتر آزادی و اجازت حاصل کرکے
شاداں وفرحاں مع اپنے رفقا کے کوفہ پہنچا۔ اور پھر اپنی باغیانہ کارروائیوں میں مصروف
ہوا +

چند روز بعد اہل کوفہ نے سعید بن العاص سے شکایت کی کہ حضرت عثمان رضہ نے
لائق لوگوں کو محروم کرکے اپنے عزیزوں رشتہ داروں کو جا بجا حکومتوں پر مامور کردیا ہے
یہ امر ناپسندیدہ ہے۔ جب تک حضرت عثمان اسکی اصلاح نہ کرینگے ہم اپنے خیالات کی
تکمیل میں کوشاں رہینگے۔ سعید بن العاص نے زبانی عرض کرنا مناسب سمجھ کر مدینہ کا قصد
کیا۔ کوفہ سے روانہ ہو کر مدینہ پہنچے۔ حضرت عثمان کو کل واقعات وحالات سے مطلع کیا
آپ نے امیر معاویہ حاکم شام و عبداللہ بن سعد حاکم مصر و عمر بن العاص و عبداللہ بن عامر کو
طلب کیا۔ جب یہ سب لوگ آگئے تو مجلس شوریٰ جمع ہوئی۔ اور اندفاع بغاوت واصلاح
خیالات عوام کی تدابیر سوچی گئیں۔ امیر معاویہ کی رائے ہوئی کہ اہل فساد و بغاوت کو گوشمالی
دی جاوے۔ ہر والی کو حکم ہو کہ اپنی اپنی ولایت میں پہنچکر باغیوں و مفسدوں کا بلحاظ موقع و مصلحت و

قلع وقمع کرکے ملک کا انتظام کرے۔ سعید بن العاص کی رائے ہوئی کہ مخالفوں و باغیوں کو کسی مہم پر بھیجدیا جائے تاکہ وہاں پھنسے رہیں بغاوت نہ کرنے پائیں۔ عبداللہ بن عامر نے کہا کہ مخالفوں کے ساتھ رفق و مدارات سے پیش آنا چاہئے۔ اُن کو عطیات سے خوشنود کیا جائے۔ تاکہ وہ اپنے باغیانہ خیالات سے منفعل ہو کر دربار خلافت کی اطاعت کرنے لگیں۔ حضرت عثمان رضؓ نے سعید بن العاص کی رائے سے اتفاق کیا۔ بالآخر یہ رائے مستحکم قرار پائی۔ کہ ہر والی اپنے اپنے علاقہ حکومت میں جاکر کسی بیرونی مہم کا انتظام کرے۔ یہ حکم پاکر سب اپنی اپنی جگہوں کو روانہ ہوگئے۔ سعید بن العاص جس وقت قریب کوفہ پہنچے۔ اہل کوفہ نے اُن کو کوفہ میں داخل ہونے سے روکا اور کہا ہم بجز ابو موسیٰ اشعری کے اور کسی کی حکومت پسند نہیں کرتے۔ سعید ناکام مدینہ کو واپس آئے۔ حضرت عثمان رضؓ سے سارا حال کہا آپ نے چارو ناچار ابو موسیٰ اشعری کو فرمان حکومت کوفہ دیکر روانہ کیا۔ ابو موسیٰ نے کوفہ پہنچ کر دربار عام میں فرمان حضرت عثمان عوام کو سنایا وعظ و نصائح سے ان کے سخت دلوں کو خلافت عثمانی کی جانب مائل کرنا چاہا۔ ظاہر میں تو سب نے اظہار اطاعت کیا مگر فی الواقع وہ اپنی اُسی سرکشی و بغاوت کے دُھن میں لگے رہے تھوڑے عرصہ بعد عامر بن القیس کو اہل کوفہ نے سفیر بناکر حضرت عثمانؓ کے حضور اس استدعا سے روانہ کیا کہ آپ خلافت سے علیحدہ ہو جائیں۔ عامر بن القیس نے مدینہ منورہ پہنچکر حضرت عثمان رضؓ کو پیغام اہل کوفہ سنایا۔ آپ عامر بن القیس کی باتوں سے سخت رنجیدہ ہوئے۔ اور جواب معقول دیکر اُس کو رخصت کردیا ۔

اہل کوفہ کی ہرچند تالیف قلوب کی جاتی تھی اور کسی طرح اُن کو خلافت یا کارکنان حکومت کی جانب سے نقصان نہیں پہنچتا تھا۔ مگر وہ اپنی جبلی عادت بغاوت سے باز نہ آتے تھے اور ہر وقت فساد و بغاوت پر آمادہ و مستعد رہتے تھے ۔

مصر وکوفہ کے اسباب بغاوت تو آپ کو معلوم ہو گئے۔ اب مختصراً بصرہ میں جو سبب بغاوت وشورش پھیلنے کا ہوا اُس کو بھی ذرا سُن لیجئے۔

حمران بن آباد ایک شخص بصرہ میں رہتا تھا۔ اُس نے ایک بیوہ عورت کے ساتھ قبل انقضائے ایام عدت نکاح کرکے مباشرت کی تھی۔ حضرت عثمانؓ نے اس واقعہ کو معلوم کرکے بعد تحقیق حد شرع اُس پر جاری کی۔ حمران کے دل میں اُس وقت سے حضرت عثمان رضہ کی جانب سے کینہ پیدا ہو گیا۔ اب یہ موقع اُس کو اپنے دل کے بخار نکالنے کا خوب ملا۔ اہل بصرہ کو حضرت عثمان رضہ کی جانب سے بدظن کرنے لگا۔ والیان و عاملان حکومت حتے کہ خلیفہ وقت کی شان میں بھی کلمات ناسزا کہتا۔ اُس کے برانگیختہ کرنے سے بہت لوگ بصرہ کے اُس کی جانب ہو گئے۔

مدینہ کی شورش۔ حضرت علی کی فہمایش حضرت عثمان کا جواب و خطبہ عمار بن یاسر کا معاملہ

مدینہ میں بنی ہاشم اور دیگر اشراف قریش بہ سبب اس کے کہ مناصب عالیہ بنو امیہ و متعلقین بنو امیہ کو دیئے گئے تھے آزردہ خاطر تھے۔ سب نے متفق ہو کر حضرت علی رضہ کو جا کر گھیرا اور شکایت کی۔ حضرت علی رضہ حضرت عثمانؓ کے پاس آئے اور صورت واقعہ بیان کی۔ حضرت عثمان رضہ نے کہا اے علی رضہ میں نے معاویہ۔ ابن عامر اور مغیرہ کو مناصب عالیہ دیئے ہیں۔ یہ خلافت اول و دوم میں بھی معزز و مقتدر رہے ہیں اور امیر معاویہ تو عرصہ سے شام کی حکومت پر مامور ہے۔ آپ نے جواب دیا یہ سچ ہے مگر عمر رضہ کے زمانہ میں یہ لوگ گو منصب دار تھے مگر سیاست فاروقی سے ڈرتے رہتے تھے۔ اب سب نے روش شاہانہ اختیار کی ہے اور تمہارے احکام کی اُن کو کچھ پروا نہیں ناہموار رفتار چلتے ہیں۔ اگر تم اُن کو منع کرتے ہو تو کچھ انتظام کرتے ہو۔ آپ نے اس کا کچھ جواب دیا۔ غرضیکہ تھوڑی دیر تک اسی قسم کی باتیں ہوتی رہیں کوئی امر فیصل نہیں ہوا۔ حضرت علی رضہ اُٹھ کر چلے آئے۔ حضرت علی رضہ کے جانے بعد حضرت

عثمان رضہ مسجد میں تشریف لے گئے جب گروہ مسلمانان جمع ہوگیا۔ تو آپ نے منبر پر جا کر خطبہ پڑھا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ لوگ عمر رضہ سے ڈرتے تھے اُن کی سختیوں کو برداشت کرتے۔ مَیں نے رحم کا برتاؤ کیا۔ نرمی و تحمل سے کام لینا چاہا۔ اور سب لوگوں کے ساتھ رعایت کی اس کا مجھ کو یہ صلہ ملا کہ لوگ مجھ پر نکتہ چینیاں کرنے لگے۔ مَیں نے بیت المال سے اپنی ذات کے لئے ایک حبہ تک نہیں لیا۔ مجھ پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ مَیں اپنے عزیزوں کو زیادہ دیتا ہوں۔ اس بارہ میں تم ہی غور کرو اور سوچو کیا مجھ کو اس قدر بھی اختیار نہیں ہے مجھ کو ذرا ذرا سی باتوں میں رنجیدہ مت کرو۔ کیوں مجھ پر جھوٹ و تہمت لگا لگا کر مورد غضب الٰہی ہوتے ہو۔ اس خطبہ کے بعد حضرت عمار بن یاسر (یہ صحابی سابق الاسلام و معفقند رکھتے تھے) کھڑے ہوئے اور حضرت عثمان کی تقریر پر سختی کے ساتھ کچھ اعتراض کئے۔ ہنوز وہ اپنا بیان ختم نہ کرنے پائے تھے کہ بعض بنی اُمیہ ہواخواہان بنی امیہ اُن پر حملہ آور ہوئے اور اس قدر مارا کہ قریب مرگ ہوگئے۔ اگر حضرت عثمان آڑے نہ آجاتے تو اُن کا تو کام ہی تمام ہوچکا تھا۔ اس واقع نے مدینہ میں بھی ایک عام بد دلی و بیچینی پیدا کردی اور عمار بن یاسر اور اُن کے ہواخواہ کھلم کھلا حضرت عثمان رضہ کے مخالف ہوگئے +

مشورہ در بارہ رفع بغاوت اور اس مشورہ پر عمل

جب شکایات عوام حد سے متجاوز ہونے لگیں تو آپ نے ایک روز تمام اشراف و اعیان مدینہ کو جمع کر کے مشورہ کیا کہ کیا صورت رفع فساد و استمالت عوام کی کی جائے۔ سب نے بالاتفاق یہ رائے دی کہ اطراف و جوانب میں لایق و فصیح اشخاص بھیجے جائیں جو اپنے اپنے پُر اثر بیانات سے لوگوں کے خدشات رفع کر کے شورش کو مٹائیں۔ اور خلافت کی عظمت و وقعت تمام دلوں میں قائم کریں۔ حضرت عثمان رضہ نے اس رائے کو پسند فرمایا اور اس کے انتظام میں مصروف ہوئے۔ محمد بن مسلمہ کو کوفہ۔ اُسامہ بن زید کو بصرہ۔ عبداللہ بن عمر کو شام و مصر

کی جانب روانہ کیا۔ علاوہ ان کے ایک اور لائق اور خوش بیان پر اثر اشخاص کو اطراف و جوانب میں بھیجا۔ ان حضرات نے جابجا اپنے پر اثر بیانات سے لوگوں کے قلوب کو بجانب خلافت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مائل کر دیا۔ تھوڑے روز بعد یہ لوگ واپس آئے۔ اور کہا کہ ہم نے خلیفۂ وقت کی کسی جگہ مخالفت نہ دیکھی اور نہ کوئی ایسی بات سُنی جو مخالفت پر دلیل ہو سکے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قلب اس بیان سے مطمئن نہیں ہوا۔ اور آپ نے ایک فرمان بالفاظ رفق و مدارات لکھوا کر انطاع و امصار ملک میں شائع کیا۔ اس فرمان میں آپ نے یہ بھی لکھوایا تھا کہ اگر کسی شخص کو کوئی دعوے ہو یا میرے مقرر کردہ کسی والی کی شکایت ہو یا کوئی چیز مجھ سے طلوب ہو تو وہ میرے پاس آئے۔ میں اُس کو سنونگا۔ اس کا انصاف کرونگا۔ اور شئے مطلوبہ اُس کو دونگا جس جس مقام پر یہ فرمان پڑھا گیا۔ سامعین متاثر ہو کر رونے لگے مگر افسوس ہے کہ خیالات بغاوت فرو نہ ہوئے دن بدن ترقی کرتے رہے۔ اس کارروائی کے بعد موقع حج پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ۔ عبداللہ بن عامر۔ سعید بن العاص اور دیگر والیان و حاکمان ملک سے فرمایا کہ تم کو رعایا کے ساتھ نیکی و نیک نیتی پیش آنا چاہیئے کسی کو اپنا شاکی نہ بناؤ۔ کسی کو رنجیدہ نہ کرو۔ سب نے بالاتفاق کہا کہ ہمارا کوئی فعل قابل اعتراض نہیں۔ آپ کے سفیر خود جا کر معلوم کر آئے ہیں ہمارا شاکی کسی کو نہ پایا۔ آپ نے اُن کے قول کو معتبر نہ جانا۔ اور فرمایا کہ شکایت ضرور ہوتی ہے اور بلاوجہ کوئی شکایت نہیں کیا کرتا جب کوئی فعل قابل شکایت ہوتا ہے تو شکایت کی جاتی ہے۔ میں خدا سے ڈرتا ہوں۔ کہیں ایسا نہ ہو۔ تمہارے سبب مجھ سے باز پرس ہو۔ تم لوگوں کو انصاف و نیک نیتی سے عمل کرنا چاہیئے۔ آپ کی اس گفتگو کو سُن کر سب خاموش ہو رہے۔ بعد فراغ حج اپنے اپنے مقامات کو چلے گئے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ آپ کے ہمراہ مدینہ منورہ آئے +

حضرت علیؓ و طلحہؓ و زبیرؓ سے حضرت عثمان کی گفتگو۔

ایک روز آپ نے مدینہ منورہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ و طلحہؓ و زبیرؓ کو

بلایا۔ یہ سب جب جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا کیا آپ صاحب بعد شہادت حضرت عمرؓ انتخاب
خلیفہ کے لئے مقرر نہیں ہوئے تھے۔ مجھ کو کہ میں ایک کبرسن قریب مرگ شخص ہوں خلیفہ
بنایا۔ اب مجھ سے اعراض کیا جاتا ہے۔ میرا طرز حکومت قابل اعتراض ظاہر کیا جاتا ہے۔
یہ تلون وتغیر کس سبب سے ہے۔ کیا یہ بات آپ لوگوں کے شایاں ہے کہ خود ہی مجھ کو حاکم بناؤ
اور خود ہی مخالفت کرو۔ اپنے نفس کو اپنے قابو میں رکھو۔ دلوں میں انصاف کرو اور خدا سے
ڈرو۔ سامعین ومخاطبین میں سے حضرت علیؓ نے اس کا جواب دیا کہ ہم لوگ آپ کے مخالف
نہیں ہیں۔ مگر جمہور میں ایک شورش پیدا ہو گئی ہے جس کا رفع کرنا ہمارے اختیار سے باہر
معلوم ہوتا ہے۔ مروان جو آپ کا مصاحب ہے وہ طرح طرح کے فساد پھیلاتا رہتا ہے
اور آپ اُس کو نہیں روکتے۔ وہ دن بدن زیادہ دلیر وآزاد ہوتا جاتا ہے۔ آپ اُس کا انتظام
نہیں کرتے۔ آپ نے اپنے اعزا واقربا کو اعلےٰ اعلےٰ عہدے دیکر عام لوگوں کو رنجیدہ
کر رکھا ہے۔ حضرت عثمانؓ نے جواب دیا کہ اگرچہ حضرت ابوبکرؓ وحضرت عمرؓ نے
اپنے اعزا واقربا کو مناصب جلیلہ پر متعین نہیں فرمایا۔ مگر چونکہ حضور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم
نے اپنے قرابت داروں کو خدمات لائقہ سپرد کی تھیں۔ اسی لحاظ سے مَیں نے بھی اپنے بعض
عزیزوں کو کہ کثرت اہل وعیال کے سبب مستحق رعایت تھے دستگیری کی۔ اور اُن کو خدمات
سپرد کیں۔ اگر آپ صاحبوں کو میرا یہ فعل گراں گزرتا ہے۔ تو مَیں بہت جلد اس کا انتظام
کر دونگا۔ تینوں حضرات اس آخری جملہ کو سُن کر خوش ہوئے اور اپنی ممنونیت
ظاہر کر کے رخصت ہو گئے۔

امیر معاویہ کی صلاح

حضرت علیؓ وطلحہؓ وزبیرؓ کے چلے جانے کے بعد امیر معاویہ
نے حضرت عثمانؓ سے کہا مجھے گمان غالب ہے کہ شورش عظیم برپا ہو گی۔ آپ اُس کو
دفع نہ کر سکینگے۔ بہتر یہ ہے کہ آپ میرے ہمراہ صوبۂ شام میں چلے چلیں وہاں اطمینان سے

رہیں۔ فتنہ و فساد جو کچھ اُٹھیگا میں سب بھگت لونگا۔ حضرت عثمان رضؓ نے فرمایا ممکن ہے ایسا ہی ہو۔ مگر میں ہمسائگی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم چھوڑنا نہیں چاہتا۔ امیر معاویہ نے کہا اگر چلنا منظور نہیں ہے تو مجھ کو اجازت دیجئے میں ایک سپاہ بغرض آپ کی نگہبانی و حفاظت کے لئے مدینہ منورہ میں تعینات کردوں۔ حضرت عثمان رضؓ نے اسکو بھی منظور نہ فرمایا اور ارشاد کیا ہمسائگان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی دلتنگی و تکلیف مجھ سے نہیں دیکھی جائیگی۔ جو کچھ مرضی الہٰی ہے میں اس پر دل راضی ہوں۔ امیر معاویہ اس تقریر کو سُن کر بیدل ہوئے اور کہنے لگے بس مجھے معلوم ہو گیا آپ کی جان جائیگی اور کچھ نہ ہوگا۔ باغی حملہ کرینگے آپ تاب مقاومت نہ لائینگے۔ بالآخر نقصان اُٹھائینگے آپ نے امیر معاویہ کا بیان سنکر سکوت فرمایا۔ امیر معاویہ وہاں سے اُٹھ کر حضرت علیؓ و طلحہ رضؓ و زبیرؓ کے پاس پہنچے۔ اُن کو واسطے محافظت حضرت عثمان رضؓ تاکید کرکے شام کو چلے گئے +

باغیوں کی سرغنہ۔ مدینہ کا محاصرہ۔ حضرت علی وغیرہ سے استدعا خلافت۔ اُن لوگوں کا انکار

مخالفان خلافت کو پورا موقع اپنی کارروائی کا ملگیا تھا۔ انہوں نے بیرونجات کے اہل بغاوت و فساد سے تحریک کی کہ وہ سب مدینہ آئیں اور خلافت کا انتظام کریں۔ ان خطوں کے پہنچنے پر ایک ایک ہزار آدمی مصر۔ کوفہ و بصرہ سے بہ بہانہ حج کہ موسم حج قریب تھا روانہ ہوئے۔ ماہ شوال ۳۵ھ ہجری میں بصرہ والے موضع ذاخشب میں جو مدینہ سے تین منزل ہے۔ اور اہل کوفہ اور کچھ مصری موضع اعوص میں۔ ایک گروہ اہل مصر موضع ذی المروہ میں آکر مقیم ہوئے۔ اپنے اس قیام سے گویا اُنہوں نے مدینہ کا محاصرہ کرلیا۔ بصریوں نے طلحہ کو۔ کوفیوں نے زبیر کو مصریوں نے علی کو خلافت کے لئے منتخب کیا +

حضرت علیؓ نے مفسدوں کے حالات معلوم کرکے واسطے محافظت مستقر الخلافت باجازت حضرت عثمانؓ ایک مختصر سا لشکر تیار کرکے اور اپنے بڑے بیٹے حضرت امام حسنؓ کو اُس کا سردار مقرر کرکے بیرون مدینہ منورہ بمقام احجار الزیب متعین کردیا اس تعیناتی سے باغیوں کی جرأت مدینہ منورہ پر حملہ آوری کی نہیں ہوئی - اور چند اشخاص گروہ مفسدین میں سے بہ بہانہ عرض شکایت والیان داخل مدینہ منورہ ہوئے - مدینہ میں پہنچکر یہ سیدھے حضرت علیؓ کے مکان پر پہنچے اور آپ سے قبول خلافت کی استدعا کی آپ اُن کی استدعا کے بجا سُن کر سخت رنجیدہ ہوئے اور بکمال ترش روئی جواب دیا کہ تمام صلحاء امت محمدی اس امر سے واقف ہیں کہ لشکریان ذوخشب - ذوی المروہ اور الاعوض بلحاظ مضمون حدیث رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم ملعون ہیں - مَیں ایسے لوگوں کی کوئی بھی استدعا منظور نہیں کرسکتا - میرے مکان سے تم لوگ چلے جاؤ - وہاں سے یہ لوگ ناکام لوٹ کر طلحہ و زبیر کے پاس پہنچے اور ایسا ہی کچھ جواب وہاں سے بھی پایا - جب ان لوگوں نے دیکھا کہ اصحاب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم ہمارے قابو کے نہیں ہیں اور نہ ہمارے خیالات کی تکمیل میں وہ ہم کو کچھ مدد دینگے - تو خائب و خاسر ہوکر اپنے اپنے گروہ کی جانب لوٹ گئے ✣

حضرت علی کا حضرت عثمان کے پاس جانا حضرت عثمان و حضرت علی کی گفتگو -

مدینہ میں بھی کچھ لوگ مفسدین کے معین و مددگار تھے - اُنھوں نے باہمی اتفاق کرکے حضرت علیؓ سے جاکر کہدیا کہ آپ حضرت عثمانؓ کے پاس جائیں اور اُن کو فہمایش کریں کہ وہ اپنے مقرر کردہ عاملوں کو علیحدہ کردیں اور آئندہ کو عہد و پیمان کریں کہ اپنے قرابت داروں کو عہدہ ہائے معزز پر مقرر نہ کرینگے اگر وہ ایسا نہ کرینگے تو ہم خلافت سے اُن کو معزول کردینگے - حضرت علی کو باغیوں کی اس گفتگو سے سخت ملال ہُوا - مگر بہ مقتضائے وقت اُن کو

خواہش مناسب کر کے واپس کر دیا۔ خود حضرت عثمانؓ کے پاس آئے اور فرمایا بڑے افسوس کی بات ہے کہ آپ ان کی حالت پر لحاظ نہیں کرتے۔ جو کچھ مشورہ آپ کو دیا جاتا ہے۔ اُس پر آپ عمل نہیں کرتے۔ بغاوت کی آگ روز بروز بھڑکتی جاتی ہے۔ اور آئندہ ہر قسم کے فتنہ و فساد اُٹھنے کا احتمال ہے مصلحت وقت یہ ہے آپ مسجد شریف میں تشریف لے چلیں اور عام اشخاص کے روبرو وعدہ علیحدگی والیان موجودہ اور انتظام آئندہ کا کریں تاکہ یہ فتنہ و فساد دب جائے۔ حضرت عثمان رضؓ نے یہ صلاح منظور کی۔ فوراً مسجد شریف میں تشریف لاکر گروہ کثیر کے روبرو جو اُس وقت موجود تھا۔ فرمایا۔ اے لوگو! واقعی مجھ سے غلطی ہوئی۔ اب تم مطمئن رہو۔ میں تین روز کے عرصہ میں اپنے قرابت داروں کو مناصب عالیہ سے معزول کر دونگا۔ مروان بن الحکم اُس وقت موجود تھا۔ اُس نے خلیفہ وقت کو ایسی تقریر کرنے سے روکا۔ مگر آپ نے مروان کے صلاح و مشورہ کو ناپسند فرما کے خود اُس کو ہی روک دیا۔ بعد ختم اس کارروائی کے اہل مجلس اُٹھ کر اپنے اپنے مقامات کو چلے گئے۔ مروان نے مکان پر پہنچ کر آپ سے کچھ ایسی باتیں کہیں کہ آپ اُن کو سُن کر اپنے عزم سے قطعی کنارہ کش ہو گئے اور جو کچھ اُس نے کہا آپ نے اُس کو منظور فرما لیا +

باغیوں کی شورش۔ مروان کی تہدید۔ بغاوت کی ترقی

تین روز تک تو ایک سکون کی حالت رہی۔ جب ایام وعدہ گذر گئے اور کوئی کارروائی دربار خلافت سے دربارہ معزولی والیان موجودہ عمل میں نہیں آئی۔ تو اہل بغاوت نے خلیفہ کو قصور وار نقض عہد کا کر کے ایک عجیب پُر آشوب فساد پھیلایا۔ گروہ گروہ مدینہ کی گلیوں میں حضرت عثمان رضؓ کی شکایت کرتے پھرتے تھے۔ اور اس بات پر آمادہ ہو گئے کہ آپ پر حملہ کریں۔ مروان نے اس نازک وقت پر بھی بجائے اس کے کہ تدابیر مناسب سے رفع فساد کرتا ایسی تہدید آمیز گفتگو کی کہ برہمی اور ترقی پا گئی۔ باغیوں میں سے کچھ لوگ حضرت علی رضؓ کے پاس گئے اور کہنے

لگے عجیب طرح کا معاملہ ہے۔ آپ تو ہم سے فرماتے ہیں۔ حضرت عثمان رضؓ نے وعدہ تنظیم وعلحدگی والیان موجودہ کیا ہے۔ مگر اُس کا کوئی ظہور نہیں ہوتا۔ مزید براں مروان ہم کو طرح طرح کی دھمکیاں دیتا ہے اور الفاظ سخت و نا ملائم ہماری نسبت استعمال کرتا ہے۔ اب ہم زیادہ صبر نہیں کر سکتے۔ جلد ایفاء وعدہ ہونا چاہئے۔ ورنہ ہم جو کارروائی مناسب سمجھینگے عمل میں لائینگے۔ حضرت علی رضؓ اس گفتگو کو سُن کر سخت متردد و پریشان ہوئے ایک عالم تحیر و تشویش میں اُلجھتے ہوئے حضرت عثمان رضؓ کے پاس پہنچے اور فرمانے لگے مروان فتنہ خوابیدہ کو بیدار کرتا ہے۔ تمام ملک آمادہ بغاوت ہو رہا ہے آپ کچھ خیال نہیں کرتے نہ کوئی انتظام ہے نہ کچھ اصلاح فرمائی۔ کام چلے تو کیسے چلے۔ اگر آپ ایسے لوگوں کی باتوں پر جو حریص مال و جاہ ہیں عمل کرینگے۔ اور نصائح دوستان صادق جو اسلام میں شقاق و نفاق پیدا نہ ہونے کے بارہ میں کوشش کرتے ہیں نہ سنینگے۔ تو میں بھی آیندہ کو گوشۂ عافیت میں بیٹھ کر آپ کے معاملات سے دست بردار ہوتا ہوں۔ آپ جانیں اور آپکا کام اس قدر فرما کے آپ اپنے مکان کو تشریف لے آئے۔ بظاہر اپنے کو اس مخمصہ سے علحدہ کر لیا۔ مگر فی الواقع رفع فساد و محافظت حضرت عثمانؓ میں برابر کوشاں رہے آپ کی یہ نیت تھی کہ اسلام میں جھگڑا و فساد نہ ہو +

حضرت علیؓ کا باغیوں کو منتشر کر دینا

باوجودیکہ حضرت علی رضؓ حضرت عثمان رضؓ کے پاس سے رنجیدہ ہو کر آئے تھے۔ مگر آپ کے دل نے نہ مانا۔ کہ صورت واقع کو بحالت موجودہ چھوڑ دیا جاے۔ آپ نے پھر مفسدین کو سمجھایا۔ کسی کو دھمکایا۔ کسی کو وعظ و نصیحت سے موم کیا۔ کسی کو کچھ دیا۔ الغرض آپ کی اس کارروائی سے بجز اہل مصر اور سب باغی راضی ہو گئے۔ اہل مصر کا اصرار تھا کہ عبداللہ گورنر مصر علحدہ کر دیا جائے حضرت علی رضؓ نے اہل مصر کا بیان حضرت عثمان رضؓ سے کہلا بھیجا۔ آپ نے اہل مصر کو اختیار دیا۔ کہ وہ

جس کو پسند کریں اُسی کو میں مصر کا گورنر دوالی مقرر کردوں۔ اہل مصر نے محمد بن ابو بکرؓ کو نامزد کیا آپ نے فرمان حکومت مصر محمد بن ابو بکرؓ دمعزولی عبداللہ لکھ کر باغیوں کے پاس بھیجدیا۔ اس کارروائی سے اہل مصر بھی راضی ہوگئے۔ اب جماعت باغیوں کی منتشر ہونا شروع ہوئی۔ دو تین روز میں مدینہ وحوالی مدینہ مفسدین کے وجود سے پاک وصاف ہوگیا۔ اور ایک اطمینانی حالت پیدا ہوگئی ؛

محمد بن ابو بکر کی روانگی۔ راستے میں ایک نامہ بر کا ملنا۔ پھر مدینہ کی واپسی۔ بغاوت وشورش کی دوبارہ ترقی

مصریوں کو مع محمد بن ابو بکرؓ مدینہ سے چلے ہوئے تین روز ہوئے تھے کہ راستہ میں ایک ناقہ سوار مدینے سے مصر کی جانب تیز تیز روانہ ہوتا ہوا نظر آیا۔ ناقہ سوار نے مصری قافلہ کو دیکھ کر راہ کاٹی۔ اُس کی اس حرکت سے ایک شبہ پیدا ہوا۔ محمد بن ابو بکرؓ نے ایک جماعت کو اس کے تعاقب میں بھیجکر پکڑ وا منگایا۔ قریب آیا تو معلوم ہوا کہ حضرت عثمانؓ کے اونٹ پر سوار اور مروان کا غلام ہے۔ دریافت کیا کہاں جاتا ہے۔ اُس نے کہا۔ حاکم مصر کے پاس جاتا ہوں۔ محمد بن ابو بکرؓ نے کہا کہ مصر کا حاکم تو میں مقرر ہوا ہوں کیا کوئی فرمان تیرے پاس ہے لا مجھے دے۔ اُس نے فرمان کے موجود ہونے سے انکار کیا۔ آخر تلاشی لیگئی تو مشکیزہ کے اندر سے ایک خط نکلا۔ محمد بن ابو بکرؓ نے اُسکو کھولا اور پڑھا تو عجب گل کھلا۔ یعنی حضرت عثمانؓ کا حکم عبداللہ بن سعد حاکم مصر کے نام تھا کہ محمد بن ابو بکرؓ کو حکومت مصر نہ دینا۔ بلکہ کسی حکمت عملی سے اُن کو اور اُن کے ساتھیوں کو قتل کر دینا۔ اس فرمان پر حضرت عثمانؓ کی مہر بھی تھی۔ محمد بن ابو بکرؓ اس خط کو پڑھکر غصہ میں بھر گئے اور اُلٹے پاؤں مدینہ کو لوٹے سب مصری بھی ساتھ تھے۔ اس خبر نے کچھ ایسی شہرت پائی کہ محمد بن ابو بکرؓ کے مدینہ پہنچتے ہی تمام کوفی وبصری بھی مدینہ داخل ہوگئے۔ محمد بن ابو بکرؓ نے مدینہ پہنچکر اول حضرت علیؓ وطلحہؓ وزبیرؓ کو وہ فرمان

دکھایا سب اُسکو دیکھ کر پڑھ کر متعجب ہوئے۔ اور حضرت عثمان کے پاس گئے خط دکھایا۔ آپنے اُس کی تحریر۔ غلام کی روانگی سے انکار و لاعلمی ظاہر کی اور فرمایا کہ میری مہر بلا علم میرے اس فرمان پر کردی ہے۔ حضرت عثمان کا قول ان حضرات نے معتبر مان کر کہا ضرور یہ چالاکی مروان کی ہے۔ آپ ذرا اُس کو بلوائیں۔ ہم صورت واقع معلوم کریں۔ آپنے مروان کے بلانے سے بھی انکار کیا۔ اور فرمایا کہ مروان بلاقصور ہے۔ یہ جعلسازی باغیوں کی معلوم ہوتی ہے۔ مجھ کو خوف ہے کہ اُس کو باغی کہیں مار نہ ڈالیں۔ یہ تینوں حضرات مجبوراً واپس چلے آئے۔ اور باغیوں نے تمام مدینہ میں فساد پھیلا دیا۔ مفسدین مدینہ کے سرگروہ محمد بن ابوبکر تھے +

حضرت عثمان کے مکان مسکون کا محاصرہ اور اُس کے متعلق واقعات۔

بالآخر باغیوں نے حضرت عثمان رضہ کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ اور دو شرطیں پیش کیں ایک یہ کہ یا تو آپ خلافت سے دست بردار ہو جئے۔ دوسری یہ اگر آپ خلافت سے دست کش نہ ہوں تو مروان کو ہمارے حوالہ کر دیجئے۔ آپ نے ان دونوں شرطوں کے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس انکار کے بعد محاصرہ میں سختی کی گئی۔ یہاں تک کہ پانی اور دیگر سامان خورد و نوش کا بھی مکان کے اندر جانا بند ہو گیا۔ حضرت عثمان رضہ نے محاصرہ کی شدت دیکھ کر کھڑکی میں سے جھانک کر پوچھا کہ کیا تم میں علی رضہ ہیں۔ جواب ملا نہیں۔ پھر پوچھا کیا سعد ہیں اس کا جواب بھی نفی میں دیا گیا۔ یہ جواب سُن کر آپ نے فرمایا کیا کوئی ایسا شخص ہے جو علی کو یہ خبر پہنچا دے کہ ہم پیاسے ہیں وہ ہم کو پانی پلا دیں۔ گروہ اشرار میں سے ایک شخص نے جا کر یہ سارا واقعہ حضرت علی رضہ سے کہا۔ آپ اس واقعہ پر مطلع ہو کر کمال رنجیدہ ہوئے اور فرمایا۔ ایرانیوں و رومیوں نے بھی وقت محاصرہ اپنے فریق مخالف پر پانی بند نہیں کیا۔ یہ کیسا ظالم گروہ ہے کہ ایک مسلمان صحابی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر پانی

بند کرتا ہے۔ پھر چند مشک پر آب ہمراہ چند امہات المومنین و اصحاب رسول رب العالمین
بھجوائیں۔ یہ پانی بدقت حضرت عثمان رضؓ تک پہنچا۔ حضرت علی رضؓ و طلحہ رضؓ نے ہر چند
کوشش کی کہ باغی منتشر ہو جائیں۔ مگر اب کی مرتبہ یہ گروہ اشرار کچھ ایسا دلیر و برافروختہ
تھا۔ کہ کوئی تدبیر اُن کے منتشر ہونے کی کارگر نہ ہوئی +

آغاز ایام محاصرہ میں حضرت عثمان رضؓ بروز جمعہ مسجد نبوی میں تشریف لے گئے۔
جب سب نمازی جن میں اکثر گروہ مفسدین بھی نماز جمعہ کے لئے مسجد میں جمع ہوئے
تو آپ نے منبر پر تشریف لیجا کر خطبہ شروع کیا۔ دوران خطبہ خوانی میں گروہ مفسدین کو
مخاطب کرکے فرمایا۔ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم لوگ موافق حدیث رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ملعون ہو۔ اس حدیث کو اکثر صلحاء اُمت جانتے ہیں۔ بہتر ہے
کہ اپنے افعال پر نادم اپنے خطا پر معترف ہو کر توبہ کرو۔ اور ان ناملائم حرکات سے باز آؤ۔
محمد بن مسلمہ رضؓ صحابی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اس وقت موجود تھے اُنہوں نے
حضرت عثمان رضؓ کے بیان کی تصدیق کی۔ مگر اہل فساد نے اُن کو خاموش کر دیا۔ بعدہٗ
زیدؓ بن ثابت نے چاہا کہ وہ کچھ حضرت عثمان رضؓ کی تائید میں تقریر کریں۔ مگر اُن کو بھی
بزجر و توبیخ روک دیا گیا اور حضار مسجد پر مفسدین نے سنگباری شروع کی۔ یہاں تک
کہ وہ مجمع بغیر نماز ادا کئے ہوئے منتشر ہو گیا حضرت عثمان رضؓ بھی ایک ضرب پتھر سے
متالم ہو کر منبر سے گرے۔ پھر سنبھل کے اپنے مکان کو تشریف لے گئے اُس کے بعد
مسجد نبوی میں اُن کو آنا نصیب نہ ہوا +

مؤذن دروازہ پر کھڑے ہو کر دریافت کر لیتا کہ نماز کون پڑھائے آپ اندر سے
بتا دیتے۔ چند روز تو یہ حالت رہی۔ بعدہٗ آپ سے دریافت کرنا بھی چھوڑ دیا گیا۔
نمازی خود ہی امام بھی جس کو چاہتے منتخب کر لیتے +

ایام محاصرہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حالت

ایام محاصرہ میں حضرت عثمان رضہ برابر روزہ رکھتے کبھی ایسا بھی اتفاق ہو جاتا کہ افطار کے وقت غذا تو درکنار ایک بوند پانی بھی نہ ملتی۔ ویسے ہی رات کو پڑ رہتے صبح کو پھر روزہ رکھتے صحن مکان میں سنگساری کے ڈر سے نہیں نکلتے۔ رات دن کوٹھری کے اندر رہتے۔ آہ آہ یہ کیسا پُر درد و افسوسناک واقع ہے ضعیفی کا عالم روزہ پر روزہ رکھا جاتا ہے۔ نہ کھانے کو نہ پینے کو۔ عرب کا ملک۔ گرمی کا موسم۔ کوٹھری میں بند۔ صحن میں نکلنے ہوا لینے سے مجبور۔ اُس پر خلیفہ وقت۔ ایک وسیع سلطنت اسلامیہ کے حکمراں حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جاں نثار صحابی اور داماد +

آپ کے ہواخواہوں اور غلاموں نے چاہا کہ اس بغاوت کو بزور شمشیر رفع کریں۔ مگر آپنے بوجہ اپنی خلقی وجبلی رحمدلی کے اجازت نہ دی اور اس کو پسند نہ فرمایا۔ کہ مسلمانوں کی خونریزی ہو +

انہی ایام محاصرہ میں ایک روز آپنے کھڑکی سے سر نکال کر گروہ باغیوں کو مخاطب کرکے فرمایا۔ کہ تم عثمان کو اُس کوئیں کا پانی پینے سے روکتے ہو جس کو خود اُس نے اپنے روپیہ سے خرید کیا ہے۔ اُس مسجد میں نماز پڑھنے نہیں دیتے جس کی توسیع خود اسی کے روپیہ سے ہوئی ہے۔ باغیوں نے اس کے جواب میں پتھر پھینکنے شروع کئے آپ نے سر اندر کر لیا اور کوٹھری میں جا بیٹھے +

حضرت عثمان پر حملہ۔ آپ کی شہادت۔ اُس کے متعلق واقعات

چالیس روز یا اُنچاس روز یا ساٹھ روز علے اختلاف الروایت محاصرہ رہا۔ آخر ایام محاصرہ میں جب باغیوں کی نیت بد نظر آنے لگی۔ تو حضرت علی عنہ نے اپنے دونوں بیٹوں امام حسن عنہ و امام حسین عنہ کو۔ طلحہ عنہ نے اپنے بیٹے محمد کو۔ زبیر عنہ نے اپنے بیٹے عبداللہ کو مع مختصر جماعت

حضرت عثمان رضؓ کے دروازہ پر متعین کر دیا۔ تاکہ باغی مکان کے اندر نہ جا سکیں ۔

۱۸۔ ذی الحجہ روز جمعہ ۳۵ھ ہجری کو صبح کے وقت گروہ باغیوں نے بالاتفاق حملہ کیا۔ اور کوشش کی کہ دروازہ توڑ کر اندر مکان کے گھس جائیں مگر امام حسن رضؓ و عبداللہ بن عباس رضؓ و عبداللہ بن زبیر رضؓ و محمد بن طلحہ رضؓ و قنبر غلام حضرت علی رضؓ نے اُن کو روکا اور دروازہ کے راستہ اندر مکان کے نہ جانے دیا۔ اس روک میں امام حسن رضؓ و محمد بن طلحہؓ اور قنبر کسی قدر زخمی بھی ہوئے ۔ اس طرف تو یہ حضرات باغیوں و سرکشوں کو روک رہے تھے۔ اور اندر نہ جانے دیتے تھے کہ محمد بن ابو بکر رضؓ مع ایک گروہ اہل مصر جس میں کچھ مدینہ کے لوگ بھی شامل تھے ۔ دوسری سمت کو گئے ۔ اور ایک انصاری کے مکان میں سے دیوار پر چڑھ کر تین یا چار شخص اُن میں سے حضرت عثمان رضؓ کے مکان میں پہنچے۔ حضرت عثمان رضؓ اس وقت تلاوت کلام اللہ شریف میں مصروف تھے ۔ آپ کی بی بی نائلہ آپ کے قریب بیٹھی ہوئی تھیں ۔ گروہ باغیوں میں سب سے آگے آگے محمد بن ابو بکر رضؓ و عمار بن یاسر تھے ۔ محمد بن ابو بکر رضؓ نے بڑھ کر آپ کی ریش مبارک پکڑ لی آپ نے فرمایا لڑکے اگر تمہارے باپ جو میرے دوست تھے آج زندہ ہوتے تو تم ہرگز اس طرح کا قصد نہ کر سکتے اور تمہاری یہ حرکت اُن کو بہت بُری لگتی ۔ محمد بن ابو بکر یہ گفتگو سُن کر آپ سے علیحدہ ہو گئے اور خاموش و شرمندہ پیچھے ہٹ گئے ۔ اُن کے ساتھ عمار بن یاسر بھی بے کہے سُنے چپ کے واپس ہوئے ۔ مگر اور دو شخصوں نے آپ پر وار کیا ۔ نائلہ نے بچانے کی کوشش کی اُن کی اُنگلیاں بھی کٹ گئیں ۔ باغیوں نے اس سے زیادہ صدمہ اُن بی بی کو پہنچانا چاہا۔ مگر حضرت عثمان رضؓ کے غلام سینہ سپر ہو گئے اور نائلہ کو زیادہ صدمہ نہ پہنچنے دیا۔ حضرت عثمان رضؓ اُس وار سے جو اُن پر کیا گیا تھا جانبر نہ ہو سکے اور چند ہی منٹ میں واصل حق ہو کر درجہ شہادت حاصل کیا۔ بعد آپ کی شہادت کے باغیوں نے جو کچھ مال و متاع گھر میں سے

اُسی قت مل سکا لوٹ لیا۔ ہر چند حضرت عثمان رضہ کی بی بی چلائیں پکاریں۔ مگر اس وقت کچھ اس طرح کا شور برپا تھا کہ اُن کی آواز باہر والے نہ سُن سکے۔ بالآخر وہ کوٹھے پر چڑھیں اور وہاں سے باواز بلند پکاریں کہ امیرالمومنین قتل کئے گئے۔ اس جملہ ہوش ربا نے عجیب طرح کا تلاطم برپا کردیا۔ امام حسن رضہ امام حسین رضہ محمد بن طلحہ رضہ وغیرہ اندر مکان کے گھس آئے۔ حضرت عثمان رضہ کو شہید اُن کی بی بی نائلہ کو زخمی مکان کا مال و اسباب لوٹا ہوا پایا قاتلوں کا وہاں نشان تک نہ تھا۔ وہ پہلے ہی بھاگ گئے تھے۔ اسی عرصہ میں حضرت علی رضہ سعد رضہ طلحہ رضہ و زبیر رضہ بھی کمال رنج و الم کی حالت میں آئے۔ حضرت عثمان کو شہید دیکھ کر سب حضرات بہت رنجیدہ ہوئے۔ اظہار افسوس کیا اور اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھ کر اسی حالت رنج میں واپس تشریف لیگئے +

ابو ہریرہ رضہ حضرت عثمان رضہ کے پڑوس میں رہتے تھے۔ وہ بھی اس بلوہ کے اثر سے نہ بچ سکے۔ مفسدین نے اس بیچارہ غریب صحابی کے پاس جو کچھ اسباب تھا وہ بھی لوٹ لیا +

دو روز تک حضرت عثمان رضہ کے مکان کا دروازہ بند رہا اور نعش مبارک بے غسل وکفن پڑی رہی۔ تیسرے روز آپ کی لڑکی عایشہ نامی نے باماد بارہ دیگر اشخاص کے آپ کی نعش کو باہر مکان سے نکالا۔ باغی سدراہ ہوئے اور چاہا کہ نعش مطہر پر پتھر و تیر برسائیں۔ مگر حضرت علی رضہ نے آکر بزجر و توبیخ اس حرکت ناشایستہ سے روکا۔ بالآخر آپ کی نعش اُنہیں کپڑوں میں مکان خش کوکب میں دفن کی گئی۔ جبیر بن مطعم اور بقول بعض زبیر بن العوام نے نماز جنازہ پڑھائی۔ چند روز بعد بامر حضرت علی رضہ جسد مبارک حضرت عثمان رضہ کو پہلی قبر سے نکال کر بقیع میں لاکر دفن کیا۔ اول قصد تو کیا گیا تھا کہ بقیع ہی میں دفن کریں مگر مفسدین نے روکا اور دھمکی دی کہ اگر یہاں دفن

کرو گے تو ہم نعش اکھاڑ کر پھینک دینگے۔ بعض روایت میں ہے کہ آپ کی نعش اُسی جگہ جہاں اول دفن کی گئی تھی دفن رہی۔ امیر معاویہ نے اپنے ایام حکومت میں اُس رقبہ کو شامل بقیع کر لیا۔

ازالۃ الخفا میں شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔ کہ ایام محاصرہ میں حضرت عثمان چند مرتبہ کوٹھے پر چڑھے اور اپنی برأت و فضائل کے مضامین و احادیث مفسدین کو سنائے۔ اوّل اوّل تو اُن پر ان باتوں کی کچھ تاثیر ہوئی مگر پھر وہ اثر زائل ہو کر مخالفت کی آگ اُن کے سینوں میں اور تیز ہو گئی۔ ایک روز آپ نے دروازہ اپنے مکان کا کھول دیا۔ محمد بن ابو بکرؓ مع اور دو شخصوں کے دروازہ کے راستہ مکان کے اندر داخل ہوئے۔ اُس وقت آپ (حضرت عثمانؓ) قرآن مجید پڑھ رہے تھے۔ محمد بن ابو بکرؓ نے بڑھ کر آپ کی ریش مبارک پکڑی اور گرا کے چھاتی پر چڑھ بیٹھے۔ اُس وقت حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ تم ایسی جگہ بیٹھے ہو کہ تمہارے باپ ابو بکرؓ کبھی اس جگہ نہ بیٹھے تھے۔ محمد بن ابو بکرؓ یہ فقرہ سُن کر آپ کی چھاتی پر سے اُتر پڑے اور پچھلے پاؤں واپس گئے۔ اُس کے بعد ایک دوسرا شخص آیا اور اُس نے حضرت عثمانؓ کا گلا گھونٹا۔ پھر چھوڑ کر باہر چلا گیا اور مجمع عام میں فخریہ کہنے لگا عثمانؓ کے گلے سے بہتر کوئی چیز نرم میں نے نہیں دیکھی۔ میں نے اُن کا گلا یہاں تک گھونٹا کہ اُن کی جان سانپ کی طرح بدن میں تڑپنے لگی۔ اُس کے بعد ایک تیسرے شخص نے گھر میں داخل ہو کر آپ پر حملہ کیا۔ آپ نے اُس ملعون ازلی سے فرمایا کہ میرے تیرے درمیان قرآن ہے۔ مگر اُس نے کچھ نہ سُنا اور ایک وار تلوار کا کیا جس کی ضرب سے آپ کا دست راست علیحدہ ہو گیا۔ اُس وقت آپ نے ارشاد کیا یہ پہلا ہاتھ ہے جس نے مفصل قرآن کو لکھا ہے اُس نے پھر دوسرا وار کیا جس کے صدمہ سے آپ نے درجہ

شہادت حاصل کیا۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ کے قاتل کا نام بشیر بن کنانہ ہے اس نے مشقص (ایک تیر چوڑے پھال کا) سے آپ کو شہید کیا اور خون آپ کا اس آیت پر (فسیکفیکھم اللہ وھو السمیع العلیم) گرا۔ آپ کے خون کا ایک مدور داغ مصحف مطہر میں پڑ گیا۔ آپ کی زوجہ نائلہ بنت الفرافضہ نے آپ کو گود میں لیا تھا۔ بروز شہادت حضرت عثمان عنہ روزہ سے تھے۔ اور اُس روز کا روزہ بھی بالائی روزہ تھا۔ یوم الشہادت سے پہلے دن افطار کے وقت آب شیریں بہم نہ پہنچا شور پانی پیتے پیتے طبیعت گھبرا گئی تھی۔ آپ نے صرف ایک بوند آب شور سے افطار روزہ فرما کر نہ کچھ کھایا نہ پیا۔ آپ کی زوجہ نائلہ تلاش آب شیریں میں سخت بیتاب تھیں آخر رات کو کسی پڑوسی کے یہاں سے ایک کٹورہ آب شیریں مل گیا۔ وہ لیکر حضرت عثمان عنہ کے پاس آئیں اور درخواست کی کہ آپ اُس کو نوش فرمائیں۔ اب صبح ہو گئی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ بی بی اب صبح ہو گئی میں نہیں پی سکتا۔ انہوں نے کہا آج روزہ ہی نہ رکھئے۔ رات کو نہ روٹی کھائی ہے نہ پانی پیا ہے۔ تمام رات شب بیداری میں گذری ہے۔ بجواب اس کے آپ نے ارشاد فرمایا کہ تھوڑی دیر ہوئی مجھے غنودگی آگئی تھی۔ اُس عالم میں میں نے حضور رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو ایک ڈول آب شیریں پلا کر سیر کر دیا ہے اور ارشاد فرمایا ہے کہ شام کو افطار روزہ میرے پاس کرنا۔ اب مجھ کو نہ بھوک ہے نہ پیاس نہ کوئی تشویش ہے نہ ہراس۔ یہ فرما کر آپ اٹھ کھڑے ہوئے وضو کیا۔ نماز فجر پڑھی بعدہٗ تلاوت قرآن شریف میں مصروف ہوئے جس وقت اس آیت پر پہنچے (الذی قال لھم الناس ان الناس قد جمعوا لکم) تو طبیعت میں ایک عجیب وجد پیدا ہوا۔ بار بار اسی آیت کو پڑھتے اور وجد کرتے اور وجدانی کیفیت سے لطف اُٹھاتے +

روایت ہے کہ اس روز نماز فجر میں آپ نے سورہ طہٰ پڑھی تھی +

ابن عساکر کنانہ صفیہ کے غلام سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عثمان کو مصریوں میں سے ایک نیلی آنکھ سُرخ رنگ والے نے جسے حمار کہا جاتا ہے شہید کیا ہے۔ الغرض آپ کے قاتل کا نام صحیح معلوم نہیں ہُوا نہ وہ گرفتار کیا گیا +

حضرت عثمانؓ کی شہادت کا نتیجہ حضرت عثمان رضؓ کیا شہید ہوئے مسلمانوں میں ایک تفرقہ عظیم پیدا ہو گیا۔ جو تلوار غیروں کے مقابلہ میں استعمال کی جاتی تھی وہ اپنوں ہی پر چلنے لگی یا اختلاف پولٹیکل امور سے گزر کر مذہبی اختلاف کے رنگ میں رنگا ہوا دنیا کے سامنے نظر آنے لگا اور اس وقت تک اُسی صورت میں موجود ہے۔ اُمید نہیں ہوتی کہ یہ اختلاف باہمی مسلمانوں کا کبھی رفع ہو سکے۔ اسی اختلاف نے مسلمانوں کے شیرازۂ جمعیت کو بکھیر دیا +

حضرت عثمانؓ کی مدت خلافت اور عمر حضرت عثمانؓ کی مدت خلافت کل بارہ دن کم بارہ برس تھی۔ وقت شہادت آپ کی عمر بیاسی [۸۲] سال کی تھی۔ تعداد عمر میں بعض مورخین نے اختلاف کیا ہے مگر صحیح یہی مدت معلوم ہوتی ہے +

حضرت عثمانؓ کے عادات اور اوصاف ذاتی حضرت عثمان رضؓ بہت حلیم و کریم و منکسر المزاج و خلیق تھے۔ آپ نے اپنی کثیر دولت جو بذریعہ تجارت جمع کی تھی مسلمانوں کے اوپر خرچ کردی۔ ہر ہفتہ جمعہ کے روز آپ ایک غلام آزاد کرتے۔ مدینہ کی گلیاں آپ کے آزاد کردہ غلاموں سے بھری ہوئی تھیں +

بیر رومہ کہ وادی عقیق میں مسجد قبلتین کے بائیں جانب ایک شیریں و لطیف پانی کا کنواں ہے۔ صرف مسلمانوں کی تکلیف دیکھ کر آپ نے ایک لاکھ درہم کو خرید کر کے وقف کر دیا۔ مسجد نبوی کے قریب کی اراضی پچیس ہزار درہم کو خرید کر کے اس کے

شامل کردی۔ پھر اس کو پتھر لکڑی سے تعمیر کیا۔ کل صرفہ تعمیر اپنے پاس سے دیا۔

جیش العسیرہ میں تین سو اونٹ محمولہ اناج اور ایک ہزار دینار۔ و بقول بعض نو ہزار اونٹ اور نو سو اوقیہ سونا آپ نے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نذر کیا تھا۔

آپ نے کبھی کسی سائل کے سوال کو رد نہیں کیا۔ نہ اپنی ضروریات کو دوسرے کی ضرورتوں پر فوقیت دی۔ ہمیشہ آپ عمدہ کھانے اوروں کو کھلاتے۔ آپ خود سرکہ و تیل سے روٹی نوش جان فرماتے۔ قحط کے زمانہ میں آپ نے تمام مفلس سکنائے مدینہ کو غلہ سے مدد دی۔ یہ ہی نہیں بلکہ آپ ہر مصیبت کے موقعہ پر مسکینوں و محتاجوں کی امداد سے دریغ نہ فرماتے۔

آپ بہت قلیل الغذا تھے کبھی پیٹ بھر کے نہ کھاتے اور شب کا کھانا تو برائے نام ہوتا تھا۔

آپ ایک ازار عدنی موٹی قیمتی چار پانچ درہم کی پہنتے۔ عمدہ و شاندار لباس زیب تن نہ فرماتے۔ اپنے پیچھے اونٹ پر اپنے غلام کو سوار کر لیا کرتے۔ اور اس کو عیب نہ جانتے۔

آپ کی طبیعت پر خوف الٰہی ہر وقت غالب رہتا۔ جب آپ زیارت قبور کو جاتے تو موت کو یاد کر کے اس قدر روتے کہ محاسن شریف آنسوؤں سے تر ہو جاتی۔ لوگ عرض کرتے کہ آپ ذکر جہنم سے اس قدر نہیں روتے جس قدر قبر کو دیکھ کر روتے ہیں۔ فرماتے قبر اول منزل آخرت ہے۔ اگر یہاں خیریت ہے تو اس کے بعد بھی آسانی ہے۔ اگر یہاں تکلیف ہوئی تو پھر مصیبت ہی مصیبت ہے۔

زہد و ورع میں آپ بلند درجہ رکھتے۔ دن کو روزہ رکھتے۔ شب کو قیام کرتے تھوڑا سا اول رات میں سو رہتے باقی تمام شب عبادت الٰہی میں بسر کرتے بسا اوقات

دو رکعت میں سارا قرآن ختم فرماتے ۔ آپ کا معمول تھا کہ شب آدینہ کو بالکل نہ سوتے اور تلاوت کلام اللہ شریف میں وہ رات ختم کر دیتے ✦

صبر و تحمل مزاج میں اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ عرصہ تک محصور رہے ۔ اپنا قتل ہونا گوارا کیا ۔ مگر اُف نہ کیا ۔ آپ کے غلام آزاد و غیر آزاد اور ہوا خواہ مدینہ ہی میں اس قدر تھے کہ اگر آپ کچھ بھی اشارہ فرماتے تو پورا انتقام لے لیتے اور ظالموں کو ان کے ظلم کا مزہ چکھاتے ۔ مگر آپ نے اس کو منظور نہ فرمایا ۔ کہ میرے سبب مسلمانوں میں میری آنکھوں کے روبرو خونریزی ہو ۔ اس سے بڑھ کر حلم کو تو کوئی مثال دنیا کی تاریخ میں صبر اخوت و ہمدردی مسلمانوں کی نظر نہیں آتی ۔ شرم و حیا تو گویا خلاق اکبر نے آپ کے لئے مخصوص کر دی تھی ۔ آپ کے جسم کو کبھی کسی نے برہنہ نہ دیکھا ۔ آپ ہمیشہ نیچی نظر رکھتے ۔ دروازہ بند کر کے غسل فرماتے ✦

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ کثرت حیا سے حضرت عثمان تنہا مکان میں جا کر دروازہ بند کر دیتے اور کپڑوں کو بھی بدن سے نہ اُتارتے ۔ بلکہ کپڑوں سمیت غسل کرتے ✦

آپ کی عادت تھی کہ کبھی کسی سے باواز بلند بات نہ کرتے ۔ بہت آہستہ و ملائمت سے بات چیت کرتے ۔ اگر کسی غلام یا دوسرے شخص سے کوئی قصور ہو جاتا تو فوراً معاف فرما دیتے ۔ کبھی کسی پر ظلم و سختی نہیں کی ۔ مذمت سے ہمیشہ گھبراتے ۔ نہ خود کرتے نہ دوسروں کی سُنتے ۔ اگر کوئی شخص آپ کی کوئی خطا ظاہر کرتا تو آپ فوراً اُس کو تسلیم کر لیتے ۔ اور معذرت فرماتے ✦

آپ بہت خوش آواز تھے قرآن شریف ایسی خوش آوازی سے پڑھتے کہ سُننے والا فوراً متاثر ہوتا ۔ آپ سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں پانچویں شخص ہیں

آپ نے دو مرتبہ اپنے مسکن قدیم سے اسلام کی بدولت ہجرت فرمائی +

آپ کو دو بیٹیاں حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بیاہی گئیں۔ آپ کو دو مرتبہ حضور رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مدینہ میں اپنا جانشین یعنی خلیفہ مقرر فرمایا۔ ایک بوقت غزوہ ذات الرقاع دوسرے بوقت غزوہ غطفان۔ آپ داخل عشرہ مبشرہ ہیں۔ اور بدری بھی شمار کئے گئے۔ آپ سوائے غزوہ بدر (اوسکی غیر حاضری کا سبب علالت حضرت بی بی رقیہ تھی اور جس کو میں اوپر لکھ چکا ہوں) ہر ایک معرکہ میں حضور صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ہمرکاب رہے۔ آپ بزمانہ نبوت خدمت کتابت انجام دیا کرتے تھے۔ خط آپ کا بہت پاکیزہ تھا۔ سب سے پہلے آپ ہی نے قرآن شریف کو تمام و کمال لکھا اور حفظ کیا ہے۔ آپ کو تین مرتبہ حضور رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے جنتی ہونے کی بشارت دی۔ ایک بوقت خرید بئیر رومہ۔ دوسرے بوقت خرید اراضی متصلہ مسجد نبوی۔ تیسرے بوقت فراہمی سامان جنگ تبوک۔ علاوہ ان بشارتوں کے آپ کے مظلوم شہید ہونے اور بوقت فتنہ حق پر ہونے کی بھی خبر حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے بالفاظ صریح دی ہے +

ایک سو چالیس حدیثیں آپ سے مروی ہیں۔ آپ نے درس و تعلیم حدیث میں جد بلیغ فرمایا۔ اور قراء تابعین کو تعلیم قرات فرمائی۔ کہ سلسلہ قرات اُس کا اب تک موجود ہے +

حضرت عثمانؓ کی تجارت و دولتمندی آپ تجارت پارچہ کی کیا کرتے۔ تجارت آپ کی دوسرے ملکوں کے ساتھ تھی۔ اس تجارت کے ذریعہ آپ نے بہت کچھ نفع حاصل کیا۔ آپ ایک دولتمند و مالدار شخص تھے۔ باوجود آپ کی بے انتہا فیاضی کے جس وقت آپ شہید ہوئے۔ بقول صاحب تاج العروس ایک لاکھ پانچ سو دینار

دس لاکھ درہم۔ ہزار گھوڑے۔ ہزار غلام۔ خیبر و وادی القرٰے میں جا ئداد غیر منقولہ مالیتی دو لاکھ اشرفی آپ کی ملکیت باقی تھی۔ آپ نے بیت المال سے ایک حبہ اپنے صرف کے لئے نہیں لیا ✦

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا نقش نگین آپ کی انگوٹھی پر نقش تھا "امنت باللہ الذی خلق فسوی" بعض روایت میں ہے کہ یہ نقش تھا "امنت باللہ مخلصاً" ✦

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا انتظام و اجراء احکام و فتاوٰے آپ نے اپنے ایامِ خلافت میں خزانہ کا انتظام کیا۔ مستحقین کے وظائف مقرر کئے۔ جاگیریں عطا فرمائیں موذنوں کے واسطے تنخواہیں قرار دیں۔ مساجد میں مقصورہ بنوایا ✦

نماز جمعہ سے قبل اذان دینا قائم فرمائی۔ تا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ نماز شروع ہوتی ہے۔ نماز عید سے اول خطبہ پڑھنا آپ ہی نے شروع کیا۔ تکبیر کو پست آواز سے کہلوایا ✦

لوگ آپ کے روبرو اپنے قضایا پیش کرتے آپ اُن پر غور فرماتے قرآن و حدیث کے بموجب اُن کا فیصلہ کرتے اگر اُس معاملہ کے متعلق کوئی حدیث آپ کو نہ ملتی۔ تو آپ اور صحابہ سے دریافت کرتے ✦

معاملات اہم میں مجلس شورےٰ جمع فرماتے بعد شورےٰ جو قرار پا جاتا اُس پر عمل کرتے ✦

آپ کے اکثر فتاوےٰ و احکام کتب سیر میں منقول ہیں جن پر لحاظ کرنے سے آپ کی عالی دماغی اور روشن خیالی ظاہر ہوتی ہے ✦

آپ نے قرار دیا کہ استلام رکن شامی و رکن عراقی سنت نہیں ہے۔ معصفر کا پہننا مردوں کو جائز نہیں ہے۔ وضو مما مست النار جس کے بارہ میں احادیث مختلفہ مروی

تھیں اور عمل صحابہ بھی اس بارہ میں مختلف تھا متروک ہے +

حضرت عثمان کے ازواج اور اولاد — ایام جاہلیت اور اسلام میں آپ نے نو نکاح کئے مگر یہ تحقیق نہیں کہ بوقت شہادت آپ کے ازواج میں کون کون زندہ تھا۔ نام اُن بیبیوں کے یہ ہیں :-

(۱) رقیہ بنت رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ (۲) ام کلثوم بنت رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ (۳) ناحیہ بنت غزوان۔ (۴) ام عمر بنت جندب۔ (۵) فاطمہ بنت ولید بن عبد الشمس بن مغیرہ۔ (۶) ام البنین بنت عتبہ بن حصین۔ (۷) رملہ بنت شیبہ بن ربیعہ۔ (۸) نائلہ بنت الفرافضہ۔ (۹) سریت +

بی بی رقیہ سے عبد اللہ الاصغر +

ناحیہ سے عبد اللہ الاکبر +

ام عمر سے ابان۔ عمر۔ خالد تین بیٹے۔ مریم ایک بیٹی +

فاطمہ سے سعید۔ ولید دو بیٹے۔ ام عثمان ایک بیٹی +

ام البنین سے عبد الملک +

رملہ سے فرار ایک بیٹا۔ عائشہ۔ ام آبان دو بیٹیاں +

نائلہ سے ابان اصغر ایک بیٹا۔ اروی۔ ام خالد دو بیٹیاں +

سریت سے بنین ایک بیٹی پیدا ہوئی +

بعض مورخین کا قول ہے کہ :-

ام عمر کے زید۔ عمر دو بیٹے مریم ایک بیٹی

فاطمہ کے ولید۔ سعید دو بیٹے سویدا ایک بیٹی

نائلہ کے عبد الملک و عتبہ دو بیٹے آم البنین ایک بیٹی

ام البنین کے خالد - آبان دو بیٹے

رملہ کے عایشہ - ام عمر - ام آبان تین بیٹیاں تھیں +

حضرت عثمان کے عہد خلافت کے عہدہ دار و حکام

آپ کی شہادت کے وقت عمال و حکام آپ کے مقرر کردہ حسب ذیل تھے :-

نام عہدہ دار	عہدہ	مقام	نام عہدہ دار	عہدہ	مقام
عبداللہ بن سعید تیمی	صاحب شرط	مدینہ	عبدالرحمن بن خالد بن ولید	عامل	حمص
زید بن ثابت	قاضی	،	جریر بن عبداللہ البجلی	عامل	قرقیا
مروان بن الحکم	کاتب	،	عبداللہ بن نافع	عامل	افریقہ
ابو درداء	قاضی	،	عبداللہ بن عامر	عامل	بصرہ
عبداللہ خضرمی	عامل	مکہ	ابو موسیٰ اشعری	عامل	کوفہ
ابو ہریرہ	قاضی	،	بشیر بن امیہ	عامل	ہمدان
قاسم بن ربیعۃ الثقفی	عامل	طائف	اخنف بن قیس	عامل	خراسان
یعلی بن امیہ	عامل	یمن	اشعث بن قیس	عامل	آذربائیجان
معاویہ بن ابو سفیان	عامل	شام	سعد بن قیس	عامل	رے
عبداللہ بن سعد	عامل	مصر	مالک بن حبیب	عامل	نہاوند
علقمہ بن الحکم	عامل	فلسطین	صایب بن اقرع	عامل	اصفہان

حضرت عثمان عنہ کے زمانہ خلافت پر ایک مورخانہ نظر

حضرت عثمان عنہ نے اپنے ایام خلافت میں جو عزل و نصب عاملان کا کیا وہ آپ کی باریک بینی - دور اندیشی و رموز مملکت کی واقفیت ثابت کرتا ہے - گو آپ نے معزز عہدے اکثر اپنے اعزا و اقربا کو عطا فرمائے اور یہ امر اُن لوگوں کو جو اپنے کو مستحق عہدہ ہائے مذکور سمجھتے تھے

اور اُن کے ہواخواہوں پر گراں گزرا۔ اور گزرنا چاہیے تھا۔ مگر صورت موجودہ اسی امر کی مقتضی معلوم ہوتی ہے کہ ایسا انتظام کیا جاتا۔ اگر بلحاظ قواعد سیاست مدن انتظام عثمانی پر لحاظ کیا جائے تو کوئی نقص نہیں معلوم ہوتا۔ جو لوگ کچھ بھی سیاست مدن میں دخل رکھتے ہونگے۔ وہ آپ کے مجوزہ انتظام کو بنظر وقعت دیکھینگے۔ آپ کے مقرر کردہ عاملان نے انتظام مملکت و توسیع سلطنت و اشاعت اسلام میں کما ینبغی کوشش کی۔ دنیا کا بہت سا زرخیز حصہ آپ ہی کے عہد خلافت میں شامل حکومت اسلامیہ ہوا مال غنیمت و خمس محاصل مملکت سے مسلمانوں کو پوری پوری فارغ البالی حاصل ہو گئی جس قدر دولت و مال آپ کے عہد خلافت میں مسلمانوں کے پاس آیا۔ ایسا پھر نصیب نہ ہوا +

مفصل تو میں اوپر لکھ چکا ہوں مگر اب پھر مختصراً آپکے بعض عاملوں کی کارروائی سُناتا ہوں +

عبداللہ بن عامر کی ماموری حکومت بصرہ نے تمام ملک ایران دائرہ حکومت اسلامیہ میں شامل کر دیا۔ جہاں جہاں سرکشوں و باغیوں نے سر اُٹھایا تھا اُن کا قرار واقعی استیصال ہو کر امن قائم ہو گیا +

عبداللہ بن سعد کی حکومت مصر نے افریقہ سا زرخیز ملک مسلمانوں کے تحت حکومت کر دیا۔ افریقہ ہی نہیں بلکہ اُس سے زیادہ تو یہ۔ اسپین تک +

ولید بن عقبہ نے اپنی جوانمردانہ کوشش سے اطراف و جوانب کوفہ کی بغاوت کو سرد کر دیا۔ امیر معاویہ کی حکومت شام نے جزائر قبرس (سائپرس) اراوس (روڈس) قریطش (کریٹ) ملطیہ (مالٹا) کا حاکم مسلمانوں کو بنا دیا +

اس توسیع مملکت و رفع بغاوت کے نتائج پر پہنچکر کیا امیرالمومنین حضرت عثمانؓ

کے مصائب الرائے مدبر و منتظم ہونے میں کچھ شک واقع ہو سکتا ہے کسی واقعہ کی نسبت یک رخی رائے قائم کر لینا صحیح نہیں واقعہ کے دونوں پہلوؤں پر لحاظ رکھنا چاہیئے +

ولید بن عقبہ کی سزا دہی میں توقف ہونا ایک الزام قائم کیا جاتا ہے۔ ولید سے ایک قصور ہؤا۔ اُس کی شکایت دربار خلافت میں پیش ہوئی تحقیقات کی گئی۔ جب جرم ثابت ہؤا سزا دیگئی۔ یہ کون انصاف و قاعدہ ہے کہ شکایت ہوتے ہی ایک مختار حاکم کو بلا تحقیقات سزا دیجائے۔ جب تحقیقات ہو گی تو ضرور فیصلہ میں توقف ہوگا الزام تو اُس وقت ٹھیک ہوتا کہ جرم ثابت ہونے پر بھی سزا نہ دیجاتی +

ابوذر غفاری و عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کے ساتھ بھی کوئی زیادتی حضرت عثمان کی ثابت نہیں +

ابوذر مسئلہ اجتماع مال کے خلاف تھے اُن کے اس اختلاف سے احتمال فساد و شورش کا پیدا ہؤا۔ دمشق سے مدینہ بُلائے گئے۔ یہاں بھی باوجود فہمائش وہ اپنی رائے سے نہ ہٹے۔ بدستور صاحبان مال کو بُرا کہتے رہے تو بخیال رفع شورش و فساد مضافات مدینہ میں بھیجدیئے گئے۔ مگر پھر بھی ہر طرح دربار خلافت سے اُن کے ساتھ سلوک ہوتا رہا +

عبداللہ بن مسعود کا وجود کوفہ میں باعث اختلاف اجتماع ناس مصحف شیخین پر تھا۔ اُن کو اس خیال سے کہ دربارہ قرآن شریف باہم مسلمانوں کے زیادہ اختلاف نہ پڑجائے جو آیندہ کو بنیاد اسلام میں رخنہ انداز ہو کوفہ سے بلا لیا گیا۔ کوفہ سے بلا لینے پر بھی اُنکی وقعت و منزلت سابقہ قائم رکھی گئی۔ اور ہر طرح کی مدد دربار خلافت سے اُن کو دیگئی +

عمار بن یاسر نے مجمع عام میں حضرت عثمان رض کے ساتھ خشونت آمیز گفتگو کی اور کچھ پاس اور خلیفہ رسول اللہ کا نہ کیا۔ بلکہ اُنہیں کے ساتھ اظہار رنجش کیا۔ حضرت عثمان رض نے

تحمل سے کام لیا اور خاموش رہے۔ بعض مفسدان بنی امیہ نے اُن پر حملہ کیا اور صدمہ پہنچایا۔ حضرت عثمان رضؓ اُس وقت بھی اُن کے معین ہوئے اور زیادہ صدمہ پہنچنے سے بچایا۔ بعد اس واقعہ کے عمار بن یاسر کو خطیب مقرر کیا۔ اور وقتاً فوقتاً اُن کے ساتھ سلوک ہوتے رہے +

یہ ہیں آپ کے حالات اور عادات۔ یہ ہے آپ کا انتظام حکومت۔ میں تو کوئی امر آپ کے سارے زمانہ خلافت کی تاریخ میں ایسا نہیں پاتا جو مسلمانوں کے نقصان یا زوال اسلام کا باعث ہو۔ نہ کوئی حکم آپ کا ایسا نظر آتا ہے جو قرآن و حدیث کے خلاف ہو۔ کہنے والوں کی زبان۔ لکھنے والوں کے قلم کو کون روک سکتا ہے۔ جو جی میں آئے کہدیں لکھ دیں۔ اہل بصیرت کو بغور کل مجموعی حالات پر غور کرنا چاہئے میں تو خیال کرتا ہوں کہ ایک منصف مزاج آدمی آپ کے حالات پڑھ کر آپ کے حسن اخلاق فیاضی۔ رحمدلی۔ عفو۔ مرحمت۔ پابندی شریعت۔ عالی دماغی۔ زہد و اتقا کا ضرور قائل ہوگا +

حضرت عثمان رضؓ کے اقوال حضرت عثمان رضؓ کے اقوال سراسر نصیحت و ہدایت ہیں اُن کے ملاحظہ سے آپ کی عالی دماغی و اعلےٰ قابلیت و مصلح عام ہونے کا پتہ چلتا ہے اس جگہ اقوال آپ کے تیمناً و تبرکاً بطور نمونہ لکھے جاتے ہیں :-

(۱) غم آخرت دل میں ایک نور ہے اور غم دنیا دل میں ایک اندھیرا ہے +

(۲) دنیا کو چھوڑنے والا خدا کا پیارا ہوا۔ گناہوں کا چھوڑنے والا فرشتوں کا محسود ہوا جس نے مسلمانوں سے طمع چھوڑی وہ مسلمانوں کا محبوب ہوا +

(۳) خدا عزوجل سے سوداگری کرو یعنی صدقات و حسنات کرو تاکہ دونوں جہان میں نفع پاؤ +

(۴) اللہ جب اپنے بندہ کو اصلاح میں کوشش کرتے دیکھتا ہے تو راضی ہوتا ہے جب فساد میں کوشش کرتے دیکھتا ہے۔ تو ناراض ہوتا ہے۔ پس انسان کو اصلاح بنی آدم میں کوشش کرنی چاہیے ❖

(۵) میں نے قبر سے زیادہ ڈرانے والی کوئی چیز نہیں دیکھی۔ قبر بڑی ہولناک وحشتناک جگہ ہے۔ بندہ کو اطاعت و رضاء معبود میں کوشش کرنی چاہیئے۔ تاکہ اس ہول و وحشت سے نجات ملے ❖

(۶) قبر اول منزل منازل آخرت اور آخر منزل منازل دنیا سے ہے۔ پس جس پر قبر میں سختی کی گئی اُس پر اس کے بعد اور سختی ہوگی۔ جس پر قبر میں آسانی کی گئی وہ آیندہ آسانی میں رہیگا ❖

(۷) انسان کو چاہیئے دو خصلتیں اختیار کرے۔ ۱۔ اقوال مہذب افعال محمود ۲۔ اس رشک و تہمت کی جگہوں سے دور رہنا تا دین و دنیا میں مسعود و محمود ہو ❖

(۸) خدائے عزوجل کی طرف بھاگنا اور اُسی کے حضور توبہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ مجرموں کو عفو اُس کا نافع تر۔ اور اُس کے عذاب کو اسی کی رحمت دافع تر ہے ❖

(۹) انسان کو دنیا کی خوشی زائل ہوجانے پر رنجیدہ نہ ہونا چاہیئے ❖

(۱۰) خدائے عزوجل نے مخلوق کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ پس مخلوق کو حق کہنا چاہیئے ❖

(۱۱) ایسی کوشش کرو کہ تمہارے اعمال نیک تمہاری موت سے پیشتر واقع ہوں کیونکہ بعد موت کوئی عمل تم نہیں کرسکتے ❖

(۱۲) گذشتگان کے حال سے عبرت پکڑو ❖

(۱۳) دنیا غرور ہے۔ پس اس سے کنارہ کرو ایسا نہ ہو کہ تم کو دنیا فریب دے

اور تم غرور میں بھر کر راہ خدا سے دور ہو جاؤ +

(۱۴) غافل نہ ہو کیونکہ وہ غافل نہیں ہے یعنی اگر تم ثواب و عقاب خدا تیعالےٰ سے غافل ہو۔ تو وہ حرکات و سکنات تمہارے سے غافل نہیں ہے +

(۱۵) شراب خوری فساد کی کنجی ہے +

(۱۶) ہر حال میں انسان کو صبر کرنا چاہئیے ورنہ ندامت نصیب ہوگی +

(۱۷) جس نے کتاب اللہ کے ساتھ تمسک کیا وہ گناہ سے محفوظ رہا اور بہتر آدمیوں سے ہوا +

(۱۸) میں اس کو پسند نہیں کرتا کہ قبل اس کے کہ میں مارا جاؤں مسلمان آپس میں لڑیں اور خونریزی کریں۔ یہ مجھ کو پسند نہیں کہ میں مارا جاؤں گو بعد کو خونریزی ہو +

(۱۹) میں نے اپنا سیدھا ہاتھ اپنے ستر پر کبھی نہیں رکھا۔ جب سے کہ اُس ہاتھ سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہاتھ پکڑا ہے +

(۲۰) اُس اللہ سے ڈرو جبکی طرف جمع کئے جاؤ گے۔ فتنہ کی طرف نہ دوڑو نہ جماعت میں جُدائی ڈالو +

(۲۱) عارف کے یہ نشان ہیں۔ ۱۔ دل میں بیم و رجا زبان پر حمد و ثنا۔ ۲۔ آنکھوں میں گریہ و حیا۔ دل میں ترک دنیا اور راضی برضا +

(۲۲) یہ چیزیں بیکار ہیں۔ ۱۔ وہ علم جو بے عمل ہو۔ ۲۔ وہ مال جو خرچ نہ کیا جائے ۳۔ وہ زہد جس کی آڑ میں دنیا کمائی جاے۔ ۴۔ وہ عمر دراز جس میں آخرت کا کچھ سامان مہیا نہ کیا جائے +

(۲۳) دنیا میں تین باتوں کو میں پسند کرتا ہوں۔ ۱۔ بھوکوں کو کھانا دینا۔ ۲۔ ننگوں کو کپڑا پہنانا۔ ۳۔ قرآن شریف پڑھنا و پڑھانا +

(۲۴) ظاہرا دیکھو تو چار چیزوں میں ایک خوبی ہے۔ الاحقیقت یہی وہی چار چیزیں چار ضروری امر ہیں۔ ۱۔ نیکوں سے ملنا ایک خوبی ہے۔ اُن کی پیروی کرنا ضروری ہے۔ ۲۔ قرآن کا پڑھنا ایک خوبی ہے اُس پر عمل کرنا ضروری ہے۔ ۳۔ بیمار کی عیادت کرنا ایک خوبی ہے اس سے وصیت کرانا ضروری ہے۔ ۴۔ مزارات کی زیارت کرنا ایک خوبی ہے وہاں (عالم آخرت) جانے کے لئے مستعد رہنا۔ ایک ضروری امر ہے ٭

(۲۵) میں چار باتوں میں خدا کی بندگی کا مزہ پاتا ہوں۔ ۱۔ خدا کے فرائض ادا کرنے میں۔ ۲۔ اُن چیزوں سے پرہیز کرنے میں جو اللہ جلشانہٗ نے حرام کردی ہیں۔ ۳۔ اس امید پر نیک کام کرنے میں کہ اُس کا اجر خدا سے ملے۔ ۴۔ خدا کے غضب سے ڈر کر بُرے کاموں سے بچنے میں ٭

(۲۶) دیندار کو چھ خوف ہیں۔ ۱۔ خوف خدا کہیں ایسا نہ ہو نافرمانی کی حالت میں ایمان جاتا رہے۔ ۲۔ اُن فرشتوں کا خوف جو نامۂ اعمال لکھتے ہیں کہیں ایسا نہ ہو وہ اعمالنامہ میں کوئی ایسی بات لکھیں جس سے قیامت کے دن ذلت نصیب ہو ۳۔ شیطان کا خوف کہیں ایسا نہ ہو وہ عمل نیک باطل کردے۔ ۴۔ ملک الموت کا خوف کہیں ایسا نہ ہو کہ قبل توبہ کرنے اور کسی عمل نیک کرنے کے قبض روح کرلے۔ ۵۔ دنیا کا خوف کہیں ایسا نہ ہو وہ اپنی طرف مائل کر کے غم آخرت دل سے بھلادے ۶۔ اہل وعیال کا خوف کہیں ایسا نہ ہو وہ اپنی طرف راغب کر کے خدا کی یاد سے غافل کردیں ٭

(۲۷) متقی کے پانچ نشان ہیں۔ ۱۔ ایسے شخص کے پاس بیٹھنا جس سے دین کی درستی ہو۔ ۲۔ شرمگاہ و زبان پر قابو رکھنا۔ ۳۔ دنیا کی خوشی اپنے اوپر وبال سمجھنا۔

۴- شبہات سے ڈر کر حلال چیزوں سے بھی پیٹ نہ بھرنا۔ ۵- یہ سمجھنا کہ ساری دنیا کو نجات ہوگی صرف ایک میں ہی ایسا ہوں جو ہلاک ہو رہا ہوں +

(۲۸) میں ایسے شخص پر متعجب ہوں جو اس بات کو جانتا ہو کہ مرنا برحق ہے پھر اُس کو ہنسی میں اُڑاتا ہے۔ ۲- جو دنیا کو فانی جان کر اُس سے دل لگاتا ہے۔ ۳- جو دوزخ کا یقین کر کے گناہ کرتا ہے۔ ۴- جو خدا کی ہستی کا قائل ہو کر اوروں کا ذکر کرتا ہے اُن سے مدد مانگتا ہے۔ ۵- جو بہشت کو پہچان کر دنیا کے عیش و آرام میں پڑ جاتا ہے۔ ۶- جو اس بات کو جانتا ہے کہ شیطان اس کا دشمن ہے اور پھر اُس کے کہے پر چلتا ہے۔ ۷- جو تقدیر کو مانتا ہے اور پھر کسی بات کے نہ ہونے پر اظہار رنج کرتا ہے۔ ۸- جو واقف ہے کہ قیامت کے دن حساب دینا پڑیگا۔ پھر مال جمع کرتا ہے +

(۲۸) اللہ تعالےٰ کی حدوں کی حفاظت کرنا۔ وعدہ کا ایفا۔ موجود پر راضی۔ غیر موجود پر صابر رہنا طریقہ بندگی ہے +

(۲۹) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سفارش سے ایک غلام کو دو سو درہم پر مکاتب کیا۔ کسی وقت آپ نے اُس کی کان مروڑی تھی مکاتب کرتے وقت آپ نے اپنا کان اس کے ہاتھ میں دیکر فرمایا کہ اس کو مروڑ اور اپنا بدلہ لے۔ غلام کان آہستہ مروڑنے لگا۔ اُس وقت آپ نے ارشاد فرمایا کہ دنیا کی سختی آخرت کی سختی سے بہتر ہے تو زور سے مروڑ کر اپنا بدلہ لے میں اُس سختی و بدلہ کو دوست رکھتا ہوں +

(۳۰) نماز انسان کے کاموں میں سے اچھا کام ہے۔ پس جب لوگ اچھا کام کریں تو تم بھی اُن کا ساتھ اُس کام کرنے میں دو۔ اگر وہ برا کام کریں تو اُس سے

پرہیز کرو - یہ الفاظ آپ نے اُس وقت ارشاد فرمائے تھے - جب آپ محصور تھے - اور باغیوں میں سے ایک شخص امامت نماز کی کرتا تھا - کسی نے آکر آپ سے دریافت کیا کہ باغی نماز پڑھاتا ہے - ہم اس سے تنگ دل و بیزار ہیں +

(۳۱) جب بلوائیوں نے حضرت عثمانؓ کو شہید کرنے کا قصد کیا - تو آپ نے فرمایا - میں نے پیغمبرِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سُنا ہے کہ کسی مسلمان کا خون کرنا درست نہیں - مگر جب ان تین باتوں میں سے کسی ایک کا مرتکب ہو - ۱ - کفر بعد ایمان - ۲ - زنا بعد احصان - ۳ - قتل ناحق +

اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ قسم ہے خدا کی میں نے بعد قبول اسلام کبھی دین بدلنے کی نیت نہیں کی - نہ میں نے ایام جاہلیت یا اسلام میں زنا کیا - نہ میں نے کسی کو ناحق قتل کیا +

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خزانہ میں سے ایک مقفل صندوق پایا گیا جب اُس کو کھولا تو اُس میں ایک ڈبیا نکلی - اُس کو کھولا تو ایک کاغذ برآمد ہوا جس پر یہ عبارت تحریر تھی :-

"یہ وصیت ہے عثمان بن عفان کی - گواہی دیتا ہوں میں اس بات کی - کہ کوئی معبود سوائے اللہ کے نہیں ہے - وہ اکیلا ہے - کوئی اُس کا شریک نہیں اور محمد اُسکے بندہ و رسول ہیں - بیشک جنت و دوزخ حق ہیں - بیشک اللہ مُردوں کو قبروں سے قیامت کے دن جس کے ہونے میں شک نہیں اُٹھائیگا - اللہ تعالےٰ وعدہ خلافی نہیں کرتا ہے - اسی عقیدہ پر زندہ ہوں - اور اسی پر مرونگا اور اسی پر قبر سے انشاء اللہ تعالےٰ اُٹھوں گا اور اُن لوگوں سے ہونگا جو امن پانے والے ہیں" +

آخری خطبہ جو آپ نے پڑھا تھا (اے لوگو اللہ تعالےٰ نے تم کو دنیا اس واسطے

دی ہے کہ اُس کی وجہ سے آخرت کو طلب کرو۔ تم کو یہ نصیحت نہیں کی ہے کہ تم بالکل دنیا
کی طرف ہی مائل ہو جاؤ۔ بیشک دنیا فنا ہونے والی ہے۔ اور آخرت کو بقا ہے۔
ایسا نہ ہو کہ یہ فنا ہونے والی تم کو اپنی خوشیوں میں پھنسا کر باقی رہنے والی سے روک
لے۔ مٹ جانے والی چیزوں کو چھوڑو۔ باقی رہنے والی چیز کو اختیار کرو۔ بالتحقیق
جان لو۔ کہ دنیا منقطع ہو جائیگی۔ اور اللہ کی طرف تم کو پھر کر جانا ہے۔ اللہ سے ڈرو
اللہ سے خوف کرنا اُس کے عذاب کی سپر ہے اور نجات کا وسیلہ ہے۔ تم اللہ سے
شرم کرو اور جماعت میں شامل رہو۔ اور اللہ تعالےٰ کی نعمتوں کو یاد کرو۔ جو اُس نے
تم کو عطا کی ہیں۔ تم دشمن تھے اُس نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کی۔ اور پھر
تم سب اللہ تعالےٰ کے عطیہ نعمت سے آپس میں بھائی بھائی ہو گئے) ✤ تمام شد

محمد عبد الحی صدیقی بدایونی بن شیخ فقیہ الدین صاحب

مقام چندوسی۔ ضلع مراد آباد۔ ۱۰ نومبر سنہ ۱۹۰۰ء

اشتہار

المامون

اس کتاب کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصے میں تمہید۔ ترتیب۔ خلافت۔ ہارون رشید کی ولادت تعلیم و تربیت۔ ولیعہدی۔ تخت نشینی۔ خانہ جنگیاں۔ فتوحات ملکی اور وفات کے حالات ہیں۔ دوسرے حصے میں ان مراتب کی تفصیل ہے۔ جن سے اس عہد کے ملکی حالات اور مامون رشید کے تمام اخلاق و عادات کا اندازہ ہوسکتا ہے نیز ان کارناموں کی تفصیل ہے جن کی وجہ سے مامون رشید کا عہد عموماً شاہان عالم کے عہد سے علمی حیثیت میں ممتاز تسلیم کیا گیا ہے ۔ مرتبہ شبلی نعمانی صاحب .. .. عمر

سیرت النعمان

مولفہ شبلی نعمانی

یعنی حضرت امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کی سوانح عمری حصہ اول و دوم۔ اس کتاب کے پہلے حصے میں امام صاحب کا نام و نسب۔ ولادت۔ سن رشد۔ تعلیم و تربیت۔ شیوع حدیث۔ درس و تدریس۔ بقیہ زندگی اور دربار کے تعلقات۔ وفات۔ تمام اخلاق و عادات۔ مناظرات و فتاوے۔ ذہانت و طباعی اس قسم کے تمام حالات نہایت تفصیل سے مذکور ہیں۔ دوسرے حصے میں امام صاحب کے احوال او مسائل سے جو علم و کلام اور فن حدیث کے متعلق ہیں تفصیلی بحث ہے اور واقعات و سانید کے ساتھ ثابت کیا گیا ہے کہ فن حدیث میں آپ کا کیا پایہ تھا۔ فن فقہ پر تفصیلی ریویو ہے جس میں تدوین فقہ کے تاریخی حالات کے ساتھ وہ تمام خصوصیتیں تفصیلاً بیان کی گئی ہیں۔ جن کی وجہ سے فقہ حنفی کو اور فقہوں پر ترجیح حاصل ہے۔ خاتمہ میں امام صاحب کے نامور اور ممتاز شاگردوں کے مختصر حالات ۔ عہ

عہ

سیرۃ الفاروق رضؓ

منشی سراج الدین احمد صاحب ایڈیٹر چودھویں صدی کی تالیف کی ہوئی جناب فاروق اعظم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سوانح عمری۔ جس میں ان کے بچپن کے زمانہ سے لیکر وفات کے وقت تک کے تمام حالات مع فتوحات کے جو اُن کے زمانہ میں ہوئی ہیں۔ بڑی محنت اور تحقیق سے مرتب کر کے درج کئے گئے ہیں۔ دیباچہ میں بہت سے اہم اور عظیم الشان امور سے نہایت دلچسپ بحث کی گئی ہے۔ کسی مسلمان کو اس بے نظیر اور عدیم المثال اسلامی بزرگ ھیرو کے حالات کو شوق سے پڑھنے کے واسطے ترغیب دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ جس قدر وہ حالات دلچسپ ہیں اسی قدر اس زمانہ کے مسلمانوں کے واسطے ہادی اور رہنما اور ناصح ہیں۔ غرض اسلامی سچی شان و شوکت اور اصل جاہ و جلال اور بے نظیر شجاعت اور تہور کی تصویریں ہیں جو اس کتاب میں کھینچی گئی ہیں۔ ضخامت ۳۰۰ صفحہ سے زیادہ۔ اعلےٰ قسم کے سفید کاغذ پر بہت خوشخط تیار ہے ... ... عہ

تذکرۃ الحسین رضؓ

یعنی جناب ابو عبد اللہ سید الشہدا حسین ابن علی رضی اللہ عنہ کی سوانح عمری اور مصائب کربلا کے سچے اور صحیح صحیح واقعات۔ جو نہایت ہی درد سے لکھے گئے ہیں۔ نہایت خوشخط۔ کاغذ عمدہ ۴ر

سرگذشت بوعلی سینا

یعنی شیخ الرئیس حکیم بوعلی سینا کی زندگی کے تمام حالات مع فہرست تمام تصنیفات کے درج ہیں ... ۳ر

سوانح عمری ابوالفضل

شاہنشاہ اکبر کے مشہور وزیر اعظم اور ہندوستان کے ایک زبردست انشا پرداز یعنی ابوالفضل علامی کی سوانح عمری مع تصویر مصنفہ خواجہ غلام ثقلین صاحب - قیمت ۲ر

حیات نورجہاں

کون شخص ہے جو نورجہاں کے پیارے نام سے واقف نہیں اور اس کے تذکرے سننا نہ چاہتا ہو۔ اس میں نورجہاں کی سوانح عمری ہے گویا پیدائش سے اخیر تک کے تمام حالات مع تصویر کے درج ہیں۔ اس کے مصنف جناب نواب عماد نواز جنگ صاحب بہادر ہیں۔ قیمت ۲ر

حیات فردوسی

یعنی حکیم ابوالقاسم فردوسی کی سوانح عمری۔ اس کی شاعری کے حالات اور نامی شعراء سے مقابلہ جسکو مرزا حیرت دہلوی نے بڑی تحقیقات اور محنت سے تصنیف کیا ہے قابل دید - قیمت ۸ر

فردوسی اور اس کا شاہنامہ

اس کتاب میں فردوسی اور اس کے شاہنامہ کی نسبت نہایت زبردست مضمون کے علاوہ فردوسی کی سچی اور بے لوث سوانح عمری ہے - قیمت ۴ر

یادگار غالب مع تصویر فوٹو

ملک الشعراء میرزا اسد اللہ خان غالب المعروف بہ نوشہ المخاطب بہ نجم الدولہ دبیر الملک اسد اللہ خاں غالب بہادر نظام جنگ دہلوی کی زندگی کے حالات اور ان کی اقسام نظم - اشعار اردو - فارسی کا انتخاب اور ہر ایک قسم پر جداگانہ ریمارکس - مرتبہ خواجہ حالی قیمت .. عا

سوانح عمری راجہ رام موہن رائے

پیشوائے تہذیب بانئ برہمو سماج - اس نامور بزرگ خدا پرست محب الوطن - فاضل فلسفی - زبان داں - مدبر کی زندگی کے دلچسپ اور تعلیم دینے والے حالات ایسے نہیں کہ جن کے مطالعہ سے ہر شخص اپنی اپنی سمجھ کے مطابق فائدہ نہ اٹھا سکے اور چھوڑنے سے قائل نہ ہو جائے کہ واقعی راجہ رام موہن رائے کیسے تھے - مع عکسی تصویر - قیمت ۲ر

ایک شرابی کی سچی سرگذشت

اس کتاب کی تعریف اس کے نام سے ظاہر ہے ایک مشہور شرابی کے اپنے قلم کی لکھی ہوئی سوانح عمری جس میں وہ اپنے زمانہ بھر کے شراب کی بدولت تکلیفات کا خاکہ کھینچکر توبہ کرتا ہے - قیمت ۴ر

ذکر ممدوح

حضرت ملکہ معظمہ وکٹوریہ قیصرہ ہند کی صحیح صحیح معتبر اور قابل دید سوانح عمری - قیمت ۸ر